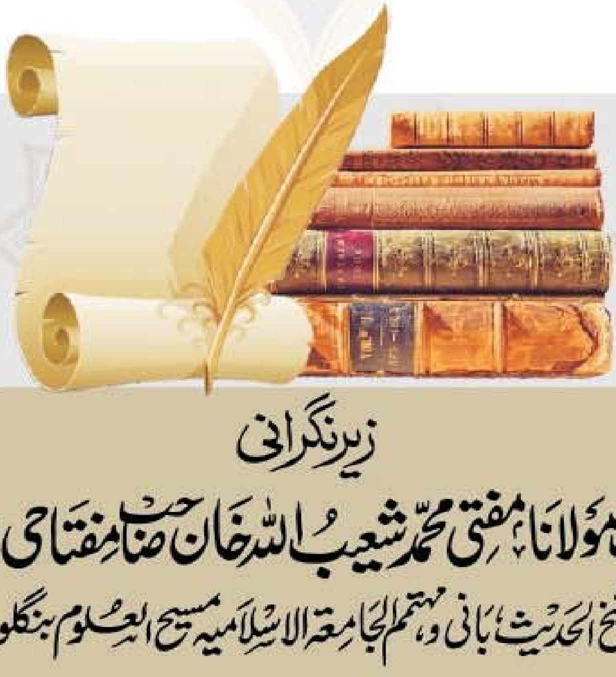
مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (الحدیث)

مروّجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ



زیرِ نگرانی

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث، بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

مؤلف: محمد یاسین خان قاسمی

استاذ حدیث وفقہ الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

مروّجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ

نام کتاب	: مروّجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ
زیرِ نگرانی	: حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم شیخ الحدیث بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم بنگلور
مؤلف	: محمد یاسین خان قاسمی استاذ حدیث وفقہ الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم بنگلور
صفحات	: ۵۳۶
تاریخ طباعت	: اکتوبر ۲۰۱۸ء مطابق صفر المظفر ۱۴۴۰ھ
ناشر	: مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور
موبائل نمبر	: 9036701512 / 9036708149 / 9634830797
ای میل	: maktabahmaseehulummat@gmail.com

مروّجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ

زیرِ نگرانی

حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث، بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

مؤلف

محمد یاسین خان قاسمی

استاذ حدیث وفقہ الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرس

مقدمة العلم

فصل اول

فصلِ دوم

فصلِ سوم

فصلِ چهارم

چند قدیم وجدید
مشہور موضوع روایات مع تحقیق

مختلف جماعتوں میں پھیلی ہوئی موضوع روایات کی نشان دہی

الأجزاء الحديثية

جزء في تحقيق الحديث

''حَسَنَاتُ عُمَرَ كَحَسَنَةِ أَبِيْ بَكْرٍ''

جزء في تحقيق الأحاديث المتعلقة بالهائلة الواقعة يوم الجمعة من نصف رمضان

جزء في تحقيق قصة الإنسان العاقّ لأمه في عهد النبي عليه الصلاة والسلام

جزء في تحقيق أحاديث

"الفكرة في الدين أفضل من عبادة ستين سنة و نحوها"

سیرت کے ایک واقعے کی تحقیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم ، أَمَّابَعْد:

نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس جس طرح تمام دنیا کے لیے مینارۂ رشد وہدایت ہے اور آپ ﷺ کا وجودِ مسعود پوری کائنات کے لیے جس طرح سراپا رحمت ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی مبارک حدیث وسنت اور آپ ﷺ کا مقدس ومعظم اسوۂ حسنہ اُمت کے لیے مشعلِ صلاح وفلاح ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات کی پیروی، باعثِ سعادت اور آپ ﷺ کے احکامات کی اطاعت کلیدِ جنت ہے؛ لہٰذا جو عظمت وتقدس اور جو ادب واحترام مقامِ نبوت کا ہے؛ وہی کلامِ نبوت کا بھی ہے۔ تعلیم وتعلم اور بیان وسماعت کے موقع پر حدیثِ رسالت کے ساتھ تعظیم وتکریم کا عملی اظہار ایسا ضروری ہے، جیسا کہ ذاتِ رسالت کے حضور حضرات صحابہ عظام پر ضروری تھا، جس کا نمونہ سلفِ صالحین اور محدثین کرام نے پیش کیا ہے۔ چناں چہ ہم اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ وایمان اور فیصلہ واعلان ہے:

’’حُرْمَةُ النَّبِيِّ ﷺ ميتًا كَحُرْمَتِهِ حيًّا ، و كَلامُهُ الْمَأْثُوْرُ بَعْدَ مَوتِهِ فِي الرِّفْعَةِ مثْلُ كَلامِهِ الْمَسْمُوعِ مِنْ لَفْظِهِ ، فَإِذَا قُرِئَ كَلامُه وجَبَ علٰى كُلِّ حَاضِرٍ أنْ لا يَرْفَعَ صَوتَه عَلَيهِ ولا يُعْرِضَ عنه ، كَمَا كَان يَلْزَمَه ذٰلک فِي مَجْلِسه عنْدَ تَلَفُّظِه بِه ، و قَد نَبَّهَ اللّٰهُ تعالٰى علٰى دَوَامِ الْحُرْمَةِ الْمَذْكُورَةِ علٰى مُرُوْرِ الأزْمِنَةِ بِقَولِه تَعالٰى: ﴿ وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا ﴾[الأعراف: ۲۰۴] . و كَلامُ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ ، ولَه مِنَ الْحُرْمَةِ مِثْلُ ما لِلْقُرْآن اِلَّا مَعانيَ مُسْتَثْناة ، بَيانُها في

كُتُبِ الْفِقْه.“

(أحكام القرآن لابن العربي:٤/١٤٦؛ التفسير للقرطبي:١٩/٣٦١، أحكام القرآن للتهانوي و العثماني: ٤/٢٥٠)

مجتہدِ امت:امام مالک بن انس رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

”مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ عِنْدَ حَدِيْثِهِ ﷺ ، فَكَأَنَّمَا رَفَعَ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.“

(فتح الباقي بشرح ألفية العراقي:٢/١٠٠)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر، یا تڑخ کر بات کرتے ہو، حضور کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو؛ تو نرم آواز سے تعظیم واحترام کے لہجے میں، ادب وشائستگی کے ساتھ۔ دیکھو! ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے؛ لائق شاگرد، استاذ سے؛ مخلص مرید، پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے؟ پیغمبر کا مرتبہ تو اِن سب سے بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہیے، مبادا بے ادبی ہو جائے؛ تو حضور کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانا کہاں ہے!۔ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔

تنبیه: حضور ﷺ کی وفات کے بعد، حضور ﷺ کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہ ہی ادب چاہیے اور جو قبر شریف کے پاس حاضر ہو؛ وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔“

(فوائد بر ترجمہ شیخ الہند/الحجرات/ حاشیہ:۸)

حدیثِ رسول کی اسی عظمت ورفعت کے پیشِ نظر، حضراتِ محدثین نے حدیث سنانے اور حدیث سننے والے اہلِ ایمان کے لیے مستقل آداب تحریر فرمائے ہیں۔ یہ اسی لیے تا کہ حیاتِ نبوی میں احادیثِ نبویہ کی جو عظمت وشوکت رہی، وہ وفاتِ نبوی کے بعد بھی تا قیامِ قیامت قائم ودائم رہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ حدیثِ پاک، درحقیقت حبیبِ پاک ﷺ کا خوب صورت آ بگینہ ہے؛ اور عقیدے وعمل کے متعدد احکامات میں احادیثِ مبارکہ، ذات مبارکہ کے ہم درجہ ہیں؛ تو یہ استخراج بالکل صحیح ہے کہ جس طرح ذاتِ رسالت ﷺ کی زیارت، صحبت، رفاقت؛ نعمتِ کبریٰ اور سعادتِ عظمیٰ ہے، اِسی طرح حدیثِ رسالت کی طلب وروایت اور حفاظت وخدمت بیش قیمت دولت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف گوشوں اور پہلوؤں سے حضراتِ علمائے دین، حدیثِ پاک کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیتے چلے آرہے ہیں۔

ان ہی متنوع خدمات میں سے ایک اہم، واجب اور نازک خدمت: ''حفاظتِ احادیث'' ہے، چناں چہ نبیٔ اکرم ﷺ کی صحیح وثابت احادیثِ مبارکہ کے گلستان کی نگہبانی وپاسبانی کرنا اور اس محفوظ وپاک چمن کو ہر قسم کے خار وخاشاک سے پاک وصاف رکھنا، یہ نہیں کہ صرف مستحب ہے؛ بل کہ واجب ہے۔ یہ نہیں کہ کسی کسی پر واجب ہے؛ بل کہ بلا استثناء سبھی پر واجب ہے۔ یہ نہیں کہ صرف کسی مخصوص باب میں واجب ہے؛ بل کہ ہر باب میں واجب ہے؛ کیوں کہ اِس کا رشتہ شریعت سے، شارحِ شریعت سے اور شارعِ شریعت سے مربوط ہے۔

حفاظت وصحتِ روایات کے اِسی واجبی حق کی بنا پر--- تاریخ اسلامی یہ شہادت پیش کرتی ہے کہ--- نبیٔ اکرم ﷺ کے وارثین: حضراتِ محدثین نے تحفظِ حدیث کے باب میں کسی قسم کی رو رعایت نہیں برتی؛ بصارت والے نگاہِ بصیرت وعبرت سے ذرا یہ دیکھیں:

(الف) امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کے والد عبد اللہ بن جعفر بن نجیح محدث ہیں؛ مگر جمہورِ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ ابن المدینی رحمہ اللہ اپنے والد کے حوالے سے حدیثیں نہیں سناتے تھے اور کج فہم لوگ ابن المدینی کو غلط سلط کہتے تھے۔ ''وَكَانَ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ : عَلِيٌّ يَعُقُّ أَبَاهُ ، لَايُحَدِّثُ عَنْهُ۔'' (کہتے تھے کہ علی اپنے باپ کا بڑا ہی نافرمان ہے، جو اپنے ہی باپ سے حدیثیں بیان نہیں کرتا)۔ ایک دن حدیث کے تعلق سے والد کی ثقاہت وضعف کی بابت پوچھا گیا، آپ نے کہا: بھائی! دوسروں سے معلوم کرلو؛ لیکن پوچھنے والوں نے اصرار کیا کہ نہیں ہم آپ ہی سے معلوم کرنے آئے ہیں۔ سائلین کے اصرار پر امام علی ابن المدینی رحمہ اللہ تھوڑی دیر نیچے سر جھکا لیتے ہیں، پھر سر اُٹھا کر کہتے ہیں: ''هٰذَا هُوَ الدِّيْنُ ، أَبِيْ ضَعِيْفٌ'' (یہ دین کا مسئلہ ہے؛ اس لیے صاف کہے دیتا ہوں کہ میرے والد ضعیف ہیں۔) (المجروحين لابن حبان: ۱/ ۵۰۷؛ تهذيب الكمال: ۱۴/ ۳۸۲)

(ب) حضرت زید بن ابی اُنیسہ رحمہ اللہ ثقہ اور جلیل القدر محدث ہیں؛ مگر ان کا سگا بھائی: یحییٰ بن

ابی اُنیسہ نہایت ہی کمزور راوی ہے۔حضرت امام زید اپنے اِس بھائی کے متعلق بلا جھجک صاف کہتے ہیں:

''لا تَكْتُب عَن أخِي يَحْيٰى فَإنَّه كَذَّابٌ''

(میرے بھائی: یحیٰ سے حدیثیں مت لکھو؛ کیوں کہ وہ کذاب ہے۔)

(تھذیب الکمال:۲۲۳/۳۱)

(ج) محمد بن سلیمان بن الحارث باغَندی ایک محدث گزرے ہیں، جو اپنے بیٹے: ابوذر احمد بن محمد کے متعلق فرماتے ہیں: ''اِبْنِيْ كَذَّابٌ'' (میرا بیٹا کذاب ہے)۔ (لسان المیزان:۱۷٤/۷)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سببِ تحریر: احادیثِ نبویہ کے محفوظ ومقدس ذخیرے کو منکر ومتروک اور بے اصل وموضوع آثار کے سایہ سے بھی محفوظ رکھنا، جس قدر زمانۂ ماضی میں ضروری رہا، اسی قدر دورِ حاضر میں بھی ضروری ہے؛ کیوں کہ پہلے کی طرح آج بھی بے اصل وغیر ثابت احادیث، موضوع وباطل روایات خوب شائع وذائع ہیں۔ اِن میں سے کچھ تو قدیم زمانے ہی کی پیداوار ہیں، جن کے من گھڑت ہونے پر محققین کی تحقیقات ثبت ہیں--- مگر افسوس کہ بعض لوگوں کی نقل کے باعث یہ موضوع روایاتِ قدیمہ آج بھی زندہ؛ بل کہ تابندہ ہیں---۔ کچھ روایت قریب اور موجودہ زمانے کی پیداوار ہیں، جن کو بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے جنم دیا ہے۔ اِن روایات کی تحقیق کرنا اور موضوع روایات سے پردہ اُٹھانا وقت کی اہم ضرورت اور علمائے وقت کا دینی فریضہ ہے۔

یوں تو عربی زبان میں اِس موضوع پر کافی کتابیں ہیں؛ مگر ان میں بھی جن روایات پر کلام وکام ہوا ہے، وہ دسویں صدی سے قبل کی بے اصل روایات ہیں، اُس کے بعد سے حدیث کے نام پر جو اختراعات وایجادات کی گئی ہیں اور آج بھی جو کی جارہی ہیں، اُن پر مستقل ومنصوبہ بند کام خاطر خواہ نہیں ہوا، بعض تحریرات میں کہیں کہیں ہوا ہے؛ مگر ابھی بھی یہ موضوع بہت حد تک تشنہ کام اور مزید کا متقاضی ہے۔

عربی زبان کے علاوہ اردو زبان میں، جو کہ برِ صغیر کی وسیع زبان ہے، اُس میں تو کچھ بھی کام نہیں ہوا، حدیث کی بعض شروحات میں، فتاوی کے بعض سوالات وجوابات میں کہیں کہیں ڈھونڈنے سے خال خال نظر آتا ہے، اس سے ہٹ کر مستقل کام نہیں ہوا۔ ہاں البتہ ابھی کچھ ہی سالوں اور مہینوں سے اس طرف بھی توجہ دی جارہی ہے اور اس خدمت کے متعلق تحریرات منظرِ عام پر نظر آرہی ہیں۔

بہ ہر صورت یہ صورت حال، وہ بنیادی عاملہ ہے، جس نے اس موضوع کے حوالے سے اِس عاجز وناچیز کو قلم اُٹھانے پر مجبور کردیا اور یہ راقم السطور ماہنامہ ''تکبیر مسلسل'' میں ۱۴۳۲ھ سے ایک تحریر ''**موضوع روایات**'' کے عنوان سے پیش کرنے لگا اور یہ مبارک سلسلہ آج تک برابر جاری وساری ہے۔

مقصدِ تحریر: اِس تحریر کا مقصدِ وحید: شریعت کے مصدرِ ثانی ''حدیثِ نبوی'' کو بے اصل اور موضوع روایات کی ناپاک آلائش سے پاک ومحفوظ رکھنا، الصادق الامین ﷺ کی جناب میں نقل روایات کی بے احتیاطی پر قدغن لگانا، اِس عملِ سوء کی وعیدِ شدید کا مصداق بننے سے اہلِ احساس کو دور رکھنا، موضوع روایات کے مضرات ونقصانات سے بچانا ہے، نیز خدمتِ حدیث کے وسیلے سے دارین کی سعادت حاصل کرنا ہے۔اس کے علاوہ اِس تحریر کا مقصد نہ تو ذخیرۂ کتب میں ایک کتاب کا اضافہ کرنا ہے، نہ ہی اپنے شوق ورغبت کی نقش نگاری ہے، نیز نہ ہی کسی جماعت وشخصیت کی خورد گیری ہے اور نہ ہی ''اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِيْ اِلَّا بِاللّٰہ'' کے سوا کچھ اور ہے۔

طرزِ تحریر: پہلے تو ایک مفصل ''مقدمۃ العلم'' قائم کیا گیا ہے، جس میں چند خاص اور اہم مباحث پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے اور بعض ایسی جواب طلب باتوں کا جواب اور حل طلب شبہات کا حل بھی پیش کیا گیا ہے، جس کا جاننا و سمجھنا آج بہت ہی زیادہ ضروری ولازمی ہے۔ بعد ازاں احادیث کی تحقیق پیش کی گئی، جس میں تحقیق طلب حدیث پہلے ذکر کی گئی ہے۔جو روایت مشہور اور زبان زد ہے، وہ چوں کہ حوالے سے بے نیاز ہے؛ اس لیے اس کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے اور جو روایت مشہور نہیں، اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔اُس کے بعد روایت کی تحقیق پیش کی گئی ہے اور سطورِ تحقیق میں اقوالِ محدثین اور اصولِ حدیث کی روشنی میں اُس روایت کا حکم لکھا گیا ہے اور ہر ایک بات باحوالہ و مدلل پیش کی گئی ہے۔بعض مقامات پر کلام مختصر ہے اور بعض مقامات پر کلام مفصل وطویل ہے، اختصار وطوالت کی وجہ اہلِ علم مقامِ کلام دیکھ کر ہی سمجھ جائیں گے۔ اقوال اور حوالے چوں کہ کثیر ہیں؛ اس لیے متفرق مقامات پر الگ الگ حوالے لکھنے کے بجائے بحث کے اختتام پر سارے حوالے یکجا کر دیئے گئے ہیں؛ تاکہ تحریر کے تسلسل میں قاری کو انقطاعِ کلام کی پریشانی نہ ہو؛ مگر ہر ہر حوالہ ''لف ونشر مرتب'' کے اصول پر بالترتیب رکھنے کی کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ تلاش وجستجو میں کسی قسم کی دقت ودشواری نہ ہو۔عبارت کی ترتیب وتہذیب میں جدید طرزِ کتابت کی علاماتِ ترقیم کا بھی بقدرِ امکان لحاظ رکھا گیا ہے۔

خدا کے کرم سے سعادت ملی ہے
حدیثِ نبی کی جو خدمت ملی ہے
روایت کی صورت زیارت ملی ہے
زہے رے نصیبا! کیا دولت ملی ہے

میرے خالق ورازق، میرے محسن ومنعم حقیقی ہی کا فضل واحسان ہے کہ اُس نے مجھ جیسے بے بضاعت و بے مایہ بندۂ عاجز وناچیز کو اس نازک خدمت کی سعادت سے نوازا اور مجھ کمترین خلائق کو احادیثِ نبویہ کے خادموں میں شامل فرمادیا۔اسی کریم ورحیم آقا سے دعا ہے کہ جس طرح حرف کشی کی توفیق عطا فرمائی ہے،اسی طرح اس خدمت کو قبول فرمالے۔

منعمِ حقیقی کے شکرِ حقیقی کے بعد اِس عظیم خدمت پر میں کسی کا شکر گزار اور ممنون ہوں، تو وہ ہیں میرے مشفق استاذ و مخلص مربی، محدثِ جلیل، فقیہ العصر، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم۔ آپ کی صحبت و شفقت، محبت وعنایت اور دعا و توجہات کا ثمرہ ہے کہ یہ خدمت میرے مقدر میں آئی۔ یہ تحریر درحقیقت آپ ہی کی نگرانی وسرپرستی کی رہینِ منت ہے۔اس کتاب میں موجود ہر حدیث کی تحقیق پر آپ کی نظر ہو چکی ہے اور آپ کی ہدایات واصلاحات کے بعد یہ تحریر پیش کی جاری ہے۔ بندے کی تمنا تھی کہ حضرت والا اِس کتاب پر مقدمہ تحریر فرمادیں اور بندے نے اس کا اظہار بھی حضرت کے سامنے کیا۔حضرت والا کی تدریسی و تصنیفی، تعلیمی واصلاحی، انتظامی وذاتی مصروفیات اور ہمہ جہت مشغولیات کے پیش نظر خیال ہی نہیں غالب گمان تھا کہ تین چار صفحات کی تحریر ہی زہے نصیب ہوگی، مگر بڑوں کا بڑپن اور اپنے چھوٹوں پر کرم نوازی دیکھئے کہ حضرت والا نے کئی اہم نکات کو جامع، مفید تاریخی اشارات کو شامل، ٹھوس و پختہ تنبیہات کو حاوی اور حسبِ روایت مکمل، مدلل اور مفصل طویل ایک نہایت ہی قیمتی وبیش بہا مقدمہ تحریر فرمادیا۔تقریظات اور تصدیقات کی دنیا سے واقف ہر آدمی حضرت والا کا یہ مقدمہ دیکھ کر گواہی دے گا کہ آپ نے بڑی ہی محبت اور بڑی ہی محنت سے تحریر فرما کر،اس اہم دینی ضرورت پر جس فکرمندی کا اور اس کتاب کے تئیں جس دلی خوشی اور جس سندِ اعتبار کا اظہار فرمایا ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

میری خوش نصیبی کہ محدثِ کبیر، فقیہِ عظیم، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، میرے استاذ گرامی قدر حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ نے میری اس تحریر پر نظر فرمائی اور بروز ہفتہ بتاریخ ۷/ اکتوبر بوقت صبح ۹:۳۰ بجے علماء وطلبہ کے تقریباً ۱۵۰/ افراد کے مجمع میں فرمایا کہ **"مولوی یاسین! میں نے تمھاری کتاب دیکھی، اچھی لکھی ہے، اچھی ہے۔"** حضرت کا یہ ایک جملہ دراصل اپنے طالبِ علم کی تشجیع اور دعائے خیر کی انمول سوغات ہے۔ نیز حضرت والا نے اپنی قیمتی تقریظ اور کلماتِ تصدیق نواز کر اس کتاب کے اعتبار اور وزن کو نہایت گراں قدر بنادیا۔

میں مشکور ہوں میرے مرنجان مرنج اور مشفق استاذِ مؤقر حضرت مولانا صغیر احمد شریف صاحب

دامت برکاتہم (استاذِ حدیث، جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) کا کہ آپ نے میری اس تحریر کے معتد بہ حصے پر نظر فرمائی، تعبیر کی درستگی فرمائی اور میری ہمت افزائی فرمائی۔

میں شکر گزار ہوں میرے متواضع وملن سار، صالحیت وصلاحیت کے سنگم، رفیقِ معظم حضرت مولانا مفتی فہیم الدین صاحب بجنوری دامت برکاتہم (استاذ دار العلوم دیوبند) کا کہ مولانا نے اِس کتاب کو از اول تا آخر حرف بہ حرف پڑھا اور اس ناچیز کو نہایت قیمتی مشوروں سے نوازا اور میری ادنیٰ گزارش پر آپ نے اپنی اہم مصروفیات کے باوجود حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ سے تقریظ وکلماتِ دعا حاصل کرنے میں کامل ومکمل تعاون فرمایا۔

میں شکریہ ادا کرتا ہوں عزیزم مولوی محمد مدثر سلمہ (استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) کا کہ انھوں نے کتاب کی تہذیب وترتیب، سیٹنگ وپروف ریڈنگ اور کتاب کو قابلِ طباعت بنانے کے لیے ممکنہ خدمت کے ذریعے میرا بڑا تعاون کیا۔

نیز میں ممنون ہوں، استاذِ گرامی حضرت مولانا مفتی سید رفیق احمد صاحب زید مجدہ، صدیقِ مکرم: مولانا زبیر احمد صاحب اور مشکور ہوں اُن تمام حضرات کا، جنھوں نے اِن نگارشات کو منظر عام پر لانے میں کسی طرح اعانت فرمائی ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام معاونین ومخلصین کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اخیر میں عرض ہے کہ یہ ایک علمی وتحقیقی کام ہے، جس میں کمی وقصور کا احتمال ممکن ہے؛ اس لیے تمام اہلِ علم سے، بالخصوص متخصصینِ حدیث سے گزارش ہے کہ اگر کوئی بات قابلِ اصلاح نظر آئے، تو براہِ کرم مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ اور تمام برادرانِ اسلام سے گزارش ہے کہ میرے حق میں، میرے والدین، نانا، نانی، میرے اساتذہ اور معاونین کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر اس کتاب کو تمام لوگوں کے حق میں نافع ومفید بنائے۔ آمین یا رب العالمین!!

فقط

محمد یاسین خان

خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۷/ ڈسمبر ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

محدثِ جلیل، فقیہ کبیر، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

حضرت اقدس مولانا مفتی **سعید احمد** صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ و الصَّلاۃُ و السَّلامُ علٰی رَسُولِہ الْکَرِیْم، أمَّا بعد:

حدیث وضع کرنا، یا وضع کردہ احادیث کو بیانات وغیرہ میں سنانا، یا کتابوں میں نقل کرنا؛ یہ ایک نازک وحساس مسئلہ ہے، جو ہر دور میں اہلِ تحقیق علماء کے لیے، بہت بڑا لمحہ ٔفکریہ رہا ہے، کتاب اللہ کے بعد چوں کہ دین کی دوسری بنیاد سنتِ رسول اللہ ﷺ ہی ہے؛ لہٰذا اس کی درخشاں زمین پر کسی ابرِ سیاہ کا مہیب سایہ ڈالنا، یا سفید وپاکیزہ بھیڑوں کے ساتھ کالی بھیڑوں کا گڈ مڈ ہو جانا، دینِ حنیف کی شفافیت وخالصیت کے لیے سنگین خطرہ اور چیلنج پیدا کرتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں جو تنبیہ فرمائی ہے، اس کے الفاظ سخت ہیں، چناں چہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ جو شخص بالقصد میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے: ''**من کذب علي متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار**'' [بخاری، مسلم] اور اسی لیے احادیث کی تحقیق وتنقیح، اہلِ علم کی بنیادی ذمے داری ہے، اور امت کو اِس پر فخر ہے کہ علماء نے اس ذمے داری کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا اور دین کی اس دوسری بنیاد کو ہدف بنانے والے تمام وسائل کا، بروقت تعاقب کر کے ان کو ناکارہ بنایا اور ان کے جملہ اثرات کا قلع قمع کیا۔

پھر موضوع حدیث کے مسئلے کی سنگینی، اس لیے بھی بڑھی ہوئی ہے کہ اس جرم کی دفعہ جہاں دین کے دشمنوں پر عائد ہوتی ہے، وہیں اس کی زد میں دین کے بعض مخلص خدام بھی آتے ہیں، اول الذکر گروہ چوں کہ دشمن ہے اور اسلام کو مسخ کرنا اور اس میں تحریف وتغیر کی راہیں ہموار کرنا، اس کا ہدف ہے؛ اس لیے اس نے من جملہ دیگر اَن گنت وسائل کے، وضعِ حدیث کو بھی ایک کارگر حربے کے طور پر

استعمال کرنے کی مذموم کوشش کی؛ دوسری جانب بعض مخلصین کو ان کی سادہ لوحی، غلط فہمی اور جہالت نے یہ باور کرایا کہ غرض اگر نیک ہو، تو جھوٹ میں بھی برائی نہیں، اس گروہ نے فضائل ومناقب سے متعلق من گھڑت روایات اور کہانیوں کا مجموعہ تیار کردیا، جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی "اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة" سے ظاہر ہے کہ موضوع احادیث کا بیشتر حصہ فضائل ومناقب پر مشتمل ہے؛ لیکن مذکورہ بالا دونوں گروہ کی تمام تر تگ ودو، اہلِ تحقیق علماء کی عقابی نگاہ سے کبھی بھی پردہ میں نہ رہ سکیں اور ذخیرۂ حدیث سے خس وشاک کی صفائی وقطع وبرید کا عمل ہمیشہ جاری رہا۔

اِن دو گروہوں کے علاوہ اہلِ حق میں ایک گروہ ہے، جو اِن احادیث کے گھڑنے کا ذمے دار تو قطعی نہیں ہے؛ بل کہ وہ خود بھی موضوع احادیث کے خلاف صف بستہ ہے؛ چناں چہ اس طبقے کو اگر موضوع حدیث کی تحقیق ہوجائے، تو تبری میں ادنیٰ تامل وتاخیر کا مظاہرہ نہ ہو؛ مگر وہ اپنی تقریر وتحریر میں موضوع احادیث سے استفادہ کرنے میں محتاط نہیں ہے اور ترغیب وترہیب کی روایات کو بغیر تحقیق کے قبول کرلیتا ہے؛ پھر ان اکابر کے خاص مضامین انھیں رطب ویابس روایات کے گرد گردش کرتے ہیں، اس طرح ان بزرگوں کا یہ تسامح، موضوع احادیث کی ترویج اور فروغ کا اہم وسیلہ بن جاتا ہے۔

اس میں دو رائے نہیں کہ دعوتِ دین اور تبلیغِ دین میں، وعظ ونصیحت کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح معاشرے میں پائی جانے والی خرابیوں کو دور کرنے، قوم کی بدعملی اور بے عملی کو ختم کرنے، خوابیدہ جذبات کو بیدار کرنے اور مایوسی ومردنی کی کیفیات سے دوچار ملت میں زندگی اور عمل کی روح پھونکنے اور ایک بہتر معاشرے کی تشکیل میں، وعظ ونصیحت ایک اساسی عامل ہے، عوام میں تقاریر وخطبات سے اثر پذیری کی تاریخ رہی ہے، خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری ہے: ﴿وَعِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْ أَنْفُسِهِمْ قَوْلاً بَلِيْغاً﴾ (نساء: ۶۳)؛ چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ فرماتے تھے، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کی منظر کشی کرتے ہوئے، صحابی کہتے ہیں کہ: ایسی مؤثر تقریر فرمائی کہ دل بھر آئے اور آنکھیں اشک بار ہوگئیں: "عن العرباض بن سارية: وعظنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم موعظة بليغة، وجلت منها القلوب و ذرفت منها العيون." (ترمذی)۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے، جس تاثیر کی ترجمانی کی ہے، یہ پند ونصیحت کا جوہر ہے اور صلحائے امت کے خطبات میں اس کی نظیریں خوب ہیں؛ مگر اس اثر انگیزی کا سرچشمہ، ان کی فن کاری اور پرکاری کے بجائے، ان کا سوزِ دروں اور امت کی اصلاح کے تئیں ان کا خلوص ہوتا ہے، محاورہ معروف ہے: "از دل خیزد بر دل ریزد"؛ جب کہ واعظین کا نمائشی طبقہ، اپنی نارسی کی تلافی کے لیے،

واہیات وخرافات کی پر اسرار کائنات سے مدد لیتا ہے، مجمع کی واہ واہی لوٹنا اور خلق خدا کو اپنے کمال و ہنر سے مرعوب کرنا مقصدِ اصلی جو ٹھہرا!

واعظین اور مقررین کے تسامح اور تساہل کی تاریخ قدیم ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مزاج کسی نہ کسی درجے میں، قرونِ اولیٰ ہی میں پیدا ہو گیا تھا، چناں چہ منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واعظ کے پاس سے گذر ہوا اور جب اس کی نااہلی واضح ہوئی، تو آپ نے اس کی فہمائش کی: ''عن أبي عبد الرحمن السلمي أن علي بن أبي طالب مَرَّ بِقَاصٍّ يَقُصُّ، فقال: هل علمت الناسخ والمنسوخ؟ قال: لا، قال: هلكت و أهلكت.'' (الناسخ والمنسوخ للهروي)

پھر یہاں واعظین کے مآخذ کی ایک نئی دنیا تشکیل پاتی ہے، وہ اپنی تقاریر کی تیاری و ترتیب میں کتاب و سنت پر، سلسلۂ واعظین کے مخصوص نقوش کے انتخاب کو ترجیح دیتے ہیں، وعظ و نصیحت کے ان مشمولات کی سند ہی یکسر مختلف ہوتی ہے، اس کے اکثر حصے کا انحصار سماع پر ہوتا ہے، باقی ماندہ مواد، خاص قسم کی تقریری کتابوں سے ماخوذ ہوتا ہے، اس مسالے دار مواد سے، اہلِ حرفت اپنی دوکانیں سجاتے ہیں اور جلسوں اور پروگراموں کو دل چسپ اور بارونق بناتے ہیں، غرض یہ کہ موضوع احادیث میں، نمائشی واعظوں کا بڑا حصہ ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس موضوع پر کتاب کا نام ہی ''أحاديث القصاص'' ہے، جس میں انھوں نے خاص طور پر ان احادیث سے بحث کی ہے، جو واعظین کے درمیان متداول ہیں اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ محدثین کی تنبیہ کے باوجود وہ بہ دستور رائج ہیں۔

ہمارے زمانے میں بھی ایک طبقے میں وہ قدیم مواد مقبول ہو رہا ہے اور موجودہ دور کے بعض اساطینِ امت کے مواعظ و خطبات میں بھی یہ تسامح دیکھا جا رہا ہے، ان بزرگوں کی کتابوں کی معرفت یہ چیزیں تیزی کے ساتھ فروغ پا رہی ہیں اور ان کی عالی نسبت کی وجہ سے ان کو رسوخ و استناد بھی مل رہا ہے، ایسی صورتِ حال میں اہلِ علم کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ اس جانب بلا تاخیر توجہ دیں اور اس راستے سے رائج ہونے والی بے بنیاد باتوں کی نشان دہی کریں؛ تا کہ امت بے اصل باتوں سے پرہیز کرے اور صحیح و منقح دین کو اختیار کرے۔

باعثِ مسرت ہے کہ حضرت مفتی شعیب اللہ خان صاحب نے صورتِ حال کی نزاکت کا ادراک صحیح وقت پر کیا اور اپنے جامعہ کے ایک باذوق، جواں سال، تازہ دم اور باصلاحیت مدرس: جناب مولانا یاسین خان صاحب قاسمی زید مجدہم کو اس خدمت کے لیے مامور کیا، مولانا موصوف نے وعظ و تقریر سے متعلق موجودہ دور کی سرکردہ کتابوں کا دقیق علمی جائزہ لیا اور ان میں رائج احادیث پر تحقیق و تخریج کا

جامع کام سرانجام دیا۔

مولانا موصوف نے احادیث و آثار کی چھان پھٹک کی یہ نازک خدمت بالکل علمی رنگ اور فنی انداز میں کی ہے، جس سے اُن کی سنجیدگی کا اندازہ ہوتا ہے، اپنی رائے اور قیاس و اندازوں کو مدار بنانے کے بجائے، ہر موقع پر اہلِ فن کی تحقیق کے جواہر پاروں کو بنیاد بنایا ہے اور جو بات کہی ہے، انھیں کے حوالے سے کہی ہے، اس طرح یہ کہنا بجا ہے کہ یہ کتاب مروجہ خطبات کا ایک خالص علمی جائزہ ہے۔

پھر مولانا نے مروجہ خطبات کے استدراک کے علاوہ، اس کتاب میں موضوع حدیث پر فنی پہلو سے بھی شافی بحث کی ہے اور اس کی سنگینی پر روشنی ڈالتے ہوئے، مختلف ادوار میں اس منکر کے رواج پر مفصل گفتگو کی ہے، ساتھ ہی اس کے تعاقب اور رد کی تاریخ اور اس ضمن میں اہلِ علم کی جدو جہد کو بھی بیان کیا ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب موضوع حدیث کے استدراک کے حوالے سے بھی ایک مفید کتاب ہوگئی ہے۔

پھر یہ پیشِ نظر کام، اس راہ کا نقشِ اولین نہیں ہے کہ اس کو نئی طرح کی داغ بیل ڈالنے کا مترادف سمجھا جائے اور اس کے حوالے سے کسی نئی بحث کے چھڑنے کا اندیشہ کیا جائے؛ کیوں کہ اس سے قبل اکابر امت کی معرکۃ الآراء تصانیف پر نقد و جرح، بحث و تمحیص اور علمی کتر بیونت کی قینچیاں چلائی جا چکی ہیں، امامِ غزالی رحمہ اللہ کی ''احیاء العلوم'' اس کی سب سے عمدہ مثال ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ کے حاشیے نے ''احیاء العلوم'' کے استناد و اعتبار کو مجروح کیا، یا اس کے فیض کو محدود کردیا؛ اس کے برعکس مذکورۃ الصدر کام نے، احیاء کے فیض اور افادیت کو بے پناہ وسعتوں سے ہم کنار کیا، واقعہ یہی ہے کہ اس طرح کی تحقیقی کاوشیں اور علمی تنقیدیں، کتابوں کے قد کو دراز کرتی ہیں اور ان کی شہرت کو نئی بلندیوں سے روشناس کراتی ہیں۔

لہٰذا یہ خدشہ محلِ تامل ہے کہ یہ تحریر ایک نئے تنازع کو جنم دے سکتی ہے اور اس کے ردِ عمل میں ایک حلقے سے وابستہ رجالِ کار، دوسرے حلقے کی تصانیف کو تختۂ مشق بنائیں گے اور اس سے بزرگوں کی ساکھ مجروح ہوگی اور ان کا فیض متاثر ہوگا؛ بالفرض اگر ایسا کوئی سلسلہ جاری ہوتا ہے اور وہ علمی وقار اور تحقیقی رنگ و آہنگ میں سامنے آتا ہے، تو تمام علمی حلقوں کو کشادہ طبعی سے اس کا استقبال کرنا چاہیے اور گو کہ وہ ردِ عمل کا نتیجہ ہو؛ لیکن اگر علم و تحقیق کے تقاضوں سے ہم رشتہ ہوگا، تو خیر کے ایک نئے باب کو کھولنے والا ہوگا اور اس سے ان شاء اللہ کسی کو کوئی ذاتی گزند نہیں پہنچے گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ علمی و تحقیقی کاوش، اہلِ علم کی طرف سے فرضِ کفایہ کے درجے میں ہے، جس کی ادائیگی کی توفیق، مولانا موصوف کے حق میں ازلی خوش بختی کا مظہر ہے: ''ایں سعادت بہ زورِ بازو

نیست، تانہ بخشد خدائے بخشندہ"، اگر اس عمل کو اہلِ علم کے حلقوں میں مناسب پذیرائی مل جاتی ہے، تو بعید نہیں کہ یہ علمی تحفہ، سلسلہ خطابت میں نئی تبدیلی کا علم بردار ثابت ہو؛ کیوں کہ یہ تحریر گہرے، سنجیدہ اور دور رس نتائج کے پیغام کی حامل ہے، بہ صورتِ دیگر، خدمت دین کے اس اہم بازو کی صورتِ حال سب کے سامنے ہے؛ اگر اس کے موجودہ شتر بے مہار پر کسی بھی طرح کی لگام نہ کسی جائے، تو یاد رہے کہ حدود سے تجاوز کے اس سفر میں کوئی بند گلی نہیں پڑتی۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے اور اس کے اچھے اثرات سے امت کو بہرہ ور فرمائے اور ہم سب کو اپنے دین اور اس کے علم کی خدمت کے لیے قبول فرمائے، آمین۔

[illegible]

[illegible] غفرلہ [illegible]

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

فقیہ العصر، محدثِ عظیم، شیخ الحدیث، بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

الحمدُ لله ربِّ العٰلَمِينَ و الصَّلاةُ و السَّلامُ عَلٰى سَيِّدِ الأنبِيَاءِ و المُرسَلِينَ و عَلٰى آلِه و صَحْبِه أجْمَعِينَ و عَلٰى مَنْ تَبِعَهُم بِاحْسَانٍ الٰى يَومِ الدِّيْن ، أمَّا بعدُ:

دین وشریعت کا من جانب اللہ سامانِ تحفظ

اہلِ علم حضرات سے یہ بات مخفی نہیں کہ ’’حدیثِ نبوی‘‘ دینِ اسلام کے ان بنیادی عناصر و مصادر میں سے ایک ہے، جن پر دینِ اسلام کے احکامات اور تشریعات کا دار و مدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دورِ اسلامی میں ’’حدیثِ نبوی‘‘ کی حجیت و اہمیت اور ضرورت وافادیت کو امت نے تسلیم کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب ’’حدیث وسنت‘‘ پر دین کا مدار ہے اور اسے حجت تسلیم کیا گیا ہے؛ تو اس کا رہتی دنیا تک محفوظ اور ہر قسم کے خرد برد سے سالم رہنا بھی لازم ہے؛ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ حجت ہونے کے باوجود اگر محفوظ وسالم نہ ہو، تو اس کو حجت قرار دینے کا فائدہ ہی آخر کیا ہوگا؟ لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کی طرح ’’حدیثِ نبوی‘‘ کا محفوظ رہنا بھی اس کی حجیت کا تقاضا ہے۔

یہاں تک کہ حدیث کی ’’محفوظیت‘‘ کے سلسلے میں امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے قرآنِ کریم کی اسی آیت سے استدلال کیا ہے، جس سے حضراتِ علماء عموماً قرآنِ کریم کی حفاظت کا وعدہ اخذ کرتے چلے آئے ہیں، چناں چہ ایک دفعہ امام ابن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ یہ من گھڑت احادیث کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان کے واسطے تو جَهَابِذَه (نقاد و ماہرین) زندہ ہیں، (جو اس کی سرکوبی

کرتے رہیں گے)، پھر آپ نے آیتِ کریمہ تلاوت کی: ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ﴾ (ہم ہی نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

(فتح المغيث: ١/ ٢٦٠ ، تدريب الراوي: ١/ ٢٨٢، شرح التبصرة والتذكرة: ١/ ٩٦، الموضوعات: ١/ ٤٦)

چناں چہ حدیثِ نبوی کی حفاظت کا سلسلہ من جانب اللہ جاری وقائم کیا گیا اور حدیث کو سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرنے کا ایک حیرت انگیز نظام جاری ہوا اور سیکڑوں ہی نہیں؛ بل کہ ہزاروں لوگ ہر دور میں اس خدمت پر لگتے رہے اور اس عظیم سرمایے کو محفوظ کرتے گئے۔ حفظِ حدیث کا یہ سنہری دور حضراتِ صحابہ ہی سے شروع ہو گیا اور پھر بعد کے ادوار میں مسلسل کئی صدیوں تک جاری رہا، بڑے بڑے رجالِ کار اور ائمہ پیدا ہوئے اور انھوں نے اس خدمت کو مقصدِ حیات بنالیا، اس کے لیے سفر وحضر کے تمام مواقع اپنائے اور کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، اس کے لیے مصائب وتکالیف، مشقت وشدائد کو برداشت کیا اور اس راہ میں پیش آنے والی کسی بڑی سے بڑی پریشانی ومصیبت کو اس میں حائل نہیں سمجھا؛ بل کہ سب کو راہ سے ہٹاتے چلے گئے۔

وضعِ حدیث کا فتنہ

لیکن ایک جانب اگر حدیثِ رسول کے تحفظ کا یہ سامان پیدا ہو رہا تھا، تو دوسری جانب کچھ عاقبت نااندیش ''من مانی باتوں'' کو حدیث کے نام سے لوگوں میں متعارف کرارہے تھے اور اس طرح ان جھوٹے لوگوں نے ''حدیثِ رسول'' میں ملاوٹ کا کاروبار جاری کر دیا تھا، جو ظاہر ہے کہ ''حدیثِ رسول'' کے اس عظیم سرمایے میں خلل انداز ہونے والا تھا؛ لہٰذا من جانب اللہ ''حدیثِ رسول'' کو اس خرد برد سے محفوظ اور جھوٹ کی ملاوٹ سے پاک رکھنے کے لیے، ایک دوسرا نظام سامنے لایا گیا اور وہ یہ تھا کہ ایک مستقل علم ''اصولِ حدیث'' کے نام سے جاری کیا گیا اور اس کی ایک شاخ ''علم اسماء الرجال'' یا ''علم الجرح والتعدیل'' وجود میں آئی اور اس کے ماہرین ومتخصصین کو ''منصہ شہود'' پر جلوہ گر کیا گیا؛ تاکہ من گھڑت حدیث اور سچی حدیث میں امتیاز قائم رہے اور حدیثِ نبوی خرد وبرد کے عادی پنجوں کی دست درازیوں سے محفوظ ہو اور دین کا یہ مصدر تا قیامت صحیح وسالم باقی رہے۔

سند کی چھان بین کا سلسلہ

یہ دور وہ تھا جس میں حضراتِ ائمہ کو یہ ضرورت معلوم ہوئی کہ ہر راوی حدیث سے اس کا سلسلۂ سند معلوم کیا جائے اور سند کے رجال وراویوں کے احوال کی جانچ پڑتال کی جائے، ان میں سے

صادق وکاذب کی پہچان کی جائے اور سچوں کی حدیث کولیا جائے اور جھوٹوں کی حدیث سے احتراز کیا جائے۔

محدثِ جلیل امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' کے مقدمے میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

" لم يكونوا يسألون عن الإسناد ، فلما وقعت الفتنة قالوا: سموا لنا رجالكم ، فننظر إلى أهل السنة ، فيؤخذ حديثهم ، و ينظر إلى أهل البدعة ، فلا يؤخذ حديثهم." (مقدمة مسلم)

(علماء پہلے سند کے بارے میں پوچھ پاچھ نہیں کرتے تھے؛ لیکن جب یہ فتنہ (من گھڑت حدیث کا) پیش آیا، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے سامنے تمھارے راویوں کو پیش کرو؛ تا کہ ہم ان میں سے اہلِ سنت کو دیکھ کر ان کی حدیث کو لیں اور اہلِ بدعت کو جان کر ان کی حدیث نہ لیں۔)

الغرض جب حدیثِ رسول میں ملاوٹ کا کاروبار ہونے لگا اور من گھڑت باتوں کو حدیث کے نام سے متعارف کرانے کا سلسلہ جاری ہوا، تو ''علم الاسناد'' اور ''علم اسماء الرجال'' کی ضرورت پڑی؛ تا کہ صحیح اور موضوع میں امتیاز قائم رہے۔

وضعِ حدیث کے اسباب ومحرکات

وضعِ حدیث کے اس فتنے کے پیچھے متعدد محرکات کام کر رہے تھے، مثلاً:

(۱) الحاد وزندقہ:

بعض لوگ جنھوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا؛ مگر درحقیقت اسلام سے وہ کوسوں دور تھے، انھوں نے اسلامی تعلیمات کو مخدوش کرنے اور اس کی پاکیزہ روایات کو مجروح کرنے کی غرض سے من گھڑت باتوں کو ''حدیث'' کے نام سے پھیلانا شروع کر دیا اور ان کا منشا دراصل اسلام کی صداقتوں اور حقانیتوں کو مشکوک بنا دینا اور استخفاف بالدین اور تلبیسِ باطل بالحق تھا۔ اس قسم کے لوگوں نے بہت سی احادیث گھڑ کر لوگوں میں پھیلا دی تھیں، جیسے عبدالکریم بن ابی العوجاء، محمد بن سعید المصلوب، مغیرہ بن سعید الکوفی اور حارث الکذاب، جس نے عبدالملک کے دورِ خلافت میں دعوائے نبوت کیا تھا۔

حضرت حماد بن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ان زنادقہ نے چودہ ہزار جعلی احادیث بنائی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ بارہ ہزار حدیثیں گھڑی ہیں۔

(تنزيه الشريعة: ١/ ١١؛ الموضوعات لابن الجوزي: ١/ ٣٨؛ اللآلي المصنوعة: ٢/ ٣٨٩)

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا کہ: جب ابن ابی العوجاء کو قتل کی سزا سنائی گئی، تو اس نے کہا: میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں، جن میں میں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔

(تنزيه الشريعة: ١/ ١١؛ الفوائد المجموعة : ١/ ٢٠٧؛ اللآلي المصنوعة: ٢/ ٣٨٩)

(۲) ترویجِ بدعت اور فرقہ واری تعصب:

اسلام کے اوائل ہی میں متعدد فرقے اہلِ سنت و جماعت کی روش اور نظریات سے ہٹ کر اپنے اپنے باطل مزعومات اور نظریات کی داغ بیل ڈال رہے تھے اور ان باطل و غلط نظریات و مزعومات کو عوام میں فروغ دینے اور ان کی ترویج و اشاعت اور تائید و تقویت کے لیے یا اپنے مخالف دوسرے فرقوں کی تردید و تضعیف کے لیے انھوں نے ''جعلی احادیث'' کا کاروبار شروع کر دیا۔ اس طرح بدعات و باطل مزعومات کی اشاعت و ترویج اور فرقہ وارانہ تعصب ''جعلی احادیث'' کے وجود میں آنے کا سبب و محرک بن گیا۔

معروف باطل فرقے: ''خوارج'' کے ایک ''شیخ المشائخ'' نے جب اپنی گم راہیوں اور باطل نظریات سے توبہ کی، تو اس نے خود یہ کہا کہ ''جن سے دین لیتے ہو، اس کو ذرا دیکھ پرکھ لینا'' پھر از خود یہ راز بھی فاش کرتا گیا کہ ''ہم جب کسی بات کو اپنا نظریہ بناتے، تو اس کے لیے ایک حدیث گھڑ دیا کرتے تھے۔''

(الموضوعات: ١/ ٣٩، تنزيه الشريعة: ١/ ١١، اللآلي المصنوعة: ٢/ ٣٨٩)

''مرجیہ'' فرقہ بھی اسلام کے اوائل ہی میں پیدا ہو گیا تھا، اس کے ایک بڑے علمبردار: محمد بن القاسم الطالقانی کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

(اللآلي المصنوعة: ٢/ ٣٨٩)

یہ اہلِ باطل اس جھوٹ کو گھڑنے میں کس قدر جری تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے کیجیے، جسے ابو انس الحرانی نے نقل کیا ہے کہ مختار بن عبید شیعی نے ایک شیخ سے کہا کہ میرے لیے ایک حدیث گھڑ دینا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد میں خلیفہ بنا رہا ہوں اور اس کے عوض میں یہ لو دس ہزار درہم اور سواری اور خادم اور خلعت، اس شیخ نے کہا کہ نبی کے حوالے سے تو نہیں گھڑ سکتا، اس کی ہمت تو نہیں، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کسی بھی صحابی سے کہو، تو ان کے نام سے حدیث گھڑ دیتا ہوں اور اس وجہ سے چاہو؛ تو تم اس قیمت میں سے کچھ کم کر دو۔ مختار بن عبید نے کہا کہ نہیں؛ بل کہ نبی کے نام سے گھڑو؛ کیوں کہ یہ بات زیادہ پختہ ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں! مگر عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

(الموضوعات: ١/ ٣٩، اللآلي المصنوعة: ٢/ ٣٨٩)

الغرض ایک بڑا محرک اس وضعِ حدیث کے فتنے کے پیچھے گمراہ و باطل فرقوں کی جانب سے اپنے گمراہ کن نظریات ومزعومات کی ترویج واشاعت اور ان کا اس سلسلے میں متعصبانہ رویہ تھا۔

(۳) ناموری اور شہرت کا شوق:

اس فتنے کا ایک محرک یہ تھا کہ کچھ لوگ ناموری وشہرت کی حرص میں مبتلا ہو کر یہ چاہتے تھے کہ وہ ایسی احادیث لوگوں کے سامنے پیش کریں، جو کوئی اور بیان نہ کرتا ہو اور وہ کسی کے پاس نہ ہوں؛ لہٰذا وہ اس لیے احادیث وضع کرتے تھے کہ اس سے لوگوں میں وہ مشہور ہوں گے اور نئی نئی حدیثیں بیان کرنے سے اپنی انفرادیت وامتیاز قائم ہوگا۔

اس کا ایک حیرت زا واقعہ سنتے چلیے کہ ایک بار امام احمد اور امام یحییٰ بن معین رحمہما اللہ ایک مسجد میں نماز کے لیے گئے، وہاں بعد نماز ایک شخص احادیث بیان کرنے لگا اور اپنی سند بیان کرتے ہوئے یہ کہتا تھا کہ "حدثني أحمد بن حنبل و يحيى بن معين (مجھ سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے بیان کیا) یہ سن کر یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ کیا آپ نے یہ بیان کیا ہے؟ مطلب یہ کہ یہ حدیثیں ان دونوں کو معلوم ہی نہیں تھیں اور وہ ان ہی کے حوالے وسند سے ان کو بیان کر رہا تھا۔ بیان کے بعد ان حضرات نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ یہ حدیثیں تم نے کس سے سنی ہیں؟ کہا کہ: احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے سنی ہیں۔ ان حضرات نے کہا کہ احمد اور یحییٰ تو ہم ہی ہیں اور ہم تو ان حدیثوں کو جانتے بھی نہیں تو روایت کہاں کرتے؟ کہنے لگا کہ: میں نے سنا تھا کہ احمد اور یحییٰ نام کے لوگ بے وقوف ہوتے ہیں، آج اس کی تصدیق ہوگئی، پھر کہنے لگا کہ: ارے! میں نے تو سترہ احمد اور سترہ یحییٰ سے حدیثیں سنی ہیں، کیا تم ہی ایک دنیا میں احمد اور یحییٰ ہو؟ یہ کہہ کر ان حضرات کا مذاق اڑاتے ہوئے چلا گیا۔

(الموضوعات لابن الجوزي: ١/٤٦، اللآلي المصنوعة: ٢/٢٩١، الأسرار المرفوعة: ١/٥٣-٥٥، تنزيه الشريعة: ١/١٤)

یہ لطیفہ بھی سنتے چلیے کہ امام ابو حاتم البستی رحمہ اللہ، جو ائمہ حدیث میں سے بلند مقام کے آدمی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار حرام اور رقہ کے درمیان ایک شہر "باجزوان" گیا، تو نماز کے لیے وہاں کی جامع مسجد حاضر ہوا، نماز سے فراغت کے بعد دیکھا کہ ایک نوجوان ہمارے سامنے کھڑے ہو کر بیان کر رہا ہے، اس نے کہا:

" حدثنا أبو خليفة ، حدثنا الوليد ، حدثنا شعبة عن قتادة عن أنس قال:
قال رسول اللّٰه ﷺ : "من قضى لمسلم حاجة فعل اللّٰه به كذا و كذا "

امام ابوحاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے فارغ ہونے کے بعد اس کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تو نے ابوخلیفہ کو دیکھا ہے، جن سے تو روایت کر رہا ہے، تو وہ کہنے لگا کہ نہیں، ابوحاتم کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر تو کس طرح ان سے روایت کرسکتا ہے؟ کہا کہ: مجھے دراصل ایک ہی ایک سند حفظ ہے، لہذا جو بھی حدیث کہیں سے سنتا ہوں، تو وہی سند اس کے ساتھ لگا دیتا ہوں۔

(الموضوعات : ۴۷ ،تحذير الخواص عن أكاذيب القصاص للسيوطي: ۱۵۱)

اس قسم کے لوگوں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگوں میں اپنا نام پیدا کریں اور یہ جتائیں کہ ہم ان جیسے اکابر سے روایت کرنے والے ہیں؛ تاکہ لوگوں میں عزت وشہرت حاصل ہو۔

(۴) مال ودولت کی حرص:

کچھ لوگ وہ بھی تھے، جنھوں نے مال ودولت کی حرص ومحبت میں امراء کے موافقِ مزاج احادیث گھڑ کر مال کمانے کی کوشش کی ہے اور حطام دنیا جمع کرتے رہے اور اسی سے اپنا دنیوی کاروبار جاری رکھا۔

تاریخ نے ایسے متعدد واقعات کو ریکارڈ کیا ہے، یہاں ایک کا ذکر کرتا ہوں، وہ یہ کہ: غیاث بن ابراہیم نامی ایک شخص حدیث دانی کا مدعی تھا اور لوگوں میں حدیثیں بیان کیا کرتا تھا، وہ ایک بار امیر المؤمنین مہدی کے پاس گیا اور مہدی کو کبوتر بازی کا بڑا شوق تھا اور اس وقت اس کے سامنے کبوتر تھے، مہدی نے غیاث سے کہا کہ امیر المؤمنین کو کوئی حدیث سناؤں۔ یہ سن کر غیاث بن ابراہیم نے علی الفور ایک حدیثِ رسول میں ایک لفظ گھڑ کر اضافہ کرکے پیش کر دیا اور وہ یہ تھی:

" حدثنا فلان عن فلان : أن النبي ﷺ قال: لا سبق إلا في خف أو حافر أو نصل أو جناح."

(بازی لڑانا جائز نہیں ہے؛ مگر اونٹ دوڑ اور گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی اور پرندے بازی میں۔)

اصل حدیث میں "جناح" (پرندہ بازی) کا لفظ نہیں تھا، اس نے اپنی جانب سے اسے بڑھا کر مہدی کو خوش کرنا چاہا؛ لہٰذا مہدی نے اس کو دس ہزار درہم انعام دینے کا حکم دیا اور جب وہ اٹھ کر چلنے لگا تو مہدی نے کہا کہ تیری گردن تو اللہ کے رسول پر جھوٹ کا بوجھ اٹھانے والی گردن ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے "جناح" کا لفظ ہماری قربت حاصل کرنے کے لیے گھڑ کر بیان کیا ہے، پھر اس نے

کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔

(الموضوعات لابن الجوزي: ٧٨/٣ ،تنزيه الشريعة : ١٥/١، اللآلي المصنوعة: ١٩٧/٢، المنار المنيف: ١٠٧)

اِس واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سلاطین و بادشاہوں کا قرب پانے اور اُن سے اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے، یہ لوگ کس طرح سے حدیثِ رسول کا کھلواڑ کرتے تھے اور اُس میں وضع و کذب کو داخل کرتے تھے؟!

(۵) ہر اچھے کلام کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کا شوق:

ایک جماعت ایسی بھی پائی گئی، جس کی یہ خواہش ہوتی کہ ہر اچھی بات کو حدیث بنادیا جائے اور یہ لوگ مختلف لوگوں کے اچھے کلام کو اپنی جانب سے سند لگا کر حدیث کا عنوان دیدیتے اور لوگوں میں پھیلا دیتے۔

ایسے ہی لوگوں میں سے ایک صاحب محمد بن سعید تھے، جن کا کہنا تھا کہ اگر کوئی عمدہ کلام ہے؛ تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس کے لیے ایک سند گھڑ دی جائے۔

(الموضوعات: ٤٢/١، شرح التبصرة و التذكرة: ٩٧/١)

ان میں سے بعض لوگ خود اچھی اچھی باتیں گھڑتے اور رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے اور بعض وہ تھے، جو حکماء وعلماء کے کلام میں سے مضمون لیتے اور سند گھڑ کر حدیث کا نام دے دیتے اور بعض لوگ وہ تھے، جو اسرائیلی روایات کو حدیث بنادیا کرتے تھے۔

(شرح التبصرة و التذكرة: ٩٧/١)

(٦) ترغیب وترہیب اور لوگوں کی بے جا دینی فکر:

ایک بڑا سبب اور محرک اِس فتنے کے پیچھے یہ تھا کہ زہد وتصوف کی جانب منسوب کچھ لوگ اپنی جہالت اور دین سے ناواقفیت کی وجہ سے اس لیے حدیثیں گھڑتے تھے کہ وہ لوگوں کو دین کی جانب راغب کریں اور برائی سے بچائیں؛ لہٰذا وہ ترغیب وترہیب کی احادیث گھڑتے تھے اور لوگوں میں پھیلا دیا کرتے تھے؛ تاکہ لوگوں کو نیکی اور عبادت اور خوبی و بھلائی پر ابھاریں اور شر اور برائی سے دور ونفور کریں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان جاہل صوفیا اور زاہدین وعابدین اور واعظین وخطبائے زمانہ کا اس میں بڑا رول رہا ہے؛ اسی لیے علامہ مناوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حدیث گھڑنے والوں میں سے سب سے زیادہ نقصان دہ قوم وہ ہے، جو زہد وعبادت کی جانب منسوب ہوتی ہے، جس نے اپنے فاسد گمان میں للّٰہیت واخلاص سے حدیثیں گھڑی ہیں، پس اُن کی من گھڑت حدیثیں اُن پر اعتماد کی وجہ سے قبولیت اختیار کر گئیں۔ (اليواقيت و الدرر: ١٣٨/١)

یہی سب کچھ دیکھنے اور پرکھنے کے بعد امامِ جرح وتعدیل حضرت یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے جھوٹ کی بلا کسی میں اتنی نہیں دیکھی، جس قدر کہ خیر وزہد کی جانب منسوب لوگوں میں دیکھی۔

(الموضوعات : ٤١/١،اللآلي المصنوعة: ٢/ ٣٩٠ ، اليواقيت والدرر: ١٣٨/١، تدريب الراوي: ٢٨٢/١، المدخل الإكليل: ١٥)

امامِ حدیث حضرت علامہ عبد الرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ نے ایک بار واضعِ حدیث: میسرہ بن عبد ربہ سے کہا کہ یہ احادیث تم کہاں سے لاتے ہو کہ یہ سورت پڑھنے کا یہ ثواب اور یہ پڑھنے کا اتنا ثواب؟ تو اس نے کہا کہ میں نے ہی ان کو بنایا ہے؛ تا کہ لوگ قرآن کی یہ سورتیں پڑھنے میں دل چسپی لیں۔

(الموضوعات: ٤٠/١)

حیرت ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں ایسے ایسے لوگوں کے نام آتے ہیں، جن کے تقوے وطہارت کی قسم کھائی جاسکتی ہے؛ مگر اپنی کم فہمی یا ناواقفیت کی وجہ سے ترغیب وترہیب کے نام سے حدیث گھڑتے تھے اور اس کو کارِ ثواب تصور کرتے تھے اور ان میں ایک جماعت ایسی تھی، جو یہ کہا کرتی تھی کہ اللہ کے نبی ﷺ پر جھوٹ باندھنا دو طرح ہوتا ہے: ایک ”**كذب على النبي**“ اور دوسرے ”**كذب للنبي**“، یعنی ایک جھوٹ وہ جو نبی کے مخالفت میں گھڑا جائے اور ایک جھوٹ وہ ہے، جو نبی کی موافقت میں گھڑا جائے، ممنوع کذب علی النبی ہے اور کذب للنبی جائز ہے؛ مگر علماء نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کہ کذب علی النبی اور کذب للنبی کا فرق بیان کر رہے ہیں؛ کیوں کہ عربی لغت سے اس کی تائید نہیں ہوتی اور پھر یہ بات اجماعِ امت کے بھی خلاف ہے۔

(فتح الباري: ٢٠٠/١، ٤٩٩/٦، عمدة القاري: ٢٦٧/٣، شرح مسلم للنووي : ٤/١)

الغرض اِن صوفیاء وزاہدین کے اس طبقے نے بھی اس فتنے کو پروان چڑھانے میں بڑا رول ادا کیا؛ بل کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان ہی لوگوں میں اس فتنے نے پرورش پائی اور قوت پکڑی ہے؛ اسی لیے ایک بہت بڑا حصہ جھوٹی احادیث کا وہ ملتا ہے، جو صوفیاء وزاہدین نے گھڑا ہے یا اُس کو روایت کیا ہے۔

ایسے ہی لوگوں میں سے ایک شخص ابو داود النخعی کے بارے میں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ عبد الجبار بن محمد سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کیسا آدمی تھا؟ تو کہا:

” كان أطول الناس قياماً بليل ، و أكثرهم صياماً بنهار ، و كان يضعُ الحديث وضعاً .“

(وہ رات بھر طویل قیام کرنے والا اور دن بھر روزہ رکھنے والا تھا اور ساتھ ساتھ خوب حدیثیں بھی گھڑتا تھا۔)(الموضوعات: ۱/۴۱، اللآلي المصنوعة: ۲/۳۹۰)

ان ہی عبادوزہاد میں سے ایک صاحب ابوعبدالرحمٰن الہیثم بن عدی الاخباری الکوفی گزرے ہیں، یہ صاحب جامع الاضداد قسم کے تھے کہ عبادت وجھوٹ دونوں کو جمع کرلیا تھا۔ان کی ایک باندی بیان کرتی ہے کہ وہ رات بھر عبادت میں مشغول رہتے اور جب صبح ہوتی تو جھوٹی روایت گھڑنے کا کام شروع کردیتے تھے۔

(سير أعلام النبلاء: ۱۰/۱۰۴ ،ميزان الاعتدال: ٤/٣٢٥، لسان الميزان: ٨/٣٦٢)

اور ابوبشر احمد بن محمد الفقیہ المروزی نامی ''شیخ الصوفیاء'' کے بارے میں لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ وہ اتباعِ سنت میں اپنے اہلِ زمانہ میں بہت سخت اور سنتِ رسول سے دفاع میں سب سے بڑھ کر اور سنت کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف تیغِ براں تھے؛ مگر بایں ہمہ خصوصیات وامتیازات ''كان يضع الحديث'' (وہ حدیث بھی گھڑتے تھے)۔

(الموضوعات: ۱/۴۱، اللآلي المصنوعة: ۲/۳۹۰)

علم اسماء الرجال کے جلیل القدر امام: ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوبدر احمد بن خالد سے سنا، وہ کہتے تھے کہ وہب بن حفص صالحین میں سے تھے، جنھوں نے بیس برس تک کسی سے بات چیت تک نہیں کی؛ مگر ان کے بارے میں ابوعروبہ کہتے ہیں کہ وہ کھلا ہوا جھوٹ کہتے تھے، یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑتے تھے۔ (الموضوعات: ۱/۴۱، اللآلي المصنوعة: ۲/۳۹۰)

فتنۂ وضع حدیث کے خلاف محدثین کے کارنامے

الغرض متعدد وجوہات کی بناپر حدیث میں وضع کا سلسلہ چل پڑا تھا؛ لیکن اللہ تعالی کو چوں کہ دین کا یہ اہم مصدر باقی رکھنا تھا، تو علمائے محدثین کا طبقہ پیدا فرمادیا، جس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ بنالیا تھا کہ وہ حدیث میں درآنے والے اس فتنے کی سرکوبی کا فریضہ انجام دے گا اور اُس کے لیے تن من دھن کی بازی لگادے گا۔ چناں چہ حضراتِ محدثین کے اِس طبقے نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور بالآخر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردکھایا، جس سے ذخیرۂ حدیث میں سے صحیح وسقیم کی معرفت آسان ہوگئی۔

ان حضرات کے کام اور مقام کے بارے میں علامہ خطیب البغدادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب:

''شرف أصحاب الحدیث'' میں بہت خوب لکھا ہے، وہ کہتے ہیں:

" فقد جَعَلَ ربُّ العالمين الطائفةَ المَنصُورَةَ حُرَّاسَ الدين ، و صَرَفَ عنها كيدَ الكائدين ، لتمسُّكِهم بالشرع المتين ، واقتفائهم آثارَ الصَّحَابة و التابعين . فشأنُهم حِفظُ الآثار ، و قَطعُ المَفَاوز والقفار ، و ركوبُ البراري والبحار في اقتباس ما شرع الرَّسول المُصطفٰی . لا يعرجون عنه إلى رأي ولا هوى . قَبِلُوا شريعتَه قولًا و فعلاً ، و حَرَسُوا سنتَه حفظاً و نقلاً ؛ حتى ثَبَّتُوا بذلك أصلَها . وكانوا أحقَّ بها و أهلها . فكَمْ من ملحدٍ يَرُومُ أن يخلطَ بالشريعة ما ليس منها ، واللّٰهُ تعالى يَذُبُّ بأهل الحديث عنها . فهم الحُفَّاظ لأركانها والقوَّامُون بأمرها وشأنها . إذا صُدِفَ عن الدفاع عنها فهم دُونَها يُناضِلُون ، ﴿ أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ، أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ."

(شرف أصحاب الحدیث: ۱/ ۳۰)

(پس اللہ تعالیٰ نے اس جماعتِ منصورہ (محدثین) کو دین کا محافظ بنایا اور اس کے ذریعے سازش کرنے والوں کی سازش کو ناکام کیا؛ اس وجہ سے کہ یہ لوگ شرعِ متین کو مضبوط تھامنے والے اور آثارِ صحابہ وتابعین کی اتباع کرنے والے ہیں۔ پس رسولِ مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کی جستجو وتلاش میں احادیث وآثار کا یاد کرنا اور اس کی خاطر جنگلات اور میدانوں کا قطع کرنا اور خشکی وسمندر کا سفر کرنا ہی ان حضرات کا کام تھا۔ وہ حضرات احادیث وآثار سے ہٹ کر کسی رائے اور خواہش کی جانب مائل نہیں ہوتے تھے۔ انھوں نے شریعت کو قولاً وعملاً اختیار کیا اور سنتِ رسول کو حفظ ونقل کر کے اس کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا؛ یہاں تک کہ اس طرح انھوں نے سنت کی اصل کو ثابت و پائیدار کر دیا اور یہی لوگ اس کے حق دار بھی تھے۔ پس کتنے ملحد ایسے تھے کہ انھوں نے شریعت میں غیر شریعت کو خلط ملط کرنا چاہا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے محدثین کے ذریعے سنت کا دفاع کیا۔ پس یہ حضرات ہی ارکانِ دین کے محافظ اور اس کے احکام کو قائم کرنے والے ہیں۔ اگر سنت کے دفاع سے کبھی اعراض کیا گیا، تو یہی لوگ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، یہ اللہ کا لشکر ہیں اور اللہ کا لشکر ہی غالب ہے۔)

بہ ہر حال اس مبارک جماعت میں بڑے مایۂ ناز علماء وائمہ پیدا ہوئے اور اللہ کے رسول کی جانب منسوب کیا جانے والا جھوٹ مضمحل وکمزور اور حق وسچ واضح ہو گیا۔

بعض محدثین کا ذکرِ خیر

اور اس بات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس فتنے کی سرکوبی کرنے والے محدثین میں سے ایک امام ابو حامد الشرقی رحمہ اللہ بھی ہیں، جن کے بارے میں امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ جب تک ابو حامد شرقی زندہ ہیں، کسی کے بس میں نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کوئی جھوٹی بات گھڑ دے۔ (الموضوعات:۱/۴۵، التقیید لمعرفة السنن و المسانید:۱/۱۶۵)

امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اہلِ بغداد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

" يا أهل بغداد ! لا تظنون أن أحداً يقدر يكذب على رسول الله ﷺ و أنا حيّ ."

(اے اہلِ بغداد! تم یہ خیال نہ کرنا کہ کوئی شخص میرے جیتے جی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے پر قدرت پائے گا۔) (الموضوعات: ۱/ ٤٥)

اور امام ابن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ یہ من گھڑت احادیث کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان کے واسطے تو جہابذہ (نقاد و ماہرین) زندہ ہیں، (جو اس کی سرکوبی کرتے رہیں گے)، پھر آپ نے آیتِ کریمہ تلاوت کی: ﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾ (ہم ہی نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

(فتح المغيث: ١/ ٢٦٠ ، تدريب الراوي: ١/ ٢٨٢، شرح التبصرة و التذكرة: ١/ ٩٦، الموضوعات: ١/ ٤٦)

حفاظتِ حدیث کے لیے بلا رو رعایت راویوں پر جرح وقدح

ان حضرات نے صحیح وسقیم احادیث کی پہچان کے لیے اصول بھی مرتب کیے اور رجال اور راویانِ حدیث کی چھان بین کا بیڑا بھی اٹھایا اور اس سلسلے میں کسی کی کوئی رو رعایت نہیں کی؛ تاکہ حدیثِ رسول کا یہ ورثہ پوری طرح محفوظ رہے اور اس میں کسی قسم کا رخنہ نہ پڑے اور راویوں کے بارے میں جو بھی حق وسچ تھا، اس کو لوگوں کے سامنے واضح کیا، کسی کا جھوٹا ہونا، کمزور ہونا، دھوکہ باز ہونا، یا جاہل و اناڑی ہونا؛ سب کو واضح کیا اور اس کو غیبت نہیں؛ بل کہ ایک امانت قرار دیا۔

امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے بعض لوگوں پر جرح کی تو کسی صوفی نے اعتراض کیا کہ آپ

لوگوں کی غیبت کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

" اسکت ! إذا لم نبین فمن أین یعرف الحق من الباطل؟"

(خاموش! اگر ہم اس کو بیان نہ کریں، تو حق و باطل میں امتیاز کیسے ہوگا؟)

(ترتیب المدارك للقاضي عیاض: ۱/ ۱۰٤، الکفایة للخطیب: ۱/ ٤٥)

امام احمد رحمہ اللہ کو کسی نے لوگوں پر جرح کرتے دیکھا؛ تو کہا کہ "یا شیخ ! لا تغتاب العلماءَ ؟" (شیخ! علماء کی غیبت نہ کیجیے)، امام احمد نے کہا کہ "ویحک ، ھذہ نصیحة ولیس بغیبة." (تیرا برا ہو! یہ نصیحت ہے، غیبت نہیں۔) (الکفایة: ۱/ ٤٥)

اور ایک موقع پر امام محمد بن بندار السباک رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ مجھے کسی کے بارے میں یہ کہنا بڑا شاق گزرتا ہے کہ فلاں ضعیف ہے، فلاں کذاب ہے، تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ "إذا سکتَّ أنتَ و سکتُّ أنا ، فمتٰی یَعرفُ الجاھلُ الصحیحَ من السقیم؟" (اگر تم بھی خاموش رہ جاؤ اور میں بھی خاموش رہ جاؤں، تو ناواقف شخص صحیح اور غلط میں امتیاز کیسے کرے گا؟) (الکفایة: ۱/ ٤٥، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزي: ۱/ ٥)

امام ابن علیہ رحمہ اللہ کے پاس ایک راوی کے بارے میں مذاکرہ ہو رہا تھا، انھوں نے اس کو ضعیف قرار دیا، تو ایک شخص نے کہا کہ کیا آپ ایک عالم کی غیبت کرتے ہیں؟ ابن علیہ نے کہا کہ: ارے جاہل! یہ غیبت نہیں ہے، ایک امانت ہے۔ (الکفایة: ۱/ ٤٣)

ایک بار امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آپ نے بہت سے اہلِ علم کا علم کیوں ترک کر دیا اور آپ اُن کی کیوں برائی کرتے ہیں؟ کاش کہ آپ اس سے رک جاتے! انھوں نے کہا کہ: مجھے ایک رات مہلت دو کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور میرے مابین میں غور کر لیتا ہوں کہ کیا میرے لیے اس کی کوئی گنجائش ہے کہ میں خاموشی اختیار کر لوں؟ جب دوسرا دن ہوا، تو وہ اپنے ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ میں نے اللہ کے لیے اس پر رات میں غور کیا، مگر مجھے اس کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوئی کہ خاموش رہ جاؤں۔ (الکفایة: ۱/ ٤٤)

ایک بار امام شعبہ رحمہ اللہ بارش کے دن تشریف لائے اور کہا کہ آج حدیث بیان کرنے کا دن نہیں ہے، آج تو غیبت کا دن ہے چلو، ہم کذابین (حدیث میں جھوٹ بولنے والوں) کی غیبت کریں۔ (الکفایة: ۱/ ٤٥)

ان اقوال سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ان حضرات نے حدیثِ رسول کی عظمت و محبت میں

کسی شخص کی رعایت نہیں کی اور ان لوگوں کی برائی کو واضح کرنا اپنے اوپر ضروری سمجھا۔

زاہدین وصوفیاء میں جھوٹی حدیث کا رواج

یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ جو لوگ غلط کار و ملحد و زندیق تھے یا باطل فرقوں کے علمبردار تھے، ان حضرات کی تنقید و جرح صرف ان ہی تک محدود نہیں تھی؛ بل کہ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، اس وضعِ حدیث کے فتنے میں وہ لوگ بھی پیش پیش رہے ہیں، جو اپنی جگہ زہد وتقوی اور خیر وصلاح میں ایک مقام رکھتے تھے اور تصوف وصوفیاء سے ان کا انتساب تھا؛ اس لیے اکابر علمائے محدثین نے ان کی بھی کوئی رو رعایت نہیں کی؛ بل کہ حدیثِ رسول کی عظمت کے پیشِ نظر ان کے صلاح وتقوی اور زہد و نیکی کے اعتراف کے باوجود ان کا اس سلسلے میں کذب وجھوٹ اور حدیث کے سلسلے میں ان کی نااہلیت کو بہ صراحت ووضاحت پیش کر دیا اور ان نیک قسم کے لوگوں میں بعض وہ بھی تھے، جنھوں نے جان بوجھ کر تو جھوٹ نہیں کہا، لیکن چوں کہ ان کا وظیفہ اور کام یہ نہیں تھا؛ اس لیے حدیث سے عدم واقفیت اور حفظ واتقان میں کمی کی وجہ سے وہ مستحق ترک ہو گئے۔

یہاں تک کہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الكفاية في علم الرواية'' میں ایک فصل اس عنوان سے قائم کی ہے: ''**باب ترك الاحتجاج بمن لم يكن من أهل الضبط والدراية وإن كان عرف بالصلاح والعبادة**'' (ان لوگوں سے حجت نہ لینے کا باب جو اہلِ ضبط ودرایت نہ ہوں، اگر چہ کہ صلاح وعبادت میں وہ مشہور ہوں) پھر اس میں متعدد اکابر کے اقوال نقل کیے ہیں۔

(الكفاية: ۱/ ۱۵۸)

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب '' **المدخل إلى الإكليل** '' میں لکھا ہے کہ مجروح راویوں کا چھٹا طبقہ وہ قوم ہے، جس پر صلاح وعبادت کا غلبہ تھا، جو حدیث کے ضبط وحفظ اور اس کو پختہ کرنے کے لیے فارغ نہ ہو سکے اور انھوں نے روایتِ حدیث کو معمولی جانا اور پھر ان کے احوال ظاہر ہو گئے ....اس طبقہ میں بڑی کثرت ہے اور ان میں بیشتر لوگ عباد وزہاد ہیں۔

(المدخل إلى الإكليل: ۶۳)

یہاں تک کہ بعض محدثین نے ایک اصول کے طور پر یہ بات طے کر دی کہ کسی کے صلاح وتقوی کی بنیاد پر حدیث میں اس سے کوئی حسن ظن نہیں رکھا جائے گا؛ بلکہ صلاح وتقوے کے باوجود اس کی اہلیت کو جانچا اور پرکھا جائے گا اور پھر اس سے حدیث قبول کی جائے گی۔

چناں چہ امام حدیث: حضرت عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ نے کہا:

"خصلتان لا يستقيم فيهما حسن الظن : الحكم و الحديث. "

(دو چیزیں ایسی ہیں، جن میں محض حسنِ ظن سے کام لینا صحیح نہیں: ایک فیصلہ، دوسرے حدیث۔)

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٣٥/٢، الضعفاء الكبير للعقيلي : ٩/١،الكفاية للخطيب: ٢٣٣، فتح المغيث: ٢٣٣/٢)

نا اہل صوفیاء سے محدثین کا ترکِ حدیث

یہاں ان ائمۂ محدثین کے چند اقوال و واقعات کا ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، جس سے یہ اندازہ کرنا آسان ہوگا کہ علمائے حق نے حدیثِ رسول کی حفاظت کی خاطر کسی کی پرواہ کیے بغیر صحیح و سقیم اور حق و باطل میں امتیاز قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔

لیجیے امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول ملاحظہ فرمایئے، آپ کے شاگرد: امام حبیب الوراق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک نے ایک بار مجھ سے فرمایا:

" أدركتُ هذا المسجدَ ، و فيه سبعون شيخاً مِمَّنْ أدركَ أصحابَ رسول الله ﷺ ، و روى عن التابعين ، فلم يُحْمَل الحديثُ إلّا عن أهله ."

(میں نے اس مسجدِ نبوی کو اس حال میں پایا کہ اس میں صحابۂ رسول سے ملاقات کرنے والے اور تابعین سے روایت کرنے والے ستر مشائخ موجود تھے؛ مگر ان میں سے صرف ان لوگوں سے حدیث لی جاتی تھی، جو اس کی اہلیت رکھنے والے تھے۔)

(الكامل لابن عدي: ١٧٧/١، إسعاف المبطأ: ٩/١، تهذيب الأسماء واللغات: ٦٠١/١، تهذيب الكمال: ١١٢/٢٧)

ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کے یہ الفاظ ہیں:

" لقد أدركتُ في هذا المسجد سبعين شيخاً كلهم خيرٌ من عطاف ، ما كتبتُ عن أحدٍ منهم ، و إنّما يُكْتَبُ العلمُ عن قوم جَرىٰ فيهم العلم ، مثل عبيد الله بن عمر ، و أشباهه ."

(میں نے اس مسجد میں ستر ایسے مشائخ پائے ہیں، جن میں سے ہر ایک عطاف نامی راوی سے بہتر تھا؛ لیکن میں نے ان میں سے کسی سے حدیث نہیں لکھی؛ کیوں کہ

علم تو ان لوگوں سے لیا اور لکھا جاتا ہے، جن میں علم جاری وساری ہوتا ہے، جیسے عبید اللہ بن عمر اور ان جیسے لوگ۔)

(تهذيب الكمال: ٢٠/ ١٤٠، ضعفاء العقيلي: ٣/ ٤٢٥)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

''امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ علم تو دین ہے، لہٰذا یہ دیکھ لو کہ کس سے تم دین حاصل کر رہے ہو؟ میں نے اس مسجد میں ستر اُن لوگوں کو پایا ہے، جو کہتے تھے کہ ''فلاں محدث نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا'' اور ان میں سے ہر ایک ایسا تھا کہ اگر اس کو بیت المال کی ذمے داری دی جاتی، تو وہ امانت دار نکلتا؛ مگر میں نے ان سے حدیث نہیں لی؛ کیوں کہ وہ اس کام کے لائق لوگ نہیں تھے۔''

(سير أعلام النبلاء: ٥/ ٣٤٤)

حضرت امام ابو الزناد رحمہ اللہ نے کہا:

" أدركت بالمدينة مائة كلهم مأمون ، لا يُؤخذ عنهم العلم ، كان يُقالُ: ليس هم من أهله ."

(میں نے مدینے میں سو ایسے حضرات کو پایا ہے، جو سب کے سب قابلِ اعتماد تھے؛ مگر ان سے علم نہیں لیا جا سکتا تھا، ان کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ حدیث کے اہل نہیں ہیں۔) (مقدمة صحيح مسلم : ٣٠، الكامل لابن عدي: ١/ ٩١)

امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے ایک عابد و زاہد بزرگ شخصیت: عباد بن کثیر رحمہ اللہ کے بارے میں کہا کہ اگر کسی مجلس میں عباد بن کثیر کا ذکر ہو؛ تو میں ان کی تعریف کرتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ ان سے حدیث نہ لو۔ (تهذيب الكمال: ١٤/ ١٤٧، تهذيب التهذيب: ٥/ ٨٨)

یہی امام ابن المبارک رحمہ اللہ ایک بڑے عابد و صالح: عبد اللہ بن محرر رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ایک مینگنی ان سے بہتر ہے۔

(مقدمة مسلم: ٩٦، شرح علل الترمذي: ١/ ٣٧٣، فتح المغيث: ٣/ ٣٥٦، الضعفاء والمتروكين: ٢/ ١٣٧)

اسی طرح امام وکیع رحمہ اللہ سے جب کسی نے ایک حدیث کے متعلق معلوم کیا، تو انھوں نے پوچھا کہ وہ حدیث کون روایت کرتا ہے؟ کہا کہ وہب بن اسماعیل روایت کرتا ہے۔ تو امام وکیع نے کہا کہ ''ذاك رجل صالح ، وللحديث رجال'' (وہ تو ایک نیک صالح شخص ہیں؛ لیکن حدیث کے

آدمی اور ہوتے ہیں۔) (المدخل إلی الإکلیل : ٦٤)

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یزید بن ابان الرقاشی الصوفی رحمہ اللہ کے بارے میں امام شعبہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں یزید بن ابان سے روایت کروں، اس سے بہتر ہے کہ میں زنا کرلوں۔ اور امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ نیک آدمی تھے؛ لیکن ان کی حدیث کی کوئی حیثیت نہیں اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ اللہ کے عابد اور رونے والے بندوں میں سے بہترین شخص تھے؛ لیکن حدیث کے فن سے غافل تھے۔ (الضعفاء والمتروکین: ۲۰۷/۳)

اور نہ صرف یہ کہ ان محدثینِ کرام نے ایسے لوگوں سے حدیث نہیں لی؛ بل کہ وہ ضرورت کے موقع پر ان پر جرح وتنقید بھی کیا کرتے تھے۔ امام الجرح والتعدیل: یحیٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے:

''إنّا لَنَطْعَنُ علی أقوام لَعلَّهُم قد حَطّوْا رِحَالَهم في الجنة من أكثر مائتي سنة.''

(ہم تو ایسے ایسے حضرات پر بھی نقد وجرح کر جاتے ہیں، جنھوں نے دوسو سال پہلے جا کر جنت میں اپنا ٹھکانا بنالیا ہے۔)

(تذکرۃ الحفاظ: ۳۵/۳، سیر أعلام النبلاء: ۹٦/۱۱، تهذیب الکمال: ٥٦٤/۳۱)

یہ چند اقوال ہیں، جن سے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ حدیث کے آدمی الگ ہوتے ہیں اور عبادت وریاضت اس کے لیے کافی نہیں؛ بل کہ ان کی عبادت وریاضت کے باوجود اس فن سے غفلت کی بنا پر ایسے لوگوں کی حدیث قابلِ قبول نہیں ہوتی اور ایسے لوگ فنِ حدیث میں مجروح مانے جاتے ہیں؛ کیوں؟ اس لیے کہ معاملہ حدیثِ رسول کا ہے، جو دین وشریعت کے اہم مصادر میں سے ایک ہے اور قرآن کے بعد اسی کا نمبر ہے؛ اس لیے اس کے تحفظ وبقاء کا سامان ضروری ہے؛ تاکہ جھوٹی احادیث کی وجہ سے اسلام میں کسی غیر اسلامی نظریے اور کسی غلط وناگوار امر کے در آنے اور اس کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی نوبت نہ آئے اور نتیجۃً ہر قسم کی تحریفات وانحرافات سے حفاظت ہو۔

حضراتِ محدثین نے ماسبق دور کی ان محدثانہ کاوشوں اور کارروائیوں کا خلاصہ متعدد کتابوں میں اپنے اپنے انداز پر جمع کر دیا ہے؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کونسی حدیث موضوع ومن گھڑت اور منکر وباطل ہے، اسی طرح ضعیف احادیث کی پہچان کے لیے بھی متعدد کتابیں معرضِ تحریر میں لائی جا چکی ہیں، ان کتابوں کو جو موضوع ومن گھڑت احادیث کے لیے خاص کی گئی ہیں، ''کتبِ موضوعات'' کہا جاتا ہے اور جو کتابیں ضعیف احادیث کو جمع کرنے کے لیے مرتب کی گئیں ان کو ''کتبِ ضعاف'' کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے دونوں قسم کی احادیث کو جمع کیا اور ان پر کلام کیا ہے ایسی کتب کا نام ''کتب علل'' ہے۔

واعظانِ زمانہ کی شکایت وحکایت

اب ذرا غور کیجیے کہ موضوع احادیث کے رواج کے خلاف علمائے محدثین کی یہ جدوجہد اور اس فتنے کی سرکوبی کے لیے یہ کاوش وکوشش، کیا ہمارے لیے سامانِ عبرت نہیں ہے اور اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ من گھڑت احادیث کا رواج امت میں ختم نہیں، تو اس قدر کم زور ہوتا کہ گمراہوں کو بھی اسے پیش کرتے ہوئے ہمت ٹوٹنے لگتی؛ مگر انتہائی حیرت ناک بھی ہے اور افسوس ناک بھی یہ صورت حال کہ ان حضرات کی اس قدر محنت وکاوش کے باوجود آج بھی بعض علماء اور بہت سے واعظانِ قوم کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی تقریر وبیان اور وعظ وخطاب میں "موضوع احادیث" کا سہارا لیتے اور اس کے ذریعے اپنی مجالس کو گرماتے ہیں اور یہ لوگ اس کے عادی ہو چکے ہیں، حالاں کہ احادیث میں کثرت کے ساتھ یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ پر جھوٹ نہ باندھو اور یہ کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور حضراتِ علماء نے بھی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ موضوع حدیث کا بیان کرنا جائز نہیں اور اس پر سخت وعید بیان کی گئی ہے۔

کذب علی النبی کی حرمت ومذمت

چناں چہ حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعدته في النار ."

(جو شخص میری جانب جھوٹی بات منسوب کرتا ہے؛ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔)

(البخاري : ۱۰۷، مسلم: ٤)

یہ حدیث غایت درجے صحیح ہے اور متعدد علمائے حدیث کے نزدیک یہ متواتر حدیث ہے، نووی رحمہ اللہ نے امام ابوبکر البزار رحمہ اللہ کے حوالے سے کہا ہے کہ یہ حدیث چالیس صحابہ سے مروی ہے۔ اور امام ابوبکر الصیرفی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو ساٹھ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ نووی کا بیان ہے کہ امام ابوالقاسم ابن مندہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو روایت کرنے والے صحابہ کا ذکر کیا ہے اور ان کے مطابق ستاسی (۸۷) صحابہ سے یہ مروی ہے اور ان راویوں میں عشرۂ مبشرہ بھی ہیں۔

(شرح مسلم للنووي : ۱/۶۸)

ایک حدیث میں فرمایا:

"من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين ."

(جو شخص میرے حوالے سے حدیث بیان کرے، اس حال میں کہ وہ اس کو جھوٹا

سمجھتا ہو؛ تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔) (مقدمة مسلم)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "النکت علی ابن الصلاح" میں اس حدیث کو پیش کر کے لکھتے ہیں:

"یہ جملہ اس شخص کے لیے وعید میں کافی ہے، جو کسی حدیث کو جھوٹا سمجھنے کے باوجود روایت کرتا ہے، پھر کیا خیال ہے اس کے بارے میں جو کہ تحقیق سے اس کا جھوٹا ہونے معلوم ہونے کے بعد بھی اس کو بیان کرتا ہے اور اس کا موضوع و من گھڑت ہونا بیان نہیں کرتا؟" (النکت علی ابن الصلاح: ۲/۸۴۰)

اس حدیث سے وضعِ حدیث کی قباحت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس حدیث نے حدیث گھڑنے والے کے لیے سخت وعید سنائی ہے اور وہ "دخولِ نار" ہے؛ بل کہ بعض علماء جیسے امام ابو محمد الجوینی رحمہ اللہ، جو امام الحرمین ابو المعالی الشافعی کے والد تھے، انھوں نے وضع حدیث کو کفر قرار دیا ہے، اگرچہ یہ مسلک جمہور کے نزدیک مسلم نہیں اور ضعیف ہے؛ تاہم اس سے وضعِ حدیث کی شناعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بیان کردہ وعید میں وہ لوگ بھی داخل ہیں، جو خود تو حدیث نہیں گھڑتے؛ لیکن اسے جان بوجھ کر روایت کرتے ہیں۔

جھوٹی حدیث کی روایت حرام ہے-علماء کی تصریحات

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"يَحرُمُ روايةُ الحديث المَوضُوع على مَنْ عَرَفَ كونَه مُوضُوعاً، أو غَلَبَ على ظَنّه وضعُه، فمَنْ روى حديثاً عَلِمَ، أو ظَنَّ وَضْعَه، ولم يُبيِّن حالَ روايتِه وضعَه، فهو داخلٌ فِيْ هذا الوعيد، مُندَرِجٌ في جُمْلَةِ الكَاذِبِيْن على رَسُولِ الله ﷺ."

(موضوع حدیث کا روایت کرنا حرام ہے، اس شخص پر جو اس کا موضوع و من گھڑت ہونا جانتا ہو، یا اس کے موضوع ہونے کا غالب گمان ہو، لہٰذا جو شخص کوئی ایسی حدیث روایت کرتا ہے، جس کا موضوع ہونا یقین سے یا غالب گمان سے جانتا ہو اور وہ روایت کرتے ہوئے اس کا موضوع ہونا بیان نہ کرے؛ تو وہ بھی اس وعید میں داخل ہے اور ان جھوٹوں میں سے ایک ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے ہیں۔) (شرح مسلم: ۱/۷۱)

اسی لیے علماء نے صاف طور پر لکھا ہے کہ حدیث روایت کرنے سے پہلے اس کی جان کاری حاصل کرنا چاہیے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں، اور یہ کہ اس کے راوی ثقہ ولائق اعتماد ہیں یا نہیں۔ ان حضرات نے بلا تحقیق حدیث بیان کرنے کی اجازت نہیں دی۔

امام مسلم رحمۃ اللہ اپنے ''مقدمہ صحیح'' میں رقمطراز ہیں:

" اعلم أن الواجب على كل أحد عرف التمييز بين صحيح الروايات و سقيمها و ثقات الناقلين لها من المتهمين : أن لا يروى منها إلا ما عرف صحة مخرجه والستارة في ناقليه وأن يتقي منها ما كان عن أهل التهم والمعاندين من أهل البدع ".

(جاننا چاہیے کہ ہر اس شخص پر جو صحیح وسقیم روایات کے مابین اور ثقہ اور متہم لوگوں کے درمیان امتیاز کرسکتا ہے، یہ واجب ہے کہ صرف وہی احادیث روایت کرے، جس کا صحیح ہونا اور اس کے روایت کرنے والے کا قابل اعتماد ہونا معلوم ہو اور ان روایات سے پرہیز کرے، جو اہلِ تہمت اور معاندینِ اہلِ بدعت سے وارد ہوئی ہیں۔)

(مقدمة صحيح مسلم: ٦)

نیز تمام علمائے حدیث نے بالاتفاق اس کی وضاحت وصراحت کی ہے کہ موضوع حدیث کی جان بوجھ کر روایت اور نقل کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ چناں چہ علامہ ابن الصلاح، علامہ ابن حجر، علامہ ابن جماعہ، علامہ ابن الملقن، علامہ سیوطی اور علامہ سخاوی رحمہم اللہ وغیرہم حضرات کہتے ہیں:

"ولا تحل روايته لأحد علم حاله في أي معنى كان ؛ إلّا مقروناً ببيان وضعه."

(موضوع حدیث کا روایت کرنا کسی ایسے شخص کے لیے جائز نہیں، جو اس کا یہ حال جانتا ہو، خواہ کسی بھی سلسلے میں ہو، مگر یہ کہ اس کے موضوع ہونے کو بیان کرے۔)

(دیکھیے: علوم الحديث لابن الصلاح: ٩٨- ٩٩، المقنع في علوم الحديث لابن الملقن: ١/٢٣٢، المنهل الروي لابن جماعة: ١/٥٣، التقييد و الإيضاح للعراقي: ١/١٣١، نزهة النظر: ٢٢، تدريب الراوي: ١/٢٧٤)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ ''**الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة**'' میں لکھتے ہیں:

"اعلم أنه قد صرح الفقهاء والمحدثون بأجمعهم في كتبهم بأنه

تحرم رواية الموضوع ، و ذكره، و نقله ، والعمل بنا أفاده مع اعتقاد ثبوته إلا مع التنبيه على أنه موضوع . و يحرم التساهل فيه ، سواء كان في الأحكام ، والقصص ، أو الترغيب والترهيب ، أو غير ذلک و يحرم التقليد في ذكره ، و نقله إلا مقروناً ببيان وضعه. “

(جاننا چاہیے کہ تمام کے تمام فقہاء اور محدثین نے اپنی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ حدیث موضوع کا روایت کرنا، اس کا ذکر کرنا اور نقل کرنا اور اس کے ثبوت کا اعتقاد کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرنا حرام ہے؛ مگر یہ کہ اس کے موضوع ہونے پر تنبیہ کرے اور اس بارے میں تساہل برتنا حرام ہے، خواہ وہ موضوع حدیث احکام کے بارے میں ہو یا قصوں کے یا ترغیب وترہیب یا کسی اور کے بارے میں ہو اور اس کے نقل و ذکر کرنے میں دوسروں کی تقلید کرنا بھی حرام ہے؛ الا یہ کہ اس کے موضوع ہونے کا بیان بھی ساتھ میں کردے۔)

(الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة: ۲۱)

معلوم ہوا کہ موضوع روایت کا بیان کرنا خواہ خود گھڑ کر کرے یا کسی سے سن کر تقلیداً کرے، ہر صورت میں گناہِ عظیم ہے اور اس پر سخت وعید: ”جہنم میں ٹھکانا بنالینے“ کی بیان کی گئی ہے اور اس کی حرمت پر تمام علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے؛ مگر کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ واعظانِ قوم نے اس حرام کے ارتکاب پر کمر باندھ لی ہے اور لوگ ان کے ظاہری زہد و اتقاء کی وجہ سے فتنے میں پڑ گئے اور ان کی عقیدت و عظمت کی وجہ سے ان جھوٹی احادیث کو قابل اعتبار سمجھ لیا، یہاں تک کہ سلف کے دور میں بھی ان کا ایسا غلبہ اور عوام الناس پر ان کا ایسا رعب و تسلط قائم ہو گیا تھا کہ اگر کوئی محدث ان کی اس جھوٹ پر متنبہ کرنا چاہتا، تو اس کے حق میں یہ خطرہ بن جاتا۔

واعظانِ قوم کا عوام پر سکہ- چند واقعات

تاریخ کے وثائق نے اس سلسلے کے حیرت ناک واقعات محفوظ کیے ہیں، مثلاً یہ واقعہ کہ امام جرح و تعدیل: یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مقام کرخ میں اسید بن زید الکوفی (جو جھوٹی حدیث بیان کرنے سے متہم تھا) کے پاس گیا، وہ اس وقت جوتے بنانے والے لوگوں کے محلے میں تھا اور منکر روایات بیان کر رہا تھا، امام یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے اس کو کہنا چاہا کہ تو کذاب ہے؛ مگر ان موچیوں

کے کھرپے سے ڈر کر کہہ نہیں سکا۔

(الضعفاء: ۱/ ۲۸،الكامل لابن عدي : ۲/ ۸۵، المجروحين: ۱/ ۱۸۱،تهذيب الكمال: ۳/ ۲۴۰، ميزان الاعتدال: ۱/ ۲۵۷، تحذير الخواص: ۱۴۸)

اور لیجیے کہ ابواحمد العکبری نے ایک بار ایک گری پڑی حدیث بیان کی، تو محدث علی بن ینال نے اس کو ٹوکا، اس پر عوام الناس نے علی بن ینال ہی کو مارنے کا ارادہ کرلیا؛ جس کی وجہ سے علی بن ینال چھپ کر رہا کرتے تھے۔

(سير أعلام النبلاء : ۱۶/ ۵۳۲ ،ميزان الاعتدال:۳/ ۱۵، لسان الميزان:۵/ ۳۴۲،تحذير الخواص: ۱۴۸)

حضرت یحییٰ بن سعید الاموی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بار حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کے پاس کوفے میں تھے، وہاں ایک واعظ نے حدیث بیان کی تو حضرت ہشام بن عروہ نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ لوگو! کیا تم اس بات سے نہیں شرماتے کہ اس جیسے درزیوں سے حدیثِ رسول سنو؟ یہ سن کر عوام الناس نے خود حضرت ہشام بن عروہ کو برا بھلا کہنا شروع کردیا۔

(تاريخ ابن معين: ۴/ ۳۵۱،الإرشاد :۱: ۳۰۱ ،تحذير الخواص: ۱۵۰)

اس کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ تاریخ نے ریکارڈ کیا ہے، وہ یہ کہ ایک بار امیر المؤمنین عبد الملک کے دربار میں شام کے بڑے بڑے لوگ جمع تھے کہ امیر المؤمنین نے پوچھا کہ اہل عراق میں سے سب سے بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم امام عامر بن شرحبیل الشعبی رحمہ اللہ سے بڑا کوئی عالم نہیں جانتے۔ بادشاہ نے ان کو خط لکھ کر بلایا، امام شعبی کہتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین سے ملاقات کے لیے اپنے علاقے سے نکلا اور تدمر کے علاقے میں اترا، اتفاق سے یہ جمعہ کا دن تھا، تو میں نماز کے لیے مسجد حاضر ہوا، تو دیکھا کہ ایک بہت لمبی ڈاڑھی والے شیخ ہیں، جن کے ارد گرد لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ان کو حدیث سنا رہے ہیں، اپنی سند سے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو صور پیدا کی ہیں اور ہر صور میں دو پھونک ماری جائے گی: ایک پھونک سے سب بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسری سے قیامت برپا ہوگی۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ میں نماز میں تھا اور اس کی یہ من گھڑت حدیث سن رہا تھا اور مجھ سے برداشت نہ ہوا، تو نماز کو مختصر کر کے میں نے اس شیخ سے کہا کہ اے شیخ! اللہ سے ڈرو اور غلط بات بیان نہ کرو؛ کیوں کہ اللہ نے تو ایک ہی صور پیدا کی ہے اور اسی میں دو دفعہ پھونک ماری جائے گی۔ اس پر وہ بوڑھا بگڑ گیا اور مجھ سے کہا کہ اے فاجر! مجھے تو یہ حدیث فلاں اور فلان نے سنائی ہے اور تو مجھ پر رد کرتا ہے، پھر اپنا جوتا اٹھا کر مجھے مارا اور وہاں بیٹھے ہوئے سارے لوگ بھی مجھے برابر مارتے رہے اور

انھوں نے مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا، جب تک کہ میں نے قسم کھا کر یہ نہیں کہا کہ اللہ نے تین صور بنائے ہیں، تب جا کر انھوں نے مجھے چھوڑا۔ کہتے ہیں کہ میں وہاں سے چلا اور دمشق داخل ہوا اور عبد الملک کے یہاں پہنچا اور سلام کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اے شعبی! کوئی ایسی بات سنائیے، جو آپ نے اپنے سفر میں عجیب دیکھی ہو۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہی قصہ اس کو سنایا تو وہ ہنستے رہے۔

(كتاب القصاص والمذكرين لابن الجوزي: ٣٠٣، تحذير الخواص: ١٥٤، الآثار المرفوعة: ٥٧)

اِن واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ عوام الناس پر ان جاہل واعظوں کا کس قدر اثر وتسلط تھا کہ بڑے بڑے علمائے حدیث وفقہ کو لوگ خاطر میں نہیں لاتے تھے اور ان جاہلوں کی وجہ سے ان حضرات کے علم کی ناقدری کے ساتھ ان کو اذیت بھی دینے لگتے تھے۔

خطباء وواعظین کو علماء کا انتباہ

اسی لیے علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے متعدد روایات اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جھوٹی بات منسوب کرنے کے بارے میں ذکر کر کے ان واعظین وخطباء کو تنبیہ کی ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

”روایاتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑنا اور وہ بات آپ کی جانب منسوب کرنا، جو آپ نے نہیں کہی ہے مطلقاً حرام اور عذاب جہنم کا مستوجب ہے، چاہے وہ حرام وحلال کے مسائل میں ہو یا ترغیب وترہیب کے سلسلے میں، یا کسی اور کے بارے میں...... پھر لکھتے ہیں کہ...... مذکورہ روایات سے ثابت ہوا کہ آپ پر جھوٹ باندھنا قولاً وفعلاً بایں طور کہ کوئی بات جو آپ نے نہیں کہی، وہ آپ کی جانب منسوب کرنا اور کوئی فعل جو آپ نے نہیں کیا، اسے آپ کی جانب منسوب کرنا اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اسی طرح بعض لوگ آپ کی جانب کوئی فضیلت اور مقام ومرتبہ منسوب کرتے ہیں، جو آیات کتاب اللہ ومعتبر احادیث سے آپ کی ذاتِ مقدسہ کے لیے ثابت نہیں ہے، یہ بھی بڑے گناہوں میں سے ہے۔ لہٰذا واعظانِ مذکورین کو چاہیے کہ وہ بیدار ہوں اور قصہ گو لوگوں اور خطباء حضرات کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں کہ ان کو چاہیے کہ ڈریں، جب کہ وہ آپ کی ذاتِ مقدسہ کی جانب بہت سے ایسے امور منسوب کرتے ہیں، جو ثابت نہیں ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس میں اجر عظیم ہے؛ کیوں کہ اس میں آپ کی ذاتِ مقدسہ کی

فضیلت اور علوِ مرتبت ثابت ہوتا ہے اور یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ فضائلِ نبویہ جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں، وہ ان جھوٹی و واہی روایات سے مستغنی ہیں اور قسم بخدا، آپ کے فضائل تو حد احاطہ واحصاء سے خارج اور آپ کے مناقب جن کی وجہ سے آپ تمام مخلوقات پر فوقیت رکھتے ہیں، وہ بے انتہاء کثیر ہیں، تو کیا حاجت پڑی ہے کہ باطل روایت سے آپ کی فضیلت ثابت کی جائے؟ بل کہ یہ تو گناہِ عظیم کا موجب اور راہِ حق سے گمراہی کا سبب ہے۔

(الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة : ٣٦)

زیرِ نظر کتاب پر اظہارِ رائے

زیرِ نظر کتاب: ''**مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ**'' میں اس کے مؤلف: **مولانا محمد یاسین خان صاحب** حفظہ اللہ نے لوگوں میں پھیلی ہوئی ''موضوع و من گھڑت احادیث'' کو اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے اور ان احادیث کو جمع کر کے ان پر علمائے محدثین کا کلام پیش کیا ہے اور بعض جگہ کسی ضرورت سے ضعیف احادیث کو بھی زیر بحث لایا ہے اور جو بھی لکھا ہے، وہ تحقیق کے ساتھ اور مستند علماء کے کلام کی روشنی میں اور با حوالہ لکھا ہے۔

اس کے مولف عزیز گرامی قدر **مولانا محمد یاسین صاحب مدظلہ** ہیں، جنھوں نے اولاً جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور میں متعدد سالوں تک عالمیت کی تعلیم بڑی محنت و مجاہدے کے ساتھ حاصل کی اور پھر دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت پائی اور پھر جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم ہی سے منسلک ہو کر اپنا دورِ تدریس جاری کیا اور اب تک کامیابی کے ساتھ اس سلسلے میں لگے ہوئے ہیں۔

موصوف صاحبِ استعداد، عملی مجاہدے کے عادی، صحیح الفکر ہونے کے ساتھ ساتھ تلاش علم کی صفت سے بھی متصف ہیں اور برابر استفادے و استفاضے کے لیے تیار رہتے ہیں؛ انھوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا ہے اور میرے نزدیک یہ ایک عمدہ علمی کاوش ہے، جس کا مقصد لوگوں میں پھیلی یا پھیلائی ہوئی موضوع احادیث پر متنبہ کرنا ہے، تا کہ لوگ اس قسم کی احادیث کے بیان کرنے اور پھیلانے سے احتراز کریں۔

یہ کتاب دراصل ''موضوع احادیث'' کے عنوان پر مولانا کی ان تحریرات کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے میری ہی سرپرستی میں ماہنامہ ''تکبیرِ مسلسل'' کے لیے ماہ بہ ماہ لکھی تھیں، جس میں قدیم کتابوں میں

درج موضوع احادیث کے ساتھ عصر حاضر کی بھی بعض کتابوں جیسے حضرت اقدس مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم کے مواعظ اور مولانا طارق جمیل صاحب کے خطابات وغیرہ میں درج احادیث پر بھی کلام کیا گیا ہے؛ تاکہ عوام الناس؛ بل کہ خواص میں بھی رائج ان کتابوں کی احادیث کے سلسلے میں علمائے محدثین کی تنبیہات سے ہم فائدہ اٹھائیں اور ان کی روایت کے سلسلے میں احتیاط برتیں۔

''لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ'' کا اصول فراموش نہ ہو

پہلے کہہ چکا ہوں کہ علماء نے موضوع احادیث کے سلسلے میں بلا رورعایت نقد وجرح کی ہے، اس کا مقصد دین کے اہم مصدر کا تحفظ ہے، ہمیں بھی اسی نقطۂ نظر سے اس کو پڑھنا چاہیے اور کسی تعصب وتنگ دلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے، رہا ان بزرگوں کا احترام؛ تو وہ اپنی جگہ باقی رہے اور ان سے استفادہ واستفاضہ بھی دیگر چیزوں میں جاری رہے۔

یہاں ہمیں امام ابن المبارک رحمہ اللہ کا یہ قول نہیں بھولنا چاہیے، جو انھوں نے ایک عابد وزاہد بزرگ شخصیت: عباد بن کثیر رحمہ اللہ کے بارے میں کہا تھا کہ اگر کسی مجلس میں عباد بن کثیر کا ذکر ہو؛ تو میں ان کی تعریف کرتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ ان سے حدیث نہ لو۔

(تهذيب الكمال: ١٤/١٤٧، تهذيب التهذيب:٥/٨٨)

اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہ بیان بھی اہلِ علم کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے ستر مشائخ اس مسجد میں پائے ہیں؛ مگر ان سے حدیث نہیں لی، حالاں کہ وہ سب کے سب نیک وصالح اور اللہ والے تھے؛ مگر یہ لوگ اہلِ ضبط واتقان میں سے نہیں تھے یا حدیث کے فن سے ناواقف تھے؛ حتی کہ اسی کے پیشِ نظر علماء نے لکھا ہے کہ فقہاء کی کتابوں سے بھی بلا تحقیق حدیث نہ لی جائے، چناں چہ علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''الأجوبة الفاضلة'' میں لکھا ہے:

" ومن ههنا نَصُّوا على أنه لا عبرةَ للأحاديث المنقولة في الكتب المبسوطة ما لم يظهر سندها أو يعلم اعتماد أرباب الحديث عليها وإن كان مصنفها فقيها جليلا يعتمد عليه في نقل الأحكام و حكم الحلال و الحرام . ألا ترى إلى صاحب "الهداية" من أجلة الحنفية والرافعي شارح "الوجيز" من أجلة الشافعية – مع كونهما ممن يشار اليه بالأنامل و يعتمد عليه الأماجد و الأماثل – ذكرا في تصانيفهما ما

لا يوجد له أثر عند خبير بالحديث يستفسر ، .... وإذا كان حال هؤلاء الأجلة هذا ، فما بالک بغيرهم من الفقهاء الذين يتساهلون في إيراد الأخبار ولا يتعمقون في سند الآثار ؟ "

(الأجوبة الفاضلة : ۲۹-۳۰)

(یہیں سے علماء نے تصریح کی ہے کہ ان احادیث کا کوئی اعتبار نہیں، جو طویل فقہی کتابوں میں نقل کی گئی ہیں، جب تک کہ ان کی سند معلوم نہ ہو یا اربابِ حدیث کا اس پر اعتماد کرنا معلوم نہ ہو، اگر چہ کہ ان کتابوں کی مصنف فقیہ جلیل ہی کیوں نہ ہو، جس پر احکام کے نقل کرنے اور حرام وحلال کے حکم لگانے میں اعتماد کیا جاتا ہو۔ کیا دیکھتے نہیں کہ حنفیہ کے جلیل القدر علماء میں سے صاحبِ "ہدایہ" اور شافعیہ کے جلیل القدر لوگوں میں سے شارحِ "وجیز" امام رافعی نے - باوجودے کہ ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی جانب انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا اور ان پر بڑے بڑے لوگ اور ان کے ہم پلہ لوگ اعتماد کرتے ہیں - اپنی تصانیف میں ایسی احادیث ذکر کی ہیں، جن کا حدیث کا علم رکھنے والے کے پاس کوئی وجود ہی نہیں ہوتا......اور جب ان جلیل القدر فقہاء کا یہ حال ہے، تو دوسرے فقہاء جو احادیث کے لانے میں تساہل برتتے ہیں اور احادیث کی سند کے سلسلے میں باریک بینی سے کام نہیں لیتے، ان کا کیا حال ہوگا؟)

اور آپ ہی نے اپنی دوسری کتاب: "**عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية**" میں ایک جگہ اولاً ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ صاحبِ "نہایہ" اور دیگر شراحِ "ہدایہ" کے حدیث کو نقل کرنے کا اعتبار نہیں؛ کیوں کہ یہ لوگ نہ تو محدثین میں سے تھے اور نہ انھوں نے حدیث کو ان محدثین کی طرف منسوب کیا، جو اس کو روایت کرنے والے ہیں؛ پھر فرمایا:

" وهذا الكلام من القاري أفاد إفادة حسنة ، وهي أن الكتب الفقهية وإن كانت معتبرة في أنفسها بحسب المسائل الفرعية وكان مصنفوها أيضا من المعتبرين والفقهاء الكاملين ، لا يعتمد على الأحاديث المنقولة فيها اعتمادا كليا ولا يجزم بورودها و ثبوتها قطعا ؛ لمجرد وقوعها فيها ، فكم من أحاديث ذكرت في الكتب المعتبرة وهي موضوعة و مختلقة ، كحديث : (لسان أهل الجنة

العربية والفارسية الدرية) و حديث:(من صلى خلف عالم تقي فكأنما صلى خلف نبي)، و حديث :(علماء أمتي كأنبياء نبي إسرائيل) إلى غير ذلك ، نعم ! إذا كان مؤلف ذلك الكتاب من المحدثين أمكن أن يعتمد على حديثه الذي ذكره فيه و كذا إذا أسند المصنف الحديث إلى كتاب من كتب الحديث أمكن أن يؤخذ به إذا كان ثقة في نقله ." (عمدة الرعاية: ١/٥٨)

(ملاعلی قاری رحمہ اللہ کے اس کلام سے ایک عمدہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے، وہ یہ کہ فقہی کتب اگر چہ کہ بذاتِ خود مسائل فرعیہ کے سلسلے میں قابلِ اعتبار ہیں اور ان کے مصنفین بھی لائقِ اعتبار لوگوں اور فقہائے کاملین میں سے ہیں، تاہم ان کی کتابوں میں نقل کردہ احادیث پر صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کتابوں میں آئی ہیں، کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کے وارد و ثابت ہونے پر قطعیت کے ساتھ یقین کیا جا سکتا ہے۔ کتنی ہی احادیث ایسی ہیں، جو فقہ کی معتبر کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں؛ حالاں کہ وہ موضوع و من گھڑت ہیں، جیسے: حدیث: (لسان أهل الجنة العربية و الفارسية الدرية)اور حدیث : (من صلى خلف عالم تقي فكأنما صلى خلف نبي)اور حدیث:(علماء أمتي كأنبياء نبي إسرائيل)وغیرہ، ہاں! اگر اس کتاب کا مصنف محدثین میں سے ہو، تو ممکن ہے کہ اس کی ذکر کردہ حدیث پر اعتماد کیا جائے، اسی طرح اگر مصنفِ کتاب نے حدیث کو کتبِ حدیث میں سے کسی کی جانب منسوب کیا ہو، تو ہو سکتا ہے کہ اس کو لیا جائے بشرطے کہ وہ نقل میں قابلِ اعتماد ہو۔)

اسی طرح آپ نے اپنی ایک اور کتاب: ”ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان “ میں بھی اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور اس کے متعدد مقامات پر اس پر کلام کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر فن کے لیے الگ لوگ ہوتے ہیں اور وہ فن ان ہی سے حاصل کیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فن کے لیے رجالِ کار بنائے ہیں اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان میں سے ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھیں، فقہاء اگر حدیث کی پہچان سے عاری ہوں؛ تو ہم ان کی احادیث کو بلا سند قبول نہیں کر سکتے، جب تک کہ محدثین سے ان کی تحقیق نہ کرلیں اور اگر محدثین فقاہت سے خالی ہوں؛

تو ہم فقہ میں ان کا کلام قبول نہیں کر سکتے۔لہٰذا اسی اصول پر ہر ایک کو قیاس کیا جائے۔

(ردع الإخوان : صفحات : ٤٩و ٥٣ و ٦١)

ہم جانتے ہیں کہ امام غزالی رحمہ اللہ کس قدر رفیع المرتبت عالم تھے اور ان سے کس قدر عظیم نفع ہوا، ان کی کتاب ''إحياء علوم الدين '' ایک نادرۂ زمان تصنیف ہے؛ مگر اس میں درج احادیث پر علمائے حدیث نے کلام کیا اور بلا تحقیق ان کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دی اور علامہ عراقی رحمہ اللہ نے جو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے استاذ ہیں، انھوں نے ان کی اس کتاب پر تعلیق لکھی اور اس میں ان کی پیش کردہ احادیث پر کلام کیا اور جو احادیث موضوع و بے اصل تھیں یا کمزور تھیں ان کی نشاندہی کی اور سارے علماء نے ان کے اس کارنامے کو سراہا اور ان کی تحقیقات پر اعتماد کیا۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب: ''إحياء العلوم '' میں موضوع احادیث کے پائے جانے پر نقد و جرح متعدد علماء نے کیا ہے، جیسے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب: ''تلبيس إبليس '' میں تحریر فرمایا ہے:

" وجاء أبو حامد الغزالي فصنف لهم كتاب الإحياء على طريقة القوم و ملأه بالأحاديث الباطلة وهو لا يعلم بطلانها ."

(ابو حامد الغزالی آئے اور انھوں نے ان صوفیاء کے لیے ایک کتاب: ''إحياء العلوم '' ان ہی کے طرز پر لکھی اور بلا جانے اس کو موضوع و باطل احادیث سے بھر دیا۔)

(تلبيس إبليس : ١٤٩/١)

امام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ نے ''طبقات الشافعیہ'' میں امام غزالی رحمہ اللہ کا ذکر بلند الفاظ میں کیا ہے اور اخیر میں مستقل ایک فصل ''إحياء العلوم '' کی بے سند احادیث کے بارے میں لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ''اس فصل میں میں نے ''احیاء العلوم'' کی ان احادیث کو جمع کیا ہے جن کی سند مجھے نہیں ملی، پھر تقریباً نو سو احادیث کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھو: الطبقات الشافعية: ٦/٢٨٧-٣٨٨)

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام غزالی رحمہ اللہ کی تنقیص و توہین مقصود ہے، بل کہ حقیقتِ حال کو واضح کرنا مقصود ہے؛ تا کہ احادیثِ نبویہ کے تحفظ میں کوئی خلل نہ پڑے۔

حرفِ اختتام

اخیر میں یہ عرض کر دوں کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ احادیثِ موضوعہ پر یہ کلام کوئی حرفِ اخیر ہے، بل کہ

علمی طور پر بحث کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہوتا، لہٰذا ممکن ہے کہ کسی خاص حدیث کے سلسلے میں کسی عالم کی کوئی اور رائے ہو، ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکثر احادیث پر یہ کلام، چوں کہ خود علمائے حدیث کے کلام سے ماخوذ و مستفاد ہے اور پھر اس پر محدثِ دار العلوم دیو بند: حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی نظر بھی ہو چکی ہے اور حضرت والا نے اس پر اپنی قیمتی تقریظ بھی لکھی ہے، اس لیے اکثر جگہ کے لحاظ سے اس میں کوئی کلام نہیں، بہ ہر حال مولانا موصوف کا یہ کام ایک عمدہ اقدام ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو شرف قبول سے نوازے اور اس کاوش کو عوام و خواص کے لیے مفید و نفع بخش بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، مطابق: ۲ دسمبر/ ۲۰۱۷ء

مُقَدِّمَةُ العِلْمِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمۃ العِلْم

التمہید

''علم حدیث''، ''اصولِ حدیث'' اور ''رجالِ حدیث'' کا کوئی گوشہ ایسا نہیں، جس کے متعلق محدثینِ اسلام نے اپنی عظیم الشان تصنیفات وتالیفات میں گراں قدر تحقیقات پیش نہ کی ہوں۔ علمِ حدیث کے ہر باب سے متعلق کافی وشافی مواد کی وافر مقدار کتبِ حدیث میں جمع ہے۔ پہلی صدی سے لے کر آج تک مختلف اعتبارات اور حیثیات سے احادیثِ نبویہ کی خوب خدمات انجام دی جارہی ہیں۔ عربی، فارسی، اُردو اور دیگر زبانوں میں الحمدللہ بہت کام ہوا اور ہورہا ہے؛ لہٰذا اس مقدمے میں تمام انواع وابواب سے متعلق نہ تو ابحاث قائم کرنا ہے اور نہ ہی یہ مناسب مقام ہے، مگر چوں کہ اِس کتاب کا موضوع علمِ حدیث کی ایک خاص قسم: ''الحدیث الموضوع'' ہے، اور وہ بھی جملہ موضوع روایات کا استیعاب واحاطہ نہیں؛ بل کہ صرف مشہور ومعروف، قدیم وجدید موضوع روایات ہیں؛ اس لیے علمِ حدیث کے تمام ابواب پر؛ بل کہ خاص اِسی نوع کے تمام مباحث پر کلام کرنے کے بہ جائے چند مخصوص؛ مگر نہایت ہی اہم وضروری امور پر کلام پیش ہے۔ اور جو بھی ہے وہ نہایت ہی لائق ذکر، قابل تدبر اور واجب العمل ہے۔

فصلِ اول

حدیثِ نبوی کی دینی حیثیت

قرآنِ کریم، دینِ الٰہی کی آخری اور مکمل کتاب ہے، جو حضرت خاتم النبیین وسید المرسلین ﷺ پر نازل کی گئی اور آپ ﷺ کو اس کا مُعلّم ومُبلّغ بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا گیا، چناں چہ آپ ﷺ نے

اس کتابِ مقدس کو اول سے آخر تک لوگوں کو سنایا، لکھوایا، یاد کرایا، بہ خوبی سمجھایا؛ اور قولی تفسیر وتشریح کے ساتھ ساتھ اس کے تمام پیغامات واحکامات پر عمل پیرا ہو کر، اِس کی عملی تصویر بھی امت کے سامنے پیش کردی؛ یہی وجہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ درحقیقت قرآنِ مجید کی قولی وعملی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ کی اِسی حیاتِ طیبہ یعنی آپ کے اقوال، اعمال اور احوال کا نام اہلِ اسلام اور علمائے دین کی اصطلاح میں ''حدیثِ نبوی'' ہے۔

اور یہ بات تو اہلِ اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ پیغاماتِ الٰہیہ کے داعی اور احکاماتِ ربانیہ کے مفسر ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحلیل وتحریم کے منصب پر فائز ہیں، امت کے تمام معاملات میں قاضی وحَکَم ہیں، آپ ﷺ کی ذات قدسی صفات ہر انسان اور ہر مومن کے لیے اسوۂ حسنہ ہے، دنیاوی خیر وصلاح اور اُخروی فوز وفلاح آپ ہی کی اطاعت سے وابستہ ہے؛ لہٰذا آپ ﷺ کی تعلیمات وروایات کا درجہ قرآنِ مجید کے بعد باقی سب سے بڑا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کا یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے، جس پر قرآنِ مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ دلالت کرتی ہیں۔ حضراتِ صحابہ، تابعین، تبعِ تابعین، ائمۂ مجتہدین، فقہا ومحدثین، سلف صالحین اور تمام مسلمانانِ دین کا یہی ایمان وعقیدہ ہے۔

حدیثِ نبوی کی حفاظت کا ربانی وعدہ

جب احادیثِ نبویہ کی یہ حقیقت وعظمت ہے، اور تا قیامِ قیامت اِن کا وجود وبقا ضروری ہے تو ضروری ہو گیا کہ قرآنِ کریم کی طرح یہ بھی محفوظ ومامون ہو جائیں۔ بحمد اللہ یہ ذخیرۂ احادیث، آج امتِ محمدیہ کے پاس اپنی اصل حالت میں محفوظ وموجود ہے۔ اور ایسا ہونا خود ربِ کریم کی مرضی بھی تھی اور وعدہ بھی، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾

متعدد اساطینِ علم اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس آیت میں ''الذکر'' سے مراد اصلاً قرآن مجید ہے اور تبعاً نبی اکرم ﷺ کی مبارک حدیث ہے، چناں چہ

(الف) علامہ ابناسیؒ ''الشذا الفیاح: ۲۲۶'' میں، حافظ سخاویؒ ''فتح المغیث: ۲/۱۱۲'' میں، حافظ سیوطیؒ ''تدریب الراوي: ۲/۲۱۸'' میں اور علامہ عبدالروف المناویؒ ''الیواقیت والدرر: ۱/۱۳۵'' میں اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

امام المحدثین حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھنے والے نے پوچھا کہ: احادیث صحیحہ کے مقابلے میں چند موضوع و من گھڑت احادیث جو سنائی جارہی ہیں، ان کا کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، احادیثِ نبویہ کی حفاظت اور موضوع روایات کے دفاع کی خاطر، ماہر محدثین اور نقادِ حدیث زندہ ہیں، ان حضرات محدثین کے ہوتے ہوئے نہ کوئی ثابت حدیث مٹ سکتی ہے اور نہ کوئی غیر ثابت بات صحیح حدیثوں کے درمیان راہ بنا سکتی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾۔

(ب) شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ ''مقالاتِ ظفر عثمانی: ۱/۱۸۳'' میں رقم فرماتے ہیں:

''قرآن پر عمل کر کے رسول اللہ ﷺ نے جس طرح صحابہ کو دکھلایا اور اس کے موافق نظامِ زندگی قائم کرنے کا جو طریقہ بتلایا، اُن سب کی حفاظت داخل ہے، پس یہ کہنا کہ خدا نے صرف قرآن کے نقوش اور کلمات کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، غلط ہے؛ بل کہ اِس میں وہ سب امور داخل ہیں، جن پر قرآن کا سمجھنا موقوف ہے، جن میں سب سے پہلا درجہ حدیث رسول کا ہے۔''

(ج) مفسرِ کبیر، محدثِ عظیم اور فقیہِ بے مثال حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ ''معارف القرآن: ۵/۲۸۳'' میں لکھتے ہیں:

''حفاظتِ قرآن کے وعدے میں حفاظتِ حدیث بھی داخل ہے۔''

حفاظتِ حدیث کی ربانی تدابیر

حدیثِ رسول کی حفاظت کے لیے قدرتِ خالق نے جو نظام جاری و ساری کیا، اس کی نظیر پیش کرنے سے قدیم و جدید مذاہبِ عالم عاجز و لاچار ہیں۔ قرآنِ مجید کی طرح احادیثِ رسول کی روایت وحفاظت کے حوالے سے جو انتظامات اور تدبیریں، اللہ تعالیٰ نے اِس امتِ محمدیہ کو نوازی ہیں، وہ حفاظت و پختگی کے اعلیٰ ترین ذرائع ہیں۔ اُس پر مزید کمال کی بات یہ ہے کہ سب انتظامات ایک ساتھ حسبِ ضرورت دورِ نبوی ہی سے ملحوظ اور مستعمل رہے ہیں۔ اِن سارے انتظامات و تدابیر کی نشان دہی اور ان پر عقلی و تاریخی ابحاث علم حدیث کے طویل الذیل مآخذ میں مذکور ہیں، یہاں نہایت اختصار کے ساتھ صرف چند اسباب کا ہلکا سا خاکہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

حفاظتِ حدیث بہ ذریعۂ قوتِ حافظہ

حفاظتِ حدیث کے لیے جس قوم کو سب سے پہلے منتخب فرمایا، وہ ''عرب'' ہیں اور عرب، وہ قوم ہے کہ جس کے بچے و بوڑھے، مرد و عورت اور ایک معمولی آدمی کا بھی حافظہ غیر معمولی ہوتا اور اِس قدر مضبوط ہوتا، کہ ہزاروں قصائد اور دواوین اشعار، انسانوں اور جانوروں کے طویل طویل نسب نامے، جنگ و جدال کے ان گنت واقعات و حکایات، اپنوں اور پرایوں کی لمبی لمبی آپ بیتی و جگ بیتی، محض ایک مرتبہ، دو مرتبہ سن لینے سے اُن کے خانۂ حفظ میں محفوظ ہو جاتے۔ عربوں کی یہ خصوصیت تاریخ کا مشہور واقعہ ہے، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ قحط الرجال کے اِس زمانے میں بھی اِن کا حافظہ بہ نسبت دیگر اقوام کے مجموعی اعتبار سے زیادہ قوی و مضبوط ہے۔ نیز یہ عرب قوم آج بھی اپنی اِس فطری استعداد پر بے حد نازو اعتماد کرتی ہے اور اِس مایۂ افتخار پر اتنا اعتبار کرتی ہے کہ حفظ کے مقابلے میں کتابت و تحریر کو ناپسند کرتی ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی صاحب ''حفاظتِ حدیث: ۸۴'' میں لکھتے ہیں:

''یہ جذبہ آج تک صحرائی قبائل میں بہ دستور باقی ہے۔''

اِس تاریخی تناظر میں یہ سمجھنا آسان ہے کہ جو قوم معمولی معمولی باتوں کو بھی یاد رکھنے میں قوی الحفظ اور دیگر اقوام سے ممتاز ہو، وہ اپنے نبی کے معجزانہ کلام کے تئیں کس قدر قوی الحفظ ہوگی؟! یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے معجزانہ کلام کی حفاظت کے لیے معجزانہ قوتِ حافظہ والے افراد بے شمار پیدا کردیے، جن کا سلسلہ کئی صدیوں تک محیط رہا اور یہ سلسلہ عرب سے گزرتے ہوئے عراق و مصر، ایران و خراسان، بخاریٰ و سمرقند اور ہند و پاک تک پہنچ گیا، جہاں لاکھوں حفاظِ حدیث اہلِ عرب کے ہم دوش ہو گئے۔

حفاظتِ حدیث بہ ذریعۂ مذاکرہ و تکرار

قوتِ حافظہ کے اِس طبعی کمال و امتیاز کے ساتھ ساتھ حضراتِ صحابہ، احادیث کو یاد رکھنے کی محنتیں کرتے، تکرار و مذاکرے کا اہتمام کرتے اور ایک دوسرے کو بار بار سنا کر حفظ حدیث کی اپنی یادداشت کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہتے۔ چناں چہ

''الجامع لأخلاق الراوي: ۱/۲۳۶'' میں منقول ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے خادمِ خاص سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'' كُنَّا نَكُوْنُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَسْمَعُ مِنْهُ الْحَدِيْثَ فَإِذَا قُمْنَا تَذَاكَرْنَاهُ فِيْمَا بَيْنَنَا حَتَّى نَحْفَظَهُ.''

(ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے، احادیث سنا کرتے اور جب جاتے؛ تو ایک دوسرے کے ساتھ تکرار و مذاکرہ کرتے، یہاں تک کہ وہ ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہو جاتیں۔)

حضرات صحابہ کے توسط سے مذاکرہ و تکرار کا یہ جو مضبوط سلسلہ قائم کیا گیا، وہ حضراتِ تابعین کے مابین بھی رائج رہا۔"الجامع لأخلاق الراوي:۱/۲۳۷" کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ کو حکم فرماتے:

"إِذَا سَمِعْتُمْ مِنِّيْ حَدِيْثاً ؛ فَتَذَاكَرُوْهُ بَيْنَكُمْ."

(مجھ سے جب احادیث سن لو تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ان کا مذاکرہ و تکرار کرتے رہو۔)

اسی طرح حضرت عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ ہم طلبہ حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ عنہ سے علم حدیث حاصل کرتے تھے۔"فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ تَذَاكَرْنَا حَدِيْثَهُ"(جب آپ کی درسگاہ سے واپس لوٹ آتے؛ تو ہم سب ساتھی حدیثوں کا تکرار کرتے) اور ہمارے ایک ساتھی ابوالزبیر تھے، جو ہم میں سب سے زیادہ اچھی طرح حدیثوں کو یاد رکھنے والے تھے۔

غور کیا جائے کہ جن کے حافظے فطرتاً ممتاز و قوی ہوں اور انھیں کسی چیز کو یاد رکھنے کے لیے محنت کی ضرورت ہی نہ پڑتی ہو، جب ایسے مضبوط حافظے والے افراد نے متعدد بار تکرار کر کے، شبانہ روز اہتمام کر کے اور بہ کثرت تکرار و مذاکروہ کر کے احادیثِ نبویہ کو محفوظ رکھا ہو؛ اور پھر ہر زمانے میں اپنے اپنے شاگردوں کو بھی اسی کا پابند بنایا ہو، نیز اس مذاکرے و تکرار کا یہ نظام اس وقت سے لے کر آج بھی علما و طلبۂ دین کے درمیان قائم و دائم رہا اور ہے، اور سب سے زیادہ کمال کی بات تو یہ ہے کہ حدیث سے یہ تعلق محض فنی و علمی لحاظ سے نہیں بل کہ دینی و عاشقانہ جذبے کے ساتھ وابستۂ جان رہا اور ہے تو پھر احادیثِ نبویہ کے اِس عظیم ذخیرے کی حفاظت میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟!

حفاظتِ حدیث بہ ذریعۂ کتابت و تدوین

فطری حافظے کی قوت، مذاکرے و تکرار کی کثرت اور جو کچھ نبی علیہ السلام سے سنا اُس پر مخلصانہ عمل کا اہتمام؛ یہی اسباب حدیثِ نبوی کے صحیح و سالم ہونے کے لیے کافی و شافی ہیں، تاہم ان کے علاوہ کتابت و تحریر اور تدوین و ترتیب کے ذریعے بھی نبیِ اکرم ﷺ کی ہر حدیث کو اللہ تعالی نے محفوظ

کروادیا، چناں چہ عہدِ نبوی کے نوشتے وتحریرات، عہدِ صحابہ کے رسائل وتصنیفات میں ایک معتد بہ ذخیرہ محفوظ ہے، پہلی صدی کے اواخر میں عہدِ تابعین ہی سے باقاعدہ احادیث کی تدوین وترتیب کا آغاز ہوگیا، چناں چہ صحیفۂ ہمام بن منبہ، صحیفۂ صادقہ، کتاب الآثار، موطا مالک، مصنف بن ابی شیبہ، مسندِ حمیدی وغیرہ چند مشہور ومتداول کتبِ حدیث ہیں، جو پہلی ودوسری صدی سے لے کر آج تک محفوظ ہیں اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔

حدیث کی روایت وحفاظت کے سلسلے میں محدثینِ عظام کی خدماتِ جلیلہ

محدثینِ عظام کی مخلصانہ محنتوں کا ثمرہ ہے کہ آج امت کے پاس اپنے نبی علیہ السلام کا ہر قول وعمل، حال ووصف محفوظ وموجود ہے۔ اِس وحیِ غیر متلو کی روایت وحفاظت کی خاطر جو قربانیاں اور کارنامے حفاظِ حدیث نے انجام دیے ہیں، وہ اوراقِ تاریخ میں سنہری الفاظ کے ساتھ نقش کالحجر ہیں۔

دل تو چاہتا ہے کہ اِن خدمات کی کافی بڑی مقدار یہاں بیان کردوں؛ مگر چوں کہ یہ صرف مقدمہ ہے اور اختصار سے کام لینا ضروری ہے؛ اس لیے بے شمار واقعات میں سے صرف تین واقعات نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں؛ اور اپنے قارئین سے گزارش کرتا ہوں کہ محدثین کی سوانحِ حیات اور ان کی جلیل الشان خدمات کا مطالعہ ضرور کریں اور وقتاً فوقتاً کرتے رہا کریں، اِس سے سمجھ میں آئے گا اور احساس قائم رہے گا کہ حدیثِ نبوی کی عظمت کیا ہے؟ اس کی روایت وحفاظت کا کیا تقاضا ہے؟ اور حدیث سنانے وسننے کے سلسلے میں تحقیق واحتیاط کس درجے لازم وضروری ہے؟!

خیر، اب آگے صرف تین واقعات ملاحظہ فرمائیں:

پہلا واقعہ

امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید حضرت نصر بن حماد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم طلبہ حضرت کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ''**إسرائیل عن أبي اسحاق عن عبد اللّٰہ بن عطا**'' کی سند سے ایک حدیث بیان کی:

عقبہ بن عامر فرماتے ہیں: ایک دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، تو دیکھا کہ چاروں طرف صحابہ کھڑے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو شخص بہترین طریقے سے وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ سے استغفار کرے، تو اللہ اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ میں نے کہا: کیا بہترین بات ہے! تو پیچھے ایک صاحب نے مجھے اپنی طرف کھینچا، میں مڑا تو دیکھا کہ حضرت

عمر ﷺ ہیں اور فرما رہے ہیں: اس سے پہلے آپ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی، وہ اور بھی زیادہ حسین وبہترین ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ تو انھوں نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس بات کی گواہی دے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تم جانا چاہتے ہو؛ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اھ

حضرت نصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بیان کرنا ہی تھا کہ گھر کے اندر سے حضرت شعبہ تشریف لائے اور میرے گال پر ایک طمانچہ رسید کر کے واپس چلے گئے۔ میں ایک کونے میں چلا گیا اور رونے لگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت جب باہر آئے تو پوچھا: وہ وہاں بیٹھے کیوں رو رہے ہیں؟ تو عبداللہ بن ادریس نے بتایا کہ حضرت آپ نے جواُن کو تھپڑ لگایا، اس کی وجہ سے۔

اس پر حضرت شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں بھائی! دیکھتے نہیں کہ محترم، کس سند سے کیا حدیث سنا رہے تھے؟! اس حدیث کی صحیح تحقیق میں نے کیسے حاصل کی؟ ذرا سناتا ہوں، سنو:

یہ حدیث مجھے ابواسحاق نے عبداللہ بن عطا کے واسطے سے سنائی، میں نے ابواسحاق سے پوچھا کہ: یہ عبداللہ کون ہیں؟ اس پر وہ غصہ ہو گئے، اس وقت وہاں امام مسعر رحمہ اللہ تشریف فرما تھے۔ میں نے ابواسحاق سے کہا کہ: یا تو مجھے صحیح صحیح بتادیں، نہیں تو میں آپ سے لکھی ہوئی ساری روایات جلادوں گا۔ امام مسعر رحمہ اللہ نے کہا: بھائی! عبداللہ بن عطا مکے میں رہتے ہیں۔

امام شعبہ فرماتے ہیں: میں نے مکے کا سفر کیا، حج وعمرہ کرنے کی نیت سے نہیں، صرف اور صرف اس حدیث کو حاصل کرنے کی نیت سے۔ مکے میں عبداللہ بن عطا کی خدمت میں پہنچا، اس وقت ان کے پاس مالک بن انس رحمہ اللہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عبداللہ سے حدیث کے متعلق پوچھا: تو انھوں نے فرمایا: مجھے یہ حدیث سعد بن ابراہیم نے سنائی ہے۔ مالک بن انس بولے کہ: یہ جو سعد بن ابراہیم ہیں، مدینہ منورہ میں رہتے ہیں، اس سال کسی وجہ سے حج کرنے نہیں آئے۔

میں وہاں سے مدینہ پہنچا اور سعد بن ابراہیم سے مل کر پوچھا، تو انھوں نے بتایا: یہ حدیثِ عقبہ، زیاد بن مخراق نے مجھ سے بیان کی ہے اور یہ صاحب شہرِ ''بصرہ'' میں رہتے ہیں۔ میں نے بصرے کا رُخ کیا اور زیاد بن مخراق سے ملا اور اِس حدیث کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے کہا کہ: رہنے دو تمھارے مطلب کی نہیں ہے؟ میں نے کہا: نہیں، آپ مجھے ضرور سنائیں، میرے اصرار پر انھوں نے سنایا: مجھے شہر بن حوشب نے ابوریحانہ کے حوالے سے یہ حدیثِ عقبہ بن عامر سنائی ہے۔

حضرت شعبہ فرماتے ہیں: جیسے ہی انھوں نے شہر بن حوشب کا نام لیا، تو میں نے کہا: ہائے! اس

حدیث نے تو میرا بیڑا غرق کر دیا۔ اگر حدیثِ رسول صحیح سند سے مروی ہوتی، تو یہ صحت اسناد میرے نزدیک میرے اہل وعیال سے، مال پیسے سے اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز ہوتی۔

(الرحلة في طلب الحديث: ۱۵۰ ،مقدمة في أصول الجرح والتعديل: ۲۰)

قابلِ ذکر اور قابلِ غور ہے کہ یہ حدیث دوسری صحیح سند سے ''مسلم شریف'' میں موجود ہے۔ مگر جس سند سے یہ حدیث امام شعبہ تک پہنچی، صرف اُس سند کی حقیقتِ حال جاننے کے لیے حضرت شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ نے اولاً تو: شہر شہر، سفر در سفر کیا اور وہ بھی اُس زمانے میں جب کہ سفر کرنا جہنم کی وادی سے گزرنے کے برابر تھا۔ ثانیاً: حدیث کے بہت بڑے ذخیرے کے لیے نہیں، صرف ایک حدیث کے لیے مکہ، مدینہ، بصرہ جیسے دور دراز شہروں کا سفر کیا۔

اور جب دیکھا کہ اِس سند میں شہر بن حوشب متکلم فیہ راوی ہے، جو امام شعبہ اور بعض ائمہ کے نزدیک ضعیف ہے، تو حضرت کو بڑی کوفت ہوئی اور کہنے لگے کہ: اگر میں تحقیق کیے بغیر یوں ہی بیان کر دیتا، تو میرا بڑا خسارہ ہو جاتا۔

دوسرا واقعہ

مشہور امامِ حدیث حضرت مُؤمَّلْ بن اسماعیل فرماتے ہیں: فضائلِ قرآن کے سلسلے میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث مجھے ایک شیخ نے سنائی۔ میں نے اُن سے پوچھا: یہ حدیث آپ کو کس نے بیان کی؟ انھوں نے کہا: ایک شیخ نے جو شہرِ ''مدائن'' میں رہتے ہیں۔ میں سفر کر کے ''مدائن'' پہنچا اور ان سے یہی سوال کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ: مجھے ایک شیخ نے سنائی جو شہرِ 'واسط' میں رہتے ہیں۔ میں وہاں گیا، اُن سے ملا اور پوچھا: تو انھوں نے بتایا کہ: ایک شیخ نے جو شہرِ ''بصرہ'' میں رہتے ہیں۔ میں بصرہ گیا، اُس شیخ سے ملا اور پوچھا، تو انھوں بتایا کہ: ایک صاحب نے جو شہرِ ''عبادان'' میں رہتے ہیں۔ میں وہاں گیا، اُن سے ملا اور پوچھا کہ: یہ حدیث آپ نے کن سے سنی ہے؟ تو وہ شیخ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گھر میں لے گئے، جہاں بہت سارے نام نہاد صوفیا بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ نے ایک صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ: انھوں نے مجھے یہ حدیث سنایے۔ میں نے آنکھوں کے سامنے موجود اُس شیخ سے پوچھا کہ: یہ حدیث آپ کو کس نے بیان کی ہے؟ (اب دل وجگر سنبھال کر سنیے؛ کیوں کہ ہمارے بزرگ گرامی، حضرت مؤمل نے بھی بڑے جگر سے اُس شیخ کا جواب سنا ہے)۔ اُس شیخ نے بتایا کہ بھائی! کسی نے بھی یہ حدیث نہیں سنائی ہے، بات دراصل یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو قرآن

سے غفلت برتتے دیکھا، توان کو تعلیم قرآن کی رغبت دلانے کی خاطر اپنی طرف سے یہ حدیث گھڑ کے بیان کردی۔(الكفاية، التقييد والإيضاح ، التبصرة والتذكرة وغيره كتب حديث،به حواله مقدمة في أصول الجرح والتعديل:١٩)

تیسرا واقعہ

(۳) حضرت زید بن الحُباب جو کہ محدث کبیر ہیں، اور جو حصولِ حدیث میں اس کثرت سے سفر کرتے تھے کہ محدثین نے ان کا لقب ہی رکھ دیا ''جَوَّالٌ، رَحَّالٌ'' (یعنی علم حدیث کی راہ کا سب سے بڑا راہی)۔وہ فرماتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوع ''فَرْقٌ بَيْنَ صِيَامِنَا ، وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ '' ہے، یہ حدیث حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے روایت کی اور کہا کہ ان کو یہ حدیث اسامہ بن زید نے، اُن کو موسی بن علی نے، اُن کو اُن کے والد علی نے اور ان کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت ابوقیس نے سنائی ہے۔

میں حضرت ثوری کی مجلس سے اٹھا ہی تھا کہ کسی صاحب نے بتایا: حضرت ثوری سے یہ حدیث بیان کرنے والے راوی: حضرت اسامہ جو ہیں، وہ مدینے میں رہتے ہیں۔ اتنا سننا ہی تھا، میں نے اپنی سواری لی اور سیدھے مدینہ حضرت اسامہ کے پاس پہنچ گیا اور ان سے کہا کہ آپ کے حوالے سے حضرت سفیان ثوری یہ حدیث سناتے ہیں، کیا ایسا ہی ہے؟ تو انھوں نے مجھے موسی بن علی کے واسطے سے یہ پوری حدیث بایں سند بیان کی ہے۔

اب یہاں بھی کسی صاحب نے بتایا کہ حضرت اسامہ سے یہ حدیث بیان کرنے والے جو محدث ''موسی بن علی'' ہیں، یہ مصر میں موجود ہیں، میں اُن سے مل کر آرہا ہوں۔ بس پھر کیا تھا۔ میں نے اپنی سواری لی اور سیدھے مصر پہنچا اور پتہ معلوم کر کے ان کے گھر گیا اور دروازے پر انتظار میں بیٹھ گیا، دیکھا کہ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار گھر آئے اور مجھ سے پوچھا: کیا بھائی، کوئی ضرورت ہے کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! کوئی ضرورت نہیں، میں تو صرف اُس حدیث کی تحقیق میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، جو مجھے حضرت سفیان ثوری نے بیان کی اور ان کو اسامہ بن زید نے بیان کیا اور اسامہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آپ نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت موسی نے فرمایا: ہاں بھائی یہ حدیث میں نے بیان کی ہے، پھر حضرت نے اپنے والد کے حوالے سے بعینہٖ آخر تک وہی حدیثِ عمرو بن العاص مجھے سنائی۔

(الرحلة في طلب الحديث:١٥٧)

قابلِ غور ہے کہ حضرت سفیان ثوری جیسے عظیم محدث ہیں، ثقہ محدثین ہی سے بیان کر رہے ہیں اور یہ سند صحیح ہے؛ مگر زید بن الحباب نے اس پر اکتفا نہیں کیا؛ بل کہ عالی سے عالی کے حصول میں سفر در سفر کرتے رہے۔ مدینہ پہنچے، اسامہ سے سنا؛ مصر پہنچے، موسیٰ سے سنا۔ (راقم کا یقین ہے کہ یہاں بھی اگر کوئی اِن کو یہ بتاتا کہ حضرت موسیٰ کے والد سات سمندر پار، فلانے ملک میں رہتے ہیں اور باحیات ہیں، تو زید بن الحباب وہاں بھی پہنچنے کی کوشش کرتے اور ہزار مشقتیں اٹھانے آمادہ ہوجاتے۔)

پیغامِ دعوت وفکر

ان تین واقعات سے اور اس جیسے سیکڑوں سچے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی حفاظت کرنا اور مضبوط طریقے پر روایت کرنا تحفظِ دین کے لیے واجب وضروری ہے اور حضرات محدثینِ عظام نے اس کے لیے ناقابلِ تصور قربانیاں دیں ہیں، اور ان کی ان ہی جان فشانیوں وقربانیوں کے صدقے یہ علمِ حدیث ہم تک پہنچا، تو کیا ہم پر ضروری نہیں کہ ہم بھی حدیث بیان کرنے سے پہلے حدیث کی تحقیق کرلیں؟! طلبِ حدیث میں تھوڑی بہت محنت کرلیں؟! اور صحیح محنت کرنے اور مستند کتابوں اور علما سے معلوم کرنے کے بعد ہی حدیث بیان کریں؟!

جب عام طالبِ حدیث نہیں؛ بل کہ کبارِ محدثین نے بھی، اصل راوی حدیث کے ہوتے ہوئے نقل محض اور درمیانی واسطوں پر اکتفا نہیں کیا، اصل راوی کی تلاش جاری رکھی، تو اسی طرح آج حدیث بیان کرنے والے کو چاہیے کہ حدیث کے اصل مراجع ومصادر تک پہونچنے کی کوشش کرے، خطبات ومواعظ، قصص وحکایات میں نقل کردہ روایات وعبارات پر ہرگز اکتفاء نہ کرے۔

حضرت شعبہ، مؤمل بن اسماعیل اور زید بن الحباب کی طرح شہر شہر سفر نہیں کرنا ہے، سفر کی جہنم نما مشقتیں تو نہیں جھیلنی ہیں تو کیا حدیث بیان کرنے والے اپنی ہی جگہ میں بیٹھے ہوئے، آرام وراحت کے اسباب کے زیرِ سایہ بوریہ نشیں رہتے ہوئے اور علم کے تقریباً وسائل کی بآسانی دست یابی کے ہوتے ہوئے کیا کتب حدیث کی ورق گردانی بھی نہیں کرسکتے؟! مگر افسوس، پھر بھی تھوڑی بہت محنت نہ کرنے کو غفلت ولاپراہی، کاہلی وسستی کا نتیجہ نہ قرار دیا جائے تو کیا کہا جائے؟ اور یہ طرزِ بے احتیاطی از روئے تحقیق وانصاف قابل درگزر نہیں ہے۔ جب دورِ نبوی کے قریب خیر القرون میں درگزر کرنے کے قابل نہیں تو اِس زمانے میں تو بدرجۂ اَولی ہرگز ہرگز برداشت نہیں۔

فصلِ دوم

حدیثِ موضوع کی تعریف

حدیثِ نبوی کے متن وسند کے لحاظ سے حدیث کی متعدد تقسیمات کی گئی ہیں، جن کا محور مقبول و غیر مقبول قسم ہے، غیر مقبول کی انواع میں سب سے بڑی اور سب سے پہلی قسم کا نام ”حدیث موضوع“ ہے۔ حدیثِ موضوع کی تعریف میں محدثین کی متنوع تعبیرات ملتی ہیں، مثلاً:

امام ابن الصلاح نے فرمایا: ”و هو المُختَلق المَصْنُوع“۔ حافظ عراقی نے فرمایا: ”الخبر الموضوع: الكذب المختلَق المصنوع“۔ امام طیبی نے فرمایا: ”الموضوع وهو المختلَق“۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”الطعن بكذب الراوي في الحديث النبوي هو الموضوع“۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے فرمایا ”الموضوع هو الحديث المكذوب علىٰ رسولِ الله ﷺ سواء كان عمداً، أو خطأً“۔

(مقدمة ابن الصلاح:۷۷، ألفية العراقي مع فتح المغيث: ۹۸/۲، الخلاصة في أصول الحديث: ۶۸، شرح نخبة الفكر:۸۶،فتح الملهم:۱۶۱/۱)

اِن تعریفات کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ جو قول، یا عمل، یا حال، یا وصف آپ ﷺ سے ثابت نہیں، اُس کو آپ ﷺ کی جانب منسوب کر کے جس کلام میں بیان کیا گیا ہو، خواہ جان بوجھ کر ہو یا خطا وغلطی سے ہو، ایسے کلام کو ”موضوع حدیث“ کہا جاتا ہے۔

وضعِ حدیث کی تاریخ

اِس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے مبارک زمانے میں اسلامی ترقی و برتری کو روکنے کی خاطر کافروں اور منافقوں نے ہر ممکنہ کوشش کی، مکروفریب کی ہر چال چلی؛ مگر اِن میں اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر آپ ﷺ کی جانب منسوب کردیں؛ کیوں کہ وہ سب جانتے تھے کہ نزولِ وحی کا زمانہ ہے، دروغ گوئی کریں گے تو آسمان سے وحی آکر جھوٹ کا پول کھول دے گی۔ اور سرِدست لوگ بدظن وبدگمان ہوجائیں گے اور پھر ہمیشہ کے لیے ذلت ورسوائی کا شکار

ہونا پڑے گا؛ لہٰذا نبیٔ اکرم ﷺ کا مبارک ومقدس دور دین میں جھوٹ کی ملاوٹ سے محفوظ رہا۔

دورِ نبوت کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانے تک یہی حال رہا؛ کیوں کہ کبارِ صحابہ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، اسلامی فتوحات وشوکت کا غلبہ تھا؛ اس لیے دشمنانِ اسلام کو اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ دینِ اسلام میں تحریف وترمیم، کمی وبیشی کا کوئی شائبہ بھی پیدا کرسکیں؛ لہٰذا خلافت اسلامیہ پر حملہ کرنے کی جتنی کوششیں ہوسکتی تھیں وہ کرڈالیں؛ مگر شریعتِ اسلامیہ پر حملہ کرنا اُن کے لے ممکن نہ ہوسکا۔

لیکن امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کچھ یہودی منافقین اسلام کا ظاہری لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں داخل ہوگئے اور اپنی چالبازیوں ومکاریوں سے اسلام کے مضبوط ومحفوظ قصرِ خلافت میں دراڑ ڈالنے کی کامیاب کوششیں کیں اور بالآخر دار السلطنت کے اندر گھس کر امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرڈالا۔ اِس کامیابی کے بعد توان کے برے عزائم وارادوں میں مزید مضبوطی آگئی اور ایک منصوبہ بند طریقے سے انھوں نے خون آشام سلسلے کو مستقل جاری وساری رکھا، یہاں تک کہ جنگِ جمل وجنگِ صفین میں کئی صحابہ، تابعین شہید ہوگئے۔

خلافتِ اسلامیہ میں رخنہ پیدا کرنے کے بعد اپنی ناپاک کوششوں کا دھارا دینِ اسلام کی محفوظ ومقدس تعلیمات کی جانب پھیردیا اور چوں کہ اسلامی تعلیمات کا پہلا اور اصلی ماخذ قرآنِ مجید ہے اور وہ ہرقسم کی کمی سے محفوظ ہوگیا اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کرنا محال ہوگیا؛ اس لیے قرآن کی طرف توجہ کرنے کے بہ جائے اِن کافروں ومنافقوں کا رخ قرآن کی عملی تشریحات یعنی نبوی احادیث وروایات — جو کہ اس وقت تک صحابہ وتابعینِ کبار کے سینوں میں محفوظ تھیں اور کتابت وتحریر میں بطورِ عام منضبط نہ تھیں — کی طرف ہوگیا اور پوری گرم جوشی وچالاکی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی جانب من گھڑت روایات منسوب کرنے لگے۔

یہاں سے اور اس طرح سے دشمنانِ اسلام نے من گھڑت احادیث یعنی موضوع روایات کو جنم دیا اور کذب بیانی وافترا پردازی کا یہ سلسلہ جو سیاست کے نام پر سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے پیدا ہوا تھا، مذہب کے نام پر آگے بڑھنے لگا۔

موضوع روایات کے چند بڑے دروازے

اصولِ حدیث کے متعدد ماٰخذ میں حضراتِ محدثین نے ایسے لوگوں اور جماعتوں کی نشان دہی فرمائی ہے، جن کی طرف سے حدیثیں خوب گھڑی گئیں ہیں اور جو من گھڑت روایات سنانے اور

پھیلانے میں بہت ہی زیادہ آگے آگے رہے ہیں، مثلاً:

(۱) سبائی و یہودی منافقوں کے پُرفریب جال میں بُری طرح پھنسنے کی وجہ سے خلافتِ علویہ کے زمانے میں کچھ لوگ پیدا ہوئے، جو شیعانِ علی اور جماعتِ رافضہ کہلانے لگے۔ یہ لوگ حضرت علی مرتضیٰؓ رضی اللہ عنہ کی محبت میں راہِ اعتدال سے ہٹ گئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی مخالفت ونفرت میں آگے نکل گئے۔ یہ لوگ جو حدیثیں گھڑتے؛ تو کبھی امامتِ کبریٰ اور وراثت کے نام پر، کبھی آلِ بیتِ نبوی کی محبت کے نام پر، کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے استحقاقِ خلافت کو بتانے کے لیے اور کبھی حضراتِ صحابہ اور بالخصوص خلفائے ثلاثہ کی تنقیص شان کے لیے۔

(۲) اسی طرح اسی زمانے میں کچھ لوگ اِن کا مقابلہ کرنے اور رفض وشیعیت کا رد کرنے کے لیے کھڑے ہوگئے؛ مگر یہ لوگ بھی غلو و بے اعتدالی کا شکار ہوگئے اور صحابۂ عظام کی محبت وعقیدت میں صحیح احادیث وروایات کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنے کی جگہ حدیثیں گھڑنے اور من گھڑت روایات سنانے لگے۔

(۳) ایک گروہ ملحدین وزندیقوں کا تھا اور ہے، جو اسلام کے مضبوط عقائد میں فتور وقصور ڈالنے کے لیے، صاف وستھری تعلیمات میں عیب ونقص نکالنے کے لیے، لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے اور الحاد وبے دینی پھیلانے کے لیے حدیثیں گھڑتے ہیں۔ چناں چہ اِن دشمنانِ اسلام نے اسلام کو بدنام کرنے اور اس کی شبیہ کو مسخ کرنے کے لیے ہزارہا حدیثیں گھڑنے کی ناپاک کوششیں کیں۔

(۴) کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوگئے جو فی نفسہٖ نیک وصالح تھے مگر ہر مسلمان سے غلو آمیز حسنِ ظن رکھتے تھے، اور اِسی بے جا نیک گمانی کی بنا پر کسی سے بھی حدیثیں سنتے، تو بلا تحقیق خود ہی بیان کرنے لگتے؛ بل کہ بعض صلحا ایسے بھی گزرے ہیں، جو یہ نہیں کہ موضوع روایات محض سناتے تھے: بل کہ لوگوں کو دینی راہ پر لانے اور قرآن وحدیث سے جوڑنے کے نیک ارادے سے ازخود روایات وضع کرتے تھے، اُس پر مستزاد یہ کہ اپنے اِس کارِ عقاب پر خیر ثواب کی پوری امید رکھتے۔

(۵) کچھ لوگ منبر ومحراب اور وعظ وقصہ گوئی میں مشہور تھے اور عوام الناس کو عجیب وغریب قصے کہانیاں سنا سنا کر اپنی وجاہت باقی رکھتے۔ یہ لوگ قصے کہانیاں گھڑنے کے ساتھ اپنی بات وزن دار بنانے کے لیے اپنی من گھڑت باتوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دیتے اور وہ واقعات جو دوسرے صلحا کے ساتھ پیش آئے، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے زمانے سے جوڑ دیتے۔

(۶) اسی طرح جب مختلف مسالک بنے: چاہے وہ مسالک علمِ کلام کے ہوں، چاہے علمِ فقہ کے ہوں، چاہے علمِ حدیث کے ہوں؛ ان مسالک سے جڑے ہوئے کچھ ایسے لوگ (اگر چہ کہ نسبتاً ان کی تعداد بہت کم تھی) رونما ہوئے، جو علمی گہرائی و گیرائی سے عاری تھے اور اپنے اپنے مسلک کے تئیں بے جا تعصب اور دوسرے مسلک سے عناد رکھتے تھے؛ اس لیے اپنے مسلک اور اپنے امام کی برتری بتانے کے لیے اور دوسرے مسلک اور دوسرے ائمہ کو کم تر دکھانے کے لیے اپنی طرف سے متعدد حدیثیں گھڑتے تھے۔

(۷) کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے اور ہیں، جو اپنی بدعات وخرافات کو صحیح وثابت دکھانے کے لیے حدیثیں گھڑتے ہیں؛ کبھی فضائلِ صحابہ کے عنوان سے، کبھی فضائلِ صلحا کے عنوان سے، کبھی معراجِ نبوی، جمالِ نبوی، اخلاقِ نبوی اور اسوۂ نبوی کے عنوان سے، کبھی نامِ پاک کی تعظیم کے حوالے سے، کبھی خاص خاص قرآنی سورتوں وآیتوں کی فضیلت کے حوالے سے اور کبھی مخصوص تعویذات وعملیات کے نام سے وغیرہ وغیرہ؛ اس طرح کی من گھڑت مرویات دھڑلے سے آج بھی شائع وذائع ہیں۔

(۸) ہمارے اس زمانے میں کچھ لوگ دین کی ترویج وتبلیغ کی فکر میں، امت میں دینی بیداری لانے اور علمِ دین کو عام سے عام تر کرنے کی فکر میں اپنے بڑوں اور امیروں کے حوالے سے اور ''حدیث کا مفہوم ہے'' کی آڑ میں خواہی نہ خواہی ایسی خانہ ساز احادیث سناتے ہیں، جو حدیث وسیرت کی کتابوں میں ناپید ہونے کے ساتھ ساتھ بسا اوقات فاسد و باطل اور خلافِ شرع ہوتی ہیں اور باعث ِافسوس وقابلِ رحم بات یہ ہے کہ اپنی جماعت وبرادری کی ترقی کو دیکھ کر ایسے لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ''بے اصل وموضوع حدیث سے اگر لوگوں میں دین آجائے، تو یہ دین ہی کا کام ہے اور لائقِ ستائش عمل ہے''۔ حالاں کہ اہلِ علم بہ خوبی جانتے ہیں کہ یہ نظریہ فرقہ کرامیہ کا نظریہ ہے، جو کہ ایک گم راہ و بے دین فرقہ گزرا ہے۔

(۹) اسی طرح ہمارا یہ دور، ذرائع ابلاغ کی ترقی وعروج کا دور ہے۔ پلک جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگتی کہ دنیا کے ایک کونے کا پیغام دوسرے کونے تک بہ آسانی پہنچ جاتا ہے؛ اس لیے آج بڑی کثرت کے ساتھ دکھائی دیتا ہے کہ YOU TUBE ، GOOGLE ، WHATS APP ، FACEBOOK، TWITTER، INTERNET وغیرہ کے علاوہ اخبارات، اشتہارات، غیر معتبر رسائل ومجلّات میں احادیثِ نبویہ کے نام پر بناوٹی وجھوٹی روایات خوب پھیلائی جارہی ہیں۔

کچھ لوگ قصداً حدیثیں گھڑنے والے ہوتے ہیں، اور ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے، جو

بس سرکارِ دو عالم ﷺ کے نام سے کوئی بھی بات کہیں بھی دیکھ لیتے ہیں، بلا تحقیق دوسروں تک پہنچانے کو دین کا سب سے بڑا کام سمجھ لیتے ہیں اور پھر جنت وجہنم کی ٹھیکیداری لیتے ہوئے بڑی جسارت سے لکھتے ہیں:

جو اس کو FORWARD، کرے گا وہ جنتی بن جائے گا۔ جو اس کو SHARE کرے گا، اس کو شفاعتِ نبوی نصیب ہوگی۔ یہ MESSAGE یہ پیغام آگے دوسروں تک پہنچانا ایمان کی علامت، رسول اور دینِ رسول سے عشق کی پہچان ہے۔ آپ دوسروں کو بتائیں گے تو یہ ثواب ملے گا، وہ اجر ملے گا، ایسا ہوگا، ویسا ہوگا؛ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض من گھڑت حدیثیں جہاں تیار ہوتی ہیں اور جہاں سے پھیلتی ہیں، اُن میں سے چند بڑے بڑے مراکز کی نشان دہی کی گئی ہے، تاکہ اجمالاً ہی سہی، یہ بات ہر قاری کے دل میں تہ نشیں ہو جائے کہ احادیثِ نبویہ کن سے لینی چاہیے اور کن سے نہیں۔ جن سے لینا درست ہے، ان سے لی جائیں اور جن سے لینا درست نہیں؛ ان سے روایت کرنے میں اجتناب کیا جائے۔

حدیثِ موضوع کو پہچاننے کی چند صورتیں:

حضراتِ محدثین نے حدیثِ موضوع کو پہچاننے کی متعدد صورتیں بیان فرمائی ہیں، چند صورتوں کا ذکر درج ذیل ہے:

ایک صورت: خود حدیث وضع کرنے والا صاف صاف اپنی زبان سے اقرار کرلے کہ فلاں روایت میں نے اپنی طرف سے وضع کی ہے؛ مثلاً زیاد بن میمون ثقفی بصری ایک راوی گزرا ہے، جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیثیں بیان کرتا تھا۔ اُس کے بارے میں اسی زمانے کے حضراتِ محدثین نے تحقیق کرکے آگاہ کر دیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اس نے خود اقرار کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس نے متعدد حدیثیں گھڑی ہیں۔ چناں چہ امامِ حدیث حضرت امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں اور امام عبد الرحمٰن بن مہدی اِس کے پاس گئے اور پوچھا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تم جو احادیث روایت کرتے ہو، ان کے بارے میں تم سے حقیقت جاننے آئے ہیں، اُس نے بتایا: ”ما سَمِعْتُ مِنْ أَنَسٍ مِنْ ذَا قَلِيْلاً ، وَ لَا كَثِيْرًا “ (میں نے حضرت انس سے اِن احادیث میں سے ایک حدیث بھی نہیں سنی، نہ تھوڑی نہ زیادہ) اور میں نے توبہ بھی کرلی اور یہ تو آپ دونوں مانتے ہی ہو کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں۔

امام ابوداود فرماتے ہیں: مگراس نے یہ جھوٹی روایات بیان کرنا ترک نہیں کیا، چناں چہ ہم کو معلوم ہوا، ہم پھراس کے پاس گئے، تو اُس نے اب کی بار بھی یہی کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ سے بیان نہیں کروں گا؛ مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آیا اور حضرت انس کے واسطے سے حدیثیں بیان کرتا رہا۔

(ميزان الاعتدال:۳/۱٤۱، لسان الميزان:۳/٥۳۹، الكامل لابن عدي:٤/۱۲۷)

اِس کی بیان کردہ موضوع احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے:

”ليس من امرأة تحمل حملاً إلا كان لها كأجر القائم الصائم المخبت ، فإذا وضعت كان لها بكل رضعة عتق رقبة . والرجل إذا جامع زوجته واغتسل باهى اللّٰه به الملائكة.“

(جو بھی خاتون حاملہ ہوگی، اس کو اخلاص کے ساتھ نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے والے کے برابر اجر دیا جائے گا اور بچہ جننے کے بعد دودھ کے ہر قطرے پر ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب دیا جائے گا اور جو مرد اپنی بیوی سے صحبت کرنے کے بعد غسل کر لیتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں۔)

(ميزان الاعتدال:۳/۱٤۱، لسان الميزان:۳/٥۳۹)

دوسری صورت: واضع یعنی حدیث گھڑنے والے نے حدیثیں گھڑنے کا صاف اقرار و اظہار تو نہیں کیا؛ مگر واضح قرائن اور علامات سے یہ محقق ہو گیا کہ اِس کی یہ روایت بناوٹی ہے اور ایسی نہیں جیسے کہ یہ ثابت و صحیح بتا رہا ہے، مثلاً:

ایک راوی احمد بن عبداللہ **جُوَيْبَارِي** گزرا ہے، دنیا کے بڑے بڑے جھوٹوں کا باپ ہے۔ امام ابن حبان کہتے ہیں: یہ بڑے بڑے دجالوں میں سے ایک بڑا دجال ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں: یہ شخص خبیث ہے اور سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں: اس نے آپ ﷺ کی جانب منسوب کرکے ہزار سے زیادہ حدیثیں گھڑی ہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: جویباری جھوٹ کی مثال تھا اور لوگوں کی زبان پر ضرب المثل بنا ہوا تھا۔

اِس کا ایک واقعہ امام حاکم ذکر فرماتے ہیں کہ محدثین کے مابین اختلاف ہوا کہ حضرت حسن بصری کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے یا نہیں، یہ مسئلہ جب جویباری کے پاس پہنچا، تو اسی وقت اُس نے سند کے ساتھ ایک حدیث گھڑی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”سمع الحسن من أبي هريرة.“

(دیکھو فیصلہ ہو گیا، خود حضور ﷺ نے فرمایا کہ حسن کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت ہے۔)

(میزان الاعتدال:۱/۲٤٦، النکت علی ابن الصلاح :۲/۸٤۲، کشف المغیث:۲۲٦)

تیسری صورت: قرآن وحدیث اور شریعت کے خلاف ہونا بھی روایت کے موضوع ہونے کی علامت ہے۔ مثلاً:

امام طبرانی رحمۃ اللہ کی مشہور ومعروف کتاب ''المعجم الکبیر'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

''لا یدخل ولدُ الزنا الجنَّةَ ، ولاشيء من نسله إلى سبعة آباء.''

(جنت میں نہ ولد الزنا داخل ہوگا اور نہ اس کی سات نسلوں میں سے کوئی ایک۔)

یہ حدیث باطل اور بے اصل ہے، اگر چہ کہ سند کے ساتھ آئی ہے؛ کیوں کہ یہ حدیث، صریح آیتِ کریمہ کے خلاف ہے اور وہ آیت یہ ہے ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (النجم) جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے گناہوں کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی۔ (کشف المغیث: ۲۳۱)

اسی طرح ایک مرفوع حدیث بیان کی گئی ہے:

" إذا حُدِّثْتُم عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُوَافِقُ الْحَقَّ فَخُذُوْا بِهِ ، حَدَّثْتُ بِهِ أَمْ لَمْ أُحَدِّثْ."

(جب تم کو میرے حوالے سے موافق حق حدیث سنائی جائے، تو اس کو قبول کرو [یعنی میری حدیث ہی سمجھو] چاہے میں نے بیان کی ہو یا نہ کی ہو۔)

یہ حدیث، متواتر حدیث کے صریح خلاف ہے، چناں چہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ."

(جو میری طرف جانتے بوجھتے جھوٹ بات منسوب کرے، اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔)

حدیثِ متواتر نے واضح کردیا کہ جو بات آپ ﷺ سے ثابت نہیں -- اگر چہ کہ وہ کتنی ہی سچی اور اچھی ہو مگر -- اس کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

چوتھی صورت: عقلِ سلیم اور فہمِ صحیح کے مخالف ہو، کسی طرح سے بھی موافقِ عقل نہ ہو اور ہر اعتبار سے خلافِ عقل ہو؛ تو اس کو بھی حضراتِ محدثین باطل وجھوٹی روایات میں شمار کرتے ہیں ؛ کیوں کہ ناممکن ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی بات خلافِ عقلِ سلیم ہو۔ مثلاً امام ابن الجوزی کسی زندیق کی گھڑی ہوئی یہ

روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا کیا اور اس کو دوڑایا، جب وہ گھوڑا دوڑا تو اس کو پسینہ آ گیا، پھر اسی پسینہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کی تخلیق فرمائی ہے۔ (معاذ اللہ)

یہ روایت ذکر کر کے امام ابن الجوزی فرماتے ہیں: اس قسم کی حدیث کے موضوع اور جھوٹی ہونے میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں، یہ کسی مسلمان کی گھڑی ہوئی نہیں لگتی؛ کیوں کہ موضوع وجھوٹی روایات میں بھی یہ پرلے درجے کی گھٹیا اور اعلیٰ درجے کی جھوٹی ہے اور اس کا مضمون بھی محال و نا قابلِ تسلیم ہے؛ کیوں کہ خالق اپنے آپ کی تخلیق نہیں کرتا۔ (کشف المغیث: ۲۳۰)

مگر یاد رہے کسی روایت کے مخالفِ قرآن وحدیث اور معارضِ عقلِ سلیم ہونے کا اعتبار اس وقت کیا جائے گا، جب کہ علمائے دین اور فقہائے شرعِ متین اس کا اظہار کریں؛ ورنہ ایرے غیرے، ہر کس و نا کس کی فہم کا اعتبار نہیں۔

چند خاص اسباب کی نشان دہی

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ مزید بہت ساری صورتوں کو حضراتِ محدثین نے بیان فرمایا ہے، جو اصولِ حدیث، تخریجِ حدیث، کتبِ رجال اور بہ طور خاص موضوع احادیث پر لکھی گئی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں، تفصیل اور استیعاب کی طلب رکھنے والے احباب اُن کتب کی مراجعت کریں؛ لیکن اِس وقت اُن میں سے کچھ صورتیں اور اسباب وہ ہیں، جن کو آج بھی بیان کرنا بے حد ضروری ہے؛ اس لیے پیش آمدہ سطور میں ان کا ہلکا سا ذکر کرتا ہوں:

پہلا سبب: ذخیرۂ احادیث میں نہ ہونا

کوئی روایت سنائی جائے؛ مگر اس کا وجود ذخیرۂ احادیث اور کتب روایات میں کہیں نہ ہو، تو یہ بھی ایک مضبوط دلیل ہے کہ وہ روایت حدیثِ رسول نہیں ہے۔ یہ ایک اصول وضابطہ ہے، جس کا ذکر متعدد محدثین نے کیا ہے اور اسی اصول کی بنا پر محدثین نے ایسی روایات کے بے اصل وغیر ثابت ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اِس اصول کو تفصیل وتمثیل کے ساتھ سمجھنے سے پہلے ایک اہم بات ذہن نشیں کر لیں:

حضراتِ محدثینِ عظام نے اپنی پوری زندگی احادیثِ رسول اللہ ﷺ کی جمع وتدوین، ترتیب وتحقیق میں فدا کر دی اور اِن کی روایت وحفاظت کے حوالے سے اپنی نا قابلِ یقین قربانیوں، حیرت

انگیز کارناموں اور انوکھی وانمول خدمات سے صفحۂ کائنات پر نقش کالحجر ہی نہیں؛ بل کہ- میں تو کہوں گا- نقش کالجبل کر دیا۔ اور پوری دنیا کو بتا دیا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی احادیث وآثار کی روایت اور حفاظت دونوں کے حوالے سے جو معجزانہ خدمت حضراتِ محدثینِ عظام نے سرانجام دی ہے، ایسی عظیم خدمت کبھی بھی، کہیں بھی، کسی کے لیے بھی؛ نہ کسی فرد نے انجام دی ہے اور نہ ہی کسی قوم نے۔ اور ایسی خدمت تا قیامت کسی سے بھی نہیں ہو پائے گی۔

چناں چہ بے شمار محدثین کے متعلق صفحاتِ تاریخ گواہ ہیں کہ

علمِ حدیث کے اِن سچے عاشقوں اور طالبوں کو جب بھی جس نے بھی بتا دیا کہ فلاں جگہ ایک محدث ہیں؛ تو فوراً اُس کے پاس پہنچ گئے، یہ تحقیق نہیں کی کہ بتانے والا سچ بول بھی رہا ہے، یا صرف اپنے گمان سے کہہ رہا ہے اور وہ محدث قابلِ استفادہ ہے بھی یا نہیں؛ بل کہ از خود تحقیق فرماتے، مشاہدہ کرتے اور اپنے وطن سے دور پردیس میں رہتے ہوئے اُس محدث سے علمِ حدیث حاصل فرماتے۔

بل کہ ایک انوکھا حال یہ بھی تاریخ نے بتایا ہے کہ ان محدثین کے پاس پہلے ہی سے نہایت عالی شان سند سے ایک حدیث معلوم ہوتی؛ مگر پھر بھی علمِ دین کو پختہ سے پختہ تر طریقے پر جمع کرنے کے شوق میں سفر پہ سفر کرتے اور یہ ایسا بھی نہیں کہ روایات کی کافی بڑی مقدار اور ذخیرہ کے لیے جاتے ہوں؛ بل کہ کبھی تین چار حدیثوں کی خاطر اور کبھی دو ایک حدیث ہی کے لیے سفر کرتے۔

بھوک و پیاس اور سرد گرم سے نالاں نہیں، غربت و تنگ دستی سے پریشان نہیں، جنہم زار اسفار سے خائف نہیں، مال ودولت کے خرچ پر؛ بل کہ بسا اوقات ضیاع پر بھی ذرہ برابر دل چھوٹا نہیں کرتے تھے۔ رنجیدہ وکبیدہ ہونا تو کوسوں دور تھا؛ بل کہ اس کے برعکس اِن مخلص و بے نظیر حضراتِ محدثین کو حدیثِ نبوی کی طلب میں ہر ایک درد سے ہم دردی اور ہر ایک کلفت سے الفت ہو چکی تھی۔

الغرض ان جلیل القدر و عظیم المرتبت حضراتِ محدثین نے احادیثِ نبویہ کو پورے شوق وذوق اور اَن تھک محنتوں و کاوشوں سے پوری طرح حاصل کرنے کے بعد، ہر ہر حدیث کو اس کے لاکھوں راویوں کے نام وحال کے ساتھ متنوع طرز و مختلف اسلوب پر اپنی اپنی کتابوں میں جمع فرما دیا ہے، جیسے ”کتبِ جوامع، کتبِ سنن، کتبِ مسانید، کتبِ مستدرکات، کتبِ مستخرجات، کتبِ مصنفات، کتبِ معاجم وغیرہ وغیرہ۔ نیز وقتاً فوقتاً حدیث کے نام پر جو روایات گھڑی گئیں، محدثین نے ان کو بھی ”کتبِ موضوعات“ میں جمع کر دیا اور امت کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا اور بتا دیا کہ کون سی حدیث ثابت

ہے اور کون سی ثابت نہیں ہے؛ تا کہ ثابت شدہ روایات حدودِ ثبوت سے خارج نہ ہوں اور غیر ثابت روایات دائرہ ثبوت میں داخل نہ ہوں۔

اِس مختصر سی تمہید کے بعد یہ جو اصول ذکر کیا گیا کہ ''ذخیرۂ احادیث وآثار میں کسی روایت کا نہ ہونا اس کے بے اصل ہونے کی ایک مضبوط دلیل ہے'' اس اصول وضابطے کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا یہ محققانہ قول اپنی تشریح کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

"ما أحسن قولَ القائل: إذَا رَأيتَ الحديثَ يُبايِنُ المَعْقُولَ، أو يُخالِفُ المَنْقُولَ، أو يُناقِض الأصُولَ، فاعْلم أنَّه موضوع. قال: و معنى مناقضته للأصول أن يكون خارجًا عن دواوين الإسلام من المسانيد، والكتب المشهورة."

(کتنی بہترین اور پیاری بات کہی ہے کہنے والے نے کہ جب تم ایک روایت کو عقل کے خلاف، نقل کے منافی اور اصول سے خارج پاؤ؛ تو یقین رکھو کہ وہ موضوع ہے۔ (امام سیوطی فرماتے ہیں کہ) یہاں اصول سے خارج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت، اسلام کی عظیم کتابوں: مثلاً مسانید اور کتبِ مشہورہ میں نہ ہو۔)

(اليواقيت والدرر:۱/۱۳۸، تدريب الراوي:۱/۲۷۷، كشف المغيث:۲۲۸)

(۲) علامہ ابن عراق کنانی رحمہ اللہ، امام کبیر فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کرتے ہیں:

"مِنْها ما ذكره الإمام فخر الدين الرازي: أن يُروٰى الخبرُ في زمن قد اسْتُقْرِء ت فيه الأخبارُ، و دُوِّنَتْ فَيُفَتَّشُ عنْه فلا يُوجدُ في صدور الرجال، ولا في بطون الكتب."

(حدیثِ موضوع کو پہچاننے کی ایک علامت وہ بھی ہے، جو امام فخر الدین رازی نے بیان فرمائی کہ حضراتِ صحابہ اور تابعین کے زمانۂ خیر کے بعد احادیثِ نبویہ بعدِ استقرائے تام جمع اور مدون کردی گئیں، اب اس کے بعد اگر کوئی حدیث بیان کی جائے اور وہ نہ محدثین کے سینوں وزبانوں پر ملے اور نہ ہی کتبِ احادیث میں، تو یہ دلیل ہے کہ وہ، حدیثِ نبوی نہیں ہے۔) (تنزيه الشريعة:۱/۷)

(۳) محدثِ کبیر، فقیہِ جلیل، شیخ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تحریر کرتے ہیں:

" قلتُ: و من القواعد الكُلّيّة أن نقْلَ الأحاديث النبويَّةِ ، و المسائل الفقهيَّةِ ، والتفاسير القرآنيَّةِ لا يجوز إلا من الكتب المتداولة ؛ لعدمِ الاعتماد على غيرها من وضع الزنادقة ، و إلحاق الملاحدة ، بخلاف الكتب المحفوظة ، فإن نُسَخَها تكُون صحيحةً متعدّدةً."

(میں کہتا ہوں کہ قواعدِ کلیہ میں سے ایک قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ احادیثِ نبویہ، مسائلِ فقہیہ اورتفسیری اقوال کوصرف مشہورومتداول کتابوں سے ہی نقل کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ محفوظ اورصحیح ومعتمد ہوتی ہیں، رہا غیرمشہور کتابوں سے نقل کرنا، تو اُس کا اعتبار اِس لیے نہیں؛ کیوں کہ اُن میں زندیقوں اورملحدوں کی طرف سے وضع و جعل سازی کا اندیشہ ہے۔) (الأسرار المرفوعة: ۳۹۳)

(۴) علامہ مرعی مقدسی رحمۃ اللہ، امام سیوطی رحمۃ اللہ کی صاف وواضح عبارت تحریر کرتے ہیں:

" إنَّ الجَرْح إنَّما جُوِّزَ في الصدْر الأوَّل حيثُ كان الحديثُ يؤخَذ مِن صُدور الأحْبار، لا من بُطون الأس.فار ، فاحْتِيْج إليه ضرورةً ؛ و أما الآن فالعُمدةُ على الكتب المُدَوَّنة ، فَمَن جاء بحديثٍ غير موجودٍ فيها فهو رَدٌّ عليه و إن كان مِنْ أتقى المتقين ، و إن كان فيها لم يتصور فيه الرد و إن كان من أفسق الفاسقين."

(اسلام کے ابتدائی زمانے میں راویوں پر جرح کی اجازت ایک ضرورت کی بنا پر دی گئی تھی اوروہ ضرورت یہ تھی کہ حدیث محدثین کے سینوں سے حاصل کی جاتی تھیں، اوراقِ کتب سے نہیں؛ مگراب اعتماد وبھروسے کا سارادارومدار چوں کہ مُدوّن ومرتب کتبِ حدیث ہی پر ہے؛ اس لیے جوشخص ایسی حدیث بیان کرے، جو اِن کتابوں میں نہیں ہے؛ تووہ رد کردی جائے گی، چاہے بیان کرنے والاشخص کتنا ہی بڑا صالح ونیک ہی کیوں نہ ہو؛ اوراگرکوئی شخص ایسی حدیث سنارہاہے، جواِن کتابوں میں موجود ہے [اوروہ ثابت ہے، یاسَین] تو قبول کی جائے گی، چاہے سنانے والا بڑا فاسق ہی کیوں نہ ہو۔) (الفوائد الموضوعة: ٦٩)

جب حضراتِ محدثینِ عظام کی تصریحات سے یہ قاعدۂ کلیہ بن گیا کہ ”حدیث کی مشہور و معتمد کتابوں میں کسی روایت کا مروی نہ ہونا بھی دلیل ہے کہ وہ حدیثِ رسول نہیں ہے“۔ اب اس قاعدے کو جہاں جہاں محدثین نے برتا ہے اور اس کی بنا پر روایات کو غیر ثابت ٹھیرایا ہے، ان میں سے کچھ روایات بہ طور مثال نقل کرتا ہوں؛ تا کہ بات خوب اچھی طرح نکھر جائے، چناں چہ

(۱) ”**أُمِرْتُ أَنْ أَحْكُمَ بِالظَّوَاهِرِ، وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ**“: یہ حدیثِ مرفوع کی حیثیت سے فقہا و قاضیوں کے درمیان کافی مشہور ہے؛ مگر چوں کہ اس کا حدیثِ رسول ہونا کتبِ روایات اور محدثین سے ثابت نہیں؛ اس لیے حافظ سخاوی رحمۃ اللہ نے اس کو بے اصل قرار دیا ہے اور اس کی وجہ میں یہی قاعدۂ کلیہ ذکر فرمایا ہے۔ چناں چہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ رقم طراز ہیں:

”**لا وُجودَ له في كتبِ الحديث المشهُورة، و لا الأجزاء المنثُورة.**“

(اس حدیث کا وجود نہ تو حدیث کی مشہور کتابوں میں ہے اور نہ ہی حدیث کے معروف رسالوں میں۔) (المقاصد الحسنة:۱۷۸)

(۲) ”**لا مهر لبغي**“: یہ کلام حدیثِ نبوی کی حیثیت سے بہت ذکر کیا جاتا ہے؛ مگر بایں الفاظ آپ ﷺ سے کتبِ حدیث میں کہیں ثابت نہ ہونے کی بنا پر امام ابن الملقن رحمۃ اللہ نے اس کو موضوعات میں شمار فرمایا ہے اور اس کی وجہ میں اسی قاعدے کا ذکر کیا ہے، چناں چہ اِس حدیث کی تحقیق میں امام رافعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ”**لا ذكر له في كتب الحديث**“ (حدیث کی کتابوں میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔) (البدر المنير:٦/٧٧٢)

(۳) ”**من وجد طعاماً فليأكله ولا يعرفه**“: اس کو حدیثِ رسول کہا جاتا ہے؛ مگر اس کا حدیث ہونا، محدثین اور اصولِ حدیث سے ثابت نہیں؛ اس لیے محدثین نے اس کو موضوع و غیر ثابت قرار دیا ہے، چنانچہ امام ابن الملقن اور امام ابن حجر رحمہما اللہ، امام رافعی رحمۃ اللہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اس کو موضوع و غیر ثابت بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے: ”**لم أقف عليه في كتاب حديث**“ ......”**هذا الحديث بهذا اللفظ، لا ذكر له في الكتب.**“

(البدر المنير:٧/١٦٢،التلخيص الحبير:١٣٣٦)

(۴) ”**لعن الله اليهود، ثم اليهودَ، ثم أمواتَ النصارى**“: یہ موضوع و غیر ثابت ہے؛ اس کی وجہ امام عامری رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”**هذا لفظٌ جارٍ على ألسنة العوام، ولا أصل له في كتب الحديث، و الآثار.**“

(یہ حدیث بایں الفاظ عوام الناس کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے؛ ورنہ تو اس کی کوئی اصل، کتبِ حدیث وآثار میں کہیں نہیں ہے۔) (الجد الحثیث: ۳۷۲)

(۵) "إذا حضر العَشاء ، و العِشاء فابدأوا بالعَشاء" : مشہور ہے کہ یہ حدیثِ نبوی ہے؛ مگر ملا علی قاری، حافظ عراقی رحمہما اللہ کی تحقیق نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: "لا أصْلَ لهُ في كُتُبِ الْحَديث بِهٰذا اللَّفظ" (ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کی کوئی اصل حدیث کی کتابوں میں نہیں ہے۔) (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع:۱۸)

تفسیر وفقہ، سیرت وتاریخ اور تصوف کی کتابوں سے نقلِ حدیث میں احتیاط لازم ہے

احادیثِ نبویہ کے حفاظ اور محافظین نے صاف صاف تصریح کی ہے کہ حدیثِ رسول کی صحیح روایت وپختہ حفاظت کے حوالے سے صحت واعتماد کا اور یقین وثبوت کا جو درجہ حضراتِ محدثین کی کتبِ حدیث کو حاصل ہے، وہ دوسری کتابوں کو حاصل نہیں ہے؛ بل کہ خود حدیث کے موضوع پر کچھ کتابیں ایسی لکھی گئیں ہیں، جن میں صحیح، حسن، ضعیف، متروک وموضوع روایات ہیں، تو محدثین نے ایسی کتابوں سے روایت کرنے کو بھی درست نہیں قرار دیا؛ بل کہ شرط لگادی کہ ایسی کتب سے وہی شخص استفادہ کرے؛ جو حدیث کا وسیع النظر عالم ہو، ثابت وغیر ثابت کی تمیز رکھتا ہو؛ ورنہ جو اس درجہ کا نہیں ہے، وہ غلطی کا شکار ہو جائے گا اور غیر صحیح کو صحیح سمجھ بیٹھے گا۔

جب حدیث کے موضوع پر تحریر کردہ کتب کے متعلق یہ اصول وضابطہ ہے، تو جو کتابیں اِس موضوع کی نہیں ہیں اور ان میں بہ کثرت موضوع ومن گھڑت روایات بیان کی گئی ہیں، چاہے وہ اپنے فن وعلم کی کتنی ہی معتبر ومستند کتاب ہی کیوں نہ ہو، محدثین نے اُن کی مرویات کا اعتبار نہیں کیا، چناں چہ تفسیر کی کتابیں، فقہ کی کتابیں، سیرت کی کتابیں اور تاریخ کی کتابیں بھی روایتِ حدیث کے سلسلے میں غیر معتبر قرار دی گئی ہیں؛ اس لیے کہ ان علوم کی کتابوں میں بے حد وبے شمار موضوع روایات بیان کی گئی ہیں اور کی جاتی ہیں، اِن کتابوں کے مؤلفین ہر وہ بات ذکر کر دیتے ہیں جو اُن کو معلوم ہوئی، چاہے وہ مستند وصحیح طریقے سے مروی ہو، چاہے نہایت ہی غیر معتبر طریق سے مروی ہو، چاہے وہ اچھی وسچی ہو، چاہے وہ حد درجے باطل وغلط ہو؛ اُس پر مستزاد یہ بھی نہیں بتاتے کہ کون سی روایت کس درجے کی ہے؛ بلکہ مکمل خاموشی کے ساتھ بس بیان ہی بیان کرتے چلے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک حق شناس کی عقل پر حق وباطل کے بیچ پردۂ التباس پڑ جاتا ہے اور بسا اوقات مؤلف کی علمی جلالت وعظمت کی بنا پر مطالعہ کرنے

والے کے لیے ثابت وغیر ثابت اور صحیح وغیر صحیح کی تمیز کرنا لوہے کے چنے چبانے سے زیادہ مشکل اور دشوار ہو جاتا ہے۔

یہ مذکورہ بالا کلام دراصل حاصل ہے اُن عبارتوں کا جو محدثین نے متعدد مواقع پر تحریر فرمائی ہیں۔ سرِ دستچند تصریحات ائمہ ملاحظہ ہوں:

(۱) امام المفسرین، امام ضحاک کے شاگرد امام **جُویبر** رحمہ اللہ مشہور ائمہ تفسیر میں سے ہیں ،اُن کے تذکرے میں شیخ الاسلام امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" قال أبوقدامة السرخسي: قال يحيى القطان: تساهلوا في أخذ التفسير عن القوم لا تولعوهم في الحديث ، ثم ذكر ليث بن أبي سليم و جويبر، و الضحاك ، و محمد بن السائب ، و قال: هؤلاء لا يُحمدُ حديثُهم ، ويُكتَب التفسيرُ عنهم."

(امام ابوقدامہ سرخسی سے منقول ہے کہ امام یحیٰ بن سعید القطان نے فرمایا کہ لوگوں نے ایسے احباب سے علمِ تفسیر لینے میں تساہل برتا ہے، جن پر تم حدیث کے سلسلے میں اعتماد نہیں کر سکتے، پھر یحیٰ القطان نے لیث بن ابی سلیم، جویبر، ضحاک اور محمد بن السائب کا نام لیا اور فرمایا کہ یہ وہ حضرات ہیں، جن سے تفسیر تو لکھی جاسکتی ہے؛ مگر ان کی حدیثیں قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔) (ميزان الاعتدال:۲/ ۱۶۱)

(۲) امام علی بن سلطان عرف ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی کتاب "**الأسرار الموضوعة**" میں "**من قضى صلاة من الفرائض في آخر جمعة من شهر رمضان ، الخ**" کو موضوع قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

" ثم لا عبرةَ بِنقل صاحب "النهاية " و لا ببقية شراح " الهداية " فإنهم ليسوا من المحدثين ، و لا أسندوا الحديث إلى أحد من المخرِّجين."

(صاحب "نہایہ" اور "ہدایہ" کے شارحین کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں ؛ کیوں کہ یہ حضرات نہ تو محدثین میں سے ہیں اور نہ ہی انھوں نے حدیث کو کسی صاحبِ تخریج کی جانب منسوب کیا ہے۔) (الأسرار المرفوعة:۵۱۹)

(۳) ملا علی قاری رحمہ اللہ کی یہ عبارت بعینہٖ علامہ جمال الدین قاسمی نے "**قواعد**

التحدیث‘‘ میں نقل کر کے اس پر عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ

’’ بیان أنه لا عبرة بالأحادیث المنقولة في کتب الفقه والتصوف ما لم یظهر سندها وإن کان مصنّفُها جلیلًا.‘‘

(تفسیر وتصوف کی کتابوں میں منقول احادیث کا اعتبار نہیں جب تک کہ اس کی سند ظاہر نہ ہو جائے ، اگر چہ کتاب کا مصنف کتنا ہی بڑا اور جلیل القدر عالم کیوں نہ ہو!)

(قواعد التحدیث: ۱۸۱)

(۴) حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نہایت معتدل محققانہ قول تحریر فرماتے ہیں:

’’ومن هنا نَصُّوا علٰی أنه لا عِبْرَةَ للأحادیث المَنْقُولةِ في الکتب المَبْسُوطة ما لم یظهر سندها ، أو یعلم اعتماد أرباب الحدیث علیها ، وإن کان مصنّفها فقیهًا جلیلًا یعتمد علیه في نقل الأحکام ، وحکمِ الحلال و الحرام ؛ ألا تری إلی صاحب ’’الهدایة‘‘ مِنْ أجلَّةِ الحنفیة ، و الرافعي شارح ’’الوجیز‘‘ مِنْ أجلَّةِ الشافعیة ، مع کونهما مِمَّنْ یُشار إلیه بالأنامل، ویعتمد علیه الأماجدُ و الأماثل ، قد ذکروا في تصانیفهما ما لا یوجد له أثر عند خبیر بالحدیث یستفسر، کما لا یخفی علی من طالع ’’ تخریج أحادیث الهدایة ‘‘ للزیلعي ، و ’’تخریج أحادیث شرح الرافعي‘‘ لابن حجر العسقلاني ، و إذا کان هؤلاء الأجلةُ هٰذا فما بالُک بغیرهم من الفقهاء الذین یتساهلون في إیراد الأخبار ، و لا یتعمَّقون في سند الآثار.‘‘

(محدثین نے تصریح کی ہے کتبِ مبسوطہ میں منقول روایات کا اعتبار اس وقت تک نہیں کیا جائے گا، جب تک کہ ان کی سند ظاہر نہ ہو جائے ، یا اُن پر اربابِ حدیث کا اعتماد معلوم نہ ہو جائے ، اگر چہ اِن کتابوں کے مصنفین ایسے جلیل القدر فقہا ہی کیوں نہ ہو، جن پر بیانِ احکام میں اور حلال وحرام کے مسائل میں اعتماد کیا جاتا ہو۔ ذرا دیکھو اور سمجھو صاحبِ ’’ہدایہ‘‘ احناف کے جلیل القدر ائمہ میں سے ہیں، شارح ’’الوجیز‘‘ شوافع کے جلیل القدر ائمہ میں سے ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں، جو انمول ہیں اور جن پر بڑے بڑے اور مثالی ائمہ تک اعتماد و یقین رکھتے ہیں، لیکن انھوں نے بھی

اپنی کتابوں میں ایسی روایات ذکر کردیں، جن کا علم وسیع النظر محدث کے پاس نہیں ہے، جیسا کہ یہ بات اس بندے پر واضح ہے، جو امام زیلعی کی تخریجِ ہدایہ اور امام ابن حجر عسقلانی کی تخریجِ شرح الرافعی کا مطالعہ رکھتا ہے۔ جب ان جلیل الشان فقہا کا بھی حال یہ ہے، تو کیا کہو گے اُن کے بارے میں جو نقلِ روایات میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور احادیث کی سند پر گہری نظر و پکڑ نہیں رکھتے۔)

(الأجوبة الفاضلة عن الأسئلة العشرة الكاملة :۷)

(۵) غنا و سرود کو فقہائے شریعت نے جائز نہیں لکھا مگر صوفیائے طریقت میں سے بعض جواز کے قائل ہیں، اس مسئلے کے حوالے سے کلام کرتے ہوئے امام ربانی مجددِ الفِ ثانی رَحِمَہُ اللہُ تحریر فرماتے ہیں:

''امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں مذکور ہے: صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے، صرف یہی کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا امر، اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں؛ یہاں تو امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے؛ نہ ابو بکر شبلی اور نہ ابو حسن نوری کا عمل۔''

(مکتوبات ربانی، دفتر اول، مکتوب/۲۶۶، ص:۶۷۶)

امام ربانی نے دراصل اصول بیان فرمایا ہے کہ شرعی مسائل میں فقہا کے قول کا اعتبار ہے، صوفیا کا نہیں؛ کیوں؟ اس لئے کہ وہ فقہ کے ماہر نہیں ہیں، لہٰذا صوفیا کی جو بات فقہا کے قول کے خلاف ہو گی وہ رد کر دی جائے گی۔ اسی طرح حدیث کی تحقیق و تصحیح اور تضعیف میں محدثین کی روایت و نقل کا اعتبار ہو گا، فقہا اور صوفیا کا نہیں؛ اس لئے جس طرح فقہی مسائل معتبر کتب فقہ سے نقل کرنا ضروری ہے، کتب تصوف سے مسئلہ بیان کرنا جائز نہیں اسی طرح شرعی دلیل یعنی حدیث رسول بھی مستند کتب حدیث سے بیان کرنا ہی ضروری ہے، کتب تصوف و خطبات سے نقل کرنا درست نہیں بلکہ مجتہد فیہ مسئلہ کو بھی اِن کتابوں سے نقل کرنا درست نہیں تو اُس مسئلے کی دلیل شرعی کو ان کتابوں کے حوالے سے بیان کرنا تو بدرجۂ اولیٰ صحیح نہیں؛ کیوں کہ فروعی مسائل سے زیادہ عظیم و اہم اور نازک ''شرعی دلائل'' ہیں۔

(۶) حضرت اقدس مفتی سعید احمد پالن پوری صاحب زید مجدہ تفسیر و تاریخ کی کتابوں کی روایات کے متعلق امامِ کبیر حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللہُ کے کلام کا ترجمہ و ترجمانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الفوز الکبیر میں شاہ صاحب نے تفسیر میں اسرائیلی روایات نقل کرنے کو اسلام کے خلاف ایک سازش قرار دیا ہے۔''

اسی طرح آپ رقم طراز ہیں کہ ''تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں جو اسرائیلیات ہیں، ان میں سے بیش تر علمائے اہلِ کتاب سے مروی ہیں، ان پر کسی حکم شرعی یا کسی اعتقاد کی بنیاد قائم کرنا جائز نہیں ہیں۔''

(رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/۱۳۱)

واضح کردوں کہ حضرت شاہ صاحب کی مذکورہ بالا بات اسرائیلی روایات کے متعلق جس بنیاد پر قائم ہے، وہ بنیاد ''سند کا نہ ہونا، وضع کرنا، دینِ الٰہی کے خلاف ہونا اور بلا تحقیق نقل ہونا'' ہے؛ لہٰذا عدمِ اعتماد کی یہ بنیاد جہاں جہاں، جن جن مسائل میں کھڑی دکھائی دے گی؛ وہاں وہاں یہی حکم ہوگا، جو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے اور جس سے حضرت مفتی سعید احمد صاحب زید مجدہ نے اتفاق فرمایا ہے۔

الغرض اِس مفصل کلام سے اور ائمہ و علما کی تصریحات سے ایک قاعدہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر وتصوف کی کتابوں میں منقول احادیث کا اعتبار نہیں جب تک کہ اس کی سند ظاہر نہ ہو جائے، اگرچہ کتاب کا مصنف کتنا ہی بڑا اور جلیل القدر عالم کیوں نہ ہو!۔ اسی قاعدے وضابطے کی بنا پر محدثین نے متعدد روایات کو بے اصل قرار دیا ہے، چند تمثیلات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حدیث: ''مَنْ قَصَّ أَظْفَارَنَا مُخَالِفاً لَمْ يَرَفِيْ عَيْنَيْهِ رَمَدًا'' کی تحقیق میں امامِ حدیث حافظ سخاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث سے واقف نہیں ہوں، اگرچہ کہ امام ابن قدامہ حنبلی نے ''المغني'' میں اور شیخ عبد القادر جیلانی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''غنیة'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حافظ سخاوی کا یہ کلام نقل کر کے شیخ ابوغدہ رَحِمَہُ اللّٰہُ لکھتے ہیں:

''وهذان إمامان بل جبلان في الفقه والعلم رضى الله عنهما، و لكن الحديث يؤخذ عن أهله، والفقه يؤخذ عن أهله.''

(یہ دونوں حضرات امام ہیں؛ بل کہ فقہ اور علم تصوف کے پہاڑ ہیں [اللہ ان دونوں حضرات سے راضی ہووے] لیکن اس کے باوجود حدیث محدثین سے لی جائے گی اور فقہ فقہا سے۔) (المصنوع، رقم الحدیث: ۳۵۷)

(۲)''الأذان جزم، والإقامة جزم، و التكبير جزم.'' اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے شیخ عبد الفتاح رقم طراز ہیں:

''ولا تَغْتَرَّ بِذِكْر بعض الفقهاء من أجلة الحنفية، والشافعية لهذه

الجملة: "الأذان جزم ، والإقامة جزم ، و التكبيرجزم" حديثًا نبويًّا في كتب الفقه ، فقد علمت أنها من كلام ابراهيم النخعي ، وليست بحديث نبوي. و المعوَّل عليه في هذا الباب قول المحدثين لا الفقهاء على جلالة قدرهم".

("**الأذان جزم ، والإقامة جزم ، و التكبيرجزم**"والی بات بعض حنفی اورشافعی فقہانے کتب فقہ میں حدیث نبوی کہہ کر جوذکر کردیا ہے،اس سے دھوکہ مت کھاو؛ کیوں کہ تم کوتحقیق مل گئی یہ کلام ابراہیم نخعی کی بات ہے،حدیث نبوی نہیں ہے اورحدیث کے باب میں معتمدقول محدثین کاقول ہے،فقہا کاقول نہیں ،مانا کہ فقہا اپنےفن میں جلیل القدروعظیم المرتبت ہیں۔)

(المصنوع، رقم الحديث :۹۵)

(۳) اسی طرح "**الحديث في المسجد يأكل الحسنات كما تاكل البهيمة الحشقيش** " کے موضوع ہونے پر حافظ ابن حجر ،حافظ سخاوی، حافظ عراقی ،حافظ فیروز آبادی، علامہ سفارینی اورعلامہ شامی رحمہم اللہ کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

یہ حدیث بے شمار مفسرین ،فقہا اور صوفیا سے ان کی کتابوں میں منقول ہے، مثلاً: مفسرین میں سے زمخشری ،شیخ ابوالسعود اور شیخ آلوسی کی تفسیروں میں منقول ہےاور فقہا وصوفیا تو بے حدو بے شمار ہیں، ان کا ذکر کرکے کلام طویل نہیں کروں گا۔الغرض یہ حضرات، یہ اوراس جیسی بہت ساری موضوع احادیث اپنی اپنی تصنیفات میں محض ایک دوسرے کی اتباع میں بلاتحقیق وتنقید ذکر کرتے چلے آتے ہیں اوراس طرح ان کے کلام میں موضوع حدیثیں جمع ہوجاتی ہیں؛اس لیے مانا کہ یہ حضرات علم حدیث کے علاوہ دوسرے علوم وفنون میں عظیم القدر ہیں؛ مگران کی جلالت ِعلمیہ کے باوجود یہی کہنا پڑتا ہے کہ"**يتعين في كل علم الرجوعُ إلى أهله الحاذقين فيه**" (ہرعلم میں اسی کے ماہرین وکاملین کی جانب رجوع کرنا متعین ولازم ہے۔)[جیسے فقہ میں فقہا کی جانب، تفسیر وسلوک میں مفسرین وصوفیا کی جانب ،نحووصرف میں نحویین وصرفیین کی جانب، لغت وبلاغت میں اہلِ لغت وبلاغت کی جانب، تو اِسی

طرح علم حدیث وتحقیقِ حدیث میں محدثین کی جانب رجوع کرنا لازم ہے، یاسین]۔

(المصنوع، رقم الحدیث:۱۰۹)

(۴) سیرت وتاریخ کی مشہور حدیث کہ "آپ ﷺ کی ولادت کے دن شاہ کسریٰ کے ایوان میں دراڑ پڑ گئی، چودہ کنگر گر پڑے، فارس کی آگ بجھ گئی اور بحیرۂ ساوہ سوکھ گیا وغیرہ وغیرہ" اس کی تحقیق میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

> یہ حدیث موضوع ہے، اس کو نظم ونثر میں بیان کرنا جائز نہیں، نیز یہ روایت بعض علما نے سیرت وتاریخ کی کتابوں میں ذکر کردیا ہے: مثلاً ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں، ابونعیم اصفہانی نے "**دلائل النبوة**" میں، بیہقی نے "**دلائل النبوة**" میں، قسطلانی نے "**المواهب اللدنية**" میں، زرقانی نے "**شرح المواهب**" میں، سیوطی نے "**الخصائص الكبرى**" میں، شیخ شامی صالحی نے "**السيرة الشامية**" میں اور ان کے علاوہ بہت ساروں نے جو حدیث ذکر کی ہے، تو اُس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے؛ اس لیے کہ یہ حضراتِ علما، سیرت وتاریخ کے باب میں ہر وہ حدیث ذکر کردیتے ہیں، جو اُن تک پہنچی، چاہے ثابت ہو یا غیر ثابت ہو اور ایسا یہ حضرات اِس قسم کی حدیثوں کو اس وجہ سے ذکر نہیں کرتے کہ وہ صحیح وثابت ہیں؛ بل کہ اس لیے ذکر کرتے ہیں؛ تاکہ اس کی تحقیق و چھان بین کی جائے۔

(المصنوع، رقم الحدیث:۱۸)

فلاحظة: ایوان کسری کی حدیث کے متعلق بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ ثابت ہے، جیسا کہ علامہ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے "سیرۃ المصطفی: ۱/۵۵-۶۱" میں بیان کیا ہے؛ مگر یہاں اس وقت حدیث پر کلام کرنا نہیں۔

سببِ اول کا حاصل وخلاصہ

اِس تفصیلی وتمثیلی کلام سے واضح ہوگیا کہ حدیثِ نبوی کی روایت صرف کتبِ حدیث ہی سے کرنی ضروری ہے اور دوسری کتابوں سے اسی وقت کرنا جائز ہے، جب کہ وہ اصولِ حدیث اور محدثین کی تحقیق میں ثابت وصحیح ہو، اس کے علاوہ ایسی کتابیں، جن میں موضوع روایات کی بھرمار ہوتی ہے: جیسے تفسیر وتصوف کی بیشتر کتابیں، سیرت وتاریخ اور خطبات وواقعات کی اکثر کتابیں، تو اُن سے بیان کرنے میں

احتیاط لازم وضروری ہے اور اگر اِن کتابوں میں کوئی ایسی روایت پائی جائے، جو صرف ان ہی کے پاس ہے، کتبِ حدیث میں محدثین کے پاس نہیں ہے، تو اس وقت اس کی سند کا جاننا ضروری ہے۔ اگر سند صحیح ہے، تو حدیث کو صحیح کہا جائے گا، نہیں تو نہیں۔

اور اگر وہ روایت ایسی ہے کہ اُس کی سند ہی نہیں، تو پھر تو وہ بے اصل اور بے سند ہے اور ایسی روایت کی نسبت نبیٔ اکرم ﷺ کی جانب کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرات محققین کے بقول اگر چہ کہ ایسی روایت کو نقل کرنے والوں میں امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے عظیم الشان صوفیا؛ امام زمخشری، قاضی ابوسعود، علامہ آلوسی جیسے عظیم مفسرین؛ امام ابن قدامہ، امام مرغینانی اور امام رافعی جیسے فقہائے عظام؛ علامہ حلبی، علامہ صالحی دمشقی اور امام قسطلانی جیسے سیرت نگار کبارِ علم ہی کیوں نہ ہوں۔

دوسرا سبب: غیر محتاط صالحین کی مرویات

موضوع و باطل روایات، جھوٹی و من گھڑت احادیث سب سے زیادہ جس طبقے سے شائع و ذائع ہوئیں اور ہو رہی ہیں، وہ حضرات صوفیائے عظام کا طبقہ ہے۔ تاریخ علم حدیث اور موضوعات کی تقریباً ہر ایک کتاب میں اِس امر کی تصریح بے شمار متقدمین و متاخرین حضرات محدثین سے منقول ہے کہ

صوفیا حضرات، عبادات و ریاضات میں بہ کثرت مشغول رہنے اور زہد و تبتل یعنی خلوت پسندی و گوشہ نشینی کے غلبے کے اثر سے، بیانِ حدیث و سماعِ حدیث کے اصول سے بے خبر رہتے ہیں۔ مخلوق کے ساتھ مفرطانہ حسن ظن و نیک گمانی کے باعث ہر ایک آدمی پر بھروسہ کر لیتے ہیں خصوصاً آپ ﷺ کی جانب منسوب کر کے جو شخص بھی جیسی بھی بات بیان کرتا ہے، قبول کر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے و سمجھاتے ہیں کہ بھلا کوئی مسلمان حضور ﷺ پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے۔

اس طرح ان کے ملفوظات و تحریرات میں، کتابوں و خطبات میں ناحق و باطل اور جھوٹی روایات کی بہتات ہوتی ہے اور چوں کہ عوام الناس کے درمیان یہ حضرات ہر اعتبار سے معظم و مقدس؛ بل کہ خطا و غلطی سے معصوم سمجھے جاتے ہیں؛ اس لیے یہ غلط سلط روایات شیوع کے ساتھ ساتھ رسوخ بھی حاصل کر جاتی ہیں۔ پھر تو ذمے دار اہلِ علم کے لیے اِن کی طرف سے پھیلی ہوئی ناحق باتوں پر روک لگانا اور ان باتوں کی غلطی سمجھانا بھی مشکل سے مشکل ترین اور خطرناک ہو جاتا ہے۔

چناں چہ علامہ ابن عراق کنانی رحمہ اللہ، موضوع روایات پھیلانے والوں کی قسمیں نقل کرتے ہیں اور آخر میں صوفیائے عظام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وأخفى الأصناف الصنفُ الأخير الذين لم يتعمّدوا مع وصفهم بالصدق، فإن الضرر بهم شديد ؛ لِدِقَّة استخراج ذلك إلا من أئمة النقاد . و أما باقي الأصناف فالأمر فيهم سهل ؛ لأن كون تلك الأحاديث كذباً لا تخفى إلا على الأغبياء.“

(سب سے زیادہ خفی یعنی بھاری طبقہ یہ آخری طبقہ [طبقۂ صوفیا] ہے، جو جان بوجھ کر تو کذب بیانی نہیں کرتے؛ اس پر مزید یہ کہ راست شعار ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ان کی وجہ سے نقصان بڑا شدید پہنچتا ہے؛ اس لیے کہ [اِن کی بیان کردہ بے اصل وموضوع روایات کا] علم صرف محقق و مدقق ائمۂ حدیث ہی کو چلتا ہے، باقی لوگوں کو نہیں اور اس طبقے کے علاوہ باقی جو لوگ ہیں، ان کا مسئلہ آسان ہے؛ کیوں کہ [اِن کی ذکر کردہ] احادیث کا بے اصل و غیر ثابت ہونا چند کم عقلوں و بد دماغوں کو چھوڑ کر ہر ایک پر عیاں و نمایاں ہو جاتا ہے۔) (تنزيه الشريعة: ١/ ١٦)

ہمارے اس زمانے میں چوں کہ یہ سلسلہ قائم ہے؛ اس لئے مسئلے کی شدت وضرورت کی وجہ سے تفصیل سے کلام کرتا ہوں اور اِس کے متعلق حضراتِ ائمۂ محدثین کے معتد بہ اقوال نقل کرتا ہوں؛ تاکہ یہ صحیح و معتدل اصول ذہنوں میں خوب اچھی طرح راسخ ہو جائے؛ لہٰذا عرض ہے:

پہلا قول: مجتہدِ عظیم حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کا یہ قول قریب قریب تمام ہی محدثین نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام مالک نے فرمایا: چار قسم کے طبقوں سے حدیث بالکل نہیں لی جائے گی۔ تین طبقات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:- ”**رجل له فضل ، ولا يعرف ما يحدث به و إن كان له فضل وعبادة.**“ (ایک صاحبِ فضیلت بزرگ، جو یہ خبر نہیں رکھتے کہ کس قسم کی حدیث بیان کر رہے ہیں اگرچہ کہ ان کو درجۂ فضیلت و عبادت خوب حاصل ہے)۔

(الجرح والتعديل، الكفاية ، المحدث الفاصل، الكامل وغیرہ متعدد کتب حدیث ورجال، بہ حوالہ تحقيق على أصول الجرح والتعديل: ۱۷، مولفہ حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان زید مجدہ)

دوسرا قول: امام مسلم رحمۃ اللہ اپنی صحیح کے مقدمے میں تحریر کرتے ہیں کہ امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: ”**لَمْ نَرَ الصالحين في شيء أكذَبَ منهم في الحديث**“ (ہم نے صلاح شعار حضرات کو روایتِ حدیث کے سلسلے میں سب سے زیادہ خلافِ واقع بیان کرتے ہوئے دیکھا۔)

ان ہی کا اسی جیسا ایک دوسرا قول نقل کرنے کے بعد امام مسلم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"يقول: يجري الكذب على لسانهم، ولا يتعمّدون الكذب."

(امام قطان کی مراد یہ ہے کہ یہ صلحا جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے تھے؛ بل کہ بلا قصد وارادہ یہ جھوٹ اُن کی زبان پر آجاتا تھا۔) (مقدمة مسلم: ١٤)

تیسرا قول: امام مسلم رحمۃ اللہ اپنے مقدمے میں امام ابوالزناد کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"أدركت بالمدينة مائة كلهم مامون، ما يؤخذ عنهم الحديث، يقال ليس من أهله."

(میں مدینہ منورہ میں ایسے سو نیک لوگوں سے ملا ہوں، جو مامون یعنی برائیوں سے محفوظ تھے؛ مگر ان سے حدیث نہیں لی جاتی تھی؛ بل کہ یہ فیصلہ سنایا جاتا کہ یہ صاحب، حدیث بیان کرنے کے اہل نہیں ہیں۔) (مقدمة مسلم: ١٢)

چوتھا قول: امام المحدثین ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

" إنَّ مِنْ إخوانِنا مَنْ نَرجُو بركةَ دُعاءِه، و لو شَهِد عِنْدنا بشهادته ما قَبِلْنا ها."

(ہمارے بعض بھائی اتنے عظیم وافضل ہیں کہ ان کی دعاوں کے ثمرات وبرکات کا ہمیں پورا یقین ہے؛ مگر اس کے باوجود اگر وہ ہمارے سامنے علم حدیث کی گواہی بھی دیں گے، تو ہم قبول نہیں کریں گے۔) (الكفاية: ١/٤٢٤)

پانچواں قول: عَبَّادُ بن کثیر مشہور صالح وبزرگ گزرے ہیں؛ امام عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری سے عرض کیا: عباد کس قدر عظیم ہیں، یہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں؛ لیکن جب حدیث بیان کرتے ہیں، تو بڑی قیامت ڈھا دیتے ہیں، کیا اس کے بعد بھی میں طلبہ سے کہوں کہ ان سے حدیث نہ لو۔ امام سفیان ثوری نے فرمایا: کیوں نہیں، ضرور کہو۔ امام ابن المبارک کہتے ہیں: اس کے بعد میرا یہ معمول بن گیا کہ جب بھی مجلس میں ان کا ذکر آتا، تو "أُثْنِيتُ عَلٰى دِينِهٖ" میں ان کی دین داری وتقوی شعاری کی تعریف کرتا" و أَقُول: لَا تَاخُذُوا عَنْه" اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتا کہ ان سے حدیث نہ لو۔ (مقدمة مسلم: ١٣)

چھٹا قول: امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام ابو نُعیم فرماتے تھے:

"كان عندنا رجلٌ يُصلّي كُلّ يومٍ خمسَمائة حديث ، سقط حديثه في الغرائب." (الكفاية: ١/٤٢٤)

(ہمارے درمیان ایک بزرگ تھے، جو روزانہ پانچ سو رکعات نمازیں پڑھتے تھے؛ مگر غریب و منکر حدیثیں بیان کرنے کی وجہ سے ساقط الحدیث قرار پا گئے۔)

ساتواں قول: ابومہدی سعید بن سنان بڑے عظیم المرتبہ ولی وصوفی تھے۔ امام جوزجانی فرماتے ہیں: امام ابوالیمان اُن کی فضیلت و منقبت اور اُن کی عبادت و ریاضت کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: "كُنا نَستَمْطِرُ بِه" (ہم لوگ ان کے وسیلہ سے بارش کی دعائیں کرتے تھے۔) اتنے بڑے تقوی شعار و نیک کردار تھے؛ مگر اِس درجہ کی عظمت و بزرگی کے باوجود حدیث کی روایت کے سلسلے میں حضرات محدثین نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ چناں چہ امام یحییٰ بن معین نے "ليس بثقة" اور "ليس بشيء"، امام بخاری نے "منكر الحديث"، امام نسائی نے "متروك الحديث" تک کی سخت و سنگین جرحیں کی ہیں۔ (ميزان الاعتدال: ٣/٢١٠، تهذيب الكمال: ١٠/٤٩٦)

آٹھواں قول: علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تحریر کرتے ہیں:

"فعارَضَني بعضُ الأعزّة قائلا: قد ذكر صلوات يوم عاشوراء و ليلته وغيرهما من أيام السنة ولياليها جمعٌ من المشايخ الصوفية في دفاترهم العلِيَّة ، وذكروا فيها أخبارًا مرويةً ، فكيف لا يعمل بها ، ويحكم بأنها مختلقة . فقلت : لا عبرة بذكرهم ، فإنهم ليسوا من المحدِّثين ، و لا أسندوا الحديث إلى أحد من المُخرِّجين."

(بعض احباب نے رد و قدح کرتے ہوئے کہا کہ یوم عاشورا اور سال کے دیگر دنوں اور راتوں کی مخصوص نمازوں کا ذکر مشائخ صوفیا کی ایک بڑی جماعت نے اپنی عظیم تصنیفات میں کیا ہے اور اس سلسلے میں متعدد احادیث و آثار جب نقل کیے ہیں، تو ان پر کیوں عمل نہیں کیا جا سکتا اور آخر ان کی ان مرویات کے خود ساختہ و من گھڑت ہونے کا حکم کیوں لگایا جائے۔ تو میں نے جواب دیا کہ: صوفیا حضرات کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیوں کہ یہ حضرات از خود نہ تو محدثین ہیں اور نہ ہی انہوں نے کسی

دوسرے محدث وصاحب تخریج کا حوالہ دیا ہے۔)

(الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة:۹)

نواں قول: امام ربانی، فقیہ النفس حضرت رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے مابین ایک اہم ونازک مسئلے کی بابت جو مفصل ومطوّل خط وکتابت ہوئی، ''تذکرۃ الرشید'' میں حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ نے اُس کا مفصل ذکر فرمایا ہے۔ اُس میں ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو تحریر فرمایا: ''ایسا بدَسْتِ شیخ ہوجانا کہ ماموروننہی کی کچھ تمیز نہ رہے، یہ اہلِ علم کا کام نہیں ہے۔ **لا طاعةَ لِمخلُوق في معصية الخالق**، یہ امر بھی عام ہے، اس سے کوئی مخصوص نہیں''۔

اس سے زیادہ مفصل تحریر میں سمجھاتے ہوئے، حضرت امام ربانی تحریر فرماتے ہیں:

''حق کہہ دینے سے مجھے یہ امر مانع نہیں، وہ یہ ہے کہ بندہ جو حضرت شیخ [سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مدنی رحمہ اللہ مراد ہیں، یاسین] سے بیعت ہوا ہے اور جتنے اہلِ علم، ذی فہم، قدیم سے بیعت ہوتے رہتے تھے اور ہوتے رہے ہیں، تو باوجودِ علم، غیرِ عالم سے جو بیعت ہوئے، تو اِس خیال سے بیعت ہوئے اور ہوتے ہیں کہ جو کچھ استاذوں سے کتبِ دینیہ میں انھوں پڑھا اور علم حاصل کیا، کسی شیخ عارف سے اُس علم کو علم الیقین بنالیویں؛ تاکہ عمل کرنا نفس کو اُس علم پر سہل ہوجائے اور معلوم مشہود بن جاوے علی حسب استعداد؛ اِس واسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے، اُس کے صحت وسقم کو کسی شیخ غیرِ عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن وحدیث کو اُس کے قول سے مطابق کرلیں کہ جس کو وہ غلط فرماویں، اُس کو آپ غلط مان لیں اور جس کو صحیح کہیں، اُس کو صحیح رکھیں؛ کہ یہ خیال سراسر باطل ہے، بس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلافِ امرِ شرع کے فرمادے گا، تو اُس کا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا؛ بل کہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا؛ کیوں کہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے۔'' (تذکرۃ الرشید:۱/۱۷۸-۱۷۹)

دسواں قول: محقق محدث وفقیہ حضرت شیخ علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیقی عبارت نقل فرماتے ہیں:

''**المقصودُ هنا أنا نذكر قاعدة فنقول: المنقولات فيها كثير من**

الصدق ، وكثير من الكذب ، و المرجع في التمييز بين هذا و هذا إلى علماء الحديث ، كما نرجع إلى النحاة في الفرق بين نحو العرب و غير نحو العرب ، و نرجع إلى علماء اللغة فيما هو من اللغة ، و ما ليس من اللغة ، وكذالک علماء الشعر ، والطب ، وغير ذلک ، فلكل علم رجال يعرفون به. " (قواعد في علوم الحديث:٤٤٤)

(ایک اصول وقاعدہ ذکر کرنا مقصود ہے اور وہ یہ کہ منقولات ومرویات میں بہت ساری باتیں صحیح وصادق بھی ہیں، بہت ساری جھوٹ ومن گھڑت بھی اوران کے درمیان صحیح وغلط کی تمییز کرنے کا مرجع وماویٰ یہ حضرات محدثین ہیں،جس طرح عربی نحو وغیرعربی نحو کے فرق کو جاننے کے لیے علمائے نحو ہمارا مرجع ہیں ،لغوی مسئلے کے سلسلے میں علمائے لغت ہیں اور جیسے [شعروشاعری کے مسئلے میں] علمائے شعر اور [طبی مسئلے میں] علمائے طب ہیں وغیرہ وغیرہ؛ کیوں کہ ہرعلم وفن کے مخصوص ماہرین وکاملین ہوتے ہیں جو اس کی مکمل معرفت رکھتے ہیں۔)

گیارہواں قول: ہمارے اس زمانے میں ایک عالمِ باعمل، صاحبِ دل بزرگ ہیں، جو پاکستان کے بہت ہی مشہورومعروف مصلح ،مقبول بین الناس اورمحبوب العلما ہیں ۔اِن کی تصنیفات وتحریرات سے متعلق ایک مولانا نے حضرت استاذ معظم ومکرم مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ سے عرض کیا:

''حضرت! اِن مولانا کی کتابیں پڑھنے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی؛ کیوں کہ ان کی کتابوں میں موضوع روایات کی بھر مار ہے۔''

حضرت والا نے فرمایا:

''مولانا! آپ کی بات درست ہے کہ اِن کی کتابوں اور بیانوں میں موضوع احادیث کثرت سے ہوتی ہیں؛ مگراس میں بھی تو کوئی شک نہیں کہ اِن کی کتابوں میں بڑی تاثیر ہے ،امت کی اصلاح کا بڑا درد ہے اوراِن کے بیانات سے تعلق مع اللہ اورانابت الی اللہ کی فکرتازہ ہوجاتی ہے؛اس لیے یہ فکرودرد حاصل کرنے کے لیے پڑھنا مناسب ومفید رہے گا؛لہٰذا پڑھنی چاہیے ؛لیکن اگرآپ کا مقصود حدیث اور علمِ حدیث ہے،توچوں کہ اس حوالے سے ان کی تحریرات صحیح وغلط سے محفوظ نہیں ہوتیں؛ اس لیے پڑھنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ ہرایک بات اُسی کے مرجع ومحل سے حاصل کرنی چاہئے،

دوسرے محل سے حاصل کرنا بے محل و بے جا ہے؛ لہٰذا حدیث کو حدیث کی معتبر کتابوں سے، فقہ کو مستند فقہی کتب سے اور نحو وصرف، لغت وبلاغت اور طب وقانون کو اُن اُن کی معتبر ومتداول کتابوں سے حاصل کرنا ہی اصلی وصحیح طریقۂ کار ہے۔“

بارھواں قول: کلام کافی طویل ہوگیا؛ مگر ایک آخری اور جامع ترین عبارت نقل کردیتا ہوں، جو شیخ الاسلام امام ذہبی رحمۃ اللہ نے ”میزان الاعتدال:۲/۱۶۵“ پر اور اِن ہی کے بیان کو حافظ عراقی رحمۃ اللہ نے ”الباعث على الخلاص من حوادث القصاص:۸۹“ میں لفظ بہ لفظ نقل فرمایا ہے، علما کے لیے صرف عربی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

”وأما المحاسبي فهو صدوق في نفسه ، و قد نقموا عليه بعض تصوفه ، وتصانيفه . قال الحافظ سعيد بن عمرو البردعي : شهدت أبا زرعة – و قد سئل عن الحارث المحاسبي و كتبه – فقال للسائل: إياک و هذه الكتب ، هذه كتب بدع وضلالات ، عليک بالأثر، فإنک تجد فيه ما يغنيک. قيل له :في هذه الكتب عبرة . فقال: من لم يكن له في كتاب الله عبرة فليس له في هذه الكتب عبرة ، بلغكم أن سفيان ، و مالكًا ،و الأوزاعي صنفوا هذه الكتب في الخطرات ، والوساوس ، ما أسرع الناس إلى البدع !

مات الحارث سنة ثلاث وأربعين ومائتين. و أين مثل الحارث ، فكيف لو رأى أبوزرعة تصانيف المتأخرين کـ”القوت“ لأبي طالب ، و أين مثل ”القوت“ كيف لو رأى بهجة الأسرار لابن جهضم ، و ”حقائق التفسير“ للسُلمي لَطَارَ لُبُّه . كيف لو رأى تصانيف أبي حامد الطوسي في ذلک على كثرة ما في ”الإحياء“ من الموضوعات .كيف لو رأى ”الغنية “ للشيخ عبد القادر! كيف لو رأى ”فصوص الحكم“و ”الفتوحات المكية “ . بَلٰى، لما كان الحارث لسان القوم في ذاک العصر ، كان معاصره ألف إمام في الحديث ، فيهم مثل أحمد بن حنبل ، و ابن راهويه ، ولما صار أئمة الحديث مثل ابن الدخميسي ، و ابن شحنة كان قطب العارفين كصاحب ”الفصوص“

وابن سفيان. نسأل الله العفو والمسامحة، آمين".

بہ ہر حال اس قدر تحقیق وتفصیل کا حاصل یہ ہے کہ تصوف وسلوک اوراوراد وظائف کے باب میں تصنیف کردہ بڑی بڑی کتابیں اور جلیل القدر وعظیم المقام حضراتِ صوفیائے عظام کی تقریریں وتحریریں صرف علمِ سلوک کے باب میں قابلِ قبول ولائقِ عمل ہیں، اُس کے علاوہ تفسیرِ قرآن، حدیثوں کے بیان اور مسائلِ فقہیہ کے باب میں معتبر ومقبول نہیں ہیں؛ لہٰذا خاص ان ہی کی بیان کردہ اوران ہی کی کتابوں میں مذکوراحادیث کو بیان کرنا ازروئے تحقیق جائز ودرست نہیں ہے۔ مسائلِ فقہیہ معتبر کتبِ فقہ وائمہ فقہ سے، تفسیری اقوال مستند کتبِ تفسیر ومفسرین سے اسی طرح حدیث، صرف مستند ومعروف کتبِ حدیث اور ائمہ حدیث کے حوالے ہی سے ذکر کرنا واجب وضروری ہے۔

الغرض مذکورہ تمام اقوال کا حاصل حضرت استاذِ معظم کی زبانی یہ ہے کہ: "فهذه الجملةُ مِنْ عبارات الكَمَلَةِ مِنْ عُلماء هٰذا الشأن تُصَرِّحُ بكلِّ صراحةٍ أن الحديث إنما يؤخذ عَمَّنْ صناعته الحديث." (علم حدیث کے باکمال ائمہ اعلام کی یہ جملہ تحقیقات بہ کمال صراحت بیان کرتی ہیں کہ حدیث کی روایت صرف اور صرف ان ہی سے مقبول ہے، جن کا خصوصی مشغلہ ہی علمِ حدیث ہے۔) (تحقيق على أصول الجرح والتعديل:٨٦)

دونہایت اہم تنبیہات

انتباہ اول: یہ گفتگو اور محدثین کے مذکورہ اقوال اُن لوگوں کے بارے میں ہرگز نہیں ہیں، جو نام نہاد صوفیا ہیں، جن کے تصورات ونظریات عقائدِ اسلام سے ہٹے ہوئے ہیں اور جن کی وضع قطع اور اعمال واحوال احکامِ شریعت سے کٹے ہوئے ہیں اور جو بیعت کے نام پر ضلالت وگم راہی کے مجرم ہیں اور جو تبلیغِ دین کے نام سے تخریبِ دین میں ملوث ہیں؛ جو بدعات وخرافات اور جاہلانہ رسوم وعادات کے مرتکب ہیں، قبر پرستی، اوہام پرستی، غلوپسندی کے ناجائز عملیات وحرکات کے عامل ہیں۔ ایسے خرافاتی وبدعتی لوگ چاہے قرآن وحدیث کی باتیں سنائیں، صحابہ وائمہ کی مدح سرائی میں دن رات ایک کردیں، صلحا وصوفیا کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملادیں؛ لیکن جب تک اپنی سوچ وفکر اور قول وعمل سے حق پر نہیں جمیں گے اور حق واہلِ حق سے نہیں جڑیں گے؛ تب تک اس قسم کے لوگ اہلِ حق اور محدثین کی زبان میں غیرمعتبر لوگوں کے زمرے میں داخل رہیں گے اور ایسوں کا حکم یہ ہے کہ یہ علومِ شرعیہ کے حوالے سے سوفی صد غیرمعتبر وناقابلِ قبول ہوں گے؛ لہٰذا ان سے نہ تو تفسیر، حدیث اور فقہ کی

تعلیم لینا جائز ہے اور نہ ہی تزکیہ واحسان اور سلوک وتصوف کی تعلیم لینا، بہ الفاظ دیگر بیعت ہونا اور دینی امور میں ایسوں کی تقریر وتحریر مقبول ومعتبر ہونا تو دور، لائقِ التفات وور خورِ اعتنا بھی نہیں اور اِن سے احتراز واجتناب واجب وضروری ہے، بالخصوص علم وفہم کے شدید القحط اس زمانے میں۔

بل کہ یہ مذکور الصدر تحقیق اُن نیک بزرگانِ دین اور عظیم صوفیائے کرام سے متعلق ہے، جو قرآن و حدیث اور صحابہ وسلفِ صالحین کے نقشِ راہ پر واقعی چلنے والے ہیں، جن کی تعلیمات تقریرات اور تحریرات سے تعلق مع اللہ، اتباعِ رسول اور اصلاحِ باطن وظاہر کی جانب انسانوں کی توجہ بڑھتی اور تیز ہوتی چلی جاتی ہے اور جن کی ادنیٰ سی صحبت بھی ایک گنہ گار کو توبہ واستغفار پر اور ایک دنیا پرست کو فکرِ آخرت پر ابھارتی ہے اور جو حقیقت میں تصوف وسلوک کے ائمۂ رُشد وہدایت ہیں، جو حق سے وابستہ ہیں اور جن سے اہلِ حق وابستہ ہیں؛ ان ہی سلفِ صالحین کے ساتھ یہ مذکورہ تحقیقِ محدثین خاص ومختص ہے؛ لہٰذا قلبی امراض اور نفسانی بیماریوں کے اِن ماہر معالجین سے تزکیۂ نفس کی تعلیم خوب سے خوب لی جائے اور پوری عظمت وتقدس کے ساتھ ان کی معیت ورفاقت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارا جائے؛ تا کہ بہ قولِ امام ربانی رحمہ اللہ ''معلوم، مشہود ہو جائے اور علم الیقین حق الیقین بن جائے''؛ لیکن اس کے باوجود جن علومِ شرعیہ سے اُن کو مس نہیں، یا جس میں وہ ماہر وکامل اور متیقظ محتاط نہیں ہیں، اُن میں اُن بزرگوں کی تقلید واتباع جائز نہیں ہے؛ بل کہ چوں کہ یہ معصوم عن الخطا نہیں ہوتے؛ اس لیے پورے ادب واحترام کے ساتھ اُن کو اُن کی اغلاط پر مطلع کرنا واجب ہے؛ لہٰذا جس طرح علمِ سلوک میں اُن سے اصلاح لینا ضروری ہے، اسی طرح علومِ شرع میں ان بزرگوں کی اصلاح کرنا بھی ایک حق کردار عالم پر واجب وضروری ہے۔

بہت خوب، بہت خوب اور بہت ہی خوب ہے امام ربانی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد، جو سابق میں نقل ہوا اور اب ایک بار پھر نقل کرنے کو جی چاہتا ہے، حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ''بس اگر کسی کا شیخ کوئی امر، خلافِ امرِ شرع کے فرمادے گا؛ تو اُس کا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا؛ بل کہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا؛ کیوں کہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے۔''

انتباہِ ثانی: بعض وہ علما، جو مسلکِ حق سے منسلک ہیں، صلحائے کاملین اور مشائخِ صادقین سے وابستہ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان کے مشائخ سے حدیث کی روایت کے تعلق سے بڑی سخت غلطیاں ہوئی ہیں اور ان ہی اغلاط کے ساتھ اُن کے افادات عوام وخواص میں خوب شائع وذائع ہیں؛ مگر یہ حضرات یہ

خیال کرکے اغلاط کی نشان دہی اور اس کی اصلاح نہیں کرتے کہ اگر کریں اور کہیں گے، تو کہیں عدمِ اعتماد کی راہ نہ کھل جائے۔ ایسا عام تصور وخیالِ خام عام طور پر عظمت، عقیدت اور محبت کے زیر اثر لاحق ہو ہی جاتا ہے؛ مگر حق پرست اور معتدل مزاج علمائے اہلِ حق کو چاہیے کہ وہ اپنے شیخ کی عظمت ومحبت کو نہاں خانۂ دل میں تہ نشیں رکھنے کے باوصف حفاظتِ علمِ دین وتحفظ شریعت کی دینی عظمت وشرعی ضرورت کو قائم ودائم رکھنے کا فریضہ فراموش نہ کریں، اور قاسم ورشید، مہاجر مکی ومہاجر مدنی کے حق پرستانہ اسوۂ حسنہ اور مسلک اعتدال پر ثابت قدم رہیں۔ اور اس حوالے سے یہ امور ذہن نشیں رکھے:

(الف) پہلے تو یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ مشائخِ صالحین سے عدمِ اعتماد یا بے اعتنائی کا ہونا، یہ نتیجہ ہے اور نتائج کا، وقوع وعدم وقوع کا تعلق مشیتِ الٰہیہ سے وابستہ ہے، جس کا بندہ قطعاً مکلّف نہیں ہے۔ بندہ تو تحقیق وظاہرِ حال کا مکلّف ہے؛ لہٰذا از روئے تحقیق اگر کوئی بات قابلِ نکیر نظر آئے، تو اس پر نکیر کرنا ہر حق پرست، حاملِ تحقیق عالم کے ذمے واجب ہے اور خدا کے یہاں اُس کو اپنے اس واجب کی ادائیگی کے حوالے سے جواب دینا ہوگا؛ لہٰذا نتائج کی فکر وپرواہ کیے بغیر، ادب واحترام کے ساتھ تحقیق واصلاح کرے؛ کیوں کہ بہ قول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ: ''پیر و مرید میں سے ہر دو کا حق ہر دو پر واجب ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ بے شمار مسائل میں اساطینِ علم سے جب کہیں معمولی چوک ہوئی، اس کا اظہار علمائے حق نے کیا ہے، مثلاً حدیث کی تصحیح وتضعیف میں امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام حاکم سے چوک ہوئی، تو علما نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ مسائلِ فقہیہ میں امام بن تیمیہ، امام ابن قیم اور دیگر حضرات سے کہیں غلطی ہوئی، تو اس کی اصلاح مسالکِ فقہیہ کے علما نے کی ہے۔ یہاں کسی نے بھی یہ نہیں سوچا کہ ان اکابر واساطینِ علم کی غلطی وقصور کا اظہار کیا جائے، تو کہیں اُن سے اعتماد نہ اٹھ جائے۔

(ب) امام غزالی رحمۃ اللہ کی ''**إحياء علوم الدين**'' میں موضوع احادیث در آئیں، تو حافظ عراقی، حافظ سبکی، حافظ زبیدی رحمہم اللہ نے مستقل اس کو موضوعِ تحقیق وتخریج بنایا اور پوری تعیین وتشخیص کے ساتھ روایاتِ موضوعہ سے پردہ اٹھایا ہے۔

امام ابوالقاسم رافعی رحمۃ اللہ کی کتاب: ''**فتح العزيز في شرح الوجيز**'' میں موضوع وبے اصل احادیث نکل آئیں، تو اس کی تخریج کرتے ہوئے اُن موضوع احادیث کا موضوع ہونا بیان کر دیا اور بیان کرنے والوں میں امام ابن الملقن، حافظ دمیاطی، قاضی عزالدین ابن جماعہ، امام نقاش، امام زرکشی اور امام ابن حجر عسقلانی ہیں۔

امام مرغینانی کی بے مثال کتاب: ''الھدایۃ'' میں جو روایات آئی ہیں، ان میں بعض روایات لفظاً بے اصل اور غیر ثابت ہیں اور بعض لفظاً ومعنیً دونوں اعتبار سے غیر ثابت ہیں؛ جب حافظ زیلعی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ نے اس کی تحقیق وتخریج فرمائی، تو جہاں جہاں کوئی روایت موضوع وبے اصل ملی، ان حضراتِ علما نے ان کا بے اصل ہونا صاف صاف بیان کردیا۔

محدثِ عظیم امام حاکم رحمۃ اللہ نے ''المستدرک'' میں احادیث کا بہت قیمتی ذخیرہ جمع فرمادیا ہے، جن میں صحیح وضعیف حدیثوں کے ساتھ کچھ موضوع روایتیں بھی آگئیں ہیں۔ ان سب روایات کی تحقیق حافظ ذہبی رحمۃ اللہ نے اپنی تعلیقات میں کردی ہے اور ہر ایک روایت کا درجہ بتادیا ہے اور جہاں کوئی موضوع روایت ملی، اس کا موضوع ہونا بڑی سختی سے ظاہر کردیا ہے۔

احادیث کی تحقیق وتخریج کرنے والے ان جلیل القدر ائمہ نے صرف اپنی ذمے داری کے احساس سے یہ خدمت انجام دی ہے اور پورے وثوق سے یہ کہنا صحیح ہے کہ ان محدثین کا اپنی تحقیق وتحریر سے مقصود صرف اور صرف اظہارِ حق اور حفاظت حدیثِ نبوی ہے۔ امام غزالی، امام رافعی اور امام مرغینانی سے اعتماد اٹھانا نہ مقصود رہا اور نہ ہی یہ نتیجہ نکالنا صحیح ودرست ہے۔

ان محقق وصحیح تنقیدات واصلاحات سے اعتماد ختم تو کیا ہوگا بل کہ اس کے برعکس اس قسم کی تحقیقات سے تو موضوعِ بحث کتاب پر اعتماد بہ حال ہوجاتا ہے، چناں چہ آج بھی مستدرکِ حاکم کے حوالے سے روایت بیان کرنے کا موقع آتا ہے، تو حضراتِ علما امام ذہبی کی تحقیق ضرور پیشِ نظر رکھتے ہیں، اسی طرح ہدایہ کی روایات میں حافظ زیلعی اور حافظ عسقلانی کی تحقیق کو پیشِ نظر رکھتے ہیں اور اس تحقیق کی بنیاد پر اُن اُن کتابوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

(ج) بے اعتنائی وعدمِ اعتماد کے پیدا ہونے کے اندیشے سے اظہارِ حق نہ کرنا، تو شرعاً جائز نہیں ہے اور ایک پہلو سے اپنے مشائخ کی صحیح خیر خواہی بھی نہیں ہے؛ صحیح خیر خواہی یہی ہے کہ جس طرح مشائخ اپنے متعلقین کی آخرت بنانے کی فکر میں معروف کی پابندی اور منکر سے پرہیز کرواتے ہیں، اسی طرح مشائخ کی خیر خواہی اور ان کی آخرت بنانے کی فکر کرنا بھی متعلقین پر بھی واجب ہے؛ لہٰذا اگر اپنے اِن مشائخ کو حرام، حتی کہ خلافِ اولی مشروبات وماکولات کے استعمال سے، مشتبہ مقامات پر لے جانے سے دور رکھا جاتا ہے، تو اسی طرح موضوع وبے اصل روایات کے بیان سے بچانا اور روایت ہوجائے، تو اس کی اصلاح وتصحیح کرنا بھی فرض وواجب ہے۔

(د) ہمارے اکابر و سلف کی زندگی کا نمایاں وصف رہا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں پر سب سے زیادہ نظر رکھتے تھے اور اگر کوئی ان کے قصور کو بتاتا، تو وہ اس کو بہ صد ہزار خوشی قبول فرماتے اور بتانے والے کا شکریہ ادا کرتے اور پھر اپنی ان غلطیوں کا اظہار بھی کھل کر فرماتے۔ چناں چہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی طرف سے ''ترجیح الراجح'' نام سے اخبار میں ایک خاکہ شائع ہوتا، جس میں آپ کسی سابقہ فتوے میں اپنی رائے سے رجوع کا صاف اظہار فرماتے اور اگر کسی عالم و مفتی کی رائے و تصحیح پر رجوع فرماتے، تو اس کا نام لے کر جذبۂ شکر و امتنان کے ساتھ اس کا ذکر فرماتے اور دعائیں دیتے۔

اسی طرح راقم السطور کی تحریر، جو محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات کی چند موضوع روایات کی تحقیق کے متعلق ہے، جب حضرت مولانا سلمان صاحب بجنوری زید مجدہ (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے حضرت پیر صاحب کے حضور پیش فرمائی، تو -حق پر ہمارے بزرگوں کا نمونہ دیکھیے کہ- حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا:

''مولانا! آپ میری طرف سے مولانا یاسین صاحب کا شکریہ ادا کردیں۔''

(كذا حرّره الأستاذ الكبير البجنوري في رسالته إلي)

اختتامِ کلام

بہ ہر حال دوسرا سبب: ''غیر محتاط صالحین کی روایات'' تھا، جس کے تعلق سے اس قدر تفصیلی کلام ہوا اور اس حوالے سے اہلِ حق کو پیش آنے والے پریشان کن شبہات کا معقول و صحیح حل پیش کیا گیا ہے۔ اب آگے تیسرے سبب سے متعلق کلام پیش کرتا ہوں۔

تیسرا سبب: خطابت و دعوت کے کم علم ساتھی

اسی طرح تیسرا طبقہ جو جھوٹی احادیث، من گھڑت روایات اور بے اصل و بے سروپا آثار پھیلانے میں نمایاں اور آگے آگے رہا، وہ وعظ و خطابت اور تبلیغ و دعوت سے مربوط طبقہ ہے۔ چوں کہ انسانوں کی طبیعت سیدھی سادھی باتوں سے زیادہ تعجب خیز و حیرت انگیز اور غیر معمولی باتوں کی طرف مائل ہوتی ہے؛ اس لیے یہ اہلِ بیان بیش تر ایسی روایات و حکایات بیان کرتے ہیں، جو حیران و ششدر کردینے والی ہوں، چاہے کیسی ہی بے اصل، باطل و مکذوب ہوں اور چاہے کتنی ہی اصولِ عقائد اور احکامِ اسلام کے خلاف کیوں نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے ان کی بیان کردہ باتیں عام طور پر ان کتابوں میں نہیں ملتیں، جو صحیح، معتبر، مستند اور مشہور و متداول ہیں؛ بل کہ جن کتابوں میں گھسی پٹی، الٹی سیدھی، صحیح و غلط باتیں بھری

پڑی ہوتی ہیں، ان ہی میں ملتی ہیں۔حتی کہ جن روایات کے متعلق متعدد محدثینِ تحقیق سے ظاہر بھی کردیتے ہیں کہ یہ باطل وموضوع روایت ہے، ایسی روایات کو بھی یہ مبلغین ومقررین بے دریغ وبے جھجک بیان کرتے نہیں تھکتے۔

یہ مقررین ومبلغین دوقسم کے ہیں: ایک وہ جو پیشہ ور، باطل پسند اور بدعقیدہ وبدعمل ہوتے ہیں اوران کی ضلالت وبے راہ روی ظاہر ونمایاں ہوتی ہے؛ ایسے واعظین عوام الناس میں اپنی وجاہت وسیادت بنانے اور بڑھانے کے لیے، لوگوں کی زبانوں سے تعریفیں اوران کی جیبوں سے چند سکے بٹورنے کے لیے قصداً وعمداً باطل ومن گھڑت روایات، جھوٹی وبے سروپا حکایات اپنی خاص چرب لسانی اور کذب بیانی سے سناتے ہیں اوراس طرح جھوٹ، باطل اور خلافِ شرع امور پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔
دوسری قسم کے واعظین وخطبا وہ ہیں، جو اگرچہ مخلص، اصلاح پسند، صحیح العقیدہ اور نیک کردار ہوتے ہیں، جن کے بیاناتِ جمیلہ اور تقریراتِ سعیدہ سے نیک اثرات ومفید ثمرات مرتب ہوتے ہیں؛ مگر کیا کریں ان کے بیانات میں بے حد منکر، موضوع وباطل مرویات کی بھرمار ہوتی ہے، اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ایسا کرنے کو بڑی نیکی اور اونچا کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے۔
بہ ہر حال اِس تقسیم وتفریق کے باوجود چوں کہ یہ طبقہ حق وحقیقت سے ناواقف عام لوگوں کے درمیان درجۂ اعتبار واستناد پالیتا ہے؛ اس لیے اس طبقے کی انتہائی غلط وقابلِ نکیر باتوں پر مہذبانہ ومؤدبانہ انداز میں ایک لفظِ نکیر بھی زبان پر لانا اور لوگوں کو بالخصوص اِن کے معتقدین ومتاثرین کو اِن کی غلط بیانی سے آگاہ کرنے کی مخلصانہ ودردمندانہ کوشش بھی کرنا، موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور یہ کوئی فرضی وخیالی بات نہیں؛ بل کہ ایک واقعہ ہے، جو پہلے بھی پیش آیا اور آج بھی اہلِ حق کو پیش آتا رہتا ہے۔
بہرصورت اس تیسرے سبب کے تعلق سے حضراتِ ائمۂ اہلِ سنت والجماعت کے ارشادات بطورِ نمونہ گلے از گلزارے پیش ہیں:

(۱) امام شعبہ رحمہ اللہ، حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''ما أفسد على الناس حديثهم إلا القصاص''۔اسی طرح یہ بھی منقول ہے کہ ''ما أمات العلمَ إلا القصاص'' (علم کو بے روح وفاسد کرنے والے بس یہی ہیں، جو واقعات وقصے سنانے والے ہیں۔) (الجامع لأخلاق الراوي: ۲/ ۱٦٤)

(۲) امام شعبہ رحمہ اللہ وعظ پیشہ لوگوں کو حدیثیں نہیں سناتے تھے، کسی نے وجہ پوچھی؛ تو بڑا ہی زریں قول ارشاد فرمایا: ''يأخذون الحديث منا شبراً فيجعلونه ذراعًا'' (ہم سے حدیثیں ایک بالشت برابر کی سنتے ہیں اور جا کر ایک ہاتھ برابر کی بناتے اور بتاتے ہیں۔)

(الجامع لأخلاق الراوي:۲/۱٦٤)

(۳) امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''أكذب النّاس ثلاثة'' (تین قسم کے لوگ سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے ہیں۔) اس کے بعد سب سے پہلا نام حضرت امام نے بیان کیا کہ ''القصاص'' (ان میں نمبر:۱/ یہ قصے و کہانیاں سنانے والے ہیں۔)

(الجامع لأخلاق الراوي:١٦٥)

(۴) امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت امام عاصم رحمہ اللہ کا کلام نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم نوجوان لڑکے تھے اور حضرت امام ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی خدمت میں جایا کرتے تھے ''فكان يقول لنا: لا تجالسوا القصاص غير أبي الأحوص'' (حضرت ہمیں بارہا نصیحت فرماتے تھے کہ سوائے ابوالاحوص کے، باقی دوسرے واعظوں اور قصہ نگاروں کے ساتھ ملا جلامت کرو۔)

(مقدمة مسلم)

(۵) ایک بڑا مشہور واعظ گزرا ہے، جس کا نام نفیع بن الحارث ہے اور جو أبو داود أعمٰی اور ''أبو داود القاصّ'' سے مشہور ہے، امام ابوالحسین رُہاوی فرماتے ہیں: میں نے اُس کے متعلق امام عبدالجبار بن محمد سے پوچھا، تو انھوں نے فرمایا: ''كان أطولَ الناس قيامًا بليل، وأكثرهم صيامًا بنهار، وكان يضع الحديث وضعًا.'' (وہ رات بھر سب سے زیادہ لمبی لمبی نمازیں پڑھنے والا اور دن بھر روزے رکھنے والا تھا، اسی کے ساتھ ساتھ حدیثیں خوب اچھی طرح گھڑتا تھا۔)

(الموضوعات لابن الجوزي:۱/۲۳)

الغرض اِن واعظین، مقررین اور قصہ گو لوگوں کو حضرات محدثین نے وضاعین و کذابین میں سے قرار دیا ہے؛ بل کہ اگر محدثین کسی حدیث کے بارے میں یہ کہہ دیں کہ ''هذا من عمل القصاص، هذا من حديث القصاص، كلامه يشبه القصاص''؛ تو اُس حدیث کے موضوع، خود ساختہ اور غیر ثابت ہونے کی سب سے بڑی دلیل قرار دی جاتی ہے۔ (کتبِ رجال و موضوعات کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔)

مذکورہ بالا ارشاداتِ ائمہ کے بعد چند واقعات بھی ذکر کرتا ہوں، جن سے یہ بھی معلوم ہو جائے

گا کہ اِس طبقے نے کس طرح سے اور کس کس قسم کی باطل حدیثیں پھیلائی ہیں اور اُن پر وہ کس طرح ہٹ دھرم بنا رہا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اِس طبقے پر اہلِ سنت والجماعت کے ائمہ محدثین نے کس کس طرح نکیر فرمائی ہے، کیا کیا قربانیاں دیں ہیں اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کی راہ میں کن کن اذیتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے؟! لیجیے، پڑھیے:

پہلا واقعہ: مؤرخ خلیل بن ایبک صفدی اور حافظ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ لکھتے ہیں کہ مشہورِ زمانہ امام حضرت محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ طبرستان سے بغداد آئے، تو کسی نے ان کے سامنے آیتِ کریمہ ﴿عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ کی تفسیر میں یہ روایت سنائی کہ مقام محمود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھ اپنے عرش پر بٹھائیں گے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کی حدیث و تفسیر نہیں ہوسکتی۔ پھر حضرت نے شدید نکیر فرماتے ہوئے یہ شعر پڑھا بھی اور جا کر قصہ گو کے گھر کے دروازے پر لکھ بھی دیا:

سُبْحَانَ مَنْ لَیْسَ لَهُ أَنِیْسُ ☆ وَ لَا لَهُ فِيْ عَرْشِهِ جَلِیْسُ

(پاک ہے وہ ذات، جس کا ہم درد و غم خوار نہیں ہے اور جس کے عرش پر [اس کے سوا کوئی دوسرا] بیٹھنے والا نہیں۔)

پھر کیا ہوا سنیے: یہ جمعے کا دن تھا، جامع مسجد میں ہزاروں کی تعداد میں پڑھنے والے بیٹھے ہوئے تھے، سب نے اپنی دوات پھینک پھینک کر ان کو مارا اور جب حضرت اپنے مکان آ گئے، تو وہاں بھی آ کر عاقبت نا اندیشوں نے آپ کے گھر پر اتنی کثرت سے پتھر پھینکے کہ دروازے کے سامنے پتھروں کا ایک بڑا ٹیلہ بن گیا، بالآخر نازوک نامی انسپکٹر بڑی تعداد میں پولیس کو لے کر جائے حادثے پر پہنچا اور آ کر لوگوں کو وہاں سے بھگایا، گھر کے پاس سے پتھر ہٹوائے اور رات تک اس کو اور اس کی فوج کو وہیں رہنا پڑا۔

(تحذیر الخواص: ۲۱۱، الوافي بالوفیات: ۲/۲۱۳، السنة ومکانتها في التشریع الإسلامي: ۱۰۴)

دوسرا واقعہ: امام عامر شعبی رحمہ اللہ اپنا ایک قصہ سناتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان اہلِ شام کے بڑے بڑے علما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس نے پوچھا: اہلِ عراق کا سب سے بڑا عالمِ دین کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ہمارے علم میں سب سے بڑا عالم عامر شعبی ہیں۔ عبد الملک نے مجھے ایک خط لکھا اور میں اس کے پاس جانے نکل پڑا، راستے میں علاقہ تَدْمُرْ میں جمعے کی نماز پڑھنے مسجد میں گیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ بڑی لمبی اور گھنی داڑھی والے ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم ہے اور وہ ان کو حدیثیں سنا رہے ہیں، ایک روایت اپنی سند سے سنائی کہ آپ ﷺ نے

فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے دو صُور بنائے ہیں: ہر صور کے دو نفخے ہوں گے: ایک نفخہ صعق اور ایک نفخہ قیامت۔ [یعنی ہر ایک صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، ایک برائے موت اور ایک برائے بعث بعدِ موت]۔

مجھ سے رہا نہیں گیا، نماز جلدی پڑھی اور جا کر ان سے کہا: حضرت! اللہ سے ڈریے، غلط سلط روایت نہ سنائیے، اللہ تعالیٰ نے تو ایک ہی صور تخلیق فرمائی ہے اور اسی ایک صور کے دو نفخے ہوں گے۔ اُس نے کہا: ابے نا ہنجار کہیں کے! میں ایک با سند حدیث سنا رہا ہوں اور تو مجھ پر ردو کد کر رہا ہے؟ یہ کھری کھری سنا کر اس نے اپنے جوتے نکالے اور مجھے مارنے لگا اور دوسروں نے بھی اس کے ساتھ مل کر میری پٹائی کی۔

آگے کیا ہوا؟ سنیں گے تو ہنسی ضرور آئے گی؛ مگر عبرت لینا ہرگز ہرگز نہیں بھولنا چاہیے، اب سنیے! حضرت امام عامر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں: اِن ظالموں نے مجھے اس وقت تک نہیں بخشا، جب تک کہ مجھے حلفیہ وقسمیہ یہ کہلوا نہیں لیا کہ اللہ تعالی نے ایک نہیں، دو نہیں، پورے تیس صور کی تخلیق فرمائی ہے اور ہر ایک کو ایک ایک مرتبہ پھونکا جائے گا۔

(تحذیر الخواص: ۲۰٤)

تیسرا واقعہ: حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے **"تحذیر الخواص من أکاذیب القصاص"** کے نام سے بڑی بہترین کتاب تالیف فرمائی ہے، جس میں یہ واضح و منقح کر دیا ہے کہ قصہ گو خطیبوں اور واعظوں سے دور رہنا چاہیے؛ کیوں کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی جانب جھوٹ منسوب کرنے کی جسارت وجرأت کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ اِس کتاب کا سببِ تالیف کیا پیش آیا؟ اس کا ذکر کرتے اور لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ مجھ سے کسی مستفتی نے یہ استفتا کیا کہ ایک شخص ہے، جو اپنی مجلسِ وعظ میں کچھ ایسی حدیثیں سناتا ہے، جو بے اصل ہوتی ہیں، بعض تو صرف ان ہی کے یہاں ملتی ہیں، محدثین کے پاس نہیں ملتیں اور بعض تو صریح باطل، جھوٹی ہوتی ہیں: مثلاً ایک حدیث، جو اس نے آپ ﷺ کی جانب منسوب کر کے بیان کی ہے- حاشا وکلا یہ آپ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے اور میں اس قسم کی حدیث بیان کرنے پر استغفار کرتا ہوں، اگر ضرورت داعی نہ ہوتی، تو میں بیان نہ کرتا؛ مگر مجبور ہوں، بیان کرتا ہوں--:

اس نے یہ حدیث بیان کی کہ جب یہ آیتِ کریمہ ﴿وَ مَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ﴾

نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: کیا اِس رحمت میں کوئی حصہ آپ کو بھی ملا ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا: جی، ہاں! بالکل ملا ہے۔ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں فرشتوں کو پیدا کیا، جو جبرئیل کے نام سے موسوم تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے سوال کرتے کہ بتاؤ: میں کون ہوں؟ تو ان میں سے کوئی جواب نہیں جانتا، تو اس لیے ناکام ونامراد ہو جاتا؛ لیکن جب اللہ نے میری تخلیق فرمائی اور مجھے بھی یہی سوال فرمایا: اے محمد! اُس وقت آپ کے نور نے مجھے جواب سکھایا کہ آپ کہیں کہ ''أنت اللّٰه الذي لا إله إلا أنت'' الخ۔

حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے فتوی دیا کہ یہ روایت باطل و بے اصل ہے اور اس قسم کی حدیثوں کو بیان کرنا جائز نہیں ہے، خصوصاً عوام الناس، بازاری لوگوں اور عورتوں کے بیچ تو بالکل بھی درست نہیں ہے، اس شخص پر واجب اور لازم ہے کہ مشائخ محدثین کے پاس جائے اور اپنی مرویات کی اصلاح کرائے اور پھر جس حدیث کے متعلق یہ ائمہ محدثین فرمادیں کہ اس کی اصل ہے، اس کو بیان کرے اور جس کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ بے اصل ہے، اس کو ذکر نہ کرے۔

یہ میرے پہلے فتوے کی عبارت ہے۔ جب یہ فتوی اُس شخص کو سنایا گیا، تو وہ غصہ سے آگ کا دہکتا انگارہ بن گیا اور اُس کے منہ میں غصے سے جھاگ نکل پڑی اور بڑے طیش میں اس نے کہا: کیا مجھ جیسا عالم اِن مشائخ کے پاس جائے گا؟! اور یہ کون ہے جو کہتا ہے کہ میں نے جو حدیث بیان کی ہے، وہ باطل ہے؟!! نہیں، میں خود لوگوں کی اصلاح کرنے والا ہوں، مجھے کسی کی اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا محدث میں ہی ہوں...... اس طرح کی بہت ساری باتیں اول فول بکنے لگا۔

پھر اس نے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا اور ایک غوغا وشور شرابا کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے میرے انتقام میں خوب زبانیں کسیں اور مجھے سنگ سار اور تختۂ دار پر لٹکا دیے جانے کی دھمکیاں دیں؛ لیکن میں نے اس کے بعد پھر ایک دوسرا فتوی لکھا کہ ایسا شخص اگر محدثین سے احادیث کی تصحیح نہیں کراتا اور جھوٹی حدیثیں جانتے بوجھتے سناتا ہے اور اس کذب بیانی پر اصرار کرتا ہے، تو میرا فتوی یہ ہے کہ ایسے شخص کو کوڑوں سے خوب مارا جائے۔

اِس فتوے کے بعد پھر کیا تھا، حد ہی ہوگئی، اُس کی طرف سے اور اُس کے معتقدین کی طرف سے میرے خلاف ایک عجیب وغریب وناقابلِ بیان فتنہ وفساد کا طوفان برپا کردیا گیا ہے۔ خیر یہی واقعہ میری اس کتاب کی تالیف کا باعث بنا۔ (تحذیر الخواص من أکاذیب القصاص: ۷۱-۷۴)

چوتھا واقعہ: قاضی نصیر الدین برہانپوری رحمہ اللہ ، جن کے متعلق مورخِ ہند: حضرت علامہ عبدالحی بن فخر الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''**الشيخ العالم المحدّث الفقيه القاضي ...... لم يكن في زمانه أعلم منه بالرجال و الحديث ، و أطوع منه للكتاب و السنة.**'' اُن کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ''**علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل**'' موضوع حدیث ہے۔ تو اس پر سخت ترین ہنگامہ برپا ہو گیا، یہاں تک کہ اُن کے خسر شیخ علم اللہ بیجاپوری نے فتوی دیا کہ یہ کافر و مرتد ہو گیا ہے، اس کو قتل کر دیا جائے اور قتل بھی معمولی طریقے سے نہیں؛ بل کہ آگ میں ڈال دیا جائے۔

اس فتوے پر انھوں نے ایک محضر نامہ تیار کر کے چند علما کے دستخط بھی لیے اور اس کو ہندوستان کے بادشاہ کے پاس بھی پہنچایا، مگر بیجاپور کے والی کے پاس یہ خط بھیجا جا رہا تھا تبھی شیخ نصیر الدین وطن چھوڑ کر حجاز تشریف لے گئے اور پورے پانچ سال تک وہیں مقیم رہے۔ پھر بڑی مصیبتیں و مشقتیں برداشت کرنے کے کئی سال بعد اپنے گھر واپس تشریف لائے۔ (نزهة الخواطر: ٥/٦٥٥)

الغرض ہمارے اس زمانے میں دین کے نام پر بڑی بڑی تقریر کرنے والے، کوٹ وٹائی والے، ٹی وی اور ویڈیوز میں دھوم دھڑا کا مچانے والے، اور دینی ماحول و فضا میں چند دن، چند چلے گزار کر آنے والے عوام الناس، دھڑلے سے بیانات کرتے ہیں، اور بلا روک ٹوک بے اصل، وغیر ثابت بل کہ باطل و خلافِ شرع روایات و حکایات نقل کرتے ہیں؛ لہٰذا اس طرح کے لوگوں سے دینی باتیں، بالخصوص نبوی روایتیں اور حدیثیں سننے میں بہت احتیاط کرنا لازم و ضروری ہے اور جب تک کسی معتمد و مستند عالم کبیر سے تحقیق و تصدیق نہ کر لے، اس وقت تک ایسے لوگوں کی باتوں پر نہ تو اعتماد کرے اور نہ ان کو نقل کرے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ کی ضروری ہدایت یا تنبیہ

اخیر میں محدثِ جلیل محقق ناقد حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ کی وہ جامع تحریر پیش کرتا ہوں، جس میں حضرت نے واعظین کے طبقہ کی بے احتیاطی کے ساتھ اس زمانے میں اہلِ حق کی ذمے داری کو بیان فرمایا ہے۔ چناں چہ حضرت رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

> ''بے تحقیق روایات بیان کرنے میں وعظ گو طبقہ ہمیشہ سے بدنام ہے اور یہ بدنامی کچھ بے وجہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ آج بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ کم استعداد و بے سواد واعظ ہی نہیں؛ بل کہ اچھی استعداد کے بعض بعض مقرر حضرات بھی اِس کا خیال نہیں رکھتے کہ اپنی تقریروں میں صرف وہی روایتیں بیان کریں، جو اہل فن کے معیارِ تحقیق

پر پوری اتر چکی ہوں۔

دارالعلوم دیو بند، ہندوستان میں درسِ حدیث کا سب سے بڑا مرکز ہے، اس سے تعلق رکھنے والے حضرات پر روایات کی تحقیق کی ذمے داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے؛ اس لیے ابنائے دارالعلوم کو اِس ذمے داری کا بہت زیادہ احساس کرنے کی ضرورت ہے۔" (مقالات ابوالمآثر: ۳/۳۴)

فصل سوم

موضوع وغیر ثابت روایات بیان کرنا جائز نہیں

حضراتِ محدثین اور فقہائے دین نے صراحت کی ہے کہ جو احادیث موضوع ومن گھڑت ہیں، ان کو صرف اس وقت بیان کرنا جائز ہے، جب کہ مقصود اُن کی تحقیق اور ان کے وضع و کذب کا اظہار ہو؛ ورنہ عام حالات میں عقائد واحکام کے باب میں، فضائل ومناقب کے باب میں، سیرت وحکایات کے باب میں، یعنی کسی بھی باب میں بے اصل اور موضوع روایات کا بیان کرنا اور نقل کرنا جائز نہیں ہے۔

اور اگر کبھی غفلت وغلطی سے ایسی کوئی روایت بولنے ولکھنے میں آ گئی، تو واجب وضروری ہے کہ علی الفور اُس کے موضوع و بے اصل ہونے کو بتا دیا جائے؛ کیوں کہ اگر ایسا نہیں ہوگا تو نصوصِ قرآن وحدیث اور ائمہ اسلام کے فتاوی کی بنا پر یہ حرکت گناہِ کبیرہ اور جرمِ عظیم کہلائے گی اور بولنے والا وعید شدید اور سزائے سنگین کا مستحق ہو جائے گا۔

حدیثیں گھڑنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے

نبیِ اکرم ﷺ کے نام پر حدیثیں گھڑنا حرام وناجائز ہے، گناہِ کبیرہ اور جرمِ عظیم ہے اور نبیِ کریم ﷺ نے اُس شخص کے لیے شدید اور خطرناک بددعا فرمائی ہے، جو آپ ﷺ کی نسبت سے حدیث گھڑتا ہے۔ چناں چہ اس سلسلے میں مروی متعدد روایات میں سے بہ طور تمثیل واختصار صرف پانچ روایات نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

(۱) بخاری شریف کی سب سے پہلی ثلاثی روایت میں حضرت سلمہ بن الأکْوَعْ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ."

(جو شخص میرے اوپر وہ بات کہے، جو میں نے نہیں کہی؛ تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔) (البخاري: ۱۰۹)

(۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى أَحَدٍ ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ." (البخاري: ١٢٩١، مسلم: ٤، مسند أحمد: ١٨١٦٥)

(۳) حضرت ابوموسٰی الغافقی ﷛ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے جو ہمیں جو آخری احکامات و پیغامات دیے تھے، اُن میں سے ایک یہ حکم بھی تھا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ ، وَسَتَرْجِعُوْنَ إِلٰى قَوْمٍ يُحَدِّثُوْنَ عَنِّيْ ، فَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ، وَ مَنْ حَفِظَ شَيْئاً فَلْيُحَدِّثْ بِهِ."

(مجمع الزوائد: ٦٢٥، المستدرك: ٣٨٥، مسند أحمد: ١٨٩٦٦)

(۴) "الأسرار المرفوعة" کے مقدمے (ص: ۵۹) پر ابن عساکر کی "تاریخ" سے، ابن عدی کی "کامل" سے، حاکم کی "المدخل" سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ، حضرت واثلہ بن الاسقع ﷛ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرمایا:

"إِنَّ مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ يَقُوْلَ الرَّجُلُ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ."

(بے شک بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ یہ بھی ہے کہ آدمی میری طرف منسوب کر کے وہ بات کہے، جو میں نے نہیں کہی۔) (واللفظ لابن عساکر)

(۵) حاکم کی "المدخل" میں ایک مرفوع روایت منقول ہے:

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ ، وَالْمَلَائِكَةِ ، وَ النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ."

(جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، ایسے شخص کی نہ کوئی فرض عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ ہی نفل عبادت۔)

(الأسرار المرفوعة: ٦٠)

اس معنے و مضمون کی تقریباً (۱۱۰) سے زائد روایات مروی ہیں، جن میں بعض ضعیف ہیں مگر ۳۳/ احادیث صحیح و حسن ہیں۔ چناں چہ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے "الموضوعات" کے مقدمے میں، امام حاکم نے "المدخل إلى الصحيح" میں، امام جعفر کتانی نے "نظم المتناثر من الحديث المتواتر" میں، امام ابن حجر نے "فتح الباري" میں شیخ سیوطی نے "تحذير الخواص من أكاذيب القصاص" میں اور "قطف الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة" میں، شیخ

ملاعلی قاری نے ''الأسرار المرفوعة'' کے مقدمے میں، علامہ عبدالحی لکھنوی (رحمہم اللہ) نے ''الآثار المرفوعة'' میں اُن روایات کو جمع فرمایا ہے۔ تفصیل واستیعاب کے طالب حضرات اِن کتابوں کی مراجعت فرمالیں۔

بے اصل و من گھڑت روایات سنانا بھی ناجائز اور گناہ ہے

جس طرح حدیث ازخود گھڑنا گناہِ کبیرہ ہے، اسی طرح صحیح تحقیق کیے بغیر من گھڑت و بے اصل روایات سنانا بھی بہت سنگین قصور ہے۔ چناں چہ خود نبیٔ اکرم ﷺ کی متعدد احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے، مثلاً:

(۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ حَدِيثًا وَ هُوَ يُرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ.''

(جو شخص میرے حوالے سے ایسی بات بیان کرے، جس کے متعلق اس کو گمان ہو کہ وہ جھوٹی ہے، تو سنانے والا جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔)

(مسلم:١، صحيح ابن حبان:٢٩، مسند أحمد: ١٨٢٤٠، ابن ماجه:٣٩، ٤٠، ٤١)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اِتَّقُوْا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.''

(میرے حوالے سے حدیث بیان کرنے سے ڈرو؛ مگر وہی [بیان کرو] جنھیں تم اچھی طرح جانتے ہو [کہ وہ میری حدیثیں ہیں]؛ کیوں کہ جو شخص جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ باندھے، اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔)

(الترمذي: ٢٩٥١، أحمد:٢٩٧٦)

(۳) مشہورِ زمانہ امام شیخ ابوبکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ تحریر کرتے ہیں:

''يَجِبُ على المحدِّث أنْ لا يَرْوِيَ شَيْئًا من الأخبار المصنوعة والأحاديثِ الباطلة الموضوعة ، فمَنْ فَعَل ذلک بَاءَ بِالإثم المبين ، ودخل في جُمْلة الكَذَّابِين.'' (فتح المغيث: ٢٣٥)

(حدیث بیان کرنے والے پر فرض ہے کہ من گھڑت وجعلی مرویات، باطل وموضوع احادیث میں کچھ بھی بیان نہ کرے اور اگر کوئی اس طرح کرے؛ تو ایسا شخص کھلے گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہوگا اور جھوٹوں کے گروہ میں داخل ہو جائے گا۔)

(۴) مشہور و معروف امامِ حدیث حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ امام المحدثین حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے:

"مَنْ رَوَى الْكَذِبَ فَهُوَ الْكَذَّابُ."

(جھوٹی روایات سنانے والا بھی بہت بڑا جھوٹا ہے۔)

(فتح المغيث:٢٣٨)

(۵) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْماً أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ."

(مقدمة مسلم)

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات و پیغامات کی تبلیغ کا حکم دیا اور اسی کے ساتھ افترا و کذب بیانی پر وعید سنائی ہے، اُس کا مطلب و حاصل یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ صرف صحیح و حق ہی بات نقل کی جائے، باطل و سقیم باتیں آپ کی طرف منسوب نہ کی جائیں؛ لہٰذا ہر وہ بات، جو آپ کی طرف منسوب ہو اُس کو نقل کرتے چلے جانا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے کہ جو کچھ سنے سنانے لگ جائے۔

(الأسرار المرفوعة:٧٢)

(۶) اسی طرح ہندوستان کے مشہور و مستند محدثِ عظیم اور شارحِ حدیث حضرت شیخ قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

> "مقصد یہ ہے کہ حدیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے اور جس حدیث کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو کہ واقعی یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے، اسے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے۔ ان ہی احادیث کو بیان کرنا چاہیے، جن کے بارے میں یقین یا ظنِ غالب کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث ہے۔"

(مظاہر حق جدید:۱/۲۴۷)

حدیثیں گھڑنے اور من گھڑت حدیثیں سنانے سے متعلق ائمۂ اسلام کے فتاویٰ

سابقہ سطور میں افتراء علی الرسول اور کذب بیانی کی بابت ارشاداتِ نبویہ ذکر کی گئیں ،اب حضراتِ محدثین وفقہائے دین کے فتاویٰ نقل کرتا ہوں،مگر یہ بھی بہ طور نمونہ ''گلے از گلزارے'' ذکر کروں گا؛لہٰذا عرض ہے:

(۱) محدث عظیم امام ذہبی رَحِمَہُ اللّٰہُ ''الکبائر'' میں لکھتے ہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کے لیے آپ ﷺ کی جانب جھوٹی بات منسوب کرنا کفر ہے،اس میں کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں---اس کے بعد کذب علی النبی کی حرمت پر دلالت کرنے والی چند احادیث صحیحہ ذکر کرتے ہیں اور تحریر کرتے ہیں---:

" فَلاحَ لَکَ بِھٰذا أنَّ روایةَ الموضوعِ لا تَحِلُّ. "

(تمھارے سامنے یہ امر واضح ہو گیا کہ موضوع حدیث بیان کرنا جائز نہیں ہے۔)

(الکبائر:۲۹)

(۲) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رَحِمَہُ اللّٰہُ رقم طراز ہیں:

"اتفقوا علی تحریم روایة الموضوع إلا مقرونًا ببیانه."

(تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ موضوع حدیث کو صاف وصریح طور پر اس کا موضوع ومن گھڑت ہونا واضح کیے بغیر بیان کرنا حرام و نا جائز ہے۔)

(شرح نخبة الفکر:۸۸)

(۳) امام زمان علامہ عینی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں:

"لا فرق في تحریم الکذب علی النبي ﷺ بین ماکان في الأحکام ، و غیره کالترغیب والترهیب ، فَکُلُّهُ حرام بإجماع المسلمین المُعْتَدِّ بِهِمْ ." (عمدة القاری:۳/۲۶۷)

(آپ ﷺ کی جانب جھوٹ منسوب کرنے کے حرام و نا جائز ہونے کے مسئلے میں کوئی فرق نہیں،خواہ احکام سے متعلق ہو یا غیر احکام؛ مثلاً ترغیب وترہیب سے متعلق ہو،لہٰذا معتمد ومستند اہلِ اسلام کے اجماع واتفاق کی بنا پر [آں حضرت ﷺ کی نسبت ہر قسم کی کذب بیانی حرام ہے۔)

(۴) امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ نے صاف صاف تحریر فرمایا ہے:

"فلا تجوزُ روايتُه لأحد من الناس إلا على سبيل القدح فيه ؛ ليحذره من يغتربه من الجهلة ، و العوام ، و الرعاع ."

(موضوع حدیث کے موضوع ہونے کی جرح کیے بغیر اُس کو بیان کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، یہ حکم اس لیے دیا جارہا ہے؛ تا کہ جاہل اور عوام الناس دھوکہ کھانے سے دور رہیں۔) (الباعث الحثيث: ١/ ٧٤)

(۵) علامہ ابن جماعہ اور حافظ سخاوی رحمہما اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"كالكرَّاميَّة من المبتدعة جوَّزُوا الوضع في الترغيب و الترهيب ، و خالفوا إجماع المسلمين الذين يُعتَدُّ بإجماعهم"

(کرامیہ بدعتی فرقے نے ترغیب وترہیب کے باب میں حدیث گھڑنے کو درست قرار دیا ہے ؛مگر جن مسلمانوں کا اجماع معتمد ومستند ہے، ان کے اجماعی واتفاقی فیصلے کی ان لوگوں نے مخالفت کی ہے۔)

آگے حافظ سخاوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: احکام، قصص واَمثال، ترغیب وترہیب کسی بھی باب میں کسی بھی قسم کی موضوع حدیث کا بیان کرنا ایک شخص کے لیے اسی وقت جائز ہے، جب کہ اس کے موضوع ہونے کا صاف صاف اظہار کردے، اگر خود اتنی اہلیت وقابلیت رکھتا ہے؛ تو اپنی تحقیق بیان کردے، نہیں تو دیگر ائمہ کی تحقیق کا حوالہ پیش کردے۔

(الغاية في شرح الهداية في علم الرواية: ١١٨، المنهل الروي : ٥٤)

(۶) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

"وقد أطبق على ذلک علماءُ الحديث ، فجزموا بأنه لا تحل رواية الموضوع في أي معنى كان إلا مقرونًا ببيان وضعه ."

(تمام علمائے حدیث کا اجماع اور اتفاق ہے کہ کسی بھی معنی ومطلب کے سلسلے میں موضوع حدیث کا بیان کرنا جائز نہیں ہے؛ الا یہ کہ اس کا موضوع ہونا بیان کردیا جائے۔) (تحذير الخواص : ١٣٣)

(۷) امام الہند علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے پوری وضاحت وقوت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے:

" اعلم أنه قد صرَّح الفقهاء ، و المحدثون بأجمعهم في كتبهم بأنه تحرم رواية الموضوع، وذكره، ونقله ، والعمل بِمَا فَادَه مع

اعتقاد ثبوته إلا مع التنبيه على أنه موضوع ، ويحرم التساهل فيه سواء كان في الأحكام ، والقصص، والترغيب ، والترهيب، أو غير ذلک ، ويحرم التقليد في ذكره ، ونقله ، إلا مقرونًا ببيان وضعه. "

(جان لو کہ تمام فقہاو محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں تصریح فرمائی ہے کہ موضوع حدیث کو بیان کرنا، اس کا نقل کرنا اور اس کے ثبوت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اُس پر عمل کرنا یہ سب حرام و نا جائز ہے۔ ہاں حرام اس وقت نہیں، جب کہ اس کے موضوع ہونے پر تنبیہ کردی جائے۔ اسی طرح اس سلسلے میں تساہل برتنا چاہے احکام وقصص کے باب میں، چاہے ترغیب وترہیب یا کسی اور باب میں حرام ہے اور اس کو نقل کرنے میں تقلید کرنا بھی حرام و نا جائز ہے؛ مگر اس کا موضوع ہونا بیان کردیا جائے تو درست ہے۔) (الآثار المرفوعة: ۲۲)

(۸) مفسرِ عظیم، فقیہِ بے نظیر مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

"موضوع روایات کا پڑھنا جن کا پڑھنا اور سننا حرام ہے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے: "من كذب علي متعمدًا فليتبوا مقعده من النار." اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹی حدیثیں بیان کرنا اور اُن کا سننا دونوں گناہ ہیں اور نا جائز ہیں؛ اسی لیے صحابہ وسلف کا طریقہ جہاں تک ہے، وہ بھی کچھ حدیث کے الفاظ نقل کرتے تھے۔ مفہوم اور معنی بیان کرنے کا دستور نہیں تھا اور الفاظ بھی بہت احتیاط کے ساتھ نقل کرتے تھے اور وجہ اُس کی یہی وعید ہے۔ اب واعظ پیشہ وروں نے ٹھیکہ ہی لے رکھا ہے کہ موضوع روایات ہی بیان کرتے ہیں۔ جب تک وہ گھڑی ہوئی روایات نہ سنا لیں، ان کو مزا ہی نہیں آتا؛ کیوں کہ ان کا مقصد تو مجلس کو گرمانا ہوتا ہے۔"

(مجالسِ مفتیٔ اعظم: ۱۲۵)

(۹) حضرت مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ کے جانشین اور دورِ حاضر کے مفسر، محدث، مؤرخ، ادیب اور ماہرِ معاشیات مفتیٔ اعظم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی زیدت معالیہ فرماتے ہیں:

"اس بات پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کی طرف کسی بات کی غلط نسبت کرنا یہ اکبر الکبائر میں سے ہے اور ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے۔" (انعام الباری: ۲/۱۷۸)

(۱۰) جامعہ ازہر اور ام القری کے استاذِ علوم القرآن والحدیث ڈاکٹر محمد بن محمد ابوشہبہ رقم فرماتے ہیں:

"قال العلماء سلفًا، و خلفًا: لا یحل روایة الحدیث الموضوع في أي باب من الأبواب، إلا مقترنًا ببیان أنه موضوع مکذوب، سواء في ذلک ما یتعلق بالحلال و الحرام، أو الفضائل، أو الترغیب والترھیب، أو القصص والتواریخ، وَمَنْ رواہ من غیر بیان وضعه فقد بَاءَ بالإثم العظیم، و حَشَر نفسَه في عداد الکذابین."

(علمائے متقدمین ومتاخرین نے تصریح فرمائی ہے کہ موضوع احادیث کو ان کے موضوع ومکذوب ہونے کی تصریح کیے بغیر بیان کرنا حلال اور جائز نہیں ہے، چاہے کوئی بھی باب وعنوان ہو؛ حلال وحرام کا ہو، فضائل وترغیب وترہیب کا ہو یا قصہ گوئی وتاریخ نگاری کا ہو اور جو شخص موضوع حدیث وضع کی صراحت کے بغیر بیان کرے گا؛ وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب اور خود کو جھوٹوں کی فہرست میں شمار کرنے والا ہوگا۔)

(الإسرائیلیات و الموضوعات في کتب التفسیر:۱۷)

متقدمین ومتاخرین علماءِ دین کی اِن تحقیقات وتصریحات سے ظاہر وباہر ہے کہ موضوع وبے اصل روایات کو اُن کا موضوع ہونا بتائے بغیر، خطبات میں سنانا، تحریرات میں نقل کرنا جائز نہیں ہے، چاہے دین کے کسی بھی موضوع سے متعلق ہو۔

حدیث کے کلمات وحرکات کی تبدیلی سے بھی ڈرنا ضروری ہے

صرف موضوع وبے اصل روایات سنانا ہی جرم نہیں؛ بل کہ حضراتِ محدثینِ عظام نے یہ تک تصریح فرمائی ہے کہ جو احادیث صحیح وثابت ہیں، اُن کو صحیح ودرست پڑھنا لازم وضروری ہے، اب اگر کوئی شخص اُن کے کلمات وحرکات میں ایسی کمی بیشی اور غلطی کرے، جس سے کہ معنی میں میں تغیر پیدا ہو جائے اور وہ معنی مقصدِ شارع کے خلاف ہو جائے، تو ایسا شخص اُس وعید کا مستحق ہو جاتا ہے، جو احادیثِ نبویہ گھڑنے وسنانے پر احادیثِ رسول میں آئی ہے۔ چناں چہ

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا ملفوظ منقول ہے:

"امام بخاری کے عنوان اور اس کے تحت احادیث پر گفتگو سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ بدرعینی نے واضح لکھا کہ جو شخص حدیث کی قرأت صحیح نہیں کرے گا اور اعراب

درست نہ ہوں گے، جس سے معنی میں تغیر کا امکان ہو، وہ اس وعید کا مستحق ہے۔ میں کہتا ہوں وہ واعظ جو احادیث میں امتیاز نہیں کر پاتا، کہ کون صحیح ہے اور کون حسن اور کون کون سی موضوعات؟ اور وعظ میں سب کو بیان کرتا ہے، وہ بھی اس وعید کا مستحق ہے، چوں کہ یہ رسولِ اکرم ﷺ پر قصداً جھوٹ کے باندھنے کے ہم معنی ہے۔"

(نوادرات امام کشمیری:۲۸۶)

امام محمود بن احمد عرف علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال الأصمعي: أخوف ما أخاف على طالب العلم ، إذا لم يعرف النحو أن يدخل في قوله عليه السلام: من كذب علي،الحديث ؛ لأنه عليه السلام لم يلحن ، فمهما لحن الراوي فقد كذب عليه."

(امام اصمعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایک طالب علم پر سب سے زیادہ خوف مجھے اُس وقت لگتا ہے، جب کہ وہ علم نحو سے واقف نہیں ہوگا؛ تو کہیں حضور ﷺ کے قول: "من كذب علي" میں داخل نہ ہو جائے؛ اس لیے نبی علیہ السلام لفظی غلطیاں بھی نہیں کرتے تھے؛ لہٰذا یہ طالب علم جب جب بھی یہ غلطی کرے گا؛ تب تب وہ آپ ﷺ پر دروغ گوئی کرے گا۔) (عمدة القاري:۲/۲۲۵)

راقم عرض کرتا ہے کہ غلطی اگر معمولی اور ہلکی ہو، تو اتنی بڑی وعید کا اُس کو مستحق تو نہیں ٹھیرایا جائے گا؛ لیکن اگر غلطی فاش ہو اور وہ شخص محض تغافل و تکاسل کے مارے کر رہا ہو؛ تو وہی کہا جائے گا جو یہ تینوں حضراتِ ائمہ فرما رہے ہیں۔ چناں چہ اِس بات پر امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے کلام سے روشنی پڑتی ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"كان أبي إذا مرَّ به لحنٌ فاحشٌ غيره ، و إن كان سهلاً تركه."

(میرے والد کے سامنے فاش غلطی ہو جاتی؛ تو اس کی اصلاح فرماتے اور اگر معمولی غلطی ہوتی؛ تو کچھ نہیں فرماتے تھے۔) (عمدة القاري:۲/۲۲۵)

ملاحظہ: مگر اس زمانے میں جب کہ خالص عربیت نہیں رہی اور بہ طورِ خاص اُس وقت جب کہ احادیث کے اعراب و قراءت کی بھی تدوین ہو چکی ہے، ہر معمولی غلطی پر بھی نظر رکھنی چاہیے اور اس کی اصلاح و تصحیح کرتے رہنا چاہیے اور خاص طور پر اُن لوگوں کی اصلاح تو ضروری ہے، جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے۔

صحابیِ رسول حضرت زید بن ارقم ﷺ سے طالبینِ حدیث عرض کرتے ہیں کہ حضرت ! ہمیں وہ احادیث سنائیں، جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں، حضرت زید بن ارقم ﷺ فرماتے ہیں: ''کبرنا، و نسینا، والحدیث عن رسول اللہ ﷺ شدید.'' (بھائی ہم تو بوڑھے ہو گئے، نسیان کے شکار ہو گئے اور آپ ﷺ کی نام پر حدیث بیان کرنا بہت بھاری بات ہے۔)

(فتح الملہم: ۱/۳۳۳)

غور کرنا ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی، جنھوں نے آپ ﷺ کے اقوال واعمال واحوال کا بہ ذاتِ خود مشاہدہ کیا ہے اور جنھیں آپ ﷺ سے حقیقی ویقینی علم حاصل ہے؛ لیکن جب عمر کے ایک ایسے مقام پر آ گئے، جہاں آدمی کی قوتِ یادداشت کمزور ہو جاتی ہے اور پورا یقین ہے کہ ایک صحابی وہ بات تو ہرگز بیان نہیں کرتے جو جھوٹی اور بالخصوص آپ علیہ السلام پر گھڑی گئی ہو، یا خلاف شرع ہو؛ مگر۔۔۔محض اس خدشے سے کہ جو کچھ یقین سے سنا اور دیکھا ہے کہیں اس کے بیان کرنے میں کمی وزیادتی نہ ہو جائے اور کہیں وعید شدید میں گرفتار نہ ہونا پڑے۔ احادیث کی روایت کرنے سے خوف کھا رہے ہیں۔ تو ہم لوگوں کے لئے حضرات صحابہ کا یہ نمونہ لائق اتباع اور واجب التقلید ہے۔

الغرض اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ احادیثِ نبویہ کے بیان میں خوب احتیاط برتنا بہت ضروری اور اہم ہے۔

اس گناہِ ''افترا علی الرسول'' میں گرانے کے چند قریبی وعمومی اسباب

جاننا چاہیے کہ دینِ اسلام کا ایک مسلمہ مزاج یہ ہے کہ جس طرح وہ نفسِ گناہ کا ارتکاب کرنے کو جرم قرار دیتا ہے، اسی طرح گناہ میں مبتلا کرنے والے قریبی وعمومی اسباب اختیار کرنے کو بھی جرم ٹھیراتا ہے، مثلاً: شریعتِ اسلامیہ میں زنا کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور غیر محرم عورتوں پر نظر ڈالنا، اُن کے ساتھ تنہائی میں ملنا، اسی طرح عورتوں کا سج دھج کر اور خوشبو لگا کر غیر محرموں کے سامنے آنا، ناجائز وگناہ ہے۔ اِس کی علت وحکمت علما نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ امور گناہ اس لیے ہیں؛ کیوں کہ یہ بدکاری میں مبتلا کرنے والے عمومی وقریبی عوامل ہیں۔

اسی طرح جب آپ ﷺ کے نام سے بے اصل اور موضوع روایات سنانا جائز نہیں، گناہِ کبیرہ اور سنگین جرم ہے؛ تو ہر اُس سبب کو اختیار کرنا بھی جرم ہے، جو اِس گناہ کا قریبی ذریعہ ہے اور جس کی وجہ سے عام طور پر آدمی اس گناہِ کبیرہ میں جانے انجانے گرفتار ہو جاتا ہے۔

یوں تو اس گناہِ کبیرہ کے متعدد عوامل واسباب ہیں، سب کا ذکر یہاں مقصود نہیں؛ لیکن ہاں دو اسباب ایسے ہیں، جن کا ذکر کرنا ضروری اس لئے ہے؛ کیوں کہ:

(۱) ایک تو اس لیے کہ ان کی نشان دہی خود آپ ﷺ سے ماثور ومنقول ہے۔

(۲) دوسرے اس لیے کہ اُن کا ارتکاب قدیم زمانے سے آج بھی جاری وساری ہے اور جو بہت سارے لوگوں کو اس گناہ بدانجام پر آمادہ کیے ہوئے ہیں۔

(۳) تیسرے اس لیے اگر اِن اسباب کو لوگ سمجھ جائیں اور ان سے احتیاط اپنائے رکھیں، تو بہت ساری موضوع وبے اصل روایات اپنے آپ مرجائیں؛ لہٰذا ایسے چند اسباب ملاحظہ کیجیے:

ایک سبب: بلاتحقیق آپ کی ﷺ کی جانب روایت منسوب کرنا

ایک سبب جو بے اصل وبے سند، موضوع ومکذوب روایات کے درآنے کا مضبوط ذریعہ ہے اور جس کی نشان دہی کر کے خود آپ ﷺ نے قدغن لگائی ہے، وہ ہے: بلاتحقیق سنی سنائی احادیث سنانا۔ چناں چہ تاریخ ومشاہدہ سے یہ ثابت ہے کہ

(الف) بعض اہلِ علم جو اپنے فن میں مہارت ودرجہ تحقیق رکھتے ہیں اور اُس فن کی تمام کلیات وجزئیات پر نظر دقیق رکھتے ہیں؛ مگر علمِ حدیث سے قلتِ اشتغال کے باعث ایسے احباب بھی بعض اوقات اپنے سے بڑے اور معتمد علیہ پر اعتماد کرتے ہوئے محض اُن سے سن کر نقل کردیتے ہیں۔ پھر صرف اسی اعتماد کی بنیاد پر بلاتحقیق نقلِ روایات کا یہ سلسلہ چل پڑتا ہے۔

(ب) اسی طرح وہ احباب، جو صلاح وتقوے کے حامل ہیں، نفس وشیطان کے ہر خفی سے خفی فریب پر نظر رکھتے ہیں، یہ حضرات بھی عام طور سے ہر ایک کے ساتھ غیر معتدل حسنِ ظن ونیک گمان رکھتے ہوئے حدیث کی تحقیق نہیں کرتے۔ تصوف وسلوک کی کتابیں۔جن میں موضوع وبے اصل روایات کی بھرمار ہوتی ہے۔بہ کثرت زیرِ مطالعہ رکھنے کی وجہ سے اس قسم کی بے اصل باتیں خوب بیان کرتے ہیں۔ اس طرح ان حضرات سے روایاتِ موضوعہ وغیر ثابتہ کا طویل سلسلہ چل پڑتا ہے۔

(ج) اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے سامنے آپ ﷺ کے نام سے کسی بات کا ذکر کردینا ہی کافی ہے، بس سنتے ہی علی الفور بلاتاخیر اُس کو حدیثِ رسول مان لیتے ہیں اور دوسروں کو بتانے وسنانے چل پڑتے ہیں۔ یہ ناروا رویہ پہلے سے چلا آرہا ہے اور اب تو ہمارے زمانے میں خوب پھل پھول رہا ہے، چناں چہ کچھ لوگ اخبارات واشتہارات میں، غیر معتبر رسالوں وپرچوں میں، بے سند

کتابوں میں، FACE BOOK، WHATSAPP اور دیگر وسائلِ تشہیر واشاعت میں؛ آپ ﷺ کے نام پر بیان کی ہوئی کوئی بات پڑھ لیتے ہیں اور حدیث ہونے کا یقین کر بیٹھتے ہیں اور بڑی شد ومد اور زور و زبردستی کے ساتھ تبلیغ و ترویج کرتے ہیں، تھوڑی دیر کے لیے بھی یہ گوارا نہیں کرتے کہ حدیث کی کتاب سے رجوع کرلیں، یا کسی محدث و عالمِ دین سے معلوم کرلیں، جب کہ یہ بھی ''بلا تحقیق سنی سنائی احادیث سنانا'' کی ایک صورت ہے۔

بہ ہر حال صورتیں اور طریقے کچھ بھی ہوں، کتبِ حدیث اور کسی مستند محدث سے مراجعت کیے بغیر، بلا تحقیق محض کسی سے سن کر یا کہیں پڑھ کر حدیثیں سنانا اگرچہ کہ عمداً کذب علی النبی کی صورت نہ ہو، تاہم ایک ایسا آسان راستہ ہے، جو افتراء علی الرسول جیسے گناہِ کبیرہ تک سیدھے جا پہنچتا ہے؛ جس پر چلنے والے بالآخر جہنم کے ٹھکانے پر آجاتا ہے۔

اب اِس سلسلے میں قرآن وحدیث کے چند نصوص اور ائمۂ اسلام کے کچھ ارشادات عرض ہیں:

(۱) قرآن مجید میں اللہ رب العالمین نے یہودیوں کی بڑی بڑی بُری بُری حرکتوں کا ذکر کیا ہے، جن میں ایک قبیح عادت یہ بیان فرمائی ہے کہ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ [المائدۃ:۴۲] (جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں۔)

مفسرِ کبیر، فقیہِ بے نظیر حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ اِس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''یعنی یہ لوگ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں، اپنے مقتداوں کے علم وعمل اور امانت ودیانت کی تحقیق کیے بغیر اُن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اور اُن سے موضوع اور غلط روایات سننے اور ماننے کے عادی ہوگئے ہیں۔'' (معارف القرآن:۳/۱۴۹)

اسی طرح جبل العلم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''ایسے لوگوں کو، جو ہر سنی سنائی بات پر یقین کرلیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ (جھوٹ کے بڑے سننے والوں) کا خطاب دیا ہے۔ یہودیوں کے ایک گروہ کی نسبت فرمایا: ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ [المائدۃ:۴۲] (جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں)۔'' (سیرۃ النبی:۶/۲۸۰)

غور فرمایئے! یہودی ایک مغضوب علیہ اور بد بخت قوم ہے، جس کے گھناؤنے گناہوں کا جگہ جگہ ذکر فرمایا گیا ہے، مثلاً: تورات میں تحریف و ترمیم کرتے تھے، دینی احکام کی تبدیلی پر رشوت لیتے اور دیتے تھے، سود کھاتے تھے، انبیا کا قتل کرتے تھے، وغیرہ۔ ایسی قوم کے کبائر میں یہ بھی ذکر کیا جارہا ہے

کہ یہ لوگ موضوع اور غلط سلط روایات سنتے تھے، سناتے تھے۔

(۲) نبیِ اکرم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے:

''كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.''

(آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ جو کچھ سنے، سنانا شروع کردے۔) (مقدمة مسلم)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں اس حدیث کا مفہوم و مطلب یہ ہے:

''جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان جھوٹ سچ؛ جو کچھ سنے اس کو بلا تحقیق دوسروں سے کہتا پھرے۔ ایسا شخص بے اعتبار سمجھا جاتا ہے اور سوسائٹی میں اس کی بات کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔'' (سیرۃ النبی:۶/۲۸۰)

(۳) مشہور امام و فقیہ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ ''إکمال المعلم'' میں لکھتے ہیں:

''جو شخص سچی جھوٹی، حق و باطل ہر قسم کی باتیں؛ جو کچھ سنتا ہے، وہ سناتا ہے؛ تو اسی طرح لوگ اس سے نقل کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں اس شخص کا نام جھوٹوں کی فہرست میں آجاتا ہے اور اس قسم کی باتیں بیان کرنے کی بنا پر اس کو جھوٹا ہی شمار کیا جائے گا، اگرچہ جھوٹ کے ارادے سے اس نے وہ باتیں نہ سنائی ہوں اور اسے ان جھوٹی باتوں کا علم بھی نہ ہو؛ تب بھی وہ جھوٹا ہی ٹھیرے گا۔'' (إكمال المعلم:۱/۱۱۵)

(۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات و احکام بلا تحقیق بیان کرتے ہیں، سخت گنہ گار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی اُن کا وعظ سننا جائز نہیں۔'' (بیان القرآن:۲۳۸)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی اس قیمتی بات سے اُن علما کو نصیحت و عبرت حاصل کرنی چاہیے جو بلا تحقیقِ صحیح، موضوع و من گھڑت روایات سناتے ہیں اور علما سے زیادہ اُن عوام الناس کو جو دینی دعوتی محنتوں سے جڑے ہیں اور دینی جذبات رکھتے ہیں؛ مگر علمِ دین سے بے بہرے ہیں یا صحیح و ٹھوس علما سے وابستہ نہیں ہیں، ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وعظ و بیان کے لیے از خود آگے نہ بڑھیں، بالخصوص اُس وقت جب کہ مجلس میں ایک عالمِ دین حاضر ہو۔

دوسرا سبب: اصل کتاب کی مراجعت کے بغیر بیان کرنا بھی مناسب نہیں ہے

حضراتِ محدثین نے تحقیقِ حدیث کے سلسلے میں بڑی ہی سخت نگرانیاں قائم کی ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حدیث اُس کے اصل ماخذ ومصدر ہی سے بیان کرنی چاہیے اور اگر کوئی مجبوری پیش آجائے اور اصل کی طرف مراجعت نہ ہو پائے، تو دوسرے ناقل سے بیان کرنے کی اجازت ہے؛ مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ بھی روایتِ حدیث کے باب میں معتمد ومحتاط ہو، چناں چہ اس امر کی صراحت حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے اپنے کتابچے: **''الباعث علی الخلاص من حوادث القصاص''** میں فرمائی ہے اور جس کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی نقل فرما کر اُس کی تائید وتصدیق فرمائی ہے۔ حافظ عراقی رحمہ اللہ تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے پہلے یہ لکھتے ہیں:

حکایات وواقعات سنانے والے لوگ صحیح وضعیف اور ثابت وغیر ثابت احادیث کی تمیز کے بغیر روایات سناتے چلے جاتے ہیں۔ بعدہ لکھتے ہیں:-

" و إن اتفق أنه نقل حديثاً صحيحاً كان آثما في ذلك ؛ لأنه ينقل ما لا علم له به ، و إن صادف الواقع كان آثما بإقدامه على ما لا يعلم ."

(اگر اتفاق سے وہ صحیح حدیث بھی نقل کرے، تب بھی گنہ گار ہی ہوگا؛ کیوں کہ وہ ایسی بات نقل کر رہا ہے، جس کا اسے پختہ علم نہیں ہے۔ لہٰذا واقع وحقیقت کے مطابق ہونے کے باجود، اس کا گنہ گار ہونا دراصل اپنی بے علمی پر اقدام وجسارت کرنے کی وجہ سے ہے۔)

نیز آگے بیان کرتے ہیں:

" و أيضًا فلا يحلُّ لأحد مِمَّنْ هو بهذا الوصف أن ينقل حديثاً من الكتب ؛ بل و لو من الصحيحين ما لم يعتمد على من يعلم ذلك من أهل الحديث ." (الباعث علی الخلاص:۹۳-۹۷، الأسرار المرفوعة:۷٤)

(لہٰذا ایسے شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ حدیث کی کتابوں سے حتی کہ بخاری ومسلم سے بھی کوئی حدیث بیان کرے، جب تک کہ وہ کسی محدث سے پختہ علم حاصل نہیں کرلیتا۔)

حافظ عراقی کی تائید علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے کلام سے بھی ہوتی ہے، چناں چہ حضرت

''فتح الملھم'' میں ''كفى بالمرء كذبًا أن يحدث بكل ما سمع'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقد نبَّه اللّٰه سبحانه وتعالى في القرآن على شناعة من يذيع كل خبر جاء من الأمن أو الخوف ، و لا يتثبت فيه بإرجاعه إلى مظان تصديقه و تكذيبه۔“ (فتح الملھم: ۱/۳۳۷)

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اُس شخص کی شناعت وقباحت پر تنبیہ فرمائی، جو امن یا خوف سے متعلق ہر خبر کو پھیلاتا ہے اور اُس خبر کو اُس کی تصدیق وتکذیب کے مراجع کی طرف لوٹا کر صحیح و پختہ معلومات حاصل نہیں کرتا۔)

آج کل احادیث کے حوالوں کے حوالے سے یہ رہا ہے کہ ایک حدیث نقل کردی جاتی ہے اور اس کے متعلق کسی معتبر کتابِ حدیث کا حوالہ لکھ دیا جاتا ہے اور تحقیق کے دشمن بغیر تحقیق کیے، محض کتابوں کا نام دیکھ کر روایت آگے نقل کرنا شروع کردیتے ہیں۔ ایسا عوام کرتے ہیں تو اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کہ پڑھے لکھے کہلانے والے افراد کرتے رہتے ہیں۔ حالاں کہ بعض روایات ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو پڑھتے ہی حدیث کا طالب علم علی الفور دوٹوک کہہ دے گا کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ یا یہ حدیث اس حوالے کی نہیں نہیں ہے۔

راقم کے پاس اس کی متعدد مثالیں ہیں۔ چند مثالیں اہلِ علم کے لیے پیش کرتا ہوں۔ مثلاً:

(۱) ''جس گھر کے دروازے رشتے داروں کے لیے بند اور جس گھر میں رات دیر تک جاگنے اور صبح دیر سے اٹھنے کا رواج ہوجائے، تو وہاں رزق کی تنگی اور بے برکتی کو کوئی روک نہیں سکتا''۔

ایک اشتہار ملا، جس میں مذکورہ بات کو حدیث رسول کی حیثیت سے لکھا گیا تھا اور اس پر حوالے میں لکھا تھا: ''مسلم: ۴۷۶۵''۔ حالاں کہ یہ بات ''مسلم شریف'' میں نہیں ہے۔ دیکھیے گھڑنے والے نے کتنی بڑی جرأت کی ہے، ایک تو مسلم شریف کا حوالہ لکھا اور اس پر ظالم نے حدیث کا عددی نمبر بھی لگا دیا۔ جس نے بھی گھڑا ہے وہ جھوٹا تو ہے ہی، مگر افسوس اس بات کا بھی ہے کہ عاقبت نااندیش –علماء کالعوام– تک اس جھوٹ کو پھیلانے میں اُس جھوٹے کا برابر ساتھ دے رہے ہیں۔

(۲) اسی طرح کسی نے تحقیق پوچھی کہ: حدیث پاک میں ہے اگر جھک جانے یعنی عاجزی و انکساری کرنے سے تمہاری عزت کم ہوجائے، تو بہ روزِ قیامت مجھ سے لے لینا۔

اس پر ''مسلم: ۴۸۷'' کا حوالہ لکھا ہوا ہے۔

(۳) ''میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر رضی اللہ عنہ اس شہر کی بنیاد ہے، عمر رضی اللہ عنہ اس کی دیوار ہے، عثمان رضی اللہ عنہ اس کی چھت ہے اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہے''۔ ایک اشتہار کا ٹکڑا راقم کے پاس برائے تحقیق بھیجا گیا، جس میں یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہے اور اس پر حوالے کی جگہ ''بخاری'' لکھا ہوا ہے۔ حالاں کہ یہ روایت ''بخاری'' میں قطعاً نہیں ہے۔

بہ ہر حال اگر لوگ احادیثِ نبویہ کی روایت کے سلسلے میں حضراتِ ائمہ کی مذکورہ بالا تاکیدات کو حرزِ جان بنالیں تو آج بہت ساری موضوع روایات از خود دفن ہو جائیں۔

مُلاحَظہ : واضح کردوں کہ اصل کتاب اور اصل حوالے پر نظر رکھنا ہی اصل تحقیق ہے۔ محض نقول پر انحصار کرنے کو جس طرح محدثین نے روا نہیں رکھا، اسی طرح حضراتِ فقہائے محققین نے بھی روا نہیں رکھا۔ اس سلسلے میں محدثین کے ارشادات تو سابقہ سطور میں آگئے۔ فقہاء کی ہدایات بھی بہت ہیں۔ خاتمۃ الفقہاء والمحققین محمد امین بن عمر بن عابدین عرف علامہ شامی رحمہ اللہ کی مشہورِ زمانہ کتاب: ''شرح عقود رسم المفتی: ۶۰-۶۷'' میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس اصول وضابطے کے تعلق سے جو تحقیقِ انیق اور تمثیل مع التفصیل تحریر فرمائی ہے، وہ نہایت ہی قیمتی اور انمول ہے۔ سرِ دست اِس مقام پر دورِ حاضر کے عظیم الشان دو اکابر علمائے عظام کا کلام ملاحظہ ہو:

دارالعلوم دیوبند کے حالیہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین، محدثِ جلیل، فقیہِ کبیر، استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

> ''نقل وحوالے پر آنکھ بند کر کے اعتماد نہیں کرنا چاہیے؛ بل کہ حوالے کو اصل سے ملا کر دیکھنا چاہیے۔ ہم نے حضرت الاستاذ مفتی مہدی حسن صاحب قدس سرہ سے ایک بار عرض کیا تھا کہ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''**کبھی کسی کے حوالے پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے**''، میں نے عرض کیا کہ ''**اگر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ حوالہ دیں تو؟**''، آپ نے برجستہ فرمایا کہ ''**اگر حافظ ابن جبل حوالہ دیں تب بھی**''۔ میں نہیں بتا سکتا کہ حضرت الاستاذ کی ان نصیحت نے مجھے کس قدر فائدہ پہنچایا۔ فجزاہ اللہ خیراً''۔ (آپ فتوی کیسے دیں؟:۲۶)

اِس سے معلوم ہوا کہ شرعی مسئلہ ہو یا شرعی مسائل کی دلیل ''حدیث نبوی'' ہو ہر ایک کو اس کے اصل مرجع وماخذ اور نہایت ہی معتبر کتب سے نقل کرنا جائز ہے۔ یہی تمام محدثین وفقہائے محققین کا

بیان کردہ محقق اصول ہے۔

تیسرا سبب: بلاضرورت احادیث بہ کثرت بیان کرنا

یہ بات صحیح ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے احکامات و پیغامات کی تبلیغ وسیع سے وسیع تر کرنی چاہیے اور یقیناً ایسا کرنا کارِ خیر وثواب عظیم ہے؛ مگر یہ نہیں کہ بے ضرورت و بے موقع بیان کیا جائے ،بل کہ بیان کرنے والے پر لازم ہے کہ شدید ضرورت وحاجت کے موقع پر ہی احادیثِ نبویہ بیان کرے اور حدیث اتنی ہی بیان کرے جتنی کہ ضرورت ہے ؛ کیوں کہ بلاضرورت بہ کثرت روایت کرنا ایک ایسا ذریعہ ہے، جس کی وجہ سے عموماً آدمی رسول اللہ ﷺ کی جناب میں دروغ گوئی کا ارتکاب جانے انجانے کر بیٹھتا ہے؛ اس لیے آپ ﷺ نے صاف وصریح حکم دیا ہے کہ ''اِيَّاكُمْ وَ كَثْرَةَ الْحَدِيْثِ عَنِّيْ'' (میری جانب منسوب کر کے بہ کثرت حدیثیں سنانے سے ڈرو۔)

(ابن ماجہ: ۳۵،حاکم: ۳۷۹)

نبیٔ اکرم ﷺ کا مذکورہ بالا یہ ارشاد اور حکم، نہایت ہی غور طلب اور نصیحت آمیز ہے، سرسری سن کر آگے بڑھنے کے بجائے چند پہلوؤں سے غور کیا جائے تو خوب معلوم ومفہوم ہوجائے کہ حدیث بکثرت اور بے ضرورت بیان کرنا کس قدر غیر محتاط طریقۂ کار ہے۔ چند پہلو درج ذیل کرتا ہوں:

پہلا پہلو: رسولِ اکرم ﷺ کے اس حکم کے اول ترین مخاطب وہ مقدس شخصیات ہیں، جو خدائے علیم کے منتخب کردہ، رضائے الٰہی کے سند یافتہ ہیں۔ جن کے متعلق تمام اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے: ''الصَّحابةُ كُلُّهم عدُولٌ'' کہ تمام اصحابِ رسول ﷺ ایمان ویقین کے معیار ہیں، دیانت وامانت دار ہیں، صدق پیشہ اور راست شعار ہیں۔ جب ان حضرات کو بھی تاکیدی حکم دیا جارہا ہے، تو سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ صحابہ کے علاوہ دوسروں کو کس قدر تاکید کی جارہی ہے! اور ان کے لیے احتیاط کس درجے لازم وضروری ہے؟!!

دوسرا پہلو: جو روایات آپ ﷺ سے واقعی ثابت نہیں ہیں، ان کی نہ قلیل مقدار روایت جائز ہے اور نہ کثیر مقدار، جیسا کہ ظاہر وباہر ہے؛ لہٰذا حدیث کے جملے ''كَثْرَةَ الْحَدِيْثِ'' کا مصداق وہ احادیث ہیں، جو آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔ اب جب پختہ طور پر ثابت شدہ احادیث کو بھی زیادہ بیان کرنے سے آپ ﷺ منع فرمارہے ہیں، تو اس کی آخر کوئی تو وجہ ہوگی؟! اور وہ وجہ یہی ہے کہ کثرتِ کلام کی بنا پر آدمی خطا ولغزش سے دوچار ہو ہی جاتا ہے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''فتح

الباري'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''قد يأثم بالإكثار، إذ الإكثار مظنة للخطأ.'' (بہ کثرت بیان کرنے سے قصور سرزد ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ کثرتِ بیان ایسی حالت ہوتی ہے، جس میں وقوعِ خطا کا گمان ہوتا ہے۔) (فتح الباري: ۱/ ۳۵۲)

علامہ طاہر جزائری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''إذ الإكثار مظنة للخطأ، والخطأ في الحديث عظيم الحظر.''

(کثرتِ بیان ایسی حالت ہے، جس میں وقوعِ خطا کا گمان رہتا ہے اور حدیثِ رسول کے سلسلے میں خطا کرنا، تو حددرجے ممنوع عمل ہے۔) (توجيه النظر: ۱/ ۷۳)

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جھوٹ تو ویسے بھی شریعت میں ممنوع و مذموم عمل ہے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جھوٹ بولنا نہایت ہی سنگین جرم ہے اور اس کو روا رکھنا اور گوارا کرنا تحریفِ دین اور ابطالِ شریعت کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے صرف قصداً و عمداً بچنے کے لیے ہی نہیں بلا قصد و ارادہ بھی کسی سے یہ خطا سرزد نہ ہو جائے اور بیان کرنے والے افراط و تفریط، تکلف و تصنع اور قلتِ اہتمام کے باعث اپنی بیان بازی میں اس قسم کی حرکت سے محفوظ رہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔: ''ذَمَّ الْأَئِمَّةُ الْإِكْثَارَ، وَ نَهَوْا عَنْهُ'' (حضراتِ ائمہ نے کثرتِ روایات کو مذموم و ممنوع قرار دیا ہے)۔ نیز بہ کثرت بیان کرنے والا عموماً دو بڑی غلطیاں کر بیٹھتا ہے:

(۱) ایک یہ کہ عام طور پر خود طعن و جرح سے محفوظ نہیں رہتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ جو لوگ صحیح و سقیم کی تمیز نہیں رکھتے، ان کو صحیح و ضعیف کے مابین دھوکہ میں ڈالتا ہے۔

(إكمال المعلم: ۱/ ۱۱۳)

لیجیے! وہ حضرات جو حدیث کی تحقیق و جستجو میں، روایت و حفاظت میں اور اس ایک علم میں اپنی ساری زندگیاں فدا کر دینے والے ہیں، ایسے حضرات بھی کثرتِ روایت کی مذمت و قباحت بیان کر رہے ہیں۔ اور کذب علی النبی کا سبب ہونے کی بنا پر اس عمل سے خوف کھا رہے ہیں، تو جو لوگ سرے سے اِس مشغلے سے محروم ہیں، یا اس سے کم زور رابطہ رکھے ہوئے ہیں، آخر ان کو کتنا خوف کھانا چاہیے! اور کس قدر احتیاط کو پکڑے رہنا چاہیے! یہ روزِ روشن کی طرح عیاں و بیاں ہے۔

تیسرا پہلو: اِس کثرت روایت والے عمل سے اجتناب قائم رکھنے کا حکم، جس تاکیدی پیرائے میں

دیا ہے، وہ بھی نہایت ہی اہم اور غور طلب ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے جو جملہ ارشاد فرمایا، وہ ہے: ''إِيَّاكُمْ'' اور عربی زبان میں یہ اس وقت بولا جاتا ہے، جب کسی کو ضررِ شدید سے علی الفور بچانا مقصود ہوتا ہے، جیسے کسی کے سامنے بے قید شیر یا خطرناک کالا ناگ آجائے، تو اس وقت اُس آدمی کو بچانے کے لیے بولا جائے گا: ''إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ''، ''إِيَّاكَ وَالْأَسْوَدَ''۔

یہاں یہی تعبیر کثرتِ روایات سے بچانے کے لیے آپ ﷺ نے اختیار کی اور فرمایا: ''إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيْثِ''۔ اس طرح آپ ﷺ نے اشارہ فرمادیا کہ آپ ﷺ کی جناب میں بلاضرورت احادیث بیان کرنا یا ضرورت ہی پر بہ کثرت بیان کرنا ایک شیر سے، ایک سانپ سے کم نہیں ہے؛ لہٰذا دامنِ احتیاط وحزم کو پورے عزم کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر تھامے رہنا چاہئے اور اس کثرت بیانی سے اسی طرح ڈرنا اور بچنا چاہیے جیسا کہ آدمی شیر اور سانپ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

چوتھا پہلو: آپ ﷺ کے ارشادات کا جائزہ لینے سے معلوم ومفہوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ تعبیر اُن جرائم اور اسبابِ گناہ سے بچانے کے لیے اختیار فرمائی ہے جو بڑے بڑے گناہ ہیں یا وہ انسان کے حق میں نہایت ہی تباہ کن اور دنیوی واخروی مضرت ومذمت کا قوی ذریعہ ہیں۔ مثلاً:

''إياک والخمر، إياكم والظن، إياكم والكبر، إياكم والحسد،
إياكم والغلو في الدين، إياكم والشح إياكم وكثرة الحلف في البيع
إياكم ودعوة المظلوم، إياكم ومحقرات الذنوب'' وغیرہ۔

(فیض القدیر: ۳/۱۱۸-۱۳۳)

ارشاداتِ نبویہ کے اِس عام اسلوب کا تقاضا یہی ہے کہ جس طرح شراب پینا، بدگمانی کرنا، غرور وتکبر کرنا، حسد کرنا، دین میں غلو کرنا، بخل وکنجوسی کرنا، بے وجہ قسمیں کھانا، مظلوم کی بددعا سے نہ بچنا اور چھوٹے گناہوں کو معمولی سمجھ کر کرتے رہنا؛ بدترین گناہ اور سخت ترین ممنوع ہیں، اسی طرح کثرتِ روایات کو ممنوع بتانے کی خاطر آپ ﷺ نے فرمایا: ''إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيْثِ''۔

کثرتِ روایات سے سلفِ صالحین کی احتیاط

اس کے بعد ذیل میں حضراتِ صحابہ ومحدثین کے وہ ارشادات وحکایات درج کرتا ہوں، جن سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگا کہ یہ حضرات صحیح احادیث تک کی کثرتِ روایت سے کس درجہ خوف کھاتے تھے! اور لوگوں کے لیے اس سلسلے میں کیا نمونہ وطریقہ چھوڑ گئے ہیں؟ پہلے مختصراً شیخ امام سندھی رحمہ اللہ

کا قول ذہن نشیں کرلیں، آپ لکھتے ہیں کہ ''لعلهم كانوا يُحَدِّثُوْنَ عِندَ شِدَّة الحاجَةِ ، ورغبةِ الطالب'' (حضراتِ صحابہ کے حالات سے لگتا یہی ہے کہ وہ حدیث تبھی بیان کرتے تھے جب کوئی سخت ضرورت پیش آتی تھی، یا کوئی طالبِ حدیث شوق ورغبت لے کر آتا تھا۔)

(سنن ابن ماجه مع شروحه:٦٧)

اب ذیل میں اس سلسلے کے چند واقعات اور حضراتِ صحابہ ومحدثین کے حالات ملاحظہ ہوں:

(۱) آپ ﷺ کے دس سال کے خادم خاص وجلیل القدر صحابیٔ رسول، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو روایاتِ کثیرہ بیان فرمائی ہیں، وہ بھی دراصل ضرورت کے موقع پر بیان فرمائی ہیں، بے ضرورت، بے موقع بیان نہیں فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

" اِنَّهُ لَيَمْنَعُنِيْ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيْثًا كَثِيْراً أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ." (مقدمة مسلم)

(سچ کہتا ہوں: تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ حدیثیں سنانے سے جو بات مجھے روکتی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری جانب عمداً جھوٹ منسوب کرے گا؛ اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔)

(۲) عظیم الشان صحابیٔ رسول: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے جب درخواست کی گئی کہ آپ ہمیں وہ حدیثیں سنائیں، جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں، تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أخشىٰ أن يزِلَّ لِسَاني بشيء لم يَقُلْه رسولُ اللّٰه ﷺ ، إني سمعتُ رسولَ اللّٰه ﷺ يقول: إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيْثِ عَنِّي ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ." (المستدرك للحاكم: ٣٨٠)

(مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں میری زبان پھسل جائے اور وہ بات نکل پڑے، جو آپ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو اور ویسے بھی پورے یقین سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری جانب منسوب کرکے حدیثیں زیادہ سنانے سے ڈرو؛ کیوں کہ جو شخص مجھ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔)

(۳) سنتِ رسول کی اتباع میں سب سے زیادہ آگے رہنے والے صحابی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند نیک ارجمند، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہورِ زمانہ امامِ حدیث

حضرت امام عامر شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جالستُ ابن عمر رضی اللہ عنہ سنةً ، فما سمعته يحدّث عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ."

(میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سال تک رہا؛ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حدیث بیان کرتے ہوئے کبھی نہیں سنا۔) (المحدث الفاصل: ۵۵۱)

(۴) جلیل القدر فقیہ، صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں منقول ہے:

"كان عبد الله رضی اللہ عنہ يمكث السنة لا يقول: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ، فإذا قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أخذته الرعدة ."

(سال سال گزر جاتے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرکے حدیث بیان کرنے سے بربنائے احتیاط گریز کرتے تھے اور جب کبھی کسی ضرورت سے بیان کردیتے؛ تو آپ کے بدن پر کپکپی طاری ہوجاتی اور تھرتھر کانپ اٹھتے تھے۔) (المحدث الفاصل: ۵۴۹)

(۵) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک جلیل الشان شاگرد ومحدثِ عظیم حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

اِخْتَلَفْتُ إلى عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ سنةً ، فماسمعته يقول: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ، إلا أنه جرى على لسانه يومًا، فقال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ، فَعَلَاه كَرْبٌ حتى جعل يعرق، ثم قال: إن شاء الله ذا، أو دون ذا أو نحو ذا." (المحدث الفاصل: ۵۴۹)

(میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سال تک آتا جاتا رہتا تھا، میں نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرکے حدیث پاک سناتے ہوئے کبھی نہیں سنا، ہاں ایک دن آپ کی زبان سے یہ جملہ صادر ہوگیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"۔ بس یہ کہنا تھا کہ آپ پر کرب وبے قراری کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ پسینے سے شرابور ہوگئے اور یہ کہنے لگے: ان شاء اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کہا ہوگا، یا اس کے قریب، یا اسی طرح سے کہا ہوگا۔)

(۶) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو علم وفہم تھا، اس کے حساب سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ

کثرت احادیث منقول ہوتیں؛ مگر آپ سے بے حد قلیل مقدار میں روایات مروی ہیں، اس قلتِ روایات کے جہاں بہت سے عوامل ہیں، وہیں ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ احادیث بیان کرنے کے سلسلے میں بہت ہی زیادہ خوف کھاتے تھے، چناں چہ خود آپ فرماتے تھے:

”إذا حدَّثتُكم عن رسول الله ﷺ حديثًا ، فَوَ اللّٰهِ لَأَنْ أَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْذِبَ عَلَيْه.“

(جب میں تم لوگوں کو آپ ﷺ کی ایک حدیث بھی سناتا ہوں [تو صحیح ہی سناتا ہوں؛ کیوں کہ] خدا کی قسم آسمان سے گر کر مرجانا مجھے پسند ہے؛ مگر یہ ہرگز پسند نہیں کہ میں آپ ﷺ کی جانب وہ بات منسوب کروں، جو آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔) (البخاري: ٦٩٣٠، مسلم: ٢٥١١، سنن أبي داود: ٤٧٦٩)

یہ تو صرف ہلکا سا اور صرف چند صحابہ کا ذکر ہے؛ ورنہ تو اکثر و بیشتر صحابہ کا یہی حال تھا، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”كان كثير من كبار الصحابة لا يُحَدِّثون عن رسول الله ﷺ خشيةَ المزيد ، و النقصان.“ (فتح الباري: ٧/٨٩)

(بہت سارے بڑے بڑے حضراتِ صحابہ کمی وزیادتی کے اندیشے سے احادیثِ رسول بیان نہیں کرتے تھے۔)

(۷) حضرت امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ احادیثِ رسول بیان کرنے کے متعلق میں نے سب سے زیادہ ڈرنے والا کسی کو پایا، تو وہ حضرت سلیمان تیمی ہیں، چنانچہ نبیٔ اکرم ﷺ کی جانب نسبت کرکے جب آپ حدیث سناتے، تو چہرہ ہی متغیر ہو جاتا تھا۔

”كان إذا ذَكَرَ الحديثَ عن رسول الله ﷺ تغيَّر وجهُه.“

(المحدث الفاصل: ٥٥١)

(۸) امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ، حضرت امام مخلد بن الحسین رحمہ اللہ کا ایک بیش قیمت ارشاد نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

”نحن إلى قليل من الأدب أحوج منا إلى كثير من الحديث.“

(زیادہ حدیثوں کی بہ نسبت ہم پر ضروری ہے کہ تھوڑا سا ادب اختیار کرلیں۔)

(المحدث الفاصل: ٥٥٩)

بہ ہر حال اس موضوعِ سخن کا اختتام امام ذہبی رحمہ اللہ کے کلام پر کرتا ہوں۔ ترجمہ سے گریز کرتے ہوئے اہلِ علم کے آگے صرف عربی عبارت نقل کرتا ہوں، حضرۃ الامام "سیر أعلام النبلاء" میں رقم طراز ہیں:

" فباللّٰه عليک ، إذا كان الإكثارُ من الحديث في دولةِ عمر، كانوا يُمْنعُون منه معَ صدقِهِم وعدالتِهِم وعدم الأسانيد ؛ بل هو غض لم يشب ، فما ظنک بالإكثار من رواية الغرائب و المناكير في زماننا مع طول الأسانيد ، وكثرة الوهم والغلط ، فبالحري أن نزجر القوم عنه ؛ فَيَالَيْتَهم يقتصرون على رواية الغريب ، والضعيف ؛ بل يروون – واللّه – الموضوعات ، والأباطيل، و المستحيل في الأصول والفروع ، و الملاحم والزهد ؛ نسأل اللّه العافية .فَمَنْ روٰى ذلک مع علمه ببطلانه ، وغَرَّ المؤمنين ، فهذا ظالم لنفسه ، جانٍ على السنن والآثار، يستتاب من ذلک ، فان أناب وأقصر، وإلا فهو فاسق ، كفى به إثماً أن يحدث بكل ما سمع . وإن هو لم يعلم ، فليتورع ، و ليستعن بِمَنْ يُعِيْنُه على تنقية مروياته ؛ نسأل اللّٰه العافية. "

(سير أعلام النبلاء:٢/١٠٦)

ایک شبہ اور اُس کا جواب

یہاں پر حدیث اور فنِ رجال کے کسی طالبِ علم کو یہ شبہ ہو سکتا ہے اور ہونا بعید بھی نہیں۔ شبہ یہ کہ کثرتِ روایت اگر محمود نہیں، اس سے احتراز افضل و بہتر ہے تو پھر "كثير الحديث" کا؛ نیز "كان من المُكْثِرين" کا مطلب کیا ہے؟ اس لیے کہ متعدد ثقہ و مستند ائمۂ حدیث کی تعریف و توثیق میں محدثین نے اس قسم کی تعبیرات کا خوب استعمال کیا ہے۔ خصوصاً امام ابن سعد رحمہ اللہ کا تو یہ خاص طرزِ بیان ہے، جو انھوں نے "الطبقات الكبرى" میں ایک محدث کی مدح و تعریف اور اس کی ثقاہت و عدالت کو بتانے کے لیے بہ کثرت استعمال کیا ہے۔

اِس شبہے کا جواب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "فتح الباري" میں اور امام محمود بن احمد عینی رحمہ اللہ "عمدة القاري" میں تحریر فرماتے ہیں:

" أما من أكثر منهم فمحمول على أنهم كانوا واثقين من أنفسهم بالتثبت أو طالت أعمارهم فاحتيج إلى ما عندهم ، فسئلوا فلم يمكنهم الكتمان." (فتح الباري: ۱/ ۲۰۳، عمدة القاري: ۲/ ۲۲۹)

(جن حضراتِ صحابہ نے بہ کثرت روایات بیان فرمائی ہیں، اُن کے اِس عمل نیک کو اِس بات پر محمول کیا جائے کہ انھوں نے جو بات نقل کی ہے، اُس کے پختہ ثبوت پر، ٹھوس جان کاری پر اور مکمل احتیاطِ ادائیگی پر انھیں پورا پورا یقین تھا۔ یا پھر ہم اس بات پر محمول کریں گے کہ اِن حضراتِ صحابہ نے طویل عمریں پائیں اور سائلین وطالبین کی طلب پر کتمانِ علم کی گنجائش نہیں تھی؛ اس لیے اُن کو اپنی مرویات بیان کرنا ہی پڑا۔)

اِن بزرگوں کے کلام سے اِس شبہے کا جواب بھی مل گیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ اصول بھی مل گیا کہ بے ضرورت وبے محل احادیث بیان کرنے سے گریز کرنا لازم ہے اور اگر ضرورت داعی ہو، تو'' تَثَبُّتْ'' یعنی حدیث کی پختہ جان کاری کے بعد، ہی مکمل احتیاطِ ادائیگی کے ساتھ بیان کرنا لازم ہے۔

راقم عرض پرداز ہے کہ ائمہ محدثین کے یہاں روایتِ حدیث کے باب میں اصل وصفِ محمود ''تثبت واتقان'' ہی ہے، نہ قلتِ روایت ہے اور نہ کثرتِ روایت؛ لیکن چوں کہ اِس وصفِ محمود کا قیام وبقا کثرتِ روایت کی بہ نسبت قلتِ روایت میں زیادہ ہے؛ اس لیے قلتِ روایت ہی کو محدثین نے پسند فرمایا ہے، کثرتِ روایت کو نہیں۔ چناں چہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ مجتہدِ اعظم ہیں اور محدثِ اعظم بھی؛ لیکن احادیث وروایات کا بے حد وسیع وکثیر علم رکھنے کے باوجود آپ سے روایات کم مروی ہونے کی - اگر چہ کہ جتنی روایات مروی ہیں، وہ بھی کثیر ہی ہیں اور سترہ مسانید میں مذکور ہیں - متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں، ان ہی وجوہ میں سے ایک سب سے اہم وجہ بہ الفاظِ استاذِ محترم یہ ہے:

''امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں حدیث کی روایت کے لیے سخت شرائط تھیں، تو احتیاطاً وہ کم روایت کرتے تھے اور یہ دراصل خوبی وکمال ہے، نہ کہ عیب ونقص۔'' (جواہر شریعت: ۱/ ۲۵۴)

حدیث کی روایت کے حوالے سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سخت شرائط کو بھی ملاحظہ کرلیا جائے؛ تاکہ سمجھ میں آجائے کہ احادیث بیان کرنے میں کس قدر احتیاط لازم وضروری ہے؟ چناں چہ امام اعظم نے جو شرط لگائی ہے، وہ تصحیحِ روایات کے باب میں دیگر محدثین حتی کہ امام بخاری وامام مسلم

رحمہما اللہ کے شرائط سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مثلاً امام صاحب کی ایک شرط یہ ہے:

"لا ينبغي للرجل أن يحدث من الحديث إلا بماحفظه يوم سمعه إلى يوم يحدث به." (عقود الجمان:۲۹۵)

(کسی محدث کے لیے حدیث کی روایت صرف اسی وقت درست ہے، جب کہ اس کو وہ حدیث سننے وجاننے کے وقت سے لے کر بیان کرنے کے وقت تک خوب اچھی طرح یاد ومحفوظ ہو۔)

اسی طرح امام عبدالوہاب الشعرانی نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ کی ایک شرط یہ بھی ذکر کی ہے:

"و قدكان الإمام أبوحنيفة رحمه الله يشترط في الحديث المنقول عن رسول الله ﷺ قبل العمل به أن يرويه عن ذلک الصحابي جمع أتقياء عن مثلهم."

(اس کا مفہوم یہی ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے اصول میں حدیثِ نبوی کو معمول بہ بنانے سے پہلے اُس روایت کی تحقیق لازم وضروری تھی اور آپ یہ بھی شرط لگاتے تھے کہ جو فلاں صحابی سے روایت کرنے والے راویوں کی ایک جماعت ہو اور وہ سب ثقاہت وعدالت میں ایک جیسے ہوں۔)

(کتاب المیزان:۱/۶۳ بہ حوالہ: ماتمس إليه الحاجه للمحدث النقاد الكبير محمد عبدالرشيد النعماني:۱۱)

آمدم برسرِ مطلب

کلام کافی تفصیلی تاہم طویل الافادہ ہوگیا۔ بہ ہر حال بتانا یہ ہے کہ سب سے پہلے احادیثِ نبویہ کو ان کے مستند مصادر اور معتمد مآخذ سے حاصل کرنے میں ممکنہ محنت صرف کرے، پھر بعدِ تحقیق جو احادیثِ صحیح یا حسن ہیں، ان ہی کی روایت کرے۔ اور جو روایات ضعیف ہیں، فضائل ومناقب کے متعلق ان کو ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم حتی الامکان کم سے کم بیان کرے اور جو بھی بیان کرے پوری احتیاط وصحیح ادائیگی کے التزام کے ساتھ ہی بیان کرے اور اس بات کا پورا خیال رکھے کہ روایات ضرورت کے موقع پر ہی بیان کی جائیں، بے ضرورت ہرگز بیان نہ کی جائیں۔

حدیثیں گھڑنے اور من گھڑت روایات سنانے کی سزا

جو شخص حدیث کی تحقیق میں محنت نہیں کرتا اور بے اصل وموضوع روایات عموماً بیان کرنے کا عادی

ہے، اُس پر بڑی سخت زجر وتوبیخ اور اذیت ناک تعزیرات کا ذکر منقول ہے، اُن میں سے چند یہاں نقل کرتا ہوں؛ تاکہ یہ بات خوب اچھی طرح نکھر کے سامنے آجائے کہ موضوعات کی روایت بے حد مذموم اور بے انتہا قابلِ نفرت وکراہت ہے؛ لہٰذا ملاحظہ کریں:

(۱)''**المعجم الأوسط**''میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے لباس جیسا لباس پہن کر مدینے میں ایک گھر کے لوگوں کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے اجازت دی ہے کہ میں جس گھرانے میں چاہوں تجسس کرسکتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: ہم تو رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ جانتے ہیں کہ آپ فواحش کا حکم نہیں دیتے۔ پھر لوگوں نے اس کے لیے ایک کمرہ بنایا اور ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس روانہ کیا اور جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی، تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"**اِنْطَلِقَا إِلَيْهِ ، فَإِنْ وَجَدْتُمَاهُ حَيًّا فَاقْتُلَاهُ ثُمَّ حَرِّقَاهُ بِالنَّارِ، وَ إِنْ وَجَدْتُمَاهُ مَيِّتًا فَقَدْ كَفَيْتُمَاهُ، وَ لَا أَرَاكُمَا إِلَّا قَدْ كَفَيْتُمَاهُ ، فَحَرِّقَاهُ .**"

(آپ دونوں اس کے پاس جاؤ، اگر وہ آپ کو زندہ ملے؛ تو اس کو قتل کردو، پھر آگ میں جلادو۔ اور اگر مردہ ملے، تو تمھارا کام ہوگیا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم دونوں کو اسے قتل کرنا نہیں پڑے گا، تاہم اس کو جلا دینا۔)

یہ دونوں حضرات آئے، تو معلوم ہوا کہ یہ شخص رات میں پیشاب کرنے نکلا تھا اور ایک سانپ نے اس کو ڈس لیا اور وہ مرگیا، ان دونوں بزرگوں نے اس کو جلایا، پھر حضور ﷺ کے پاس آکر پورا واقعہ سنایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"**من كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار.**"

(المعجم الأوسط: ۲۰۹۱، مجمع الزوائد: ۱/۳٦۹، رقم: ۳٦٤، الآثار المرفوعة: ۲۷)

(۲) اسی طرح ''**المعجم الکبیر**''میں ہے کہ ایک شخص عرب کے ایک محلے میں آیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مامور فرمایا ہے کہ میں تمہاری عورتوں کے بارے میں جو چاہوں فیصلہ کروں۔ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا حکم سر آنکھوں پر۔ پھر اس کے بعد ایک قاصد کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور بتایا کہ ایک شخص ہمارے پاس آیا ہوا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مامور فرمایا ہے کہ میں تمہاری عورتوں کے متعلق جو چاہوں، فیصلہ سناؤں۔ اگر یہ آپ کا حکم ہے، تو بسر وچشم منظور ہے اور اگر ایسی بات نہیں ہے، تو ہم نے مناسب سمجھا کہ آپ کو اطلاع کردیں۔

نبیِ اکرم ﷺ ناراض ہو گئے اور ایک انصاری صحابی کو مقرر فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ تم جاؤ، اس کو قتل کردو اور آگ میں جلادو۔ وہ صحابی پہنچے، تو وہ شخص مر گیا تھا اور لوگوں نے دفنا بھی دیا تھا؛ مگر حضور ﷺ کا حکم تھا کہ اس کو قبر سے نکالو اور آگ میں جلاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"من كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار."

(المعجم الأوسط: ٦٢١٤ ؛مجمع الزوائد: ١/٣٦٩ ،رقم: ٦٣٣، الآثار المرفوعة: ٢٧)

ملاحظہ: یہ دونوں روایات بہ لحاظِ سند شدید ضعیف ہیں، جس کی تحقیق امام ہیثمی رحمہ اللہ نے "**مجمع الزوائد**" میں اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے "**لمحات من تاريخ السنة: ۲۹-۳۲**" میں کردی ہے؛ مگر یہاں یہ روایات جو ذکر کی گئی ہیں، یہ اُن لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لیے، جو موضوع روایات بیان کرنے کے عادی ہیں اور غیر ثابت احادیث کو بیان کرنے میں یا تو کوئی قباحت نہیں سمجھتے ہیں، یا سمجھتے تو ہیں؛ مگر بے حد غفلت ولا پراہی برتتے ہیں۔

(۳) محدثِ خراسان امام محمد بن اسحاق السراج نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام المحدثین حضرت محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کے پاس فرقہ کرامیہ کے بانی محمد بن کرام کی کتاب لائی گئی، جس میں کئی حدیثیں تھیں، اُن میں ایک حدیثِ مرفوع یہ بھی تھی: "**الإيمان لايزيد، ولاينقص**"۔ امام بخاری نے اس کتاب کے سرِ ورق پر لکھ دیا:

"مَنْ حَدَّثَ بهذا؛ استوجب الضرب الشديد، و الحبس الطويل."

(یہ حدیث سنانے والا لزوماً سخت پٹائی کا اور طویل زمانے تک قید کا مستحق ہے۔)

(المغني في الضعفاء: ١/٣٠٨؛ الموضوعات لابن الجوزي: ١/١٣٢؛ اللآلي المصنوعة: ١/٤٨)

(۴) سوید بن سعید انباری، جس پر بعض ائمہ نے تہمت کذب کی جرح کی ہے، اُس کے متعلق امامِ جرح وتعدیل حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ایک موقع پر فرماتے ہیں: "**هو حلال الدم**" (یہ شخص مباح الدم ہے۔) اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سوید سے مروی ایک روایت "**من عشق، فعف وكتم، الخ**" کے بارے میں جب یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: "**لو كان لي فرس، و رمح غزوت سويداً.**" (اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا، تو میں جا کر سوید سے قتال کرتا۔)

(أسنى المطالب، رقم: ١٤٣٧؛ الدر المنثورة: ١٨)

(۵) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ موضوع و من گھڑت روایات سنانے والوں پر سخت نکیر کرتے ہیں اور اپنی کتاب: "**تحذير الخواص من أكاذيب القصاص**" میں جو فصل باندھتے

ہیں، ذرا اس کو ملاحظہ کیا جائے، تو سمجھ میں آجائے کہ حافظ جلال الدین رحمۃ اللہ کتنے جلال میں ہیں، چناں چہ رقم فرماتے ہیں:

" الفصل الخامس في بيان أن من أقدم على رواية الأحاديث الباطلة يستحق الضرب بالسياط، و يُهَدَّدُ بما هو أكثر من ذلک ، و يُزْجَر، و يُهْجَرُ ، ولا يُسَلَّم عليه ، و يُغْتاب في الله ، و يُستعدیٰ عليه عند الحاكم ، و يُحْكم عليه بالمنع من رواية ذلک ، و يُشْهد عليه. "

(فصل خامس قائم کی جارہی ہے یہ صاف صاف بتانے کے لیے کہ جو شخص احادیثِ باطلہ کی روایت پر جرأت وجسارت کا قدم بڑھاتا ہے، ضروری ہے کہ کوڑوں سے اس کی پٹائی کی جائے اور اس بھی زیادہ سخت سزائیں دی جائیں، اس کو ڈانٹا جائے، اس سے قطع کلامی کی جائے؛ حتی کہ سلام بھی نہ کیا جائے اور فی اللہ اس کی قبیح حرکت بیان کی جائے اور حاکم کے پاس اس کے خلاف مدد مانگی جائے، گواہی لی جائے اور روایت بیان نہ کرنے کا فیصلہ صادر کرایا جائے۔)

موضوع روایات نقل کرنے میں محدثین کے طریقے کی وضاحت

متاخرین محدثین میں سے اکثر وبیشتر حضرات موضوع روایات نقل کرنے کے بعد اُن کا موضوع ہونا بیان کردیتے ہیں، چناں چہ کبھی سند نقل کرتے ہوئے اور کبھی پوری حدیث نقل کرنے سے پہلے اور بعد لکھ دیتے ہیں کہ "موضوع ، كذب ، لا أصل له ، غير ثابت ، في سنده وضاع ، كذاب" وغیرہ۔ ایسے وقت موضوع روایات کا پتا بہ آسانی چل جاتا ہے اور کوئی اشتباہ نہیں رہتا؛ لیکن متقدمین محدثین اور ائمہ کبار میں سے متعدد حضراتِ ائمہ اس طرح کی تصریح نہیں فرماتے؛ بل کہ صرف روایات مع اسانید نقل کردیتے ہیں، اس سے عوام الناس اور کچھ کم علم وکم فہم لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جب علمائے متقدمین اپنی کتابوں میں یہ روایات ان کے موضوع ہونے کی تصریح کیے بغیر نقل کررہے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ثابت وصحیح ہے اور اس کو بیان کرنا درست ہے۔

حالاں کہ ایسا سمجھنا حقیقت سے بعید اور محض ایک دھوکہ ہے؛ اس لیے کہ جن متقدمینِ محدثین نے موضوع روایات مع اسانید نقل کی ہیں، ان کا سندوں کو نقل کرنا ہی حدیث کی صحت وضعف، ثبوت ووضع کو بتانا ہے اور چوں کہ اُن کے زمانے میں علمِ دین کی کثرتِ اشاعت تھی، متخصصین ہی نہیں؛ بل کہ عام

علما بھی رجالِ حدیث اوران کی تعدیل وجرح سے عموماًواقف وآشنا ہوتے تھے؛اس لیے محض حدیث کی سندوں کا نقل کردینا ہی کافی تھا اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ صاف صاف موضوع، بے اصل کہہ دینا۔ چناں چہ اس مسئلے کے متعلق حضراتِ محدثین کی چند تصریحات ملاحظہ کریں:

(۱) حافظ عراقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"كُلُّ من أودع حديث أُبَي –المذكور– تفسيره كالواحدي ، والثعلبي ، و الزمخشري مخطئ في ذلك ؛ لكن من أبرز إسناده منهم كالثعلبي ، والواحدي فهو أبسط لعذره إذ أحال ناظره على الكشف عن سنده ، و إن كان لا يجوز له السكوت عليه من غير بيانه كما تقدم . و أما من لم يبرز سنده ، و أورده بصيغة الجزم فخطؤه أفحش كالزمخشري."

(وہ تمام حضرات جنھوں نے اپنی تفسیروں میں روایتِ اُبی [ایک من گھڑت روایت] نقل کی ہے، جیسے کہ امام واحدی، ثعلبی اور زمخشری ہیں؛ وہ سب قصوروار ہیں؛ مگر جنھوں نے اس کی سند ظاہر فرمادی، جیسے کہ ثعلبی اورواحدی ؛ انھوں نے اپنا عذر بھی بیان کردیا،اس طرح اُس روایت پر نظر کرنے والے کواس کی سند کی تحقیق کی طرف متوجہ کردیا، اگر چہ اُن کے لیے بھی کذب ووضع کو بیان کیے بغیر خاموش نقل کردینا بھی درست نہ تھا اور وہ لوگ جنھوں نے اِس روایت کی سند ہی بیان نہیں کی اور یقین وثبوت کے جملے سے نقل کردیا، جیسے کہ زمخشری ہیں؛ توان کی خطا بہت ہی زیادہ فحش ہے۔) (شرح التبصرة و التذكرة:۱/۳۱۲-۳۱۳)

(۲) حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ ،حافظ عراقی رحمۃ اللہ کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"قلت: الاكتفاء بالحوالة على النظر في الإسناد طريقة معروفة لكثير من المحدثين ، و عليها يحمل ما صدر من كثير منهم من إيراد الأحاديث الساقطة معرضين عن بيانها صريحاً ، وقد وقع هذا لجماعة من كبار الأئمة ، وكان ذكر الإسناد عندهم من جملة البيان." (النكت على كتاب ابن الصلاح:۲/۸۶۳)

(میں کہتا ہوں: تحقیق سند کا حوالہ دینے پر اکتفا کرنے کا طریقہ بیشتر محدثین کا معروف طریقہ ہے اور اسی طریقہ کار پر محمول کی جائیں گی وہ روایات جو ان میں سے اکثر حضرات سے اس طرح نقل ہوئیں کہ انہوں نے صاف صاف ان کا موضوع ہونا بیان نہیں کیا اور ایسا کبارِ ائمہ کی ایک جماعت کے ساتھ پیش آیا ہے؛ لہٰذا ان حضرات کا سند ذکر کر دینا ہی اُن کے نزدیک موضوعات کی تصریح کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔)

(۳) اسی طرح حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ، امام طبرانی رحمۃ اللہ کے تذکرے میں، طبرانی کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا أمر لا يختص به الطبراني فلا معنى لإفراده باللوم، بل أكثر المحدثين في الأعصار الماضية من سنة مئتين، وهلم جرا، إذا ساقوا الحديث بإسناده اعتقدوا أنهم برئوا من عهدته."

[ضعیف ومنکر وموضوع حدیثوں کو بیان کرنا] خاص امام طبرانی ہی کا عمل نہیں؛ لہٰذا خاص امام طبرانی پر جرح کرنے کا کوئی معنی وتُک ہی نہیں ہے؛ بل کہ تیسری اور اس کے بعد کے زمانوں میں جو حضراتِ محدثین ہیں، ان میں سے اکثر وبیشتر حضرات ایک حدیث اُس کی سند کے ساتھ نقل کر دیا کرتے تھے اور ان کا ماننا تھا کہ اس طرح کر کے وہ اپنی ذمے داری سے بری ہو گئے ہیں۔) (لسان الميزان: ٤/ ١٢٨)

دورِ حاضر میں موضوع روایت کے موضوع ہونے کو صاف وصریح طور پر بیان کرنا لازم ہے

بہر حال اس سے ظاہر وباہر ہو گیا کہ متقدمین میں جن حضرات نے ہر قسم کی روایات صحیح وضعیف، منکر وموضوع جمع کی ہیں، انہوں نے سند بیان کر کے ہر حدیث کی حقیقت ودرجے کو بتا دیا ہے اور اتنا کر دینا بھی اُس زمانے کے لوگوں کے لیے کافی تھا؛ مگر آج کے اس قحط الرجال کے زمانے میں عوام الناس وجہلا کا کیا کہنا، اکثر وبیشتر حضراتِ اہلِ علم بھی راویانِ حدیث کے نام سے تک واقف نہیں ہوتے؛ چہ جائے کہ ان کے مقبول ومردود، قوی وضعیف کے علم سے واقف ہوتے؛ اس لیے اِس زمانے میں موضوع روایات بیان کرنے کے بعد، ان کا موضوع وبے اصل ہونے کو بتا دینا لازم وواجب ہے۔ محض کتاب کا یا راوی کا نام لینے سے آدمی کذب بیانی وافترا علی الرسول کے الزام سے بری نہیں ہو

جاتا۔اس سلسلے میں ذرا حافظ سخاوی رحمہ اللہ کا ملفوظ ملاحظہ ہو، حضرت لکھتے ہیں:

”لا يبرأ من العهدة في هذه الأعصار بالاقتصار على إيراد إسناده بذلك، لعدم الأمن من المحذور به.“ (فتح المغيث: ۲/ ۱۰۱)

(اس زمانے میں محض اسانید کے نقل کرنے پر اکتفا کر لینے سے آدمی بری الذمہ نہیں ہو جاتا؛ کیوں کہ اس کے باوجود ممنوع ومحذور [یعنی گناہِ افترا علی الرسول] سے حفاظت نہیں ہوتی۔)

قابلِ غور امر ہے کہ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۹۰۲ھ) نویں صدی ہجری کے محقق حفاظِ حدیث اور ماہرِ فن علمائے اسلام میں سے ہیں اور آپ نے اپنے زمانے کے علما کی استعداد وصلاحیت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی ہے۔ جب کہ آج سے پانچ صدی پہلے کے لوگوں کی صلاحیتیں، آج کی صلاحیتوں کی بہ نسبت ہزار گنا عروج وکمال پر تھیں، جب اُس زمانے میں موضوع روایت کے موضوع ہونے کو صاف وصریح بیان کرنا واجب ہے؛ تو اس زمانے میں تو بہ درجۂ اولی موضوع و بے اصل ہونے کا اظہار کرنا واجب ہے۔

نیز آج کے زمانے میں عوام الناس کے سامنے اگر موضوع احادیث و بے اصل روایات زبان پر آجاتی ہیں، تو بیان کرنے والے کے لیے محض اصطلاحی تعبیرات کا استعمال کرنا بھی کافی نہیں ہے؛ لہٰذا موضوع روایت بیان کرنے کے بعد اگر کوئی کہے کہ یہ موضوع ہے، یہ بے اصل ہے؛ تو ظاہر وبدیہی بات ہے کہ عوام میں کوئی بھی اس کا مکذوب ومن گھڑت ہونا ہرگز نہیں سمجھے گا؛ اور اس وقت ”وقوع الأمن من المحذور به“ بھی حاصل نہ ہوگا، جو کہ مقصودِ اصلی ہے؛ کیوں کہ یہ اصطلاحی کلمات بے چارے عوام کے نظر میں ”لفظِ مہمل“ کی قبیل سے ہیں، جن کے مطلب ومعنی کو عموماً لوگ جانتے تک نہیں؛ لہٰذا اُس وقت یہ کہنا ہی بے فائدہ اور لغو ہو جائے گا؛ بل کہ اگر یہ کہے جائیں گے؛ تو قوی امکان ہے کہ ان اصطلاحات کو لوگ کلماتِ اعتبار واستناد سمجھ بیٹھیں گے اور ان کے لیے یہ اصطلاحی تعبیرات، ترہیب کی جگہ ترغیب کا کام دیں گی، بل کہ قوی اندیشہ ہے کہ بیان کرنے والا تو ”موضوع“ کہہ بھی دے، مگر سننے والے ”موضوع“ کو ”موزوں“ سن کر خوشی سے پھولے نہ سمائیں؛ لہٰذا اِس وقت ایسی صورتِ حال میں ضروری ہے کہ موضوع روایت نقل کرنے والا روایت نقل کرنے سے پہلے یا بعد صاف صاف سمجھ میں آنے والی زبان میں اُس کا موضوع ومکذوب ہونا بیان کردے، مثلاً اس طرح کہ یہ روایت من گھڑت، جھوٹی وبناوٹی ہے۔ حضراتِ علمانے اِس کو موضوع لکھا ہے۔ اِس کا حدیث ہونا صحیح نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔

فصلِ چهارم

بے اصل اور من گھڑت روایات کی چند بڑی قباحتوں کا ذکر

خودساختہ اور بے اصل روایات کا نقل کرنا دراصل ایک ہی ایک عمل بد نہیں ہے؛ بل کہ یہ تنہا ایک ہی عمل کئی بداعمالیوں کو شامل ہونے کی بنا پر بے حد مذموم اور خطرناک ہے اور اسی لیے حضراتِ علما نے اس کو"أکبر الکبائر" کہا ہے۔"أکبر الکبائر"؛ اس لیے کہ یہ"مَجْمَعُ الْکَبَائِر" ہے، چناں چہ

(۱) اس میں جھوٹ بھی ہے۔

(۲) بہتان طرازی ہے۔

(۳) اور یہ کذب بیانی اور بہتان طرازی دنیاوی امور میں ہو، تو بھی جرم ہے اور اگر دینی مسائل وفضائل میں ہو؛ تو اس سے زیادہ بڑا جرم ہے۔

(۴) حق وباطل میں، ثابت وغیر ثابت میں التباس اور اختلاط پیدا کرنا ہے۔

(۵) دین وشریعت کی تحریف وترمیم کا ذریعہ ہے۔

(۶) شرکیہ عقائد ونظریات، بدعات وخرافات اور غلو آمیز حرکات جنم لیتی ہیں۔

(۷) دروغ گو سے مشابہت اپنانا ہے۔

(۸) عزتِ نفس اور اعتماد کو ختم کرنا ہے، جو کہ معیوب ہے۔

(۹) دشمنانِ دین کو عیب گیری، بے جا اعتراضات اور شکوک وشبہات کا موقع فراہم کرنا ہے۔

(۱۰) یہ اور ان جیسی قباحتوں کو بہ یک وقت، بہ یک فعل سرزد ہونے دینا ہے۔

یہ بڑے بڑے گناہ ہیں، جو من گھڑت روایات اور بے اصل آثار کی وجہ سے بہ یک عمل سرزد ہوتے ہیں اور ان سب باتوں کا ذکر شروحاتِ حدیث میں اور حضراتِ محدثین کی سوانح حیات میں بالخصوص تاریخِ رجال کی کتابوں میں مختلف مقامات پر نظر آتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی نصائح وتنبیہات

حکیم الامت، مجددِ ملت، محقق امام کبیر، طبقۂ دیوبند کے مقتدا حضرت مولانا مفتی اشرف علی تھانوی

نور اللہ مرقدہ نے موضوع روایات کے سلسلے میں جو اہم تنبیہات اپنے خطبات میں بیان فرمائی ہیں، ان کے اقتباسات موقع ومحل کی مناسبت سے نقل کرتا ہوں، چناں چہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”زبان کے اور بھی گناہ ہیں، جن کو لوگ جانتے بھی نہیں؛ بل کہ بعضے گناہ ایسے بھی ہیں جن کو عام لوگ طاعت سمجھتے ہیں؛ کیوں کہ وہ ذکر اللہ ہے اور ذکر الرسول ﷺ ہیں؛ مگر حقیقت میں وہ ذکر موضوع روایات ہیں، اس میں پڑھے لکھے بھی مبتلا ہیں، (پڑھے لکھوں سے مراد معمولی پڑھے لکھے ہیں؛ ورنہ کامل اہل ایسی غلطیوں میں کیوں مبتلا ہوتے)۔ اس کی مثالیں یہ ہیں کہ معراج نامہ پڑھنا، ساپن نامہ پڑھنا، وفات نامہ پڑھنا کہ یہ سب قصے موضوع ہیں۔ کسی معمولی آدمی کی طرف بھی غلط بات کی نسبت برا ہے، دنیا میں بھی گرفت ہوتی ہے، چہ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط باتیں منسوب کی جائیں۔ یہ خرابی آج کل کے جاہل واعظوں کی ہے، جن کو علم تو ہے نہ ہی معتبر کتابوں سے صحیح صحیح روایتیں نکال سکیں، اس واسطے اردو کی کتابوں میں سے جو اور رنگین مضامین یاد کر لیتے ہیں؛ تاکہ وعظ میں خوب دل چسپی ہو۔ جھوٹی بات کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ اس میں رنگینی خوب ہوتی ہے اور سامعین کو نفسانی لطف خوب آتا ہے اور بات میں رنگینی نہیں ہوتی۔ ایک ناول اٹھا کر پڑھیے! جس میں کسی جنگ کے حالات ہوں، اس میں دل چسپی ہوگی اور ایک کسی مؤرخ کے لکھے ہوئے جنگ کے حالات یا سرکاری بات پڑھیے تو اس میں دل چسپی ایسی کبھی نہ ہوگی۔ یہ معراج نامہ وغیرہ اسی واسطے پڑھے جاتے ہیں کہ وعظ میں رنگ آوے۔ جاہلوں کے نزدیک تو ان سے وعظ میں رنگ آتا ہے اور وہ برستے ہیں۔ اور علما و عارفین کے نزدیک انوار نہیں؛ بل کہ نار برستی ہے، دلیل اِس کی حدیث ہے: ”من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“۔

حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بعض جاہلوں نے یہاں تک غضب کیا کہ یہ سمجھ رکھا ہے کہ موضوع باتیں شریعت کے کسی فائدے کے لیے بیان کر دینا درست ہے..... یہ بالکل غلط ہے اور اس میں دو خرابیاں ہیں: ایک تو یہ اُس وعید کو سر لینا ہے، جو ابھی بیان ہوئی یعنی ”من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“۔ دوسرے شریعت کی طرف

ایک نیا مسئلہ منسوب کرنا ہے کہ ایسا اس سے جائز ہے.....غلط روایتوں کو بیان کرنا درحقیقت یہ ظاہر کرنا ہے کہ دین میں اس فضیلت کی کمی رہ گئی۔ یہ ایجاد فی الدین ہے اور تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کے علم اور نظر کا قصور ہے۔''

حضرت رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں:

''جھوٹے فضائل میں یہ اثر کہاں؟ جھوٹی روایتوں سے اس وقت تو جوش ہوتا ہے؛ لیکن ان میں فطری ظلمت ہوتی ہے کہ قلوب ان کو قبول نہیں کرتے اور مجلس سے اٹھتے ہی ان کا ذرا بھی اثر باقی نہیں رہتا، چناں چہ دیکھ لیجیے کہ مصنوعی وعظوں میں کیا اثر ہے اور اہل اللہ و محققین کے وعظوں میں کیا اثر ہے۔ بعض اہلِ قلب کے وعظوں کی مجلس میں سے جنازے اٹھ گئے ہیں، یہ اصلی اور واقعی باتوں کا اثر ہے۔ مصنوعی، مصنوعی ہے اور اصلی، اصلی ہے، خوب سمجھ لیجیے کہ موضوع روایتیں اور کتابیں پڑھنا جائز نہیں ہے اور یہ بھی زبان کے بدترین گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔

زبان کا ایک اور گناہ بھی میں آپ کو بتلاتا ہوں، جس کی نسبت اچھوں اچھوں کو بھی خیال نہیں ہوتا کہ یہ گناہ ہیں۔ وہ گناہ یہ ہے کہ نظم لکھتے وقت جو کچھ زبان پر آجائے لکھ ڈالتے ہیں اور یہ سمجھ رکھا ہے کہ شاعر جو کچھ کہہ دے، جائز ہے۔ یہ بالکل غلط ہے، شاعر مرفوع القلم نہیں ہوتا؛ بل کہ شعر کا حکم بھی وہی ہے، جو نثر کا ہے اور تحریر کا حکم بھی وہی ہے، جو تقریر کا حکم ہے.......بہت سے دین داروں کے کلام میں بھی ایسی غلطیاں ہیں، ان میں سے ایک غلطی یہ بھی ہے کہ شعراء اپنے کلام میں اکثر مدینہ طیبہ کا نام یثرت باندھتے ہیں؛ حالاں کہ حدیث میں آیا ہے کہ یثرت جاہلیت کا نام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر ''طابہ'' رکھ دیا۔ لطف یہ ہے کہ یثرب اور طابہ کا وزن ایک ہی ہے، شعر میں جہاں یثرب بندھ سکتا ہے، وہاں طیبہ بھی بندھ سکتا ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسند کیے ہوئے نام کو چھوڑ کر ناپسندیدہ نام کو باندھا جائے۔

اسی طرح جو اشعار خلافِ شریعت ہیں، ان کا لکھنا بھی گناہ ہے اور پڑھنا بھی گناہ ہے۔ اس میں بھی عورتیں بہت مبتلا ہیں۔ کوئی ''قصہ ماہِ رمضان'' پڑھتی ہے، کوئی ''معجزہ آلِ نبی'' پڑھتی ہے؛ بل کہ آج کل عورتوں کی انتہائی تعلیم یہی کتابیں رہ گئی

ہیں۔ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ تم نے کہاں تک پڑھا ہے؟ تو کہا: میں نے سب کچھ پڑھا ہے، ''معراج نامہ'' میں نے پڑھا، ''معجزہ آلِ نبی'' میں نے پڑھا، ''نور نامہ'' میں نے پڑھا، ''ساپن نامہ'' میں نے پڑھا۔اس کا نام سب کچھ رکھا ہے۔

صاحبو! یہ کتابیں سب موضوعات ہیں۔لکھنے والا تو گناہ گار ہوا ہی، پڑھنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے اور ان کا شائع کرنا اور چھاپنا گناہ ہے......کیا دنیا میں یہ موضوعات ہی کی کتابیں رہ گئی ہیں، کتابیں اچھی اور صحیح بھی تو بہت ہیں اور اتنی موجود ہیں کہ تمام عمر بھی پڑھو؛ تو ختم نہ ہوں۔دین کی خدمت بحمد اللہ علما نے اتنی کردی ہے کہ کافی سے بھی زیادہ کتابیں موجود ہیں۔''

حضرت رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک کتاب: نور نامہ ہے، جو مجموعہ موضوعات ہے؛ مگر ایسا رائج ہوا ہے کہ سب لوگ خصوصاً عورتیں اس کو بہت شوق سے پڑھتی ہیں اور لکھنے والوں نے بھی غضب کیا ہے کہ بجائے منع کرنے کے اس کے فضائل لکھ دیئے ہیں، کہ جو کوئی اس کو جمعرات کو پڑھے، تو اس پر آتشِ دوزخ حرام ہو جائے، اہلِ جمعرات کی قید ہی سے پرکھ جاتے ہیں، یہ فضیلت ایجاد شدہ ہے۔بنائی ہوئی بات کہیں چھپتی؟! کسی بات میں اتنا مبالغہ اس کے بے اصل ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ایسی ہی کتابوں نے اسلام کو بدنام کردیا، ہرگز اس کا پڑھنا جائز نہیں۔

اسی قسم سے ''دعائے گنج العرش'' ہے، اس کے بھی اس قدر معتقد ہیں محتاج بیاں نہیں۔میں اِس دعا کی نسبت کلام نہیں کرتا، دعا کا مفہوم اچھا سہی؛ لیکن اسناد غلط ہے۔قرآن وحدیث میں کہیں نہ یہ دعا آئی اور نہ کہیں اس کی یہ فضیلتیں آئیں۔اس کا نام ہی بتلا رہا ہے کہ موضوع ہے۔بنانے والے کو یہ بھی نہ سوجھی کہ لفظ ''گنج العرش'' کی ترکیب کیا ہے۔یہ لفظ عربی ہے یا فارسی۔''گنج'' لفظ فارسی اور ''عرش'' عربی اور الف ولام بھی عربی کا لگا ہوا ہے۔یہ ترکیب ایسی ہوگی جیسے کوئی دکان کا ترجمہ کرے ''خلة التجارة''۔بھلے مانس کو عربی نام رکھنا تھا تو کنز العرش لفظ موجود تھا؛ مگر کیا کیجیے، اس کے موضوع ہونے کا ثبوت نام ہی میں رہنا تھا اور اسناد تو اس کی ایسی غلط ہے کہ اگر ذرا بھی کسی کو تجربہ ہو اور سچی جھوٹی باتیں سنی ہوں، تو پہچان سکتا

ہے؛ کیوں کہ اتنا مبالغہ جتنا دعائے گنج العرش کی اسناد میں ہوتا ہے، سچی بات میں کبھی نہیں ہوتا۔

ایک چور کا قصہ اس میں لکھا ہے کہ اس کو حاکم نے سزا دینی چاہی؛ مگر قدرت نہ ہوئی۔ ہاتھ کاٹنا چاہا نہ کٹا۔ تلوار سے قتل کرنا چاہا نہ مرا۔ آگ میں جلانا چاہا نہ جلا۔ اس کی وجہ اس سے پوچھی گئی، تو بیان کیا کہ میرے پاس دعائے گنج العرش ہے۔ اِس میں گویا چوروں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ دعائے گنج العرش پاس رکھو۔''

حضرت رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں:

''آج کل مذاق پلٹ گئے ہیں کہ موضوعات ہی کو پسند کرتے ہیں، قصے بھی پڑھتے ہیں، تو وہ جو بالکل فرضی اور جھوٹ ہیں۔ سچے قصے پسند ہی نہیں آتے۔ یہ عجیب غلطی ہے؛ حالاں کہ آج کل تحقیق و تعلیم کا بہت چرچا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جھوٹے قصے پڑھنے سے کون سی تحقیق ہوتی ہے..... آج کل اسی قسم کی کتابیں کثرت سے بکتی ہیں اور لوگ بڑے شوق سے خریدتے ہیں۔ شریعت تو شریعت لوگوں نے عقل کو بھی چھوڑ دیا ہے۔''

حضرت رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں:

''آج کل لوگ گھڑی گھنٹہ بہت رکھتے ہیں؛ مگر وقت کی قدر خاک بھی نہیں۔ وقت کی قدر میں یہ بات بھی داخل ہے کہ سوچ کر کام کیا جائے، یہ کام کرنے کا ہے اور یہ کام کرنے کا نہیں۔ اگر ہم لوگ اپنے وقت کی قدر کریں اور اپنے کاموں میں غور کر لیا کریں کہ کون سا کرنے کا ہے اور کون سا نہیں۔ کون سا ضروری ہے اور کون سا غیر ضروری، تو بہت کچھ اصلاح ہو جائے۔ موضوعات اور فضولیات سب چھوٹ جائیں۔'' (خطباتِ حکیم الامت:۲۶/۳۱۵-۳۲۱)

من گھڑت روایات کے برے اثرات کا ذکر

افتراء علی الرسول کے تعلق سے مذکورہ بالا قبائح وسیئات کا اجمالی ذکر ہو گیا، اب اس افتراء و کذب بیانی کے باعث جو مضرات و برے اثرات مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں واقع ہوئے اور آج بھی موجود ہیں، اُن کا مختصر سا خاکہ پیش نظر کرتا ہوں اور چوں کہ یہ تحریر ہند و پاک اور دیگر علاقوں کے اردو دان

حضرات کی رہبری وخیر خواہی کے جذبے سے وابستہ ہے، اس لیے اس سلسلے کے صرف وہ امور پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جن کا تعلق خاص ان علاقوں سے جڑا ہوا ہے؛ تا کہ بات سبھی احباب کو خوب اچھی طرح سمجھ میں آجائے کہ موضوعات کی بناوٹ وروایت کتنی بڑی بدعملی اور کس قدر قابلِ ملامت وواجب الاجتناب ہے۔

خیر، ذیل میں اس کی چند تصاویر کا مشاہدہ کریں:

پہلی تصویر

ہندوستان کا مشہور بادشاہ: ''اکبر'' کے زمانے میں ''دینِ الٰہی'' کے نام سے ''دینِ اکبری'' گھڑا گیا۔ یہ کفریہ وشرکیہ اعتقادات، بدعات وخرافات اور غیر اسلامی رسم ورواج سے مرکب تھا۔ جس کے تھوڑے بہت آثار آج بھی جگہ جگہ مسلم سماج میں نظر آتے ہیں۔ اس من گھڑت وباطل مذہب کی تاسیس میں متعدد عوامل کار فرما رہے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک زبردست مؤثر عامل من گھڑت روایات کا شیوع ورسوخ بھی ہے، چناں چہ

حضرت مولانا سراج الحق مچھلی شہری صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''الٰہی مذہب'' کا رواج تھا اور ہندو مذہب کی رعایت اتنی کہ ابوالفضل، جو بادشاہ کا وزیر ہے، ایک کتاب بادشاہ کے پاس لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کے عمل کے لیے فرشتہ ابھی آسمان سے لے کر اترا ہے، جس میں ایک ٹکڑا یہ بھی تھا: ''**يا أيها البشر! لاتذبح البقر؛ إن تذبح البقر فمأواک السقر**''۔

(تذکرۂ مجدد الف ثانی: ۳۰۰)

اسی طرح حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''بادشاہ کے لیے سجدے کو واجب قرار دیا (اس کا نام ''زمین بوس'' رکھا) اور بادشاہ کے ادب کا خیال فرضِ عین قرار دے کر اس کے چہرے کو قبلۂ حاجات اور کعبۂ مرادات بتایا اور بعض کم زور روایتوں اور ہندوستان کے بعض صوفیوں کے طرزِ عمل سے اس دعوے کو ثابت کیا'' (علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۱/۲۶)

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''ملا ابوسعید پانی پتی، جو ملا امان کے بھتیجے تھے، ان کے پرانے مسودوں سے ایک

حدیث بھی بارگاہِ شاہی میں گزاری گئی تھی، جس کا ترجمہ ملا صاحب نے درج کیا ہے:

ایک صحابی کے صاحب زادے داڑھی منڈائے ہوئے آں حضرت ﷺ کے سامنے سے گزرے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہشت والوں کی ہی صورت ہوگی۔"

اس کا جواثر پڑا وہ بھی سنیے:

"دربارِ اکبری کے بڑے بڑے فضلا، علما، روزِ مرہ اپنی اپنی داڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے۔" (تذکرہ مجدد الف ثانی:۷۲)

اس سے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ دینِ اکبری کی وسیع وعریض عمارت کی بنیاد میں موضوعات وخود ساختہ روایات کی کتنی کثرت رکھی گئی ہوگی؟!!

دوسری تصویر

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ: ماہِ "صفر" ہے۔ زمانۂ جاہلیت ہی سے اس کو مصیبتوں اور بلاؤں کا مہینہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس ماہ میں سفر کرنے اور شادی بیاہ کرنے وغیرہ کو منحوس خیال کیا جاتا رہا ہے اور یہ جاہلی نظریہ اور غیر اسلامی عمل اُس زمانے سے لے کر آج تک لوگوں میں جاری ہے؛ حالاں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اپنی احادیثِ مبارکہ میں اس کی تردید ونفی فرمادی ہے۔ (جیسا کہ بخاری میں "لا صفر" والی حدیث کی شرح میں محدثین کے اقوال سے ظاہر وباہر ہے۔)

مگر اس کے باوجود ایک موضوع ومن گھڑت روایت کی بنا پر آج بھی زمانۂ جاہلیت کا نظریہ وعمل قائم ہے اور وہ حدیثِ موضوع یہ ہے:

"مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوجِ صَفر ، بَشَّرْتُه بِالجَنَّة."

(جو شخص مجھے ماہ صفر کے ختم ہونے کی خوش خبری دے گا؛ میں اس کو جنت کی خوش خبری دوں گا۔)

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، حافظ عراقی، علامہ صغانی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ شوکانی، علامہ طاہر پٹنی اور "فتاوی عالم گیری" کے مرتب حضراتِ فقہائے عظام (رحمہم اللہ): اِن سبھی نے موضوع وباطل اور جھوٹی وبناوٹی روایت قرار دیا ہے۔ چناں چہ "عالم گیری: ۵/۴۶۱" میں درج ہے:

"وهو كذب محض." (یہ خالص جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔)

(الأسرار المرفوعة: ٣٢٤، كشف الخفاء: ٢٤١٨، الفوائد المجموعة: ١٢٦٠، تذكرة الموضوعات: ١١٦)

اسی طرح ''آخری چہار شنبہ'' منایا جاتا ہے، مٹھائیاں، پوریاں اور حلوے کھائے و تقسیم کیے جاتے ہیں اور یہ کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ کرنا ہی عشقِ رسول کی دلیل ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس لیے کرنا چاہیے؛ کیوں کہ صفر کے آخری چہار شنبہ ہی کے دن نبیٔ اکرم ﷺ کو بیماری سے شفا ملی اور آپ نے غسلِ صحت فرمایا۔

حالاں کہ اکابر علما وفقہائے عظام نے تصریح کی ہے کہ اس دن نبیٔ اکرم ﷺ کو صحت نہیں ملی تھی؛ بل کہ اُس دن تو آپ ﷺ کے مرضِ وفات کی ابتدا ہوئی تھی؛ مگر یہودیوں اور دشمنانِ رسول نے مرضِ وفات والے دن کو صحت کا دن کہنا و کہلوانا شروع کر دیا، جس سے بے خبر لوگ دھوکہ کھا بیٹھے اور اُس ''روزِ مرض'' کو ''روزِ شفا'' سمجھ کر بہت ساری خرافات میں پڑ گئے۔

(تفصیل و تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائے: ''ماہ صفر کی دو بدعتیں''، مصنفہ استاذی وشیخی حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ)

تیسری تصویر

''زاد اللبیب''، ''أنیس الواعظین''، ''اورادِ راحت العابدی''، ''مفتاح الجنان'' وغیرہ کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے مرفوع روایات ذکر کی جاتی ہیں، جن میں عمر بھر کی نمازوں کی قضا کا من گھڑت طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ رمضان کی آخری جمعہ میں ساری عمر کی قضا نمازوں کی طرف سے نیت کر کے صرف ایک نماز پڑھ لینا ہی کافی ہے، اُسی سے ساری قضا نمازیں ذمے سے ادا ہو جاتی ہیں۔

یہ طریقہ اور اس کی اباحت؛ بل کہ فضیلت ودعوت میں جو احادیث موضوع وخود ساختہ اور بے اصل ہیں، قدیم زمانے سے علمائے محققین ان پر نکیر کرتے چلے آرہے ہیں؛ مگر جو لوگ حقیقت اور تحقیق کے دشمن ہیں اور جو کم علم وکم فہم ہیں، وہ برابر آج بھی اس غلط طریقے پر قائم ہیں؛ حالاں کہ یہ من گھڑت نماز، شریعت کے خلاف ہے، بے شمار مفاسد وقبائح پر مشتمل ہونے کی بنا پر نہایت ہی مذموم وملعون ہے اور جو اس کے جواز پر احادیث بیان کی گئی ہیں، اُن کو حضراتِ محدثین وفقہا اور ائمۂ دین نے صاف صاف موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔

اسی طرح تقبیلِ ابہامین (انگوٹھے چومنے) کا مسئلہ ہے، جو ایک مخصوص جماعت کا شعار ہے اور اس جماعت کا عقیدہ وعمل ہے کہ اُن کی طرح نام پاک کہنے اور سننے کے وقت تقبیلِ ابہامین کرنا عاشقِ رسول کی پہچان ہے اور جو لوگ نہیں کرتے، وہ گم راہ وبد دین ہیں۔ اس عقیدے وعمل کی خرابی کے پیچھے

جو اسباب ہیں، وہ چند موضوع اور مشابہ موضوع روایات ہیں۔

اسی طرح میلاد النبی کے سلسلے میں، درودِ پاک کے سلسلے میں، روضۂ پاک کے سلسلے میں، معراجِ نبوی کے سلسلے میں، علمِ نبی اور علمِ نبی کے سلسلے میں، خاص قسم کی انگوٹھیوں کے پہننے کے سلسلے میں؛ الغرض ایک مخصوص طبقے نے بہت سی من گھڑت روایات سننے وسنانے کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے اور نسلاً بعد نسل اس کی دعوت وترویج میں پیہم سرگرداں ہے۔

ایک عامیانہ شبہے کا ازالہ

موضوعات کی روایت کے تعلق سے ایک عام شبہ ہے، جو اگر چہ راسخ العلم اور صحیح الفہم حضرات کو پیش نہیں آتا اور اُس کے زیر اثر یہ حضراتِ علما بے اصل روایات نقل نہیں کرتے؛ مگر اِن کے علاوہ واعظین، صالحین اور مبلغین کا ایک وسیع وعریض طبقہ ہے، جو اگر چہ کذب بیانی وافترا پردازی کو گناہ قرار دیتا ہے؛ مگر اس کے باوجود اپنے تکاسل وتغافل کی بنا پر من گھڑت روایات اور غیر معتبر حکایات کو بہ کثرت نقل کرتا ہے۔ اُس پر مستزاد یہ کہ اگر اُن کی اِس غلط بیانی کے باعث لوگ دینی راہ پر لگ جائیں، تو پھر اُس کو وہ عظیم کارِ خیر سمجھ بیٹھتے ہیں۔

ایسی صورتِ حال میں کچھ لوگ گھڑنے کو تو برا سمجھتے ہیں؛ مگر من گھڑت احادیث کے نقل کرنے کو ذرہ برابر معیوب قرار نہیں دیتے؛ بل کہ اُس کو مستحب و مستحسن باور کراتے ہیں اور کچھ لوگ ہیں، جو اِن سے دو قدم آگے بڑھ کر حدیثیں گھڑنے ہی کو کارِ خیر مانتے ہیں اور اپنی تحریروں وتقریروں میں بہ کثرت بے دریغ موضوعات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

اور یہ سلسلہ لمبے عرصے سے تا حال قائم ہے؛ حالاں کہ اُسی وقت سے تحفظِ شریعت کے ذمے دار حضراتِ علمائے راسخین مستقل اُس پر نکیر کرتے، اُن کی غلط بیانی سے پردہ اٹھاتے اور دین اور علمِ دین کی حفاظت کا فریضہ نبھاتے آرہے ہیں۔ چناں چہ اِس حوالے سے تاریخ نے جو ضخیم وعظیم خزانہ محفوظ رکھا ہے، اُسی میں سے چند جواہر زیبِ قرطاس کرتا ہوں:

(۱) ابوعصمہ نوح بن ابی مریم نام کے ایک بزرگ گزرے ہیں، جنھوں نے قرآنی سورتوں کے فضائل مستقل وضع کر دیا تھا، جب ان سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا، تو آپ نے جواب دیا کہ بھائی میں نے دیکھا کہ لوگ ابوحنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کی مغازی میں مشغول ہو کر قرآن سے دوری اپنا رہے ہیں، تو میں نے ثواب کی نیت سے یہ حدیثیں بنائی ہیں۔ (الوضع في الحديث: ٢٦٦)

(۲) امام ابوعبداللہ نہاوندی فرماتے ہیں کہ میں نے غلام خلیل سے پوچھا کہ تم بابِ رقاق کے تعلق سے جو حدیثیں سناتے ہو، اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو اس نے بتایا کہ ہم نے ان حدیثوں کو اس لیے گھڑا ہے؛ تا کہ عوام الناس کے دلوں میں نرمی و رقت پیدا ہو۔ (الآثار المرفوعة:١٦)

(۳) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے سگریٹ پینے کی حرمت و وعید کے نام پر جو حدیثیں گھڑی گئیں ہیں، ان کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ حدیثیں ان لوگوں نے گھڑی ہیں، جو سگریٹ نوشی کی حرمت کے قائل اور سختی سے اس پر نکیر کرتے ہیں اور ایسے لوگوں نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا ہے۔

(الآثار المرفوعة:١٦)

علامہ عبدالحی رحمہ اللہ ایک مقام پر واعظین و مقررین اور صالحین کو، جو نصیحت فرمائی ہے؛ اُس کا حاصل یہ ہے کہ نیکیوں کی ترغیب دینے کی نیت اور برائیوں سے بچانے کی نیت سے حدیثیں گھڑنا اور من گھڑت حدیثیں سنانا، اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے فضائل میں غیر ثابت فضائل گھڑنا ''اکبر الکبائر'' میں سے ہے۔

ضعیف روایات کے متعلق دو قسم کی بے اعتدالیاں

حدیث صحیح اور حدیث حسن مطلقاً مقبول ہیں، ان کی روایت علی الاطلاق صحیح ہے اور حدیثِ موضوع مطلقاً مردود ہے، اس کو بغیر بیانِ وضع کے نقل کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کے درمیان حدیثِ ضعیف ہے اور اس کی دو مرکزی قسمیں ہیں:

(۱) خفیف الضعف یعنی وہ حدیث جس کا ضعف معمولی اور ہلکے درجے کا ہے۔

(۲) شدید الضعف یعنی وہ حدیث جس کا ضعف بہت قوی ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد جاننا چاہیے کہ حدیثِ ضعیف کے تعلق سے دو قسم کی بے اعتدالیاں عام طور پر دو طرح کے طبقوں میں عموماً پائی جاتی ہیں:

پہلا طبقہ

کچھ لوگ جو کہ عموماً وعظ و خطابت، تصوف و طریقت اور دعوت و تبلیغ کے حلقوں سے وابستہ ہیں ضعیف اور شدید ضعیف میں کوئی فرق نہیں کرتے، ہر قسم کی حدیث خواہ شدید ضعیف ہو؛ بل کہ موضوع ہو، اُسے بھی قبول کر لیتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ سنتے اور سناتے ہیں؛ بل کہ اُن سے احتجاج و استدلال کرتے ہیں؛ حتیٰ کہ کچھ لوگ ایسی حدیثوں کی بنیاد پر بابِ حلت میں مستحب و واجب اور باب

حرمت میں مکروہ وحرام تک کا حکم گھڑ لیتے ہیں۔ پھر یہ حضرات اوران کے سامعین، مریدین ومتعلقین بھی بڑی شدت کے ساتھ اس قسم کی روایتوں اور باتوں پر عمل کرتے ہیں؛ حالاں کہ یہ عمل سراسر غلو وبے اعتدالی کا نمونہ ہے، جس سے اجتناب واحتیاط لازم وضروری ہے۔(اس طبقے کے لیے اوراس سے جڑے ہوئے افراد کے لیے حضراتِ ائمہ اسلام کی چند قیمتی ہدایتیں ونصیحتیں پچھلے اوراق میں بیان کردی گئی ہیں؛ دوبارہ ملاحظہ کرلیا جاوے؛ تاکہ فائدہ دگنے سے کئی گنا حاصل ہو جائے۔)

دوسرا طبقہ

کچھ لوگ (غیر مقلدین) چند برسوں سے ایسے دکھائی دے رہے ہیں، جو مطلق حدیثِ ضعیف کو موضوع کے درجے میں شمار کرتے ہیں اوراس پر وہی حکم لگاتے ہیں، جو حدیثِ موضوع کا ہے اوراُس کو اسی طرح رد کرتے ہیں، جیسا کہ موضوع کو رد کیا جاتا ہے اوراس طرح کی حرکت ایک خاص حلقے کی طرف سے - جن میں بعض علمائے عرب بھی داخل ہیں اور تقلیدِ ائمہ کے منکر اور عمل بالحدیث کے دعوے دار ہیں - کی جارہی ہے اورآج کل جو کتابیں ''الأحادیث الضعیفة والموضوعة''، ''صحیح الجامع وضعیف الجامع'' اور ''ضعیف وموضوع روایات'' کے مشترکہ نام سے طبع ہو کر آرہی ہیں، وہ دراصل اسی ذہنیت کی کارستانی ہے: حالاں کہ یہ طرز بھی اصولِ حدیث وفقہ کی رو سے غلو وبے اعتدالی کا نمونہ ہے۔ نیز جمہور محدثین وفقہا کے نقطۂ نظر وطریقۂ کار کے خلاف ہے اورایسے لوگوں کی ایسی حرکت کی وجہ یا تو صرف غلو آمیز تشدد، عناد وہٹ دھرمی ہے، یا پھر کج فہمی وتیڑھ دماغی ہے۔

اِس طبقے کی غلط کاری وبے اعتدالی کی نقاب کشائی اوراصلاح کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں، جن میں تحقیق وتفصیل کے ساتھ ہر ایک تشکیک واشتباہ کا واضح وٹھوس جواب دیا گیا ہے؛ اس لیے تفصیل وتحقیق کے لیے اُن کتابوں کا مطالعہ کرلیا جائے، تاہم ایک بات جو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں جگہ جگہ بیان کی ہے، اُس کو ضرور نقل کرتا ہوں۔ چوں کہ یہ لوگ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نام بڑے زور وشور سے پیش کرتے ہیں اوران کی تحقیقات ومعلومات پر اعتماد کا دعوی کرتے ہیں - اگرچہ کہ حقیقت میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو ماننے کا دعوی بھی اِن لوگوں کا فریب ہے -؛ اس لیے یہاں ضعیف وموضوع روایات کے مابین فرق کو سمجھانے کے لیے بہ طور خاص حضرت الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مسلک اورفتوی نقل کرتا ہوں، چناں چہ استاذی وشیخی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ اپنے قیمتی رسالے بہ نام ''تحقیق الحدیث الضعیف في

كلام الائمة‘‘ میں رقم طراز ہیں:

”و أما تحقيقه في باب الفضائل فقد ذكره في فتاواه ، و هذا نص كلامه رَحِمَهُ اللهُ : قول أحمد بن حنبل: إذا جاء الحلال و الحرام شددنا في الأسانيد ، و إذا جاء الترغيب و الترهيب تساهلنا في الأسانيد ، و كذالک ما عليه العلماء من العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال ، ليس معناه إثبات الاستحباب بالحديث الذي لا يحتج به ، فإن الاستحباب حكم شرعي فلا يثبت إلا بدليل شرعي –قال– و إنما مرادهم بذلک : أن يكون العمل مما قد ثبت أنه مما يحبه الله أو مما يكره الله بنص ، أو إجماع كتلاوة القرآن، و التسبيح ، و الدعاء ، و الصدقة ، والعتق ، والإحسان إلى الناس ، وكراهة الكذب ، والخيانة ، ونحوذلک . فإذا روي حديث في فضائل بعض الأعمال المستحبة ، و ثوابها ، وكراهة بعض الأعمال و عقابها ، فمقادير الثواب و العقاب و أنواعه إذا روي فيها حديث لا نعلم أنه موضوع جازت روايته ، و العمل به بمعنى أن النفس ترجو ذلک الثواب أو تخاف ذلک العقاب“.

موضوع روایات میں فرقِ مراتب کالحاظ ضروری ہے

حضراتِ محدثین جب احادیث پر بے اصل وموضوع ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اُس وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر ایک موضوع روایت ایک ہی طرح کی نہیں ہوتی، چناں چہ

پہلی قسم : بعض روایات لفظاً و معنیً دونوں لحاظ سے بے اصل اور موضوع ہوتی ہیں۔ نیز ایسی روایات میں بعض اصولِ شرع اور احکامِ اسلام کے ظاہراً ہی خلاف ہوتی ہیں، نیز نبوی فصاحت وبلاغت اور پیغمبرانہ وقار وتہذیب سے بعید ہوتی ہیں، ایسی روایات کا بیان کرنا کسی بھی صورت میں جائز ہی نہیں ہے اور ایسی روایات تردید ونکیر کی نیت کے بغیر محض نقل کرنے کی نیت سے ذکر کرنا کسی بھی طرح قابلِ برداشت نہیں ہے۔ اس قسم کی روایات پر محدثین ”باطل، كذب ، يخالف الأصول، في سنده دجال، لعن الله من وضعه، قبّح الله من وضعه“ وغیرہ تعبیرات عموماً استعمال کرتے ہیں۔

مگراس قسم کی روایات میں یعنی جولفظ ومعنی دونوں لحاظ سے موضوع و بے اصل ہیں، اُن میں کچھ وہ ہوتی ہیں، جو مذکورہ قبائح سے پاک ہوتی ہیں، البتہ ان کا معنی ومضمون خلافِ شرع نہیں ہوتا، ایسے موقع پر عام طور پر محدثین ''موضوع ، و لکن معناه صحیح'' وغیرہ تعبیرات بولتے ہیں، مثلاً ''أنا أفصح من نطق بالضاد'' کی تخریج وتحقیق میں دیگر محدثین کی طرح حافظ سخاوی رحمہ اللہ ''المقاصد'' میں، ملا علی قاری رحمہ اللہ ''المصنوع'' میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''معناه صحیح ، لا أصل له''۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت تو نہیں ہے؛ مگراس کا معنی ومفہوم بالکل صحیح ہے۔

ایسی روایات کو بھی آپ ﷺ کی جانب منسوب کرکے بیان کرنا جائز نہیں ہے اور یہ بھی عملاً نا قابلِ برداشت ہے؛ مگر عقلاً جو فرق پہلی اور دوسری قسم میں ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی قسم کی روایتوں کو نقل کرنے کے بعد نکیر کرنے میں حضراتِ علمائے حق نے شدت وسختی اپنانے اور دینی حمیت وغضب کا اظہار کرنے میں جو سرعت دکھائی ہے، وہ دوسری قسم کی روایات میں اس قدر نظر نہیں آتی۔

دوسری قسم: بعض احادیث لفظ ومعنی دونوں اعتبار سے موضوع و بے اصل نہیں ہوتیں، صرف لفظ کے اعتبار سے غیر ثابت ہوتی ہیں، مگر معنیً وہ صحیح وثابت ہوتی ہیں۔ اب ایسی احادیث کی چند صورتیں ہیں:

(۱) کبھی از قبیلِ احوال واعمال ہوتی ہیں یعنی ان میں آپ ﷺ کا حال اور عمل منقول ہوتا ہے۔

(۲) اور کبھی از قبیل اقوال ہوتی ہیں یعنی اُن میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ وکلمات بیان کیے گئے ہوتے ہیں۔

(۳) اور پھر یہ جو قولی حدیثیں ہیں۔ ان میں بعض احادیثِ قدسیہ، جوامع الکلم اور مخصوص اذکار سے وابستہ ہوتی ہیں۔

(۴) اور بعض عام احکام وحکایات کے نوع سے متعلق ہوتی ہیں۔

ان چاروں قسموں پر حضرات محدثین ''موضوع ، لا أصل له ، غیر ثابت ، لم أجده بهذا اللفظ'' وغیرہ تعبیرات کا اطلاق کرتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ خاص ان الفاظ کے ساتھ نبیٔ اکرم ﷺ سے یہ روایت ثابت نہیں ہے؛ مگر دوسرے الفاظ میں آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس

نوع کی پہلی قسم میں جو احادیث داخل ہیں، ان کی روایت بالمعنی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی جائے گی کہ معنیٰ مقصود میں کسی قسم کا خلل ہر گز نہ آئے؛ مگر باقی تینوں قسموں کے سلسلے میں کتبِ احادیث کی تدوین کے بعد محدثینِ عظام نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ ان کی روایت بالمعنی کی جائے؛ بل کہ صاف حکم دیا کہ وہی کلمات وتعبیرات نقل کرنے ہوں گے، جو کہ مستند ومعتمد کتبِ حدیث میں مدون ومکتوب ہیں۔ تاہم تھوڑی بہت گنجائش نکالی جاسکتی ہے، تو صرف اس وقت جب کہ مقصود صرف روایت کا بیان کرنا ہو، اس سے احتجاج واستدلال کرنا مقصود نہ ہو؛ کیوں کہ بابِ احتجاج واستدلال میں ان ہی الفاظ کو ذکر کرنا لازم ہے، جو الفاظ کہ نبی کریم ﷺ سے کتبِ حدیث میں مدون ومنقول ہیں۔

الغرض جو حدیث اصولِ حدیث اور محدثینِ عظام کی تحقیق کی رو سے موضوع وبے اصل بتادی جائے؛ چاہے وہ کسی بھی قسم کی ہو، اس کو بیان کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن مذکورہ بالا سطور میں جو فرقِ مراتب کو ذکر کرنا پڑا، اُس کی وجہ طبقۂ غیر مقلدین کی بے اعتدالی ہے؛ اس لیے کہ اسی اہم وضروری نکتے کو نہ سمجھنے اور اس سے غافل ہونے کی بنا پر غیر مقلدین موضوع روایات نقل کرنے والے حضرات پر وضعِ حدیث کا الزام دھر دیتے ہیں اور سبھی کو -- چاہے وہ کتنے ہی بڑے فقہا، صلحا ہی کیوں نہ ہوں -- اُس وعیدِ شدید میں داخل کر دیتے ہیں، جو وضعِ حدیث اور موضوع حدیث نقل کرنے پر وارد ہوئی ہے اور یہ لوگ عوام الناس کے سامنے اِن حضراتِ فقہا وصوفیا کی شبیہ اس طرح پیش کرتے ہیں، جس طرح کی شبیہ وضاعین وکذابین کی ہے؛ حالاں کہ یہ بھی سخت ترین جرم، بے اعتدالی اور ہٹ دھرمی کا مجسم نمونہ، اور خود حضراتِ محدثینِ عظام اور علمائے کبار کے اسوے کے خلاف ہے۔ مثلاً:

(۱) ''کنت نبیًا وآدم بین الماء والطین'' یہ حدیث لفظاً موضوع وغیر ثابت ہے؛ مگر اس کا معنیٰ ومفہوم ''ترمذی شریف'' کی روایت ''متی کنت نبیا ؟ قال: وآدم بین الروح والجسد'' کے الفاظ اور اسی طرح دوسرے الفاظ میں ثابت ہے۔

ظاہر ہے کہ جس تعبیر اور جس ترکیب کے ساتھ جو روایت ثابت نہیں، اس کو اس تعبیر وترکیب کے ساتھ نقل کرنا صحیح نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی کر دے، تو اس کی وجہ سے اس پر پکڑ، تو کی جائے گی؛ مگر اس کو وعیدِ شدید کا شکار بتانا -- جیسا کہ آج کل غیر مقلدین کرتے دکھائی پڑ رہے ہیں -- یہ بھی صحیح نہیں ہے اور بالخصوص اس وقت تو ہر گز نہیں؛ جب کہ مستند ومعتمد فقہائے عظام نقل کریں۔

ملاحظہ: اس مذکورہ بالا کلام کا مقصد موضوع احادیث بیان کرنے کے لیے جواز کی گنجائش

نکالنا نہیں ہے؛ بل کہ صرف غیر مقلدین حضرات کی بے اعتدالی وغلو پسندی پر نکیر کرنا ہے اور اُن کو یہ بتانا ہے کہ ہر ایک ذات اور ہر ایک بات کے مرتبہ کا لحاظ پیش نظر رکھیں، افراط وتفریط سے باز رہیں۔

حدیثِ نبوی کی ترجمانی میں احتیاط واجب ہے

موضوع روایات کے حکم کے عنوان پر سابقہ سطور میں جو کلام گزرا، اس میں حضراتِ محدثین کی تصریحات سے ایک بات یہ بھی نقل کی گئی کہ جس طرح حدیث گھڑنا اور من گھڑت حدیثیں سنانا جرم ہے، اسی طرح احادیثِ نبویہ کے الفاظ میں ایسی کمی بیشی کرنا، جس کی بنا پر حدیث کے مقصود میں واضح فرق آجائے، حتیٰ کہ زبر، زیر، پیش کی اعرابی غلطیاں کرنا بھی بہت خطرناک ہے؛ کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کو کذب علی النبی کی وعیدِ شدید اور وبالِ عظیم میں گرفتار کرلیا جائے۔

اسی طرح جب حدیثوں کے الفاظ نقل کرنے کے بہ جائے محض ترجمہ وترجمانی کرنے کی ضرورت پڑجائے، تو اُس موقع پر احتیاط کرنا نسبتاً زیادہ لازم وضروری ہے؛ اس لیے کہ حضراتِ محدثینِ عظام نے تصریح فرمائی ہے کہ احادیث کی روایت بالمعنی کی اجازت اسی عالم کو ہے، جس میں صحیح ترجمانی کی مکمل صلاحیت ہو؛ لہٰذا اگر کوئی عالم دین ہے، جو عربی سے خوب اچھی طرح واقف ہے اور جس زبان میں وہ حدیث کی ترجمانی کررہا ہے، اُس زبان کے کلمات وتعبیرات کے صحیح استعمال سے آگاہ ہے، تو اُس پر بھی لازم وضروری ہے کہ احادیثِ نبویہ کی ترجمانی میں خوب احتیاط قائم رکھے اور جب بھی بیان کرے نبی اکرم ﷺ کی فصاحت وبلاغت کو پیش نظر رکھتے ہوئے موقع ومحل کے مناسب فصیح وبلیغ، عمدہ وشستہ تعبیر اختیار کرے۔ پوری حدیث یا حدیث کا جس قدر مطلوبہ حصہ بیان کرنا ہو، مکمل بیان کرے، اس طرح ادھوری بیان نہ کرے کہ مقصودِ نبوی میں فرق پڑجائے۔ اسی طرح پہلے حدیث بیان کردے، اُس کے بعد اپنی تشریحات وتوضیحات بیان کرے، بیانِ حدیث کے درمیان دوسری باتیں خلط ملط کرنے سے گریز کرے اور مقصودِ حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے تعبیر کے ساتھ اندازِ بیان اور لب ولہجے کو بھی مہذب رکھے، ایسا انداز نہ اپنائے جو فصحا وبلغا کے معیار سے گرا ہوا ہو۔

ہمارے اس زمانے میں لوگ جب نبی کریم ﷺ، ازواج مطہرات، صحابہ وصحابیات کی روایات بیان کرتے ہیں، خصوصاً زوجین کے آپسی اختلاف کا، حضراتِ صحابہ کے باہمی نزاع کا ذکر کرتے ہیں، تو اِس زمانے کے ماحول سے متاثر ہونے کی بنا پر اُن واقعات کو اِس طرح بیان کرتے ہیں گویا کہ خیر القرون کے نیک لوگوں کے باہمی تعلقات کی صورت ایسی تھی، جیسے اس چودھویں صدی کے بگڑے

ماحول میں لڑنے مرنے والے افراد کے تعلقات کی ہے۔

اس اہم وضروری اصول کو سمجھنے کے لیے کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں؛ مگر سرِ دست صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، جو کہ دورِ حاضر کا مشہور واقعہ ہے اور تروتازہ ہے۔

۲۰۱۶ء میں پاکستان اور پوری دنیا میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا، جس کا تعلق بھائی جنید جمشید صاحب مرحوم سے ہے، جو اپنی زندگی اور جوانی کے ابتدائی زمانے میں پاکستان کے مشہور گایک (Singer) تھے، اُن پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم پڑی، تو وہ گناہوں اور معصیتوں کی دنیا سے نکل کر، دین کے پرنور ماحول میں آگئے، تبلیغی جماعت سے تاحیات جڑے رہے اور اسی جماعت کے خطوط پر رہتے ہوئے دین وملت کی خدمت کرتے رہے اور جب ہوائی جہاز کے حادثے میں جان بہ حق ہوگئے، تو اِن کی نمازِ جنازہ میں ہزاروں بندگانِ خدا کی شرکت رہی، جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی زیدمجدہ اور مولانا طارق جمیل صاحب بھی رہے۔ (اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور غریقِ رحمت فرمائے!)

واقعہ یہ کہ جنید صاحب نے بیان کرتے ہوئے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تعلق سے کہا:

> ”اماں عائشہ رضی اللہ عنہا Attention مانگا کرتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، بڑی چہیتی تھیں، اکثر بیمار ہوکر لیٹ جایا کرتی تھیں، اللہ کے نبی تیمارداری کرتے تھے، پوچھتے تھے، ایک دن کپڑا اپنے سر پر لپیٹ کے سوگئیں، ہائے، ہائے، اے، اے کر رہی تھیں۔ اللہ کے نبی آئے، کیا ہوا عائشہ! بس سر پھٹ رہا ہے، بہت بیمار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اسی بیماری میں اگر تیرا انتقال ہوگیا، اللہ کے نبی تیری جنازہ پڑھیں گے، تو کتنی خوش قسمت ہوگی! اٹھ کے بیٹھ گئیں، یوں اتارا اپنے سر سے اور کہنے لگیں: آپ تو چاہتے ہی ہیں کہ مرجاوں اور آپ دوسری بیویوں کے پاس پہنچ جائیں -- یہ روایت سنانے کے بعد اس سے نتیجہ نکالتے ہوئے اپنے اسی بیان میں کہتے ہیں:--- یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی کی صحبت مل کے بھی عورت نہیں بدل سکتی، بھائی اس کو بدلنے کی کوشش نہیں کرنا، یہ تیڑھی پسلی کی پیداوار ہے، اس کو زور لگاوگے، تو کڑک ہوجائے گا، یہ نہیں کرنا۔“

جب اِن کا یہ بیان ویڈیو کی شکل میں ساری دنیا میں پھیلا، تو ان کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا، توہینِ عائشہ کا مجرم اور گستاخِ حرمِ نبوی بتا کر اُن پر پر ظالمانہ وقاتلانہ حملے کیے گئے۔ پوری تبلیغی جماعت

کے خلاف خروج کرنے اور اس پر پابندی لگانے کے مطالبات کیے جانے لگے؛ حالاں کہ محترم جنید مرحوم کو جب اُن کا قصور بتایا گیا، تو انھوں نے ایک ویڈیو بنائی اور پوری دنیا کے سامنے کہا:

''نبی کے خاندان اور حرم کی شان میں گستاخی کا تصور بھی یہ جنید نہیں کرسکتا؛ لیکن بیان کرتے ہوئے زبان کی لغزش سے اگر گستاخی ہوگئی، تو میں اللہ سے بھی معافی مانگتا ہوں اور تمام امتِ مسلمہ سے بھی ہاتھ جوڑ کے معافی مانگتا ہوں۔''

جب یہ واقعات اور حالات چل رہے تھے، اسی دوران بہت سارے احباب نے واقعے کی حقیقت جاننے کے لیے مجھ سے رابطہ کیا اور کہا کہ اس واقعے اور روایت کی تحقیق فرمادیں اور بتائیں کہ یہ ثابت ہے بھی یا نہیں؟ نیز پوچھنے والوں نے یہ بھی بتایا کہ جنید صاحب کی تردید میں ایک خاتون کی ویڈیو بہت پھیل رہی ہے، جو خاتون حیدرآباد میں مقیم اور ہیرا گروپ کی اصل ذمے دار ہے، جس کا نام نوہرا شیخ ہے۔ اس خاتون نے حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ یہ واقعہ جو جنید صاحب نے سنایا ہے، وہ ثابت نہیں ہے اور جو واقعہ مروی ہے، اس کو توڑ مروڑ کر سنایا گیا ہے۔

راقم نے جنید صاحب کا بیان اور ان کی تردید میں کیے جانے والے اکثر بیانات کو سننے کے بعد پوچھنے والے احباب کو جو جواب دیا، وہ اس طرح ہے:

(الف) جنید جمشید صاحب جہاں تک میری تحقیق ہے، عالم نہیں ہیں، وہ تو بس تبلیغی جماعت سے منسلک ہیں اور غالباً وہیں انھوں نے اپنے علما اور امیر صاحبان سے اسی طرح سنا ہوگا۔ واللہ اعلم

(ب) جب انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اور معافی مانگ لی، نیز اُن سے یہ حرکت قصداً نہیں ہوئی؛ بل کہ بلا قصد محض زبانی لغزش ہوئی اور ایک مرتبہ ہی ہوئی، عام حالات میں یہ اور اس طرح کی کوئی غلطی نہیں ہوئی، تو اس کو بڑھانا، الزامات لگانا، اُن پر اور اُن کے گھرانے کے افراد پر ظالمانہ حملے کرنا؛ یہ بالکل جائز نہیں ہے۔

(ج) مگر ہر واقعے کی طرح یہ واقعہ بھی بڑا قیمتی درسِ عبرت دیتا ہے اور وہ یہ کہ دینی پیغامات کی تبلیغ میں بالخصوص احادیثِ نبویہ کی روایت میں حد درجے احتیاط کرنی لازم وضروری ہے، پہلے تو معتبر ذرائع سے یہ تحقیق کرلینی چاہیے کہ حدیثِ نبوی ہے بھی یا نہیں۔ دوسرے جب حدیثِ رسول بیان کی جائے، تو اس طرح اور اسی قدر بیان کرے جیسے کہ منقول ہے اور اس کے لیے اُن اصول کی پابندی کرے، جو حضراتِ محدثینِ عظام نے اصولِ حدیث کی کتابوں میں صراحتاً بیان فرمائے ہیں۔

(د) جنید بھائی نے جس واقعے کی ترجمانی کی ہے، وہ واقعہ ''بخاری شریف'' میں موجود ہے، اس

واقعے کا انکار کرنا جیسا کہ نوہرا خاتون نے کیا ہے؛ بالکل غلط ہے۔ یہ اُس خاتون کی جہالت ہے، نیز ثابت شدہ حدیث کا انکار کرنا اُس خاتون کی بہت بڑی گستاخی وجرأت ہے، واقعہ جو کچھ مروی ہے، وہ میں عربی زبان میں رقم کر دیتا ہوں، آپ حضرات خود ترجمہ کرلیں، نہیں کر سکتے؛ تو کسی بھی عربی جاننے والے سے معلوم کرلیں۔ روایت یہ ہے:

"قَالَتْ عَائِشَةُ: وَا رَأسَاه ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ذَاکِ لَوْ کَانَ وَ أَنَا حَيٌّ فَأَسْتَغْفِرَ لَکِ ، وَ أَدْعُوَ لَکِ . فَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَا ثُکْلَيَاه ، وَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَأَظُنُّکَ تُحِبُّ مَوْتِيْ ، وَ لَوْ کَانَ ذَاکَ لَظَلِلْتَ آخِرَ يَوْمِکَ مُعَرِّساً بِبَعْضِ أَزْوَاجِکَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: بَلْ أَنَا، وَا رَأسَاه، الخ".

(البخاري، كتاب المرضى، باب قول المريض:إني وجع ،او:و اراساه/ حديث رقم:٥٦٦٦)

(ہ) واقعہ ثابت تو ہے؛ لیکن جنید صاحب سے جو غلطیاں ہوئی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) تعبیر کی غلطی۔

(۲) اندازِ بیان کی غلطی۔

(۳) اخذِ نتائج کی غلطی۔

اور ان ہی اغلاط کے مجموعے کی بنا پر ایک ثابت وصحیح واقعہ سننے والوں کو- جیسا کہ بہ ظاہر محسوس بھی یہی ہوتا ہے- لگا کہ ثابت نہیں ہوسکتا۔

الغرض زیرِ عنوان جو اہم بات سمجھانی مقصود تھی، اُس کے لیے بہ طور مثال دورِ حاضر کا ایک مشہور واقعہ ذکر کر دیا؛ تا کہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے کہ احادیثِ نبویہ کی ترجمانی میں کلمات وجملوں کی درستگی وشگفتگی پر بھی نظر رکھنا لازم وضروری ہے، اسی طرح اندازِ بیان اور اسلوبِ تقریر کو سنجیدہ وباوقار بنانا اور نہایت مؤدب ومہذب بنائے رکھنا بھی لازم وضروری ہے۔

بہ ہر حال اصولِ حدیث کی کتابوں اور محدثین کے اقوال کی روشنی میں، یہ جو ہدایات مختصراً پیش کی گئی ہیں، یہ تو اس کے لیے ہیں جو عالمِ دین اور عربی زبان سے اور مترجم الیہ زبان سے خوف واقف ہے؛ لیکن اگر کوئی عالم ہی نہیں ہے، یا کوئی ہے؛ مگر استعداد وصلاحیت کی کمی کا شکار ہے، تو ایسے افراد پر لازم وضروری ہے کہ اللہ سے ڈرے اور اپنی طرف سے کچھ نہ کہے اور اگر ضرورت پڑ جائے، تو پہلے معتبر کتابوں سے اور محقق وماہر ومتیقظ علما سے علم حاصل کرے، پھر پورے ہوش وحواس میں رہتے ہوئے احادیثِ نبویہ کی اسی طرح ترجمانی کرے جس طرح کہ معتمد علمائے دین نے اپنی تحریرات میں پیش کی ہیں۔

اردو جاننے والوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ ہمارے اکابر علمائے دین کے تراجم سے استفادہ کرے، مثلاً ''مظاہر حق جدید'' از حضرت علامہ قطب الدین خان دہلویؒ، ''معارف الحدیث'' از حضرت مولانا منظور نعمانیؒ، ''ترجمان السنہ'' از حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، ''کشف الباری'' از حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ، ''تحفۃ القاری'' و ''تحفۃ الالمعی'' از حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم، ''حدیث نبوی'' از حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ۔ اِن اکابر کے علاوہ دیگر مستند، معتمد و متیقظ حضراتِ علمائے عظام کے تراجم بھی ہیں، معتبر عالم سے معلوم کرکے ان سے استفادہ کیا جائے۔

فقط

محمد یاسین خان

خادمِ حدیث وفقہ، جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

۱۱/ جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ

چند قدیم وجدید
مشہور موضوع روایات
مع تحقیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱ - حدیث: ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ.“

(جس نے خود کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔)

ماضی کی طرح آج بھی خطبا و صلحا کی زبانی مذکورہ کلام حدیثِ رسول کی حیثیت سے بہ کثرت سنا جاتا ہے، اس موضوع حدیث کی شہرت وشدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جائے کہ صرف اِس ایک روایت کی تحقیق کے لیے امام سیوطی رحمہ اللہ کو مستقل ایک رسالہ ہی تحریر کرنے پر مجبور ہونا پڑا، جس کا نام ”القول الأشبه في حديث من عرف نفسه فقد عرف ربَّه“ ہے۔ اس رسالہ میں امام سیوطی نے تحقیق وتفصیل سے ثابت کیا ہے کہ یہ موضوع ہے۔

امام سیوطی کے علاوہ امام نووی، امام سمعانی، امام ابن تیمیہ، امام زرکشی، امام صغانی، امام طاہر پٹنی اور دیگر محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔

(الدرر المنتثرة:۱۸/۱،اللآلي للزركشي :۱۲۹/۱، المصنوع:۱۸۹، المقاصد الحسنة: ٦٥٧، النخبة البهية: ۱۲۱/۱،كشف الخفاء: ۲/ ۲٦۲،الفوائد الموضوعة:۱۲/۱، تدريب الراوي:۱٦٥/۱، الموضوعات للصغاني:۲۸، تذكرة الموضوعات :٥٠، تنزيه الشريعة:٤٩٤/۲،أسنى المطالب:۲۷۷/۱، الجد الحثيث: ۲۳۲)

۲ - حدیث: ” أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ أَجْلِي.“

مشہور اور زبان زد ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ” أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ أَجْلِي“ (میں ان بندوں کے پاس ہوتا ہوں، جن کا آئینۂ دل میری خاطر ٹوٹا ہوا ہے)۔

یہ حدیث امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب ”بداية الهداية:۴۰“ میں بلا سند مذکور ہے۔ ملا علی قاری

رحمہ اللہ یہ حدیث اوراسی طرح ایک دوسری حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "لا أصل لهما في المرفوع" (ارشادِ نبوی ہونے کے حوالے سے ان دونوں روایات کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔)

امام سخاوی رحمہ اللہ نے بھی "المقاصد الحسنة" میں سکوت فرمایا ہے۔

علامہ عجلونی، علامہ قاوقجی اور محمد بن درویش نے اس کو بے اصل وموضوع بتایا ہے اور علامہ امیر مالکی نے "النخبة البهية" میں اس کو موضوع بتانے کے بعد ایک بات مزید یہ بھی لکھی ہے کہ: یہ بات حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ارشادات میں سے ہے۔

(الأسرار المرفوعة:١٣٨، المقاصد الحسنة: ١٦٩، كشف الخفاء:٢٢٩، اللؤلؤ الموضوع :٤٩، النخبة البهية للأمير المالكي : ٤، أسنى المطالب:٩٢)

٣ - حدیث: "إِنْ لَمْ تَكُنِ الْعُلَمَاءُ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ وَلِيٌّ."

مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنْ لَمْ تَكُنِ الْعُلَمَاءُ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ وَلِيٌّ" کہ اگر علماء اولیاء اللہ نہیں، تو پھر اللہ کا کوئی بھی ولی نہیں۔

امام سخاوی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی، امام طاہر پٹنی، علامہ شوکانی، علامہ عامری اور علامہ امیر مالکی (رحمہم اللہ)؛ یہ سب حضراتِ محدثین یہی تحریر کرتے ہیں کہ یہ حدیثِ رسول نہیں ہے۔ شیخ ملا علی قاری رحمہ اللہ مزید بتاتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ملفوظ ہے۔

علامہ عجلونی لکھتے ہیں کہ امام بیہقی نے امام شافعی کا ارشاد نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "إن لم تكن الفقهاءُ أولياءَ الله في الآخرة فما لِلّٰه ولي."

معلوم ہوا کہ یہ بزرگوں کا ملفوظ ہے اور ایسا بہت ہوا کہ بیان کرنے والوں نے سلفِ صالحین کی حکیمانہ باتوں اور نصیحتوں کو حدیثِ نبوی کی حیثیت سے بیان کردیا ہے۔

(المقاصد الحسنة:٢١٨، المصنوع :٦٢، الأسرار المرفوعة:١٥٣، كشف الخفاء:١/٢٥٢، تذكرة الموضوعات للفتني:٢١، النخبة البهية :٤١، الفوائد للشوكاني: ١/٢٨٧، الجد الحثيث:٦٨)

٤ - حدیث: "اَلْبَرَكَةُ فِي الْبَنَاتِ."

مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلْبَرَكَةُ فِي الْبَنَاتِ." (برکت لڑکیوں میں رکھی ہوئی ہے)۔

اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت اوس بن ساعدہ انصاری رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اورانہوں نے کہا: یارسول اللہ! میری لڑکیاں ہیں اور میں انہیں موت کی بددعائیں دیتا رہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن ساعدہ! انھیں بددعا نہ دو، "فَإِنَّ الْبَرَكَةَ فِي الْبَنَاتِ" (کیوں کہ برکت بچیوں میں پنہاں ہے) یہ آسائش کے موقع پر افراط وتفریط سے دور رہتی ہیں، مصیبت کے وقت غم خواری کرتی ہیں اور تنگی ومشکلات میں ہاتھ بٹاتی ہیں، ان کا جوکچھ بوجھ ہے، وہ زمین پر ہے اور اُن کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

مگراس روایت کی سند میں ایک راوی ہے، جس کا نام ابراہیم بن حکیم مدنی ہے۔امام ابن عدی کہتے ہیں: "أحاديثه موضوعة" (اس کی مرویات موضوع ومن گھڑت ہیں)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ اورحافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی موضوع روایات میں سے زیر بحث روایات کوبھی ذکر کیا ہے۔حافظ سخاوی، ملاعلی قاری، علامہ قاوقجی، علامہ عجلونی ودیگرمحدثین لکھتے ہیں کہ ابراہیم "متهم بالوضع" ہے۔

راقم کہتا ہے: امام طبرانی کی معجم اوسط میں حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "اذا ولدت الجارية بعث الله عزوجل اليها ملكًا يزف البركة زفًا يقول: ضعيفة خرجت من ضعيفة، القيّم عليها مُعانٌ الى يوم القيامة، و اذا ولد الغلام بعث الله اليه ملكا من السماء فقبّل بين عينيه وقال: الله يقرئك السلام" (جب کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ عزوجل اس لڑکی کی جانب ایک ایسے فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس کے پاس برکتیں کھینچ کر لاتا ہے، اور کہتا ہے کہ: ضعیف وناتواں صنف نازک ہے جو ایک ضعیف وناتواں صنف نازک سے جنم لی ہے، جو اس کی ذمہ داری نبھاتا ہے اس کو تعاون ملتا رہے گا قیامت کے دن تک۔جب کسی کے گھر لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کے پاس آسمان سے ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس بچے کی دونوں کے آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالی تجھے سلام سناتے ہیں)۔

اس حدیث کی سند شدید ضعیف ہے، علامہ ہیثمیؒ (مجمع الزوائد، كتاب البر و الصلة، باب ما جاء في الأولاد، رقم: ۱۳۴۸۳) میں لکھتے ہیں کہ "رواه الطبراني في الأوسط عن شيخه بكر لم ينسبه عن عبد الله بن سليمان المصري، ولم أعرفهما، وبقية

رجاله ثقات.“

اول الذکر روایت کوموضوع وغیر ثابت قرار دینے والے حضرات محدثین نے اس ثانی الذکر حدیثِ طبرانی کونقل نہیں فرمایا، غالباً اسی لیے کہ اس حدیث کی سند میں دوراوی جوایک دوسرے سے روایت کرر ہے ہیں، وہ دونوں غیر معروف اور مجہول ہیں۔تاہم جب ایک روایت اس معنی کی موجود ہے توپھر یہ کہا جائے گا کہ”البركة في البنات“لڑکیوں میں برکت ہونے کی بات قوی طور پر ثابت تو تسلیم نہیں کی گئی ہے۔واللہ اعلم

(میزان الاعتدال :١٤٧/١، لسان المیزان :٢٦٨/١،المقاصد الحسنة: ٤٣٣، اللؤلؤ المرصوع: ٦٢، كشف الخفاء:٣٣٩/٢،الأسرار المرفوعة :١٦٣)

٥ - حدیث: ”الناس على دين ملوكهم.“

”النَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ“(لوگ اپنے بادشاہوں اورحاکموں کے راستے پر چلتے ہیں۔)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ”لا أعرفه حديثاً“(اس کلام کا حدیثِ رسول ہونا مجھے معلوم نہیں۔)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ کی تحقیق سے امام طاہر پٹنی، ملاعلی قاری، علامہ شوکانی، امیر مالکی رحمہم اللہ یہ سب متفق ہیں۔

البتہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ایک ضعیف روایت ذکر کی ہے:

”لَا تَسُبُّوْا الْأَئِمَّةَ ، وَادْعُوْا اللّٰهَ لَهُمْ فَإِنَّ صَلَاحَهُمْ لَكُمْ صَلَاحٌ“

حاکموں کو برا مت کہو؛ بل کہ ان کے حق میں اللہ سے دعا کرو؛ کیوں کہ ان کی اچھائی وبھلائی خود تمہارے لیے خیر ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر ان کے حکم رانوں کے اعمال کا کچھ نہ کچھ اثر پڑتا ہے؛ لہٰذا زیرِ بحث روایت تو موضوع و بے اصل ہے؛ مگر اس کا معنی ایک ضعیف روایت سے ثابت مانا جاسکتا ہے۔

(المقاصد الحسنة:١٤٤، تذكرة الموضوعات :٧٨، المصنوع:١٩٨، الفوائد المجموعة :٧٨/١، النخبة البهية :١٠٧/١،المعجم الكبير:١٣٧/٨ ، المعجم الأوسط:١٦٩/٢)

٦ - حدیث: کیا ہر نبی کو نبوت چالیس سال بعد دی گئی؟

"مَا مِنْ نَبِيٍ نُبِّئَ إلا بعْد الأربعين."

(جس نبی کو بھی نبوت ملی وہ چالیس برس کے بعد ہی ملی۔)

ایک تو یہ روایت حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ دوسرے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے اور حافظ سخاوی، حافظ سیوطی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی و دیگر محدثین اس تحقیق سے متفق ہیں۔ تیسرے یہ کہ آیاتِ کریمہ کے منافی ہے، چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

اس روایت کے معارض اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد بھی ہے، جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَ آتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ [مریم :١٢] (ہم نے ان کو حکم (نبوت) عطا فرمائی، اس حال میں کہ وہ بچے تھے۔) اسی طرح وہ ارشاد بھی ہے، جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے: ﴿وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا﴾ [یوسف :١٥]۔

واضح کردوں کہ یہ روایت اِن آیاتِ کریمہ کے معارض اُس وقت ہے، جب کہ حکم اور وحی سے مراد نبوت لی جائے، جیسا کہ مفسرین اور علما کی ایک جماعت اِس کی قائل ہے۔

بہ ہر حال یہ حدیث موضوع، بے اصل اور غیر ثابت ہے۔

(المقاصد الحسنة:٣٧٢،اللآلي المنثورة:١/ ٢٠٥، الجدالحثيث:٤٣١،الدرر المنثورة :١/ ١٧، الفوائد الموضوعة:٩٨، المصنوع: ١٦٣،الأسرار المرفوعة: ٣٠٠،النخبة البهية:٣٠٤،كشف الخفاء: ٢/ ٢٢٤)

٧ - حدیث: "مَا النَّارُ فِي اليَبَسِ بِأَسْرَعَ مِنَ الْغِيْبَةِ فِي حَسَنَاتِ العَبْد."

"اِحیاء العلوم" میں مرفوعاً مروی ہے:

"ما النار في اليبس بأسرع من الغيبة في حسنا ت العبد."

(خشک گھاس پھوس اور لکڑی کے چوروں کو بھی آگ اتنی تیزی وشدت سے نہیں جلاتی، جتنا کہ غیبت بندے کی نیکیوں کو جلا کر بھسم کردیتی ہے۔)

امام عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لم أجد له أصلاً." (مجھے اس کی کوئی سند نہیں ملی۔) علامہ عجلونیؒ، شیخ طاہر پٹنیؒ، ملا علی قاریؒ بھی حافظ عراقی رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کرتے ہیں اور اس حدیث کو موضوع و بے اصل قرار دیتے ہیں۔

(كشف الخفاء: ٢/ ٢٢٥،تذكرةالموضوعات: ٣٠٠٣، المصنوع:١٦٤،الأسرارالمرفوعة:٤٢٢)

٨ - حدیث: " المغتاب ، والمستمع شریکان في الإثم."

مرفوعاً بیان کیا جاتا ہے کہ " اَلْمُغْتَابُ ، وَالْمُسْتَمِعُ شَرِیْکَانِ فِي الاِثْمِ" (غیبت کرنے والا اور سننے والا؛ دونوں گناہ میں برابر شریک ہیں۔)

یہ حدیث بایں الفاظ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے؛ اسی لیے تمام محدثین نے اس کو موضوع بتایا ہے، البتہ غیبت کرنا اور سننا دونوں ممنوع اور نا جائز ہیں، نیز ایک حدیث میں آپ ﷺ نے دونوں کاموں کو صراحتاً ممنوع قرار دیا ہے، چناں چہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ "إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْغِيْبَةِ ، وَ عَنِ الْاِسْتِمَاعِ إِلَى الْغِيْبَةِ." (نبیٔ اکرم ﷺ نے غیبت کرنے سے اور غیبت سننے سے منع فرمایا ہے۔) حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی طرح "الجامع الصغیر" میں امام سیوطی رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> "مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَه أَخُوْهُ الْمُسْلِمُ ، فَلَمْ يَنْصُرْه وهُوَ يَسْتَطِيْعُ نَصْرَه أَذَلَّه اللّٰه تعالى فِيْ الدُّنْيَا و الآخِرَةِ." (ایک مسلمان کے آگے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی گئی اور اس نے نصرت وحفاظت کی طاقت رکھنے کے باوجود اس بھائی کی نصرت نہیں کی، تو اللہ اس کو دنیا وآخرت میں ذلیل ورسوا کریں گے۔)

علامہ عبد الروف المناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصنف سیوطی نے اس حدیث کے حسن ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔ امام منذری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی تمام اسانید ضعیف ہیں۔

بہ ہر صورت ان دونوں ضعیف احادیث سے یہ مضمون ثابت اور مؤید ہوتا ہے کہ غیبت سننا اسی طرح ممنوع اور گناہ کا کام ہے، جس طرح کہ غیبت کرنا حرام اور گناہ ہے؛ لہٰذا غیبت سننے والا بھی ایسا ہی گنہ گار، جیسا کہ غیبت کرنے والا اور اس میں دونوں برابر ہیں۔

اس تحقیق کے بعد یہی کہا جائے گا کہ زیرِ بحث روایت لفظاً موضوع وغیر ثابت ہے؛ مگر اس کا معنی ثابت ہے۔ (المغني عن حمل الأسفار: ٧٤١، الجامع الصغير: ٥٤٥٨، فيض القدير: ٥٤٥٨، تذكرة الموضوعات: ١٧٠، النخبة البهية: ٣٢٣، المقاصد الحسنة: ١٠٣٦، المصنوع: ٣٠٨، الجد الحثيث: ٤٦٣، أسنى المطالب: ١٥٨٩، كشف الخفاء: ٢٣٢٣)

۹ - حدیث: "الصبر كنز من كنوز الجنة."

مشہور ہے کہ "الصبرُ كنزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ" (صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔)

امام عراقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "غريب لم أجده" (غریب ہے اور مجھے نہیں ملی۔) امام سبکی، امام طاہر پٹنی، ملا علی قاری اور علامہ عجلونی و دیگر محدثین کی بھی وہی تحقیق ہے، جو حافظ عراقی کی تحقیق ہے۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ نے اس کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کا ملفوظ بتایا ہے؛ لہٰذا حضراتِ محدثین کی تحقیق کے مطابق اِس کو حدیث نبوی نہیں کہا جائے گا۔

(المغني عن حمل الأسفار:٣٦٧٣، المصنوع:١٧١، الأسرار المرفوعة:٢٣٣،كشف الخفاء: ٢/٢٢، أحاديث الإحياء للسبكي:٤٨/١، تذكرة الموضوعات: ٨٠،اللؤلؤ المرصوع:١٠٦)

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سلفِ صالحین و بزرگانِ دین کی نیک و حکیمانہ باتوں کو لوگوں نے آپ ﷺ کی جانب منسوب کر کے مشہور کر دیا ہے۔ ایسا حال اس کلام کا بھی ہے اور ویسے اس قولِ زرین کی تائید آیاتِ کریمہ و احادیثِ نبویہ سے بھی ہوتی ہے، مثلاً ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا﴾ [الإنسان :١٢]۔

۱۰ - حدیث: "السفر يسفر عن أخلاق الرجال."

"اَلسَّفَرُ يُسْفِرُ عَنْ أَخْلاقِ الرِّجَال."

(سفر میں مردوں کے اخلاق کی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔)

یہ بات حدیثِ نبوی کی حیثیت سے بہت مشہور ہے مگر ملا علی قاری، علامہ عجلونی رحمہما اللہ و دیگر محدثین تحریر کرتے ہیں کہ "لَيْسَ بِحَدِيْثٍ" (یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے۔)

(دیکھو: المقاصد الحسنة: ٥٦٣،المصنوع:١٥٤،كشف الخفاء: ١٤٨٠،أسنى المطالب: ٧٧٦، اللؤلؤ المرصوع: ٢٥٠،الجد الحثيث: ١٩٧،النخبة البهية:١٤٤،وغیرہ)۔

۱۱ - حدیث: "البخيل عدوُّ الله و لو كان عابدًا."

"البخيلُ عدُوُّ اللهِ وَ لَوْكَانَ عَابِدًا."

(بخیل شخص اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہے، چاہے جتنا بڑا عابد کیوں نہ ہو)

بعض نے "عابدًا" کی جگہ "راهباً" کا لفظ بھی ذکر کیا ہے؛ مگر یہ روایت بھی موضوع و بے اصل ہے، نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ چناں چہ ملا علی قاری، حافظ سخاوی، علامہ عجلونی، علامہ قاوقجی، علامہ عامری رقم طراز ہیں کہ "لا أصل له" (اس کی کوئی سند نہیں ہے۔)

مگر ایک روایت ایسی بھی ہے، جس سے مذکورہ بالا عبارت کا معنی ومفہوم نکل آتا ہے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَلسَّخِيُّ الْجَهُوْلُ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِن الْعَابِدِ الْبَخِيْلِ."

(سخاوت کرنے والا بندہ چاہے عبادت گزار نہ ہو؛ مگر وہ اللہ کی نظر میں ایسے عبادت گزار سے زیادہ محبوب ہے، جو بخل و کنجوسی کرتا ہے۔)

اس سے ظاہر ہے کہ جو بخیل ہو، وہ عند اللہ محبوب نہیں ہوتا، چاہے وہ عابد و راہب ہی کیوں نہ ہو۔

اس روایت کے متعلق امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کا مرکزی راوی یحیٰ بن سعید ہے، جس سے یہ روایت کبھی بہ طریق **محمد بن ابراهيم عن عائشة** مروی ہے، کبھی بہ طریق **أعرج عن أبي هريرة عن النبي** ﷺ مروی ہے اور کبھی بہ طریق **أعرج عن أبي هريرة عن عائشة** مروی ہے اور اختلاف دراصل دو ضعیف راویوں سے ہوا ہے؛ ایک: سعید بن محمد الوراق سے اور ایک: رواد بن الجراح سے۔

"وكُلُّ هٰذِه الألوان ليست بمحفوظة." (اور یہ تمام طرق محفوظ نہیں ہیں۔)

الغرض امام ہیثمی، امام سیوطی و دیگر محدثین اور خود امام ابن عدی کی تحقیق کے مطابق یہ ضعیف ہے؛ لہٰذا زیرِ تحقیق روایت لفظاً تو ثابت نہیں؛ تاہم ایک نہایت ضعیف روایت سے اس کے معنی و مضمون کا تھوڑا بہت ثبوت نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم!

(المصنوع:۷۸، كشف الخفاء:۱/۵۰۸، اللؤلؤ المرصوع:٦٢، الجد الحثيث:۷۳، المقاصد الحسنة: ۲۸۵، الكامل لابن عدي: ٤/۱۱۹، مجمع الزوائد:۳/۳۱۵)

۱۲ - حدیث: "اَلْبَشَاشَةُ خَيْرٌ مِنَ الْقِرٰى"

"اَلْبَشَاشَةُ خَيْرٌ مِنَ الْقِرٰى"

(خندہ پیشانی سے پیش آنا، مہمان نوازی سے زیادہ بہترین ہے۔)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "لا أعرفه" (اس کا حدیثِ رسول ہونا مجھے نہیں معلوم۔) حافظ عامری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "مثل ، و لیس بحدیث" (ایک ضرب المثل ہے، حدیث نبوی نہیں ہے۔) علامہ امیر مالکی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "لا یعرف" (اس کا حدیث رسول ہونا کسی کو نہیں معلوم۔)

(المقاصد الحسنة:۲۹۲، المصنوع:۸۲، كشف الخفاء:۱/۳۲۱، أسنى المطالب: ۴۷۰، اللؤلؤ المرصوع:۱۳۶، الجد الحثيث:۹۶، النخبة البهية:۷۱)

۱۳ - حدیث: "اَلسَّلَامَةُ فِي الْعُزْلَةِ"

حضراتِ صوفیا اور مشائخ کی مجالس میں بہ کثرت سنا گیا کہ حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "اَلسَّلَامَةُ فِي الْعُزْلَةِ" (عافیت وسلامتی گوشہ نشینی میں ہے۔)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لیس بحدیث" (یہ حدیث نہیں ہے۔) علامہ محمد بن درویش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "هو مِن كلام الصالحين." (یہ بزرگوں کا قول ہے۔) علامہ قاوقجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات ہے؛ مگر حدیثِ رسول ہونے کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔

راقم کہتا ہے : دیگر حضراتِ محدثین نے صرف اتنا ہی کلام کیا ہے، مزید کوئی کلام نہیں فرمایا، جب کہ اس کا معنی ایک روایت سے ثابت قرار دیا جائے گا، چنانچہ "مسلم شریف: ۴۹۹۵" میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ افضل و بہترین کون سا شخص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه." (وہ بندۂ مومن، جو اپنے جان و مال سے فی سبیل اللہ جہاد کر رہا ہے۔) ان صحابی نے پوچھا: پھر کون سا شخص؟ آپ ﷺ نے فرمایا: " ثُمَّ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِيْ شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ رَبَّهُ ، وَ يَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ " (پھر ایسا مرد، جو کسی گھاٹی میں سب سے الگ تھلگ عبادت الٰہی میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔)

"ابن ماجه: ۳۹۷۷" اور "المستدرک للحاکم: ۲۳۷۹" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ خیر لینے اور دینے والا ایک وہ بندہ بھی ہے، جو کسی پہاڑ کی اونچی چوٹی میں یا پھر کسی وادی کی گہرائی میں نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور اپنے رب کی عبادت میں موت

آنے تک مشغول ومنہمک رہتا ہے، ایسا بندہ لوگوں کے حوالے سے صرف خیر ہی خیر میں رہتا ہے۔

لہٰذا زیر بحث کلام لفظاً تو حدیث نبوی نہیں ؛ البتہ اس کا معنی ومفہوم دیگر احادیث صحیحہ سے صحیح و ثابت ہے۔(المصنوع :١٥٦،أسنى المطالب: ٧٧٩، كشف الخفاء :١٤٨٦، اللؤلؤ المرصوع: ٢٥٣، النخبة البهية:١٤٧)

١٤ - حدیث:"الشفقةُ علىٰ خلْق الله تعْظيمٌ لأمر الله."

"الشفقةُ علىٰ خَلْقِ الله تعظيمٌ لأمرِ الله" (اللہ کی مخلوق پر شفقت ومہربانی کرنا امرِ الٰہی کی تعظیم بہ جالانا ہے۔)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"معناه صحيح في كثير من الأحاديث ، وأما خصوص هذا اللفظ فلا أعرفه." (اس کا معنی صحیح ہے اور متعدد احادیث میں وارد ہے؛ مگر خاص یہ الفاظ مجھے نہیں معلوم کہ حدیثِ رسول ہیں۔)

ملا علی قاری رحمہ اللہ ، حافظ سخاوی کی تحقیق نقل کرنے کے بعد"الموضوعات الكبرى"میں لکھتے ہیں کہ یہ درحقیقت بعض مشائخ کے اِس ملفوظ سے ماخوذ ہے کہ امرِ دین کا دارومدار دو باتیں ہیں؛ ایک: امرِ الٰہی کی تعظیم کرنا اور دوسرے: مخلوقِ الٰہی پر شفقت کرنا۔

دیگر محدثینِ عظام بھی اس کو موضوع و بے اصل قرار دینے میں حافظ سخاوی کی تحقیق سے متفق ہیں۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے جو فرمایا کہ بہت سی روایات میں معنی ومفہوم ثابت ہے، ان ہی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے، جو امام بیہقی نے"شعب الإيمان"میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تحریر فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الخلق عيال الله ، فأحبُّ الخلق إلى الله مَن أحسن إلى عياله."

(مخلوق اللہ کا گویا گھرانہ ہے اور تمام مخلوق میں سب زیادہ محبوب اللہ کی نظر میں وہ ہے، جو اس گھرانہ خداوندی کے ساتھ احسان وشفقت کا سلوک کرتا ہے۔)

(المقاصد الحسنة:٥٩٨، المصنوع:١٦٣،الأسرار المرفوعة:٢٤٥، الجد الحثيث: ٢١٠، أسنى المطالب:٨٠٤، كشف الخفاء:١٥٥٨،شعب الإيمان للبيهقي:٧٤٤٨،التعليق على المصنوع :١٠١)

۱۵ - حدیث: "الحمد لله رداء الرحمٰن."

"الحمد لله رداء الرحمٰن." (الحمد للہ رحمٰن کی چادر ہے۔)

حافظ عراقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "لم أجد له أصلا." (مجھے اس کی سند نہیں ملی۔) ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "لم یوجد له أصل." (اس کی اصل نہیں ملی۔) امام طاہر پٹنی اور علامہ شوکانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "لم یوجَد" (نہیں ملی۔)

دیگر حضراتِ محدثین کی تحقیق بھی یہی ہے، معلوم ہوا کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے۔

(المغني عن حمل الأسفار: ٤، المصنوع: ١١٦، تذكرة الموضوعات: ٦١، كشف الخفاء: ٤١٤/١، اللؤلؤ المرصوع: ١٨١، الفوائد للشوكاني: ٣٨٩)

۱٦ - حدیث: "الأب أحق بالطاعة، والأم أحق بالبر."

"اَلْأَبُ أَحَقُّ بِالطَّاعَةِ، وَ الْأُمُّ أَحَقُّ بِالْبِرِّ."

(باپ فرماں برداری کا زیادہ حق دار ہے اور ماں خیر خواہی کی زیادہ حق دار ہے۔)

علامہ عجلونی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"قال النجم: هو من كلام ابن المبارك كما أخرجه الأصبهاني في الترغيب عن حبان بن موسى قال: سألت عبد الله بن المبارك عن الوالد و الوالدة إذا أمرا بشيء، فذكره."

(علامہ نجم الدین عامری کہتے ہیں کہ یہ امام عبداللہ بن المبارک کا قول ہے، چناں چہ امام اصبہانی "الترغیب" میں حبان بن موسیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن المبارک سے پوچھا کہ والد اور والدہ جب دونوں کسی بات کا حکم کریں تو کیا کریں؟ اس کے بعد امام ابن المبارک نے یہ بات ارشاد فرمائی۔)

(كشف الخفاء: ٣٢/١، الجد الحثيث: ٣٨، تحذير المسلمين: ٩١)

۱۷ - حدیث: بے حد بڑی آنکھوں والا فرشتہ

”إن لله عزوجل ملَكًا ما بين شفري عَينَيه مسيرةُ خمسمائة عام.“

(بے شک اللہ عزوجل کا ایک ایسا فرشتہ بھی ہے، جس کی دونوں آنکھوں کی دونوں پلکوں کی جڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا طویل جتنا کہ پانچ سو برس کا فاصلہ۔)

”إحياء العلوم“ کی تخریج میں حافظ عراقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”لم أره بهذا اللفظ“ (یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ میں نے کہیں نہیں پائی۔) ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”لم يوجد له أصل“ (اس کی سند کسی کے پاس نہیں ہے۔) دیگر ائمہ محققین نے بھی یہی تحقیق بیان فرمائی ہے؛ لہٰذا یہ موضوع و بے اصل ہے۔

لیکن حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بعد ابو داود کے حوالے سے حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ نقل کی ہے، جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ نے اجازت دی ہے کہ میں عرش تھامنے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کی بابت یہ بتاؤں کہ اس کی دونوں کانوں کی لو اور کاندھوں تک سات سو برس کا فاصلہ ہے۔

حافظ عراقی دراصل یہ بتانا و سمجھانا چاہتے ہیں کہ ابو داود کی اِس روایت میں فرشتے کے کان کی لو اور کاندھے کے درمیان اس قدر فاصلے کے ذکر سے باشارۃ النص یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اُس فرشتے کی آنکھ اور پلک کے مابین بھی فاصلہ بے حد وسیع و عریض ہوگا، یہ الگ بات کہ خاص اِس مقدار کا ذکر کسی روایت سے ثابت نہیں اور جس روایت میں ہے وہ بے اصل اور بے سند ہے۔

بہ ہر حال زیرِ بحث حدیث بے اصل و بے سند ہے۔

(المغني عن حمل الأسفار: ٤٤٩١، المصنوع: ٦٣، تذكرة الموضوعات: ٦٢، اللؤلؤ المرصوع: ١١١)

۱۸ - حدیث: ”خيرةُ الله للعبد خيرٌ من خِيرته لنفسه.“

”خيرة الله للعبد خير من خيرته لنفسه.“

(بندے کے لیے اللہ کا انتخاب اس انتخاب سے بہتر ہے، جو بندہ خود اپنے لیے کرتا ہے۔)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے ”المقاصد الحسنة“ میں اس کا ذکر کیا؛ مگر کچھ نہیں کہا؛ لیکن ملا علی

قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے۔محدث محمد بن درویش بیروتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ رسول ہونے کی حیثیت سے کہیں نہیں ملی۔علامہ قاوقجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ معنی تو صحیح ہے؛مگران الفاظ سے اس کا حدیثِ رسول ہونا ثابت نہیں ہے۔علامہ عجلونی رحمہ اللہ صاحبِ "تمییز الطیب عن الخبیث" کا قول نقل کرتے ہیں کہ اِس کا معنی خلافِ شرع نہیں ہے؛ بل کہ قول باری تعالی:﴿عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، تاہم اس کا فرمانِ نبوی ہونا ثابت نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے؛لیکن چوں کہ اس کا معنی ومفہوم بالکل درست ہے؛اس لیے اس کو حدیثِ نبوی کی حیثیت دیے بغیر ذکر کرنا تو صحیح ہے،ارشادِ نبوی کہہ کر بیان کرنا درست نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة :٤٧٢،اللؤلؤ المرصوع:١٩١،أسنى المطالب:٦١٦، كشف الخفاء: ١٢٧٦، المصنوع :١٢٤)

۱۹ - حدیث :اَلْعَرَبُ سَادَاتُ الْعَجَم.

مشہور ہے کہ "اَلْعَرَبُ سَادَاتُ الْعَجَم." (عرب عجم کے سردار ہیں۔)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "**ليس له أصل ، و معناه صحيح**" (اس کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ اس کا مفہوم درست ہے)۔علامہ عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**ليس بحديث ؛ بل هو من كلام بعضهم**" (یہ حدیث نہیں؛ بل کہ یہ بعض عربوں کا اپنا قول ہے۔)

معلوم ہوا کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے؛بل کہ اہلِ عرب ہی میں سے کسی کا اپنا کلام ہے،البتہ اس کا معنی ومفہوم صحیح ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سرکاروسردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ عربی النسل ہیں، کلامِ الٰہی،حدیثِ نبوی اور حضراتِ صحابہ سے دین کی تفسیرات ،تشریحات اور تعلیمات وہدایات جو منقول ہیں، وہ بہ زبانِ عربی ہیں؛یہ اوران جیسی دیگر وجوہات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ عرب کا عجم کے مقابلے میں برتر وافضل ہونا صحیح ہے؛مگر یہ وجہِ فضیلت اور باعث بزرگی تبھی ہے، جب کہ دین داری،حق پرستی،عبادتِ الٰہی اور اتباعِ نبوی بہ درجہ کامل ہو؛ کیوں کہ قرآنی اور نبوی تعلیمات کی رو سے حقیقی اعزاز واکرام کے یہی اسباب ہیں؛ورنہ بے دینی ،باطل پسندی،نفس پرستی اور طغیان وسرکشی

جیسے جرائم وقبائح کے ہوتے ہوئے محض قومیت، وطنیت اور لسانیت؛ سببِ عزت نہیں۔

یہ مطلب ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ کے قول "معناه صحيح" کا، جس کی غمازی علامہ عجلونی کا یہ کلام کرتا ہے کہ "وهو صحيح بالنظر للجنس" (جنسِ انسانیت کے پیش نظر یہ بات صحیح ہے کہ عرب، عجم کے سردار ہیں۔)

محمد بن لطفی الصباغ نے "الموضوعات الكبرى" کی تعلیق میں بڑی شان دار اور دم دار بات لکھی ہے کہ ملا علی قاری حالاں کہ غیر عربی اور عجمی ہیں؛ مگر اس کے باوجود عربوں کی سیادت و برتری کے اعتراف کرنے پر ان کو جس چیز نے آمادہ کیا ہے کہ وہ حقیقت میں اسلامیت ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ وکلام اللہ دونوں عربی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ الحاد زدہ عربی قومیت کے داعی ہیں، وہ در اصل عربوں کے دشمن ہیں، جو عرب کے لاکھوں بہی خواہوں کی فہرست میں نہیں آتے۔

(المصنوع:۱۹۱،الأسرار المرفوعة:۲۴۵،کشف الخفاء:۲/٦٥)

۲۰ - حدیث: " لا تنظر إلى من قال ، وانظر إلى ما قال."

مشہور ہے کہ "لا تنظر إلى من قال ، وانظر إلى ما قال" (یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے؛ بل کہ یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔)

امام ابن السمعانی رحمہ اللہ کے حوالے سے امام سیوطی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ملفوظ ہے۔ حافظ سیوطی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ امیر المومنین حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ملفوظِ عالی ہے۔

(المصنوع: ۳۹۷، الدرر المنثورة:۱/۲۲،الفوائد الموضوعة:۱۱۳،جامع الأحاديث: ۳۴۵۳۸، كنز العمال:۴۴۲۱۸)

۲۱ - حدیث: "لَا صَلَاةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ"

"لَا صَلَاةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ."

(حضورِ قلب کے بغیر کوئی نماز، نماز نہیں۔)

یہ کلام حدیثِ رسول کی حیثیت سے عام وخاص میں بڑا ہی مشہور ہے؛ مگر تلاشِ بسیار اور سعیٔ بلیغ

کے بعد بھی حدیث کی کسی کتاب میں یہ کلام نہیں ملا۔ چناں چہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی قدس سرہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں رقم فرمایا ہے:

''اِن الفاظ کے ساتھ کتبِ حدیث میں کوئی حدیث نہیں ہے۔''

محدثِ عصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہ رقم فرماتے ہیں:

''هذا من حديث القصاص و الوعاظ، و لم أقف له على أصل بهذا اللفظ.''

حضرۃ الشیخ نے اِس کے بعد حافظ عراقی کے حوالے سے ایک ضعیف مرسل روایت اور امام دیلمی کے حوالے سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک ضعیف روایت نقل فرمائی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''لا يقبل اللّٰه من عبد عملًا حتى يشهدَ قلبُه مع بدنه.''

الغرض زیرِ بحث روایت بے اصل و بے سند ہے؛ مگر اس کا معنیٰ ضعیف روایت سے ثابت مانا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۸/۲۰۴، الیواقیت الغالیہ: ۲/۶۲)

۲۲ - حدیث: ''لا تكُنْ حُلْوًا فتُبْلَع ، وَ لا مُرًّا فتُلْفَظ.''

لَا تكُنْ حُلْوًا فَتُبْلَعَ ، وَ لَا مُرًّا فَتُلْفَظَ .''

(اتنے میٹھے نہ بنو کہ نگل لیے جاؤ اور نہ اتنے کڑوے کہ پھینک دیے جاؤ۔)

علامہ عجلونی اور علامہ عامری رحمہما اللہ لکھتے ہیں: ''هُوَ مِنْ حِكَمِ لُقْمَان.'' حضرت حکیم لقمان نے اپنے فرزند کو جو قیمتی نصیحتیں فرمائی تھیں، اُن ہی میں سے ایک یہ کلام بھی ہے۔

(كشف الخفاء: ۲/۴۵۹، الجد الحثيث: ۲۵۸)

۲۳ - حدیث: ''اَلْوَقْتُ كَالسَّيْفِ اِنْ لَمْ تَقْطَعْهُ قَطَعَكَ.''

'' اَلْوَقْتُ كَالسَّيْفِ اِنْ لَمْ تَقْطَعْهُ قَطَعَكَ.''

(وقت تلوار جیسا ہے، اگر تم اس کو نہیں کاٹو گے، تو وہ تم کو کاٹ دے گا۔)

علامہ عجلونی، اِس کے متعلق علامہ عامری رحمہما اللہ ہی کا قول نقل کر دیتے ہیں، چناں چہ علامہ

عامری "الجد الحثیث" میں فرماتے ہیں:

"لیس بحدیث، بل من کلام بعض الحکماء."

(یہ حدیث نہیں ہے؛ بل کہ کسی حکیم کا قول ہے۔)

(الجد الحثیث:٥٩٥، کشف الخفاء:٢/٤١٠)

٢٤ - حدیث: " اَلْوَلَدُ سِرُّ أَبِيْهِ "

" اَلْوَلَدُ سِرُّ أَبِيْهِ" (بیٹا اپنے باپ کا رازدار ہوا کرتا ہے۔)

یہ تو حدیثِ رسول کی حیثیت سے بے حد مشہور اور زبان زد جملہ ہے؛ مگر بہ لحاظِ تحقیق دیکھا جائے تو یہ حدیثِ نبی نہیں ہے؛ بل کہ تقریباً سبھی ائمۂ محققین نے اِس کے حدیثِ رسول ہونے کی تردید کی ہے۔ مثلاً: حافظ سخاوی اور علامہ عامری نے فرمایا: "لا أصل له"۔ امام صغانی نے فرمایا: "موضوع"۔ علامہ سیوطی نے فرمایا: "هو حديث لا أصل له، وقد لهج به العوام كثيرا." (یہ ایسی روایت ہے، جس کی کوئی اصل ہے ہی نہیں، بس عوام الناس بہت شوق وذوق سے سناتے ہیں۔)

امام طاہر پٹنی، علامہ شوکانی، علامہ عجلونی، علامہ صغانی، علامہ بیروتی اور علامہ امیر مالکی رحمہم اللہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ حدیثِ رسول نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة:١٢٦٨، اللآلي المنثورة:١/٢١١، الفوائد الموضوعة للكرمي:١٢٢، الفوائد المجموعة للشوكاني:٦٠، الدرر المنتثرة:١/٢٠، كشف الخفاء:٢٩١١، الجد الحثيث:٥٩٦، أسنى المطالب:١٦٥٨، تذكرة الموضوعات للفتني:١/٥٦، النخبة البهية:٤٠٧، الموضوعات للصغاني:٣٢)

٢٥ - حدیث: " مَنْ جَهِلَ شَيْئًا عَادَاهُ."

" مَنْ جَهِلَ شَيْئًا عَادَاهُ." (جو کسی بات سے جاہل ہو، وہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔)

اس مفہوم کی متعدد تعبیرات بھی مشہور ہیں، مثلاً: "الناسُ اعداءُ ما جهلوا" اور "المرأ عدو لما جهل" اور "العلم جهل عند أهل الجهل كما أن الجهل جهل عند أهل العلم" اور "المرء لا يزال عدوًا لما جهل".

حافظ سخاوی، ملا علی قاری، علامہ عامری اور علامہ عجلونی اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے ان میں کسی کو

بھی حدیثِ نبوی تسلیم نہیں کیا۔ البتہ ان کا معنی ومفہوم صحیح بھی ہے اور آیاتِ کریمہ سے مؤیدومؤکد بھی ہے اور وہ آیاتِ کریمہ یہ ہیں: ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ﴾ اور ﴿وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا إِفْكٌ قَدِيْمٌ﴾

(المقاصد الحسنة:۱۱۰۹،الأسرار المرفوعة:۴۸۲، المصنوع :۳۳۰، الجد الحثيث : ۵۰۱، ۵۶۶، أسنى المطالب:۱۳۸۵، كشف الخفاء:۲/۲۵۸،النخبة البهية:۳٤۸)

۲۶ - حدیث: "مَنْ نَصَحَ جَاهِلاً عَادَاهُ."

"مَنْ نَصَحَ جَاهِلاً عَادَاهُ ." (ناسمجھ کی خیر خواہی کرنے والا اُس کی نگاہ میں دشمن بن جاتا ہے۔)

حافظ سخاوی فرماتے ہیں: "لا أستحضره" (یہ حدیث میرے ذہن میں نہیں ہے۔) ملا علی قاری فرماتے ہیں: کسی بزرگ کا کلام ہے اور حدیث کی کسی بھی کتاب میں کہیں نہیں ہے۔ امام طاہر پٹنی، علامہ عجلونی، علامہ عامری اور علامہ شوکانی ودیگر محدثین رحمہم اللہ کی تحقیق ورائے بھی وہی ہے، جو اِن دونوں محدثین کی ہے۔

(المقاصد الحسنة :۱۱۸۹، الأسرار المرفوعة :۵۳۱، المصنوع:۳٦۷، تذكرة الموضوعات : ۲۷/۱ ، كشف الخفاء:۲/۳۳۲،النخبة البهية: ۳۸۵، الفوائد للشوكاني : ٦٦،الجد الحثيث: ۵٤٦، أسنى المطالب:۱۵۱۵)

۲۷ - حدیث: " مَنْ لَمْ يُصْلِحْهُ الْخَيْرُ يُصْلِحْهُ الشَّرُّ ."

"مَنْ لَمْ يُصْلِحْهُ الْخَيْرُ يُصْلِحْهُ الشَّرُّ."

(جو خیر واچھائی سے درست نہیں ہوتا؛ اس کو شر وبرائی درست کردیتی ہے۔) اردو زبان کا محاورہ: "لاتوں کے بھوت، باتوں سے نہیں مانتے۔" اسی کی ترجمانی کرتا ہے۔

حافظ سخاوی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ رقم طراز ہیں: "هو من كلام بعض السلف" (یہ کسی بزرگ کا کلام ہے۔) علامہ عامری اور علامہ عجلونی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: "من كلام بعض السلف و ليس بحديث." (یہ کسی بزرگ کا کلام ہے، حدیثِ نبوی نہیں ہے۔)

دیگر محدثین کی تحقیق بھی یہی ہے؛ لہٰذا یہ حدیثِ رسول نہیں؛ بل کہ کسی بزرگ کا قول اور عربی محاورہ ہے۔

(المقاصد الحسنة: ١١٨٠،الأسرارالمرفوعة:٥٢٧،المصنوع:٣٦٥،تذكرة الموضوعات للفتني: ١/٥٠،كشف الخفاء:٢٦١٥،النخبة البهية:٣٨٢،الفوائد المجموعة للشوكاني: ٦٣، الجد الحثيث: ٥٣٩)

۲۸ - حدیث: "مِنْ عَلَامَةِ السَّاعَةِ التَّدَافُعُ عَنِ الْإِمَامَةِ"

"مِنْ عَلَامَةِ السَّاعَةِ التَّدَافُعُ عَنِ الْإِمَامَةِ."

(قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ لوگ امامت کے سلسلے میں دست وگریباں رہیں گے۔)

علامہ عامری لکھتے ہیں:"قال السخاوي: معناه ثابت." (حافظ سخاوی نے فرمایا: اِس کلام کا معنی ثابت ہے۔) شیخ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث نہیں ہے؛ مگر اس کا معنی صحیح ہے اور یہ معنی ایک حدیث سے ثابت بھی ہے۔

چناں چہ امام احمد، امام ابوداود و امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت سلامہ بنت الْحُرْ سے مرفوعاً روایت کی ہے:

"اِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَدَافَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ ، لَا يَجِدُوْنَ إِمَامًا يُصَلِّيْ بِهِمْ."

(قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مسجد کے ذمے دار لڑائی وجھگڑے کرتے رہیں گے، جس کی وجہ سے اِن کو ایسا امام بھی نصیب نہیں ہوگا، جو ان کو نماز پڑھا سکے۔)

(مسند أحمد: ٢٧١٣٨، سنن أبي داود: ٥٨١، سنن البيهقي: ٥٥٥٣، الأسرار المرفوعة: ٥٣٦، المصنوع: ٣٧١،الجد الحثيث:٥٥٣)

جب معلوم ہوا کہ حدیث لفظاً موضوع ہے؛ مگر معنی صحیح وثابت ہے، تو بیان کرنے والوں کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی جانب وہی الفاظ وتعبیرات منسوب کریں، جو حدیث کی مستند ومعتمد کتابوں میں محدثین سے صحیح وثابت ہیں۔

۲۹ - حدیث: "اَلْحَبِیْبُ لَا یُعَذِّبُ حَبِیْبَهُ."

"اَلْحَبِیْبُ لَا یُعَذِّبُ حَبِیْبَهُ." (دوست اپنے دوست کو عذاب وتکلیف میں مبتلا نہیں کرتا۔)

حافظ سخاوی، ملاعلی قاری، علامہ عامری، علامہ عجلونی، علامہ بیروتی اور علامہ امیر مالکی رحمہم اللہ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ یہ الفاظ نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔

لیکن علامہ عامری نے ایک صحیح حدیث نقل فرمائی ہے، جس سے کہ یہ معنی ومفہوم ثابت ہوتا ہے، چناں چہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بچہ راستے کے بیچوں بیچ تھا، جب آپ ﷺ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ اس راستے پر گزرنے والے تھے، تو اس بچے کی ماں نے دیکھا، تو اسے ڈر لگا کہ کہیں بچہ پیروں میں نہ آجائے، وہ ماں دوڑتی ہوئی آئی اور یہ کہتے ہوئے اپنے بچے کو گود میں اٹھالیا: میرا بچہ، میرا بچہ؛ حضراتِ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ ماں تو اس بات کے لیے تیار ہی نہیں ہوگی کہ اس کا بچہ آگ میں پڑجائے، آپ ﷺ نے فرمایا: "لَا ، وَ اللّٰهِ لَا یُلْقِيْ اللّٰهُ حَبِیْبَهُ فِيْ النَّارِ." (خدا کی قسم! اللہ بھی اپنے دوست کو آگ میں ہرگز نہیں ڈالیں گے۔)

امام حاکم، امام ذہبی، حافظ ہیثمی اور حافظ ضیاء مقدسی رحمہم اللہ نے اس حدیث کو "**صحیح علی شرط الشیخین**" قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ زیرِ کلام روایت لفظاً غیر ثابت اور معنیً ثابت ہے؛ اس لیے بیان کرنے والوں کو چاہیے کہ آپ ﷺ کی جانب ان ہی الفاظ کو منسوب کریں، جو محدثین سے ثابت ومنقول ہیں۔

(المقاصد الحسنة:۳۸۳،المصنوع:۱۰۷، اللؤ لؤ المرصوع:۱۶۹،الجد الحثيث:۱۲٤، أسنى المطالب :۵۷۲، كشف الخفاء:۱۰۹٦،النخبة البهية:١٠٤،مسند أحمد :۱۳٤۹۲، المستدرك للحاكم: ۷۳٤۷،الأحاديث المختارة: ۱۹۹۳، شعب الإيمان للبيهقي:۷۱۳۳)

۳۰ - حدیث: "اَلْعِلْمُ عِلْمَان : عِلْمُ الْأَدْیَان ، وَ عِلْمُ الْأَبْدَان."

"اَلْعِلْمُ عِلْمَان : عِلْمُ الْأَدْیَان ، وَ عِلْمُ الْأَبْدَان." (علم تو بس دو ہی ہیں: ایک ادیان کا علم اور ایک ابدان کا علم۔)

یہ کلام تو حدیثِ رسول نہیں ہے اور نہ یہ الفاظ آپ ﷺ سے ثابت ہیں اور نہ علم کی یہ تقسیم آپ ﷺ سے ثابت ہے، چناں چہ حافظ عسقلانی، علامہ صغانی، علامہ طاہر پٹنی، علامہ طیبی، ملاعلی قاری،

علامہ عجلونی، علامہ شوکانی ودیگر محدثین رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے اور علامہ سیوطی نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

(كشف الخفاء:١٧٦٥،الفوائد المجموعة:٣١، المصنوع: ١٩٧، الأسرار المرفوعة:١٠٣، الموضوعات للصغاني:٣٨،تذكرة الموضوعات: ١/١٨)

۳۱ - حدیث: أَبَى اللهُ أَنْ يَصِحَّ إِلَّا كِتَابُهُ

” أَبَى اللّٰهُ أَنْ يَصِحَّ إِلَّا كِتَابُهُ“ اور” أَبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يَصِحَّ كِتَابُهُ“

ان دو تعبیرات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کو یہ منظور نہیں کہ اس کے کلام کے سوا کوئی دوسرا کلام خطاو کمی سے صحیح سالم رہے۔

حضراتِ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث رسول نہیں اور نبیٔ اکرم ﷺ سے ثابت نہیں، چناں چہ حافظ سخاوی، حافظ طاہر پٹنی، ملا علی قاری، علامہ شوکانی، علامہ عجلونی، علامہ عامری، علامہ امیر مالکی؛ ان سب حضرات نے تصریح کی ہے یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة: ١٥ ، تذكرة الموضوعات :١/٣٤،الأسرار المرفوعة:٥،الفوائد المجموعة: ٢٧، المصنوع:١٢، كشف الخفاء:٥٩،النخبة البهية:٢، اللؤ لؤ المرصوع: ٥، الجد الحثيث:٤)

۳۲ - حدیث: ”ضَاعَ الْعِلْمُ فِيْ أَفْخَاذِ النِّسَاءِ“

”ضَاعَ الْعِلْمُ فِيْ أَفْخَاذِ النِّسَاءِ.“(علم عورتوں کی رانوں کے بیچ برباد ہوگیا۔)

یہی بات: ”ضاع العلم بين أفخاذ النساء“اور”ذُبِحَ العلم بين أفخاذ النساء“ تعبیرات سے بھی منقول ہے۔

مگر جملہ محدثین جیسے سخاوی، صغانی، طاہر پٹنی، ملا علی قاری عجلونی، عامری وغیرہم رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے؛ بل کہ کسی بزرگ کا ملفوظ ہے۔

(المقاصد الحسنة:٦٤٠،تذكرة الموضوعات :١/١٩،كشف الخفاء: ١٦٣٦، النخبة البهية: ١٧٣، المصنوع:١٨١، الأسرار المرفوعة:٢٧١،الجد الحثيث:٢٣٩،أسنى المطالب:٨٤٤)

۳۳ - حدیث: حُبُّ الْهِرَّةِ مِنَ الْإِيْمَان

"حُبُّ الْهِرَّةِ مِنَ الإِيْمَان." (بلی سے محبت کرنا ایمان کی پہچان ہے۔)

راقم نے خود بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ: یہ مذکور بات نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی تھی، جو کہ صحابہ میں بلیاں پالنے میں مشہور تھے۔ تب سے ہم کو بھی بلیوں سے محبت ہوگئی اور ہم بھی اِسی لیے پالتے ہیں۔

مگر حضراتِ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ ایک خودساختہ اور من گھڑت روایت ہے۔ چناں چہ امام صغانی، ملا علی قاری، طاہر پٹنی، عجلونی، بیروتی، قاوقجی؛ ان سبھی نے اس کو موضوع شمار کیا ہے؛ لہٰذا ایسی حدیثوں کو بیان کرنا اور اِس فضیلت کو صحیح وثابت مان کر اُس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

(الموضوعات للصغاني:۸۳،تذكرة الموضوعات :۸/۱، المصنوع:۱۰۵ ،الأسرار المرفوعة: ۱٦٥، كشف الخفاء: ۱۱۰٤،أسنى المطالب: ٥٥٢،اللؤلؤ المرصوع :۱۷۱)

۳٤ - حدیث: "حب الوطن من الإيمان."

علما وعوام میں بے حد مشہور ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيْمَانِ" (وطن کی محبت ایمان میں سے ہے۔)

تحقیق

لیکن علمِ حدیث کے ماہرین اور محقق محدثین کے نزدیک یہ موضوع ومن گھڑت روایت ہے، نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ چناں چہ

علامہ بیروتی "أسنى المطالب" میں لکھتے ہیں: "حديث موضوع" اور "المصنوع" میں لکھتے ہیں کہ "لا أصل له عند الحفاظ"۔ حافظ سخاوی "المقاصد" میں، علامہ طاہر پٹنی "تذكرة الموضوعات" میں، علامہ زرکشی "الدرر المنثورة" میں لکھتے ہیں: "لم أقف عليه ومعناه صحيح"، علامہ عامری "الجد الحثيث" میں فرماتے ہیں کہ "ليس بحديث"، ملا علی قاری "مرقاة المفاتيح" میں لکھتے ہیں: "و أما حديث "حب الوطن من الإيمان" فموضوع، و إن كان معناه صحيحاً لا سيما إذا حمل على أن المراد بالوطن الجنة ."

حضراتِ محدثین کی تصریحات سے عیاں ہوگیا کہ اس حدیث کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔

اِس کے علاوہ کوئی دوسری روایت ایسی نہیں، جس سے اِس حدیث کا معنی ومفہوم ثابت ہو؛ مگر ہاں اِس موقع پر محدثین نے ''معناہ صحیح'' جو کہا ہے، اس کی توجیہات وتاویلات میں متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

(۱) ملا علی قاری رحمہ اللہ کا قول ''المرقاۃ'' کے حوالے سے گزرا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ''حب الوطن'' میں وطن سے مراد جنت کو لیا جائے، تو مطلب یہ کہ جنت سے محبت کا ہونا، ایمان کی پہچان ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی بالکل صحیح و درست ہے۔

(۲) علامہ عجلونی رحمہ اللہ ''کشف الخفاء :۱/۳۸۹'' میں ایک رائے یہ لکھتے ہیں کہ وطن سے مراد مکۂ مکرمہ کو لیا جائے۔ یہ تاویل بھی صحیح و درست ہے؛ اور کون صاحبِ ایمان ہے، جس کے دل میں قبلۂ اول کی محبت نہ ہوگی، مکہ مکرمہ سے محبت واقعی ایمان کی پہچان ہے۔

(۳) بہ قول علامہ عجلونی اگر متعارف وطن مراد لیا جائے، تو یہ معنی اُس وقت صحیح ہے، جب اُس محبت کا سبب رشتہ داروں کی صلہ رحمی، یتیموں اور غریبوں کے ساتھ حسن سلوک ہو۔

الغرض اولاً تو یہ محدثین کے اصول کے مطابق حدیث نہیں ہے؛ لہٰذا اس کو حدیث کہنا صحیح نہیں، ہاں! فی نفسہٖ یہ بات کہ ''وطن کی محبت ایمان ہے'' ایسی تاویل کے بعد صحیح و درست ہے، جو تاویلِ شرعی اصول واحکام کے موافق اور معقول ہو۔

ملاحظہ: محدثین کے برخلاف امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح حدیث قرار دیا ہے، چنانچہ آپ کا یہ قول (مکتوبات امام ربانی مترجم، ۱/۳۷۳، مکتوب: ۱۵۵) میں لکھا ہوا ہے۔

مگر ایک تو حضرت نے اس کی تصحیح کی وجہ کہیں بیان نہیں فرمائی۔ دوسرے ماقبل میں فن حدیث کے متخصصین و ماہرین کی تحقیق جو مذکور ہوئی اس کے خلاف ہے۔ لہذا ایسی صورت میں جبکہ متخصصین موضوع ہونے کی تصریح کریں اور ان کی تصریحات وتحقیقات کے خلاف بات کا ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو تو اعتبار محدثین متخصصین ہی کا ہوگا، اور دوسرے صاحب فن کی بات قابل قبول نہ ہوگی، لہذا یہاں بھی یہی حکم ہوگا۔ یہی اصول وضابطہ ہے، اور خود حضرت امام ربانی نے بھی اسی اصول کو بیان فرما کر بعض غیر متخصص کی بات کو رد فرمایا ہے، چناں چہ آپ ایک مکتوب میں ایک فقہی مسئلے میں صوفیا اور فقہا کے اختلاف کی صورت کے متعلق اصول تحریر فرماتے ہیں:

''صوفیہ کا عمل حل وحرمت میں سند نہیں ہے، صرف یہی کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اوران کو ملامت نہ کریں اوران کا امر، اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں؛ یہاں تو امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے؛ نہ ابوبکر شبلی اور نہ ابوحسن نوری کا عمل۔''

لہٰذا جب علمِ فقہ میں فقہا کا، علم تصوف میں صوفیا کا اعتبار ہوگا؛ تو علم حدیث میں محدثین متخصصین وماہرین ہی کا اعتبار ہوگا، دیگر حضرات کا نہیں۔

(تذکرة الموضوعات:۱۱، أسنى المطالب : ۱۲۳، المصنوع:۹۱، الموضوعات:۵۳، مرقاة المفاتيح: ۳۱۶/۵، مکتوبات ربانی، دفتر اول، مکتوب/۲۶۶، ص:۶۷۶)

۳۵ - حدیث: ''سِيَاسَةُ النَّاسِ أَشَدُّ مِنْ سِيَاسَةِ الدَّوَابِّ.''

''سِيَاسَةُ النَّاسِ أَشَدُّ مِنْ سِيَاسَةِ الدَّوَابِّ.''

(انسانوں کی سیاست جانوروں کی سیاست سے زیادہ خطرناک ہے۔)

یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی حدیثِ پاک نہیں ہے؛ بل کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا حکیمانہ ملفوظ ہے، چناں چہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ''**الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع**'' میں اور حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ''**تهذيب الأسماء واللغات**'' میں اس کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے زریں ارشادات میں شمار کیا ہے اوران حضرات ائمہ کے علاوہ، ملا علی قاری، علامہ عجلونیؒ، محمد بن درویش بیروتیؒ اور قاوقجیؒ نے بھی یہی نقل کیا ہے؛ لہٰذا یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔

(الجامع لأخلاق الراوي:۷۹۳، تهذيب الأسماء واللغات للنووي :۷۹/۱، كشف الخفاء : ۱۵۲۱/۱، الأسرار المرفوعة : ۲۳۷، أسنى المطالب: ۷۵۸، اللؤ لؤ المرصوع:۲۵۹)

۳۶ - حدیث: ''إِنْ كَانَ الْكَلَامُ مِنْ فِضَّةٍ ، فَالصَّمْتُ مِنْ ذَهَبٍ''

''إِنْ كَانَ الْكَلَامُ مِنْ فِضَّةٍ ، فَالصَّمْتُ مِنْ ذَهَبٍ.''

(اگر زبان کھولنا چاندی ہے، تو زبان بند رکھنا سونا ہے۔)

اس کے متعلق حافظ سخاوی، ملا علی قاری، علامہ عامری، علامہ عجلونی رحمہم اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ کلام نبی اکرم ﷺ کی حدیث نہیں ہے اور اس کا حدیثِ نبوی ہونا نہ لفظاً ثابت ہے، نہ معنیً؛ بل کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام یا حضرت حکیم لقمان رحمہ اللہ کے ملفوظات میں سے ہے۔

نیز اِس کلام میں گویائی وخاموشی کا موازنہ کر کے، گویائی کو چاندی کی طرح کم قیمت والی اور خاموشی کو سونے کی طرح زیادہ قیمت والی جو کہا گیا ہے، اُس کا مطلب امیر المحدثین امام ابن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا:

"لو كان الكلام بطاعة الله من فضة، فإن الصمت عن معصية الله من ذهب."

(طاعتِ الٰہیہ میں کلام کرنا چاندی کی طرح قیمتی ہے، تو خدا کی نافرمانی سے اپنی زبان کو محفوظ رکھنا سونے کی طرح قیمتی ہے۔)

(تمييز الطيب:٤٩، المقاصد الحسنة:٢٦٣، الجد الحثيث :٨٠، كشف الخفاء :٨٠٠، المصنوع : ٤٤، الأسرار المرفوعة: ١٠٤، تحذير المسلمين:٨٩)

۳۷ - حدیث: "إِنَّ مِنَ الْعِصْمَةِ أَنْ لَا تَقْدِرَ."

"إِنَّ مِنَ الْعِصْمَةِ أَنْ لَا تَقْدِرَ." ([غلط اور برا] کرنے پر تیرا قادر نہ ہونا بھی محفوظ ومعصوم ہونے کی ایک علامت ہے۔)

معمولی سے فرق کے ساتھ اس کی ہم معنی دوسری تعبیرات بھی منقول ہیں، مثلاً: **"إِنَّ مِنَ الْعِصْمَةِ أَنْ تَطْلُبَ الشَّيْءَ فَلَا تَجِدُهُ"، "إِنَّ مِنَ الْعِصْمَةِ أَنْ تَطْلُبَ الشَّيْءَ مِنَ الدُّنْيَا فَلَا تَجِدُهُ"، "إِنَّ مِنَ الْعِصْمَةِ أَنْ لَا تَجِدَ".**

امام زرکشیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ عامریؒ، علامہ عجلونیؒ، علامہ امیر مالکیؒ، اِن حضراتِ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ مذکورہ بالا زریں اقوال حضرت عون بن عبداللہ، حضرت امام شافعی رحمہما اللہ ودیگر صلحا کے ملفوظات ہیں، نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ نہیں ہیں۔

اِن سب تعبیرات وملفوظات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے یا اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والے اعمال سے محفوظ رہنے کو جیسے ایک عظیم نعمت سمجھا جاتا ہے، اسی طرح گناہوں کا موقع

اور وقت کا نہ ملنا بھی ایک عظیم نعمت ہے۔یعنی اعمال بد سے اختیاراً بچنا، جس طرح ایک عظیم نعمت ہے، اسی طرح اضطراراً ایسے اعمال سے بچالیا جانا بھی ایک عظیم نعمت ہے۔

(المصنوع:٦٨،کشف الخفاء:١٧٩١،اللؤلؤ المرصوع:١١٦،الجد الحثيث:٧٤، الدرر المنثورة: ٧، النخبة البهية: ٦٠،تحذير المسلمين: ٩٠)

۳۸ - حدیث: ''أَلْسِنَةُ الْخَلْقِ أَقْلامُ الْحقِّ.''

''أَلْسِنَةُ الْخَلْقِ أَقْلامُ الْحَقِّ.'' (مخلوق کی زبانیں خدا کے قلم ہوتے ہیں۔)

اردو زبان کا محاورہ ''زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!'' اسی کا ہم معنی ہے۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''**لا أصل له ، نعم هو من كلام بعض الصوفية.**'' (اس کی کوئی سند نہیں ہے، ہاں بعض صوفیا کا کلام ہے۔)

ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ بیروتی ودیگر محدثین نے حافظ سخاوی کی تحقیق نقل کر کے اُس سے اتفاق کیا ہے۔البتہ محدث نجم الدین عامری رحمہ اللہ نے ''طبرانی'' کی ایک ضعیف روایت لکھی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے دجال کا ذکر کیا گیا، تو حضرت نے فرمایا:

''لا تُكْثِرُوا ذِكْرَه ، فإنَّ الأمرَ إذا قُضِيَ في السماء كان أسرعَ مِنْ نزولِه إلى الأرض أن يَطيرعلى ألسنة الناس.''

(اس کا ذکر زیادہ مت کیا کرو؛ کیوں کہ جب آسمان میں کسی بات کا فیصلہ کردیا جاتا ہے، تو نیچے دنیا میں واقع ہونے سے پہلے لوگوں کی زبانوں پر پھیل جاتی ہے۔)

مگر ایک تو یہ روایت سنداً ضعیف ہے؛ اس لیے کہ اس میں ایک مشہور ضعیف راوی: مسعودی ہے۔ دوسرے ''**مسند أحمد**'' کی ایک ضعیف مرفوع روایت کے خلاف ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لا يخرجُ الدَّجّال حتى يذهل الناسُ عن ذِكْرِهِ ، وحتى تترك الأئمةُ ذكرَه على المنابر.''

(دجال کا خروج اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک کہ لوگ اس کے ذکر سے غافل نہ ہوجائیں اور جب تک کہ ائمہ وخطبا منبر ومحراب پر اس کا ذکر ترک نہ کردیں۔)

اگر چہ روایتوں کا یہ تعارض دور دراز کی تاویلات سے رفع دفع کیا جاسکتا ہے؛ مگر چوں کہ حدیثِ ابن مسعود موقوف بھی ہے، ضعیف بھی ہے اور اس کے ساتھ ایک مرفوع روایت کے معارض ہے؛ اس

لیے غالباً محدثین نے روایتِ ابن مسعود کا ذکر نہیں کیا اور زیرِ بحث حدیث کو نہ لفظاً ثابت مانا اور نہ معنیً۔ **واللہ اعلم!!**(المقاصد الحسنة:١٦٤، كشف الخفاء:٥٣٢،الأسرار المرفوعة:٦٠،المصنوع:٣٦،تمييز الطيب:٢٣،أسنى المطالب:٢٦٦، اللؤلؤ المرصوع: ٦٩،الجد الحثيث:٣٩، النخبة البهية:٣٦، تحذير المسلمين:٢٩،المعجم الكبير للطبراني:٨٥١٠،مجمع الزوائد:١٢٥٥٤،مسند أحمد: ١٦٦٦٧)

۳۹ - حدیث: "اَلدُّنْیَا ضَرَّةُ الْآخِرَةِ."

"اَلدُّنْیَا ضَرَّةُ الْآخِرَةِ." (یہ دنیا آخرت کی سوکن ہے۔)

اس روایت کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ عامری اور علامہ عجلونی رحمہما اللہ تحریر فرماتے ہیں:

" ليس في المرفوع بهذا اللفظ."

(ان الفاظ کے ساتھ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے۔)

البتہ اس کا معنی و مفہوم ایک حدیث سے ثابت ہے، جس کو امام احمد، ابن حبان، حاکم و دیگر محدثین رحمہم اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے، چناں چہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهِ ، وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ ، فَآثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى."

(جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرتا ہے، وہ اپنی آخرت کو گھاٹے میں ڈال دیتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے، وہ اپنی دنیا کو نقصان میں ڈال دیتا ہے؛ اسی لیے تم باقی رہنے والی زندگی کو فنا ہونے والی زندگی پر مقدم رکھو۔)

لہٰذا واضح رہے کہ زیرِ کلام جملے کے الفاظ نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں؛ مگر اُس کا معنی و مفہوم دوسرے الفاظ سے صحیح و ثابت ہے۔

(الجد الحثيث:١٦٨، كشف الخفاء:١٣٠٩،سلسلة الأحاديث الضعيفة:٣٣، مجمع الزوائد: ١٧٨٢٨ ، مستدرك الحاكم : ٧٨٥٣ ، المعجم الكبير للطبراني : ٨٧٥٧ ، سنن البيهقي : ٦٧٥١، صحيح ابن حبان:٧٠٩،مسند أحمد:١٩٧١٢)

٤٠ - حدیث: " اَلظُّلْمُ كَمِيْنٌ فِي النَّفْسِ "

"اَلظُّلْمُ كَمِيْنٌ فِي النَّفْسِ، اَلْعِجْزُ يُخْفِيْهِ، وَالْقُوَّةُ تُبْدِيْهِ." (ظلم دل میں مستور ہوتا ہے، بے بسی ولاچاری کے موقع پر اندر ہی اندر رہتا ہے اور طاقت وزور کے موقع پر ظاہر ہوتا ہے۔)

حافظ سخاوی، علامہ مناوی، علامہ عامری اور علامہ عجلونی ودیگر حضراتِ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لفظاً ثابت نہیں، معنیً ثابت ہے۔ یعنی مذکورہ کلام بایں الفاظ حدیثِ رسول ﷺ نہیں ہے؛ لیکن اس کا معنی ومفہوم دیگر احادیث سے ثابت ہے، جیسے امام ابن لال رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ "اَلْجَبْرُوْتُ فِي الْقَلْبِ" (آپ ﷺ نے فرمایا: ظلم وزیادتی دل میں چھپی پڑی ہوتی ہے۔)

اسی طرح اسی کے ہم معنی وہ روایت بھی ہے، جو امام احمد بن منیع اور امام حارث بن ابو اسامہ نے اپنے مسانید میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کی ہے کہ "اِنَّ الرَّجُلَ لَيُكْتَبُ جَبَّارًا، وَ مَا يَمْلِكُ اِلَّا أَهْلَ بَيْتِهِ" (آدمی جابر وظالم قرار دیا جاتا ہے، حالاں کہ وہ اپنے گھر والوں کا مالک ہوتا ہے۔) مطلب یہ کہ آدمی کے پاس سوائے اس کے گھر والوں کے کوئی دوسرا نہیں ہوتا؛ اس لیے وہ اپنے گھر والوں پر ظلم ڈھاتا رہتا ہے اور اس طرح ظالموں وجابروں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں حدیثیں اگر چہ کہ ضعیف ہیں، تاہم ایک دوسرے کے شاہد ہونے کی وجہ سے قابل قبول ولائق اعتبار ہیں؛ لہٰذا زیرِ بحث حدیث کا معنی اِن احادیث سے ثابت ہے؛ اس لیے اِس کو بہ لحاظِ الفاظ غیر ثابت اور بہ لحاظِ معنی ثابت کہیں گے۔

(مسند الحارث :٨٣٩، المعجم الأوسط :٢٣٢/٦، جامع الأحاديث :٦٣١٩، مجمع الزوائد :١٢٦٨٧، المقاصد الحسنة:٣٦٤، كشف الخفاء: ١٠٦٢، الجد الحثيث:٢٦٠، فيض القدير: ٣٦١٣، النخبة البهية:١٨٣، تحذير المسلمين:١٠٤)

٤١ - حدیث: "مَنْ لَانَتْ كَلِمَتُهُ وَجَبَتْ مَحَبَّتُهُ."

"مَنْ لَانَتْ كَلِمَتُهُ وَجَبَتْ مَحَبَّتُهُ." (جس کی زبان میں نرمی ہوتی ہے، اس سے محبت ہو ہی جاتی ہے۔)

امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ "الفقیہ والمتفقہ" میں لکھتے ہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا

ارشادِ گرامی ہے اور اپنی دوسری کتاب: ''الجامع لأخلاق الراوي'' میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک تجربہ کار دیہاتی کا مقولہ ہے۔

حافظ سخاوی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ طاہر پٹنی، علامہ عامری نے امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کر کے اس سے مکمل اتفاق کیا ہے اور اس جملے کی تحقیق کرتے ہوئے ان حضرات میں سے کسی نے بھی ایسی کوئی دوسری روایت ذکر نہیں فرمائی، جو اِس معنی ومفہوم پر دلالت کرنے والی ہو۔اس سے بہ ظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک، جس طرح اس جملے کے الفاظ وکلمات نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، اسی طرح اس کا معنی ومفہوم بھی ثابت نہیں ہے۔

راقم کہتا ہے: اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ ''نرم گوئی کی عادت رکھنے والا محبوب ہوجاتا ہے''، یہ مفہوم ومعنی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ معتبرہ سے صحیح وثابت ہے۔ چناں چہ امام احمد رحمہ اللہ نے ''مسند'' میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے درجِ ذیل الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''إن فِي الجنَّة غرفةً يرٰى ظاهرُها من باطِنِها ، و باطنُها من ظاهِرِها . فقال أبو موسٰى الأشعري: لِمَنْ هي يا رسولَ الله ! قال: لِمَنْ ألانَ الْكلامَ ، وأطعمَ الطعامَ ، و باتَ لِلّٰه قائماً و الناسُ نِيَام.''

(بے شک جنت ایک ایسا عظیم کمرہ ہے، جس کا اندرونی حصہ بیرون سے اور بیرونی حصہ اندرون سے دکھائی دیتا ہے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کس کے لیے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس کے لیے جو گفتگو میں نرمی اپناتا ہے، کھانا کھلاتا ہے اور جب سارے لوگ سوئے پڑے ہوتے ہیں، تب اللہ کے لیے نماز پڑھتے رات گزارتا ہے۔)

یہی روایت امام حاکم نے ''المستدرک'' میں بھی نقل فرمائی ہے اور امام ترمذی نے ''السنن'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ابن حبان نے ''صحیح'' میں، امام بیہقی نے ''شعب الإیمان'' میں حضرت ابو مالک اشعری سے، اسی معنی ومفہوم کی روایت تھوڑے سے الفاظ کے فرق کے ساتھ نقل فرمائی ہے؛ مگر ہر ایک روایت سنداً ضعیف ہے؛ لیکن تعددِ ضعاف کی بنا پر اور ایک دوسرے کی شاہد ہونے کی وجہ سے اِس حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا جائے گا، جیسا کہ محدث شعیب ارناؤوط نے بھی ''مسند أحمد'' کی تحقیق وتعلیق میں یہی بات بیان کی ہے۔

الغرض ''لانتَ كَلِمَتُہٗ'' اور ''اَلانَ الْكَلامَ'' کا اتحادِ مفہوم اظہر من الشمس ہے، اور ''وَجَبتْ مَحَبَّتُہٗ'' کا معنی حدیث کے اس جملے: ''إن في الجنّة غرفةً يرى ظاهرُها من باطِنِها ، و باطنُها من ظاهِرِها'' سے بطریقِ دلالۃ النص یا بطریق اقتضاء النص ظاہر ہے۔

(الفقيه و المتفقه:٨٩٨،الجامع لأخلاق الراوي:٨١٥،المصنوع:٣٦١،كشف الخفاء:٢٦٤٨، أسنى المطالب:١٥٢١، المقاصد الحسنة : ١٩٩٥، النخبة البهية:٣٨٦،تذكرة الموضوعات :٦١،الجد الحثيث:٥٣٥،مسند أحمد:٦٦١٥، المستدرك للحاكم:٢٧١،سنن الترمذي:١٩٨٤، شعب الإيمان: ٣٠٩٠،مجمع الزوائد:٣٥٣٣)

٤٢ - حدیث: ''كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ.''

''كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ أَهْلٍ أَوْ مَالٍ ، أَوْ وَلَدٍ ؛ فَهُوَ عَلَيْكَ مَشْئُوْمٌ.''

(گھر والے ہوں، مال و دولت ہو یا اولاد؛ جو چیز بھی تم کو اللہ عزوجل سے غافل ولاپروا بنادے، وہ تمھارے حق میں باعثِ نحوست ولعنت ہے۔)

امام ابونعیم رحمہ اللہ نے ''حلية الأولياء'' اور امام ابن رجب رحمہ اللہ نے ''جامع العلوم والحكم'' میں رقم فرمایا ہے کہ مشہور ومعروف محدث اور جلیل القدر صوفی حضرت امام ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنِ اللهِ مِنْ أَهْلٍ أَوْ مَالٍ ، أَوْ وَلَدٍ فَهُوَ عَلَيْكَ مَشْئُوْمٌ.''

اور علامہ اسماعیل بن محمد عجلونی رحمہ اللہ ''كشف الخفاء'' میں لکھتے ہیں کہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بھی ''صفة الصفوة'' میں اس کو امام دارانی کے ملفوظات میں ذکر فرمایا ہے اور علامہ احمد بن عبدالکریم غزی عامری رحمہ اللہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ یہ امام دارانی کا ملفوظ ہے، نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارک نہیں ہے۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ ''فيض القدير'' میں اس کلام کو ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: ''كما قال بعض السلف.''

بہ ہر حال اس سے واضح ہو گیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی نہیں ہے؛ بل کہ یہ امام ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے؛ لہٰذا اس کو حدیثِ نبی کہہ کر بیان کرنا درست نہیں ہے۔

(حلية الأولياء:٩/٢٦٤،جامع العلوم والحكم:٣١،الجدالحثيث:٣٥٣، كشف الخفاء:٢٠٠١، فيض القدير:٢/٣٢٧)

٤٣ - حدیث: ''لَوْ وُزِنَ خَوْفُ الْمُؤْمِنِ ، وَ رَجَاؤُهُ لَاعْتَدَلَا.''

بہت مشہور ہے کہ ''لَوْ وُزِنَ خَوْفُ الْمُؤْمِنِ ، وَ رَجَاؤُهُ لَاعْتَدَلَا.'' (مومن کے خوف اور امید کو، اگر وزن کیا جاوے؛ تو دونوں برابر رہیں گے۔)

امام ابن تیمیہ اور حافظ زرکشی رحمہما اللہ لکھتے ہیں: ''هٰذَا مَأْثُوْرٌ عَنْ بَعْضِ السَّلَفِ، وَهُوَ كَلَامٌ صَحِيْحٌ.'' (یہ بعض سلف سے منقول ہے اور یہ درست وصحیح کلام ہے۔)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''لا أصل له في المرفوع، و إنما يُؤثرعن بعض السلف.'' (ارشادِ نبوی ہونے کے حوالے سے اس کی کوئی اصل نہیں، یہ تو بعض بزرگوں کا ارشاد ہے۔)

علامہ طاہر پٹنی، علامہ سیوطی، ملا علی قاری، علامہ عامری، علامہ عجلونی، علامہ بیروتی اور دیگر محدثینِ عظام رحمہم اللہ؛ سبھی یہی تحریر کرتے ہیں کہ یہ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد نہیں ہے؛ بل کہ بعض سلفِ صالحین کا ملفوظ اور قولِ زریں ہے۔ چناں چہ ''المقاصد الحسنة'' میں حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے چند بزرگوں سے یہ کلام نقل کیا ہے، مثلاً:

حضرت مطرف رحمہ اللہ سے منقول ہے:

''لو وُزن خوف المؤمن ورجاءه ما رجح أحدهما على صاحبه.''

اسی طرح یہ بھی نقل کیا گیا ہے:

''لو وُزن خوف المؤمن ورجاءه بميزان ما كان بينهما خيط شعيرة.''

امام شعبہ رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے:

''لو وُزن خوف المؤمن ورجاءه ما زاد خوفه على رجاءه ، ولا رجاءه على خوفه.''

حافظ سیوطی کے بہ قول یہ کلام حضرت ثابت البنانی رحمہما اللہ سے منقول ہے، جس کے الفاظ ہیں:

''لو وُزن خوف المؤمن ، و رجاءه كانا سواء.''

الغرض یہ کلام، حدیثِ پاک نہیں ہے۔ تاہم اس کا معنی ومفہوم بالکل صحیح اور قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ سے مؤید ہے، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ، اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ

مَحْذُوْرًا ﴾[الإسراء:۵۷]

بہ ہرصورت جب یہ ارشادِ نبوی نہیں ہے، تو اس کو ''ارشادِ نبوی'' کہنا صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا بزرگوں کا ملفوظ اور قول کی حیثیت سے بیان کرنا چاہیے۔

(أحاديث القصاص:۲۷،اللآلي المنثورة: ۲۱، المقاصد الحسنة:۹۰۹،تذكرة الموضوعات: ۱۱/۱، الدرر المنثورة:۱/۱٦، المصنوع: ۲۵۷ ، الجد الحثيث: ۳۹۸،كشف الخفاء:۲۱۳۱، أسنى المطالب:۱۱۹۷، التذكرة للزركشي:۲۱، الأسرارالمرفوعة :۳۸۷، تمييزالطيب : ۱۳۸، اللؤلؤ المرصوع: ٤٥٥، تحذيرالمسلمين: ۱۹۰)

٤٤ - حدیث: ''لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا.''

''لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا.''(اگر پردہ اٹھادیا جائے، تب بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''مدارج السالكين'' میں اس کو حضرت عامر بن عبد قیس رحمہ اللہ کا قول قرار دیا ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے:

''و ليس هذا من كلام رسول الله ﷺ ، ولا من قول علي رضي الله عنه ، كما يظنه من لا علم له بالمنقولات.''

(یہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، جیسا کہ علم حدیث سے ناواقف لوگ سمجھ بیٹھے ہیں۔)

حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ ''المصنوع'' میں رقم فرماتے ہیں:

'' قال القشيري في رسالته: هو قول عامر بن عبد الله بن قيس رحمه الله ، قلت: والمشهور أنه من كلام علي كرم الله وجهه.''

(امام قشیری رحمہ اللہ ''الرسالة القشيريه'' میں لکھتے ہیں کہ یہ عامر بن عبد اللہ بن قیس رحمہ اللہ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مشہور تو یہ ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات میں سے ہے۔)

راقم کہتا ہے کہ امام وفقیہ ومحدث شیخ عبد اللہ محمد بن مفلح مقدسی رحمہ اللہ (م:۷٦۳ھ) نے

"الآداب الشرعية" میں اس کو حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کا قول بتایا ہے، چناں چہ لکھتے ہیں کہ "منها قول أبي بكر ﷺ : لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا."

بہ ہر حال اس کا حدیثِ نبوی ہونا ثابت نہیں ہے؛ یہ یا تو مشہور بزرگ و معروف تابعی حضرت عامر بن عبداللہ بن قیس رحمۃ اللہ کا ملفوظِ گرامی ہے، پھر امیر المومنین حضرت سیدنا علی ﷺ کا قول ہے۔

(مدارج السالكين:۲/۱ ۳۰،الأسرار المرفوعة:۳۸۱، المصنوع :۲۵٤،تحذير المسلمين: ۱۱۰، الآداب الشرعية:۱/۲۹۵)

٤٥ - حدیث: "رِضَى النَّاسِ غَايَةٌ لَا تُدْرَكُ."

"رِضَى النَّاسِ غَايَةٌ لَا تُدْرَكُ." (لوگوں کی خوشی وہ آخری حد ہے، جو کبھی حاصل نہیں ہوتی۔)

حافظ سخاوی، علامہ عامری، علامہ عجلونی اور علامہ بیروتی رحمہم اللہ کی صریح تحقیق کے مطابق یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارک نہیں ہے؛ بل کہ یہ سلفِ صالحین کے اقوال میں سے ہے، چناں چہ حافظ سخاوی، امام خطابی رحمہما اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ حضرت اکثم بن صیفی رحمۃ اللہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا بھی قول ہے، چناں چہ حضرت امام شافعی نے یونس بن عبد الاعلیٰ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

> " يَا أَبَا مُوْسٰى! رِضَى النَّاسِ غَايَةٌ لَا تُدْرَكُ ، لَيْسَ إِلَى السَّلَامَةِ مِنَ النَّاسِ سَبِيْلٌ ، فَانْظُرْ مَا فِيْهِ صَلَاحُ نَفْسِكَ فَالْزَمْهُ ، وَدَعِ النَّاسَ وَمَا هُمْ فِيْهِ."
>
> (ابو موسیٰ! لوگوں کو خوش رکھنا وہ مقصود ہے، جو کبھی حاصل نہیں ہوسکتا اور لوگوں سے محفوظ و مامون رہنے کی بھی کوئی سبیل نہیں؛ اس لیے خوب غور و خوض کر لو کہ کس بات میں تمھاری صلاح و فلاح ہے، پھر اُس پر پابندِ عمل رہنا اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔)

(المقاصد الحسنة:٥٢٦،كشف الخفاء:۱۳۹۱،النخبة البهية:۱۳٥،الجد الحثيث:۱۸۷،أسنى المطالب:۷۱۲)

٤٦ - حدیث: حج کرنے سے پہلے شادی کرنا گناہ ہے۔

مشہور ہے کہ حدیثِ نبوی میں آیا ہے کہ جو شخص شادی سے پہلے حج کرتا ہے، اُس کا حج ہی نہیں ہوتا اور ایسا شخص گنہ گار ہوگا۔

تحقیق

یہ بات حدیثِ نبوی کی حیثیت سے عوام میں قدیم زمانے کی طرح آج بھی بہت مشہور ہے اور اس کی بنا پر بہت سارے مال دار نوجوان حج فرض ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے، اسی طرح قربانی واجب ہونے کے باوجود قربانی نہیں دیتے محض اس وجہ سے کہ وہ شادی شدہ نہیں ہیں۔

حالاں کہ علمائے حق مسلسل اس منکر پر نکیر کرتے اور اِس قسم کی حدیثوں کی تحقیق کرکے اُن کا موضوع و من گھڑت ہونا واضح کرتے چلے آرہے ہیں اور بتاتے رہے ہیں کہ اس معنی ومفہوم کی جو حدیث ہے، اُس کی سند غیر مقبول و مردود ہے، نیز یہ حدیث اصولِ شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی موضوع و من گھڑت ہے، اس کو نہ بیان کرنا جائز ہے اور نہ ہی اُس پر عمل کرنا جائز ہے۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَنْ تَزَوَّجَ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ فَقَدْ بَدَأَ بِالْمَعْصِيَةِ.''

اس کی سند میں دو راوی ہیں:

(۱) محمد بن ایوب: جس کے متعلق امام ابن حبان رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ''كان محمد بن أيوب يروي الموضوعات ، لا يحل الاحتجاج به.'' (محمد بن ایوب من گھڑت احادیث کی روایت کیا کرتا تھا، اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔) امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''رأيته قد أدخل في كتب أبيه أشياء موضوعةً.'' (میں نے اس کو اس حال میں پایا کہ اس نے اپنے باپ کی کتابوں میں متعدد موضوع و من گھڑت روایات داخل کردی ہیں۔)

(۲) احمد بن جمہور: اس کے بارے میں حافظ ذہبی، حافظ عسقلانی اور حافظ سیوطی رحمہم اللہ؛ تینوں محدثین لکھتے ہیں کہ یہ ''متهم بالكذب'' ہے یعنی کذب بیانی کی تہمت کا شکار ہے۔

بہ ہر حال ایسے راویوں سے مروی روایت نا قابلِ قبول اور مردود ہوتی ہے؛ اسی لیے امام ابن الجوزی، امام ذہبی، امام سیوطی، علامہ طاہر پٹنی، علامہ کنانی، علامہ شوکانی اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے اس

روایت کوموضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔(الموضوعات: ۵۸۷/۲ ، اللآلي المصنوعة : ۱۲۰/۲، تنزيه الشريعة :۱٦٥/۲، تلخيص الموضوعات :۱۸۵، الفوائد للشوكاني :۱۰۵، تذكرة الموضوعات :۷۳/۱ ، ميزان الاعتدال: ۲۲۲/۱ ، لسان الميزان: ٤۲۰/۱)

٤٧ - حدیث: حاجی کی مشایعت پر مغفرت

حج کے زمانے میں بعض خطیبوں سے سنا ہے اور ویسے عوام میں بہت مشہور ہے کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص حاجی کو چھوڑنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے اور حاجی کے جدا ہونے تک ساتھ رہتا ہے، تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

تحقیق

دراصل یہ معنی ومفہوم ہے اُس روایت کا جو حضرت فضالہ بن عبید ﷺ سے نقل کی گئی ہے:

”**من شيَّع حاجًّا أربعين خطوة ، ثم عانَقه ، و ودَّعه ، لم يفترقا حتى يغفر الله له.**“ (جو شخص حاجی کی مشایعت میں چالیس قدم ساتھ چلے، پھر معانقہ کر کے اس کو وداع کرے؛ تو یہ دونوں ابھی جدا بھی نہیں ہوتے کہ اللہ اُس آدمی کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔)

علامہ طاہر پٹنی، علامہ کنانی اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے اور اس کے موضوع وجعلی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں محمد بن سعید بورقی ہے، جو چوتھی صدی کا مشہور و معروف وضاع وکذاب یعنی جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا رہا ہے۔امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی طرف سے بے حد و بے شمار حدیثیں گھڑی ہیں۔

(تذكرة الموضوعات:۷٤/۱،تنزيه الشريعة:۱۷٤/۲،الفوائد للشوكاني: ۱۱۱ ، ميزان الاعتدال :۱٦۹/٦، الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي: ٦٤/۳ ، الكشف الحثيث :۲۳۲)

٤٨ - حدیث: ”رکنِ یمانی“ کے پاس کی جانے والی ایک مخصوص دعا

مشہور ہے کہ جو شخص بیت اللہ جائے اور وہاں رکن یمانی کے پاس کھڑے ہوکر یہ دعا پڑھے:”**اللّٰهم إني أعوذ بک من الكبر والفاقة ، و مراتب الخزي في الدنيا والآخرة**“،

تو وہ ہر قسم کی تنگی و پریشانی سے محفوظ رہتا ہے۔

تحقیق

اِس مخصوص دعا والی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے، جس کا ذکر علامہ طاہر پٹنی، امام ابن عراق اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ نے کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" مَا أتیت الركنَ الیمانيَّ قطُّ إلا وجدتُ جبریلَ قائماً عنده یقول: یا محمد! استلم ، و قل: اللّٰهم إني أعوذ بک من الكبر والفاقة ، و مراتب الخزي في الدنیا والآخرة ، قلت: یا جبریل! لماذا ؟ قال: لأن بینهما حوضاً یلیه سبعون ألف ملک ، فإذا قال العبد: هذا، قالوا: آمین."

(میں "رکنِ یمانی" کے پاس جب بھی آیا، حضرت جبریل کو اُس کے پاس کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہوا پایا کہ اے محمد! استلام کیجیے اور دعا کیجیے: "**اللّٰهم إني أعوذ بک من الكبر و الفاقة ، ومراتب الخزي في الدنیا والآخرة.**" میں نے پوچھا جبریل! کیوں؟ انھوں نے بتایا: اس لیے کہ ان دونوں کے درمیان ایک حوض ہے، جس کے قریب ستر ہزار فرشتے رہتے ہیں، جب بندہ یہ دعا کرتا ہے، تو وہ سارے فرشتے "آمین" کہتے ہیں۔)

یہ ہے اِس مخصوص دعا والی روایت؛ مگر یہ روایت بایں سند خود ساختہ و موضوع ہے؛ اس لیے کہ اس کی سند میں ایک راوی ہے، جس کا نام "**نهشل بن سعید**" ہے۔ تقریباً تمام ہی ائمہ نے اس پر جو شدید جرح کی ہے، اُس کا حاصل یہی ہے کہ یہ راوی یا تو حدیثیں گھڑتا تھا یا گھڑی ہوئی حدیثیں بہ کثرت پھیلاتا تھا، مثلاً امام ابو حاتم اور امام نسائی نے "**متروک الحدیث**" کہا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ "**روي عن الضحاک المعضلات**"، امام ابو سعید نقاش کہتے ہیں کہ "**روي عن الضحاک الموضوعات**" اور امام ابو داود طیالسی و امام اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ "**کذاب**" (یہ جھوٹا ہے)۔

الغرض حضراتِ محدثین نے زیرِ بحث روایت کو موضوع و خانہ ساز قرار دیا ہے۔

(تهذیب الکمال: ۳۰/۳۱، تهذیب التهذیب: ۴/۲۴۳ ، میزان الاعتدال: ۷/۵۰، الکشف الحثیث: ۲۶۸، تذکرة الموضوعات: ۱/۷۴، تنزیه الشریعه: ۲/۱۷۵، الفوائدالمجموعه: ۱۱۱)

فلاحظہ: یہ دعااوراس کے الفاظ چوں کہ خلافِ شرع نہیں ہیں؛ اس لیے اگرکوئی ایسی دعامانگے، تو کوئی حرج نہیں، کوئی گناہ نہیں۔ہاں! اِس کو حدیثِ نبوی کہنا، رکن یمانی کی مخصوص دعامانانا اور یہ سمجھنا کہ یہ دعا حضور سے ثابت ہے، یہ صحیح ودرست نہیں؛ بل کہ اوپر حضراتِ محدثین کی جوتحقیق ذکر کی گئی ہے، اُس کی رو سے ایسا کہنا اور ایسا کرنا ایک موضوع روایت کی تائید کرنا اور اُس کو پھیلانا ہے، جو کہ سخت ترین گناہ ہے۔

٤٩ - حدیث: محرم کے ابتدائی نو دنوں میں روزہ رکھنے کا ثواب

آج کل ماہِ محرم کے آنے سے پہلے لوگ بہ کثرت پوچھ رہے ہیں اور کہہ بھی رہے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہجری سال کے آخری اور پہلے دنوں میں یعنی ذی الحجہ کے آخری دن اور محرم کے پہلے دن جو شخص روزے رکھتا ہے، وہ برکتوں اور سعادتوں والا ہو جاتا ہے۔

تحقیق

مذکورہ بالامخصوص دنوں کی فضیلت میں کسی قسم کی کوئی روایت معتبر ومقبول احادیث سے ثابت نہیں ہے۔البتہ کچھ ایسی غیر معتبر روایات نقل کی گئی ہیں، جن میں ان دنوں کی خاص فضیلت اور روزے رکھنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے اور غالبًا کہنے والے اسی قسم کی روایتوں کا مفہوم نقل کرتے ہیں؛ مگر جب یہ روایتیں موضوع ہیں، تو اُن کو بیان کرنا جائز نہیں ہے اور ایسی روایتوں سے ان دنوں کی فضیلت کو ثابت مانتے ہوئے روزے رکھنا بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ موضوع احادیث سے وعدو وعید اور ترغیب وترہیب کی کوئی بات ثابت نہیں ہوسکتی ہے اور ایسی روایتوں پر عمل کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

اب ذیل میں وہ روایتیں درج کرتا ہوں:

پہلی روایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے:

”من صام آخِرَ يومٍ من ذي الحجّة ، و أولَ يومٍ من المحرَّم ، فقد ختم السنةَ الماضية ، و افتتح السنةَ المستقبلة بصوم جعله الله كفارةَ خمسين سنةً.“

(جو شخص ذی الحجہ کے آخری اور محرم کے پہلے دن روزہ رکھے گا، تو چوں کہ اس نے بیتے سال کو روزے سے ختم کیا اور آئندہ سال کو روزہ سے شروع کیا ہے؛ اس لیے

اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کو پچاس سال کا کفارہ بنادیتے ہیں۔)

اِس روایت کی سند میں دو راوی ہیں اور دونوں کذاب ہیں:

(۱) احمد بن عبداللہ ہروی جویباری: امام نسائیؒ اور امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ دجالوں میں سے ایک بڑا دجال ہے اور دروغ گوئی و کذب بیانی میں ضرب المثل ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ کذاب و خبیث ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ اس نے ہزار سے زیادہ مرفوع حدیثیں گھڑی ہیں۔

(۲) وہب بن وہب: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ سب سے بڑا جھوٹا ہے اور مجھے اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ امام ابن الجارود رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ کذاب و خبیث ہے۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ جھوٹا اور اللہ کا دشمن ہے۔

لہٰذا مذکورہ حدیث کے موضوع و باطل ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

(میزان الاعتدال:۱/۲٤٥، لسان المیزان:۱/٤۹٤،لسان المیزان :۸/ ٤٤٠، میزان الاعتدال: ۷/ ۱٤۹، الموضوعات:۲/۱۹۹،ترتیب الموضوعات :۱۸۱،تذکرة الموضوعات:۱/۱۱۸،اللآلي المصنوعة: ۲/۹۲، تنزیه الشریعة: ۲/۱٤٦،الفوائد المجموعة:۲/٤٥)

دوسری روایت: ایک مرفوع روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے:

"من صام تسعةَ أيامٍ من أول المحرَّم بنى الله له قبةً في الهواء ميلا في ميل لها أربعة أبواب."

(جو محرم کے ابتدائی نو دن روزے رکھے گا؛ اس کے لیے اللہ ہوا میں ایسی گنبد نما عمارت بنادے گا، جو میل در میل پر واقع ہوگی اور جس کے چار دروازے ہوں گے۔)

اِس کی سند کا ایک راوی: موسیٰ الطّویل ہے، جو کہ موضوع روایات بیان کرنے والا مشہور راوی گزرا ہے، چناں چہ امام ابن عدی رحمۃ اللہ نے اس کی متعدد موضوع روایات کو "الکامل" میں ذکر کیا ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نام سے موضوع و من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ پہلے یہ لکھتے ہیں کہ اس کے سامنے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ آیا، تو اس نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بصرے میں دیکھا ہے۔ پھر اُس کے بعد امام ذہبی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

"انظر إلى هذا الحيوان المتهم كيف يقول في حدود سنة مائتين:

إنه رأى عائشة رضي الله عنها! فمن الذي يصدّقه؟!"

(جھوٹ کی تہمت کھائے ہوئے اس جانور کو تو دیکھو کیسے ۲۰۰ھ میں رہتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اس نے حضرت عائشہ کو دیکھا ہے، بھلا کون ہے جو اس کو سچا کہے گا؟!)

الغرض ان دونوں روایات کو حضراتِ محدثین نے صاف وصریح طور پر موضوع کہا ہے۔

(لسان الميزان:۸/۲۰٦، ميزان الاعتدال : ٦/ ٥٤٧، الكامل لابن عدي:٦/۳٥۱، الكشف الحثيث:۲٦۳، الفوائد المجموعة:۹۹،اللآلي المصنوعة:۲/۹۲، الموضوعات :۲/ ۱۹۹ ، تذكرة الموضوعات : ۱/۱۱۸،ترتيب الموضوعات :٦ ۲۰،تنزيه الشريعة :۲/ ۱٤٦)

مُلاحظہ: ان خاص دنوں کی مذکورہ بالا فضیلت کو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ماننا اور پھر اس کی بنیاد پر ان دنوں میں روزے رکھنا ممنوع ہے؛ لیکن چوں کہ یہ ایام نفل روزوں کے ہیں؛ اس لیے نفل روزے رکھنے میں اور پیر، بدھ وجمعرات کا مستحب روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر کسی پر قضا کے روزے ہیں، تو وہ ان ایام میں بلا حرج وبلا جھجک روزے رکھ سکتا ہے۔

۵۰ - حدیث: پندرہ شعبان کی مخصوص نمازیں

پرانے دور کی طرح اس نئے دور میں بھی کچھ لوگ پندرہ شعبان کی رات میں ایک مخصوص قسم کی نماز پڑھتے اور پڑھواتے ہیں اور ہمارے علاقے کی کچھ مساجد میں اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، حتی کہ بعض جگہ تو جماعت کے ساتھ یہ نماز پڑھی جاتی ہے اور اس مخصوص نماز کے مخصوص طریقے ہیں، مثلاً: ایک مشہور طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے:

> "چھ رکعات نماز پڑھی جائے، جس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ۳۰/ مرتبہ، یا پھر ایک ہی بار پڑھی جائے اور سورۂ اخلاص ہر رکعت میں ۳۰/ مرتبہ یا کوشش کر کے ۱۰۰/ دفعہ پڑھی جائے، جو شخص اس رات کو اس طرح نماز پڑھے گا؛ اس کے لیے سال بھر رزق کی کشادگی کا، مرض وقرض سے حفاظت کا اور اسی طرح کی متعدد برکتوں وبھلائیوں کا وعدہ احادیث میں منقول ہے۔"

اس نماز کی فضیلت اور اس کے طریقے کو بتانے کے لیے وہی موضوع روایات سنائی جاتی ہیں کہ جن کی فرداً فرداً تحقیق کر کے حضراتِ محدثین نے ہر زمانے میں بہ بانگِ دہل اعلان کر دیا کہ پندرہ شعبان کی رات میں جو مخصوص طریقے والی نماز پڑھی جاتی ہے، یہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے، یہ

ایک بدعت ہے، جس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے متعلق جتنی بھی احادیث بیان کی گئی ہیں، وہ سب من گھڑت وخود ساختہ ہیں۔

(ان احادیث وآثار کی تفصیل وتحقیق کے لیے دیکھیے :الموضوعات :۲/ ۴۴۰- ۴۴۵، اللآلي المصنوعة : ۲/ ۵۷-۶۰،المنار المنیف :۹۵-۹۹، الأسرار المرفوعة: ۴۴۰،تنزیہ الشریعة :۲/ ۹۰-۹۲)

چوں کہ یہ بات ہر عالم دین پر واضح ہے، اس لیے تفصیل وتطویل سے گریز کرتے ہوئے یہاں صرف اپنے استاذ وشیخ، محدثِ کبیر، فقیہ العصر، عالم ربانی حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ کی تحریر نقل کرتا ہوں، چناں چہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ''شب برأت میں عبادت کرنا مستحب ہے، جیسا کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے اور بزرگانِ سلف سے بھی اس کے اہتمام کی روایت ملتی ہے؛ مگر اس رات میں کوئی مخصوص عبادت صحیح احادیث سے ثابت نہیں، جیسے بعض لوگوں نے ''اشغال شبِ برأت'' کے نام سے ایک کتابچے میں بعض مخصوص نمازوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً سو رکعات پڑھی جائیں، ہر رکعت میں سوبار ﴿قل هو الله أحد﴾ پڑھی جائے وغیرہ، یہ بات احادیث سے ثابت نہیں اور جو بعض محدثین نے اس قسم کی روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں، اُن کو خود فنِ حدیث کے ائمہ نے موضوع و باطل قرار دیا ہے۔علامہ عینی نے شب برأت کی نماز میں آئی احادیث کو ''موضوع'' کہا ہے۔اسی طرح علامہ ابن الجوزی نے یہ سو رکعت والی حدیث کے بارے میں صراحت کی ہے کہ یہ موضوع ہے۔'' (جواہر شریعت:۳/ ۲۹۶،۳۱۸)

ملاحظہ: مگر یاد رہے اس کے موضوع وباطل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ پندرہ شعبان کی کوئی فضیلت علی الاطلاق ثابت ہی نہیں، جیسا کہ غیر مقلدین پروپگنڈہ کرتے ہیں؛ اس لیے کہ پندرہ شعبان کے کچھ فضائل کا ذکر بعض حدیثوں میں ملتا ہے، جن میں کچھ ضعیف ہیں اور کچھ کو غیر مقلدین کے ماہر محدث: شیخ البانی مرحوم نے صحیح قرار دیا ہے۔ (تحقیق کے لیے حضرت کی مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ فرمالیں)

۵۱ - حدیث: کیا نبی ﷺ کا حسن عرشِ الٰہی سے سجایا گیا ہے؟

یہ ہم سارے مسلمانوں کی عقیدت، محبت اور ایمان ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کا حسن وجمال بے مثال ہے۔آپ ﷺ کے حسنِ تاباں کا تذکرہ متعدد و معتبر احادیث سے صحیح وثابت ہے۔

مگر افسوس اس بات پر ہے کہ ماہ ربیع الاول والثانی جب آتا ہے، تو سیرتِ نبوی پر تقریریں کرنے والے متعدد واعظین ومقررین، حسنِ نبوی کو بتانے کی خاطر ثابت شدہ روایات کو کم اور وضع کردہ احادیث زیادہ سناتے ہیں۔ اِن لوگوں کی بیان کی جانے والی من گھڑت روایات میں سے ایک روایت یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آسمان سے تشریف لائے اور انھوں نے کہا: اے محمد! بے شک اللہ آپ کو سلام سناتے ہیں اور فرماتے ہیں:

" حَبِيبِي ! إني كسوتُ حسنَ يوسفَ مِن نورِ الكرسي ، كسوت حسنَ وجهكَ من نُور عَرشِي ، وما خلقتُ خلقاً أحسنَ منك يا محمد!"

(میرے محبوب! میں نے یوسف کے حسن کو کرسی کے نور سے سجایا ہے اور آپ کی ذات کے حسن کو اپنے عرش کے نور سے سجایا ہے اور اے محمد! میں نے کوئی بھی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی، جو آپ سے زیادہ حسین وجمیل ہو۔)

یہ روایت حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہے؛ مگر بہ اتفاقِ محدثین یہ موضوع ومن گھڑت ہے؛ کیوں کہ اس کی سند کا ایک راوی: ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ابراہیم اشنانی ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک جھوٹا شخص تھا، چناں چہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ میرے نزدیک بہت بڑا دجال ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی ایک مصیبت یہ تھی کہ نہایت ناپسندیدہ روایات گھڑتا تھا؛ مگر اس سے بھی بڑی مصیبت یہ تھی کہ اپنی خانہ ساز روایات کو صحیح ومعتبر اسانید سے پیش کرتا تھا اور اپنی گھڑی ہوئی بات کے لیے کبھی یہ سند لے لیتا اور کبھی وہ سند لے لیتا، اس طرح یہ شخص ہیرا پھیری کرتا تھا۔ اس کے بعد خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بہ طور مثال کئی روایتیں ذکر کی ہیں۔

اور یہاں بھی اس جھوٹے نے کبھی یہ روایت حضرت جابر سے سنائی، کبھی حضرت ابو ہریرہ سے اور کبھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے۔ بہ ہر حال جس روایت کا راوی ایسا ہو، اُس روایت کے موضوع و بے اصل ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؛ اسی لیے محدثین نے اس کو موضوع و باطل قرار دیا ہے۔

(ميزان الاعتدال:٦/٢١٢،لسان الميزان : ٧/ ٢٤٩ - ٢٥٠،الموضوعات :٢/٢٣،اللآلي المصنوعة: ١/٢٥٠،تنزيه الشريعة: ١/٣٢٥،الفوائد المجموعة :٤٠٨،ترتيب الموضوعات:٨٧)

فائدہ: یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ کتبِ شمائل وسیر میں بہت سی معتبر روایات سے ثابت ہے کہ "يتلألأ وجهه تلألأ القمر في ليلة البدر" اور "وجهه كالقمر" کہ آپ ﷺ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا اور دمکتا تھا۔ آپ ﷺ کے رخِ منور کے آگے حضرت انس ؓ کا چاند کو ماند پانا، اسی طرح غصے کے وقت رخِ حسین کی کیفیت کا اس طرح محسوس ہونا جیسے کسی نے انار کا دانہ نچوڑ دیا ہو، وغیرہ بے شمار احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ حسین وجمیل ہیں اور آپ سے زیادہ کوئی حسین وجمیل نہیں۔ صحابیٔ ذی شان حضرت حسان ؓ نے سچ فرمایا:

وأحسن منک لم تر قط عيني ☆ وأجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأ من کل عيب ☆ کأنک قد خلقت کما تشاء

لہٰذا صحیح وثابت احادیث سے جو ثابت ہے، اسی کو بیان کرنا چاہیے، یہ آپ ﷺ سے محبت کی دلیل بھی ہے اور آپ ﷺ کی مراد کے موافق بھی۔ اور جو احادیث جھوٹی و بناوٹی ہیں، ان کو بیان کرنا آپ ﷺ کی شریعت اور تعلیم کی رو سے سوفی صد غلط و ناجائز ہے۔

۵۲ - **حدیث:** کیا گلاب کی تخلیق آپ ﷺ کے پسینے سے ہوئی؟

بعض موضوع ومن گھڑت حدیثیں قدیم زمانے سے چلی آرہی ہیں اور حضراتِ محدثین وعلمائے دین برابر اعلان کرتے آرہے ہیں کہ یہ جھوٹی ہیں، گھڑی ہوئی ہیں، ان کو بیان کرنا آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنا ہے اور ان کا سنانا وسننا جائز نہیں ہے؛ لیکن افسوس آج بھی ایک طبقہ ایسی ہی روایات سنانے اور سننے کا دل پھیک عاشق بنا ہوا ہے، جھوٹ و بہتان تراشی کی قباحت وکراہت سے اور اِن گناہوں کی خطرناکی وسنگینی سے مکمل لاپرواہ بنا ہوا ہے۔

بہ ہر حال ایسی جھوٹی و بناوٹی روایات میں سے ایک یہ بھی ہے، جو ایک لفاظی خطیب کی زبانی سننے کو ملی:

> "گلاب، پھولوں اور گلوں کا بادشاہ ہے، چمنستانِ گل کا سردار ہے؛ کیوں کہ اس کو پیدا کیا گیا ہے سردارِ انبیا وشاہِ امم کے عرقِ حسین سے، عرقِ مہ جبین سے، عرقِ دل نشیں سے۔"

اور ایک روایت ہے جو راقم نے خود سنی ہے-اور قاری نے بھی غالبًا سنا ہوگا-بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''گلاب میرے عرق خوش رنگ سے پیدا کیا گیا ہے، جو میری خوش بو سونگھنے کا خواہش مند ہو، اس کو چاہیے کہ گلاب سونگھا کرے۔''

الغرض ایسی روایات ثابت نہیں ہیں آگے اس سلسلے کی مزید روایات اور محدثین کی تحقیقات ملاحظہ کریں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ليلة أسري بيْ إلٰى السَّماء سقَط إلى الأرضِ مِن عرقي ، فَنبتَ منه الوردُ ، فَمَن أحبَّ أن يشم رائحتي فليشم الورد."

(شبِ معراج کی رات میرا کچھ پسینہ زمین پر گرا، تو اس سے گلاب نکلا ہے؛ لہٰذا جو میری خوش بو سونگھنا چاہتا ہے؛ اس کو چاہیے کہ وہ گلاب سونگھ لے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی گئی ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"الوردُ الأبيض خلقَ من عرقي ليلةَ المعراج ، و خلق الوردُ الأحمرمن عرق جبريل عليه السلام ، وخلق الوردُ الأصفرمن عرق البراق."

(سفید گلاب کو معراج کی رات میں میرے پسینے سے بنایا گیا اور سرخ گلاب کو جبریل علیہ السلام کے پسینے سے اور پیلے گلاب کو براق گھوڑے کے پسینے سے بنایا گیا۔)

ان احادیث کی سندوں میں سے ہر ایک سند میں ایسے رُواۃ ہیں، جو کذاب ووضاع اور متہم ومتروک ہیں؛ اس لیے مذکورہ بالا ہر ایک روایت موضوع اور من گھڑت قرار دی گئی ہے؛ چناں چہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ''الموضوعات'' میں ان سب کی تحقیق کرنے کے بعد موضوع وخود ساختہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی موافقت میں امام ابن عساکر، امام نووی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام ذہبی، امام ابن القیم، حافظ سیوطی، حافظ سخاوی، علامہ ابن عراق کنانی، ملا علی قاری، علامہ شوکانی، علامہ عجلونی، ودیگر محقق ومستند ائمہ تحقیق نے ان روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔

بل کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ''المنار المنیف'' میں اور اِن کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''الأسرار المرفوعة'' میں تو یہ اصول ہی لکھ دیا کہ نرگس، گلاب

اور بنفشہ وغیرہ پھولوں کے متعلق جو روایات مروی ہیں، وہ سب باطل اور من گھڑت ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے:الموضوعات: ۳/ ۲٤۰ - ۲٤۳، تلخيص الموضوعات للذهبي:٦١، اللآلي المصنوعة : ۲/ ۲۷٥-۲۷٦،اللؤلؤ المرصوع:۲۱٥،المصنوع في معرفة الحديث الموضوع: ۳٦، المقاصد الحسنة:۲٦۱، كشف الخفاء :۷۹۸،تنزيه الشريعة: ۲/ ۲۷۰، الفوائد المجموعة: ۱۹٦ ، الجد الحثيث: ٦۸،۲٥۲،المنار المنيف :۱۲٦،الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة :٤٦٤)

٥۳ - حدیث:"كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ."

ایک روایت اِن الفاظ کے ساتھ بہت ہی زیادہ مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ." (میں نبی تھا، جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔)

یہ حدیث لفظاً تو غیر ثابت ہے؛ مگر معنیً صحیح و ثابت ہے۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

یہ الفاظ و تعبیر آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے؛ مگر اس کا معنی و مفہوم دیگر احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، چناں چہ حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نبی کب تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ"

(میں نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔)

امام احمد رحمہ اللہ نے "مسند" میں، امام ابو نعیم رحمہ اللہ نے "الحلية" میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے "مستدرک" میں اس روایت کی تخریج کی ہے اور حاکم نے تصحیح بھی کی ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کے لیے کس وقت میں نبوت ثابت ہوئی ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ."

(اس وقت جب کہ آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان تھے۔)

یہ روایت بھی اصولِ حدیث کی رو سے صحیح اور غیر ضعیف ہے،اس کے علاوہ اور بھی دیگر صحابہ سے اسی معنی کی روایات مختلف الفاظ و کلمات کے ساتھ ثابت ہیں۔

معلوم ہوا کہ زیرِ بحث حدیث بایں الفاظ:"كنت نبيا و آدم بين الماء والطين" ثابت نہیں ہے؛ لیکن اس کا معنی دیگر احادیث سے دوسرے الفاظ میں ثابت ہے؛ لہٰذا جس طرح ثابت ہے، اسی

طرح نقل کی جائے، اسی میں احتیاط اور زیادہ خیر ہے۔

(مسند أحمد:٢٠٥٩٦، حلية الأولياء:٥٣/٩، المستدرك للحاكم:٦٠٨/٢، الترمذي: ٧/٦، المستدرك للحاكم :٢/ ٦٠٩، المصنوع:١٤٢، تنزيه الشريعة: ٣٤١/١، اللؤلؤ المرصوع :١٤٢، الجد الحثيث: ١٧٥، الأسرار المرفوعة: ٢٦٨، المقاصد الحسنة :١ /١٧٤، الدرر المنتثرة : ١/ ١٥، أسنى المطالب:٢٢٢/١)

٥٤ - حدیث: ایک مخصوص درود کی فضیلت

غیر معتبر رسائل و کتابچوں میں درود شریف کی فضیلت میں ایک خاص روایت لکھی ہوئی ملتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے، وہ میکائیل سے، وہ اسرافیل سے، وہ رفیع سے، وہ لوح محفوظ سے اور لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کی ہے کہ وہ رفیع سے بتادے کہ رفیع، اسرافیل کو، وہ میکائیل کو، وہ جبریل کو اور جبریل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیں کہ جو آپ پر شب وروز سو مرتبہ درود بھیجے گا، میں اس پر دو ہزار مرتبہ درود بھیجوں گا اور اس کی ہزار حاجتیں پوری کی جائیں گی، جن میں سب سے ہلکی اور آسان حاجت یہ ہوگی کہ اللہ اس کو جہنم سے نجات عطا فرمائیں گے۔

اس مضمون کی ایک حدیث منقول تو ہے؛ مگر موضوع و من گھڑت ہے، چناں چہ اِس کی سند میں دو راوی ہیں:

(۱) محمد بن الحسین، جو ابوبکر الوراق اور ابن الخفاف سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ لکھتے ہیں کہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ بڑا جھوٹا اور بہت زیادہ حدیثیں گھڑنے والا شخص تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں تھا اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ احادیث کی اسانید گھڑتا اور ایک سند کی روایت دوسری سند سے بیان کرتا تھا اور جن سے روایت کرتا ان کے لیے بہت ہی عجیب وغریب نام ونسب اپنی طرف سے بنالیتا تھا۔ میرے پاس اس کی روایت کردہ بہت سی بے اصل وباطل روایات کا مجموعہ تھا، جب ان میں سے بعض باتیں میں نے ابوالقاسم طبری کے حضور پیش کیں، تو انھوں نے میری کتاب ہی پھاڑ ڈالی اور مجھ پر تعجب کرنے لگے کہ میں اس سے کیسے روایت کررہا ہوں۔

(۴) عبداللہ بن محمد الصائغ، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا کہ بڑے جھوٹوں میں سے ایک یہ بھی تھا۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ یہی روایت اسی طرح کی ایک دوسری تباہ حال سند سے ذکر کرنے کے بعد امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''**من ھٰھنا أخذه ابن الخفاف فألزقه علی الصائغ.**'' (یہاں سے ابن الخفاف نے یہ روایت لی اور صائغ کے نام پر چسپاں کردیا۔)

الغرض یہ حدیث موضوع وخود ساختہ ہے، جس کی تصریح امام ابن الجوزی، امام ابن حجر، امام سیوطی اور علامہ ابن عراق نے کردی ہے۔

(میزان الاعتدال :۱۱۹/۶، لسان المیزان: ۷/ ۹۶، ۵۸۱/۷، الموضوعات :۳۷/۲، اللآلي المصنوعة: ۲۵۸/۱، تنزیه الشريعة: ۳۲۱/۱)

۵۵ - حدیث: افضل الانبیا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام پیش کرنا

درود وسلام کی فضیلت میں گھڑی ہوئی ایک موضوع روایت ہے، جو بہ کثرت پڑھی جاتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اس وقت ہمیں ایک دھاری دار چادر اور ہاتھ دکھائی دیا، ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ دھاری دار چادر اور ہاتھ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا واقعی تم لوگوں نے یہ دیکھا؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عیسیٰ بن مریم ہیں، جنھوں نے مجھے سلام کیا۔)

اِس روایت کے الفاظ وجملے معمولی اختلاف کے ساتھ اس طرح منقول ہیں:

" بينا نحن مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رأينا برداً و يداً ، فقلنا: يا رسول الله ما هذا البُرْدُ واليَدُ ؟ قال: قد رأيتموه ؟ قلنا: نعم ، قال: ذاك عيسى بن مريم سَلَّمَ عليَّ."

(الموضوعات :۲۱/۲)

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کی سند ذکر نہیں کی ہے، جب کہ امام ابن عدی، امام ذہبی اور امام سیوطی رحمہم اللہ نے مکمل سند ذکر کی ہے، اس میں ابو عقال نامی ایک راوی ہے، جس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی روایات میں منکر باتیں بہت پائی جاتی ہیں۔ امام ابو حاتم اور امام

نسائی رحمہما اللہ نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔اسی طرح امام ابن حبان رحمۃ اللہ نے کہا کہ ابوعقال نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے موضوع ومن گھڑت باتیں بیان کی ہیں۔

بہ ہر حال اس روایت کو بھی امام ابن الجوزی، امام ذہبی، حافظ سیوطی اور حافظ ابن عراق کنانی نے موضوعات میں شمار کیا ہے۔

(الکامل لابن عدي : ٤٢٤/٨ ، میزان الاعتدال : ٩٨/٧ ، الموضوعات: ٢٢/٢، اللآلي المصنوعة: ١٥٨/١، تلخیص الموضوعات : ٥٢، تنزیه الشریعة: ١ / ٢٣١)

چند رائج مخصوص درودوں کا ذکر

موقع کی مناسبت سے یہ بھی بیان کردوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ درودِ شریف پڑھنا عظیم عبادت ونیکی ہے، قرآن وحدیث میں اِس کا حکم دیا گیا ہے۔احادیثِ نبویہ میں متعدد درودِ شریف، اُن کے فضائل ومناقب اوران کے کلمات وتعبیرات بھی مروی ہیں؛ اس لیے چاہیے کہ وہی درودِ شریف پڑھنے کی عادت رکھیں، جو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور ویسے بھی ثابت شدہ درود کافی وشافی ہیں اور ثواب وقبولیت کی امید بھی ثابت شدہ درود میں جس قدر قوی ہے، ظاہر ہے اُن الفاظ میں نہیں، جو دوسروں کے اپنے ترتیب کردہ ہیں۔

تاہم درودِ شریف کے وہ الفاظ وکلمات، جو اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، وہ اگر خلافِ شرع اور خلافِ اولیٰ نہیں ہیں، تو ان کو بھی پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، بہ شرطے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت کا یقین نہ رکھے؛ لیکن اگر وہ خلافِ شرع ہیں یا شانِ نبوت کے مناسب نہیں ہیں، تو ان کو ترک کرنا واجب ہے اور پڑھنا جائز نہیں ہے۔

اس اصولی وضاحت کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ کچھ لوگوں نے ''درودِ تاج''، ''درودِ لکھی''، ''درودِ گنبدِ خضرا''، ''درودِ عرش بریں'' وغیرہ نام سے درود کی کچھ کتابیں لکھی ہیں اوران میں جو درود لکھے گئے ہیں، وہ بے اصل اور موضوع ہیں؛ بل کہ بعض میں کفریہ الفاظ اور خلافِ شرع کلمات بھی ہیں۔

اورصرف اتنا ہی نہیں کہ لکھنے والوں نے یہ درود اپنی طرف سے گھڑنے پر اکتفا کیا؛ بل کہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ درود فلاں فلاں صحابی کی روایت میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، حالاں کہ یہ بات بالکل ہی جھوٹ اور سراسر کذب وافترا ہے۔

مذکورہ مختلف درودوں کے متعلق حضراتِ علمائے اسلام کی چند تصریحات پیش کرتا ہوں:

”درودِ تاج“ کے متعلق قطبِ عالم، فقیہ النفس، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”درودِ شریف کے جو کچھ فضائل بعض جاہل بیان کرتے ہیں، بالکل غلط ہیں اور اس کا مرتبہ بہ جز شارع علیہ السلام کے یہاں فرمانے کے معلوم ہونا محال ہے اور اس درود کی تالیف صد ہا سال گزرنے کے بعد ہوئی ہے، پس کس طرح درود کے اس صیغے کو باعثِ ثواب قرار دے سکتے ہیں اور صحیح حدیثوں میں درودِ شریف کے جو خاص صیغے آئے ہیں، ان کو چھوڑنا اور اِس میں بہت کچھ ثواب کی امید رکھنا اور اس کا ورد کرنا گم راہی کی بدعت ہے اور چوں کہ اس میں کلماتِ شرکیہ بھی ہیں، اندیشہ عوام کے عقیدے کی خرابی کا ہے؛ لہٰذا اس کا پڑھنا ممنوع ہے، پس ”درودِ تاج“ کی تعلیم دینا، اسی طرح ہے کہ عوام کو زہرِ قاتل دے دیا جائے؛ کیوں کہ بہت سے آدمی عقیدۂ شرکیہ کے فساد میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔“

(فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۲)

حضرت مفتی محمود الحسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ابتدا معلوم نہیں کس نے ایجاد کیا ہے؟ جو فضائل عوام جہال بیان کرتے ہیں، وہ محض غلط اور لغو ہیں، احادیث میں جو درود وارد ہیں، وہ یقیناً ”درودِ تاج“ سے افضل ہیں؛ نیز اس میں بعض الفاظِ شرکیہ ہیں؛ اس لیے اس کو ترک کرنا چاہیے۔ ”فتاوی رشیدیہ“ میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، صحیح ہے۔“

(فتاوی محمودیہ:۳/۱۲۳)

حضرت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی زید مجدہ ”اصلاحی خطبات:۶/ ۹۵“ میں فرماتے ہیں:

”حضورِ اقدس ﷺ سے اتنی کثرت سے درودِ شریف منقول ہونے کے باوجود لوگوں کو یہ شوق ہو گیا ہے کہ ہم اپنی طرف سے درود بنا کر پڑھیں گے، چناں چہ کسی نے ”درودِ تاج“ گھڑ لیا، کسی نے ”درودِ لکھی“ گھڑ لیا وغیرہ وغیرہ اور ان کے فضائل بھی اپنی طرف سے بنا کر پیش کر دیے کہ اس کو پڑھو گے، تو یہ ہو جائے گا، حالاں کہ نہ تو یہ الفاظ حضورِ اقدس ﷺ سے منقول ہیں اور نہ ان کے یہ فضائل منقول ہیں؛ بل کہ بعض کے تو الفاظ بھی خلافِ شرع ہیں، حتیٰ کہ بعض میں شرکیہ کلمات بھی درج ہیں، اس

لیے صرف وہ درودِ شریف پڑھنے چاہیے، جو حضورِ اقدس ﷺ سے منقول ہیں، دوسرے درود نہیں پڑھنے چاہیے۔"

٥٦ - حدیث: "الفقرُ فخرِيْ و بِهٖ اَفْتَخِرُ."

جو من گھڑت اور موضوع روایات طویل زمانے سے مشہورِ زمانہ بنے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔ خطبات وملفوظات میں اور عربی واردو اشعار میں فقیری وغریبی کی فضیلت میں بہت کثرت سے بیان کی جاتی ہے، مثلاً:

بہادر شاہ ظفؔر کا شعر ہے:

جس کو حضرت نے کہا: "الفقر فخري" اے ظفر!
فخرِ دیں، فخرِ جہاں پر وہ فقیری ختم ہے

ماہر القادری کا شعر ہے:

سلام اُس پر کہ تھا "الفقر فخري" جس کا سرمایہ
سلام اُس پر کہ جس کے جسم اطہر کا نہ تھا سایہ

حفیظ جالندھری کا شعر ہے:

اگرچہ "الفقر فخري" رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فقر کسرائی وفاقانی

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے اشعار میں، سیرت وتصوف کی کتابوں میں، وعظ ونصیحت کے اوراق میں یہ حدیث اور اس کا مضمون بہ کثرت شائع وذائع کیا جاتا ہے؛ حالاں کہ تقریباً تمام ہی محدثین کے نزدیک، یہ حدیث موضوع اور باطل ہے۔ چناں چہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"**كلاهما كذب لايعرف في شيء من كتب المسلمين المعروفة.**"

(یہ جھوٹی روایتیں ہیں، مسلمانوں کی مشہور ومعروف کسی کتاب میں ان کا نام ونشان نہیں ہے۔)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

”وهذا الحديث سئل عنه الحافظ ابن تيمية ، فقال: إنه كذب لايعرف في شيء من المسلمين المروية ، و جزم الصنعاني بأنه موضوع.“

(اس حدیث کے متعلق حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا، تو انھوں فرمایا کہ یہ جھوٹی روایت ہے اور مسلمانوں کی کتبِ روایت میں کہیں بھی نہیں ہے۔
امام صنعانی رحمہ اللہ نے پورے وثوق سے فرمایا کہ یہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔)

حافظ سخاوی، حافظ طاہر پٹنی، علامہ عامری، علامہ عجلونی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی اور دیگر محدثین نے بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”قال العسقلاني وغيره: إنه باطل موضوع.“

(أحاديث القصاص لابن تيمية :٤٩،التلخيص الحبير:٣/٢٣٥،الأسرار المرفوعة:٢٥٤، تذكرة الموضوعات للفتني: ٧٦، الجد الحثيث : ١٥٥،أسنى المطالب :٢١٧، المقاصد الحسنة: ٤٨٠، الموضوعات للصغاني:٦،اللؤلؤ المرصوع: ١٣٠،النخبة البهية للأمير المالكي :١٢،المصنوع : ١٢٨، كشف الخفاء:٢/٩٩)

۵۷ - انار کی فضیلت سے متعلق چند روایات کی تحقیق

مشہور و معروف پھلوں میں سے ایک پھل: ”انار“ ہے، جس کو عربی میں ”رُمَّانٌ“ اور انگریزی میں ”Pomegranate“ کہتے ہیں۔ چوں کہ اس پھل کا ذکر قرآنِ مجید میں آیا ہے اور جنت کے اَن گنت پھلوں میں سے منتخب کر کے خاص اس پھل کو ذکر کیا گیا ہے؛ اس لیے انار کو دیگر پھلوں کے مابین خاص فضیلت و درجہ دیا جاتا ہے اور اس کی فضیلت و برتری کو بتانے کے لیے جاہلوں اور کاذبوں نے چند احادیث بھی گھڑ دی ہیں اور کچھ حدیثیں وہ ہیں، جو آج کے زمانے میں جہالت کی بنیاد پر گھڑی گئی ہیں۔
ذیل میں انار سے متعلق موضوع احادیث مع تحقیقِ ائمہ پیش کرتا ہوں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع رویت:

(۱) ”مَا مِنْ رُمَّانٍ مِنْ رُمَّانِكُمْ اِلَّا وَ يُلْقَحُ بِحَبَّةٍ مِنْ رُمَّانِ الْجَنَّةِ.“

(جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ہر انار میں جنت کے انار کا ایک دانہ ڈالا جاتا ہے۔)

پہلی سند: ”الكامل في الضعفاء: ۷/۵۴۲“ میں یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

مرفوعاً نقل کی گئی ہے، جس کی سند میں ایک راوی: روح بن عبد المجیب ہیں، جو اِس حدیث کو محمد بن الولید بن ابان قلانسی بغدادی سے روایت کرتے ہیں۔ امام ابن عدی رحمۃ اللہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد محمد بن الولید کے متعلق لکھتے ہیں: ''**يضع الحديث ، و يوصله ، و يسرق ، و يقلّب الأسانيد ، و المتون**'' اسی طرح حسین بن ابوالمعشر رحمۃ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''**محمد بن الوليد بن أبان كذاب.**''

دوسری سند: نیز ایک راوی زید بن عبد العزیز ہیں، جو یہی روایت اسی محمد بن الولید سے نقل کرتے ہیں۔ ان دونوں روایات کو نقل کرنے کے بعد امام ابن عدی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''**هذا حديث باطل بأي إسناد كان الأولى أو الثانية**'' (یہ ایک باطل حدیث ہے، چاہے کسی سند سے مروی ہو، پہلی سند سے مروی ہو یا دوسری سند سے!)

تیسری سند: ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہی مرفوع روایت امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے اپنے شیخ محمد بن ناصر رحمۃ اللہ کے طریق سے نقل فرمائی ہے، جس میں ایک راوی عبد السلام بن عُبید بن ابوفروہ ہے۔ اُس کے بارے میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ''**قال ابن حبان: كان يسرق الحديث، لايجوز الاحتجاج به بحال.**''، امام ابن حبان رحمۃ اللہ کے الفاظ اُن کی کتاب ''**المجروحين:۲/۱۳۶**'' سے نقل کرتا ہوں، چناں چہ ابن حبان لکھتے ہیں: ''**عبد السلام بن عبيد بن أبي فروة من أهل نصيبين، يسرق الحديث ، و يلزق بالثقات الأشياء التي رواها غيرهم من الأثبات ، لا يجوز الاحتجاج به بحال.**''

امام ذہبی رحمۃ اللہ ''**ميزان الاعتدال:۴/۳۵۱**'' میں اور امام ابن حجر رحمۃ اللہ ''**لسان الميزان: ۵/۱۷۶**'' میں لکھتے ہیں کہ ''**قال ابن حبان : كان يسرق الحديث ، و يروي الموضوعات ، وقال الأزدي: لايكتب حديثه.**''

الغرض یہ بھی موضوع ہی قرار دی جائے گی، چناں چہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ ''**تلخيص الموضوعات:۲۳۹**'' میں لکھتے ہیں کہ دو متہم (محمد بن الولید اور عبد السلام بن عبید) راویوں نے یہ حدیث ایک دوسرے سے چرا کر شیخ ابو عاصم سے روایت کردی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت:

امام ذہبی رحمۃ اللہ ''**ميزان الاعتدال:۶/۴۰۸**'' میں، امام ابن حجر رحمۃ اللہ ''**لسان الميزان: ۸/۴۱**'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت نقل کرتے ہیں، جس میں ہے کہ

”ما مِنْ رُمانةٍ إلا و فيها حبة من رُمان الجنة ، فإذا أكل أحدكم رمانةً فلا يسقط منها شيئاً . و ما من ورقة من الهِندَباء إلا وفيها قطرة من ماء الجنة.“

مگراس کاراوی مسعدہ بن الیسع باہلی ائمہ حدیث کے نزدیک کذاب وہالک ہے، چناں چہ امام ذہبی وعسقلانی رحمہما اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ نے اس کو کاذب قرار دیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ”خرقْنا حديثَه منذُ دهر“۔ امام محمود بن غیلان فرماتے ہیں کہ امام احمد، امام ابن معین اور امام ابوخیثمہ رحمہم اللہ نے اس کو ساقط قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ”هالک“ ہے۔

الغرض اس کو بھی محدثین نے نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث ماننے سے انکار کر دیا ہے اور اس کو موضوعات میں داخل فرمایا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ نے ”اللآلي المصنوعة:۲/۲۰۹“ میں امام ابونعیم کی ”کتاب الطب“ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”أنه سأل رسول الله ﷺ عن الرمان ، فقال: يا أنس! ما مِن رمانة إلا وفيها حَبٌّ مِنْ حب رُمَّان الجنة . فسألته الثانية ، فقال: يا ابن مالك ! ما أكل رجل رمانة إلا ارتد قلبه إليه ، و هرب الشيطان منه أربعين ليلة ، و لولا استحياؤه من رسول الله ﷺ لسأله الرابعة.“

اس کی سند میں صباح بن عاصم اصبہانی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ ”لسان الميزان: ۴/۳۰۲“ میں لکھتے ہیں: ”صباح بن عاصم ، لا يعرف ، و أتى بخبر منكر“ (صباح بن عاصم ،مجہول وغیر معروف شخص ہے اور اس نے ایک حدیث منکر سنائی ہے۔)، حافظ عسقلانی نے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، جو اِس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سنائی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں:

”صاحب الأربعين يصرف عنه أنواع البلاء ، و الأمراج ، والجذام و البرص، و ما أشبه ، وصاحب الخمسين يرزق الانابة .“

محدثِ کبیر شیخ معلّمی ”الفوائدالمجموعة“ کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

”صباح هذا هو ابن عاصم الأصبهاني أحد الكذابين الذين ادعوا السماع من أنس بعد موته بمدة طويلة“.

راوی کے متعلق کلام پڑھنے کے بعد حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی رحمہما اللہ نے جو روایتیں نقل کی ہیں، اُن کا متن ہی بتائے دیتا ہے کہ یہ روایتیں موضوع ہیں؛ کیوں کہ ان کے اندر پایا جانے والا مضمون نبوت کی عالمانہ شان و وقار سے میل نہیں کھاتا۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ نے اِس انار والی روایات کو ”المنار المنيف: ۵۵“ پر جس فصل میں رکھا ہے، اس کا نام ہے: ”منها سماجة الحديث و كونه مما يسخر منه.“

محدثِ عظیم اور مشہور شارحِ حدیث: حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ ”الأسرار المرفوعة: ۴۶۳“ میں امام ابن قیم رحمۃ اللہ کے اس ضابطے کو بیان کرتے ہیں اور اس پر کوئی نقد نہیں کرتے اور نہ ہی کسی روایت کا استثنا کرتے ہیں، حالاں کہ جگہ جگہ ابن قیم رحمۃ اللہ کے اس ضابطے سے بعض روایات کو مستثنیٰ کیا ہے؛ لہٰذا یہاں خاموش رہنا اس بات کا قرینہ ہے کہ شیخ ملا علی قاری، ابن قیم رحمہما اللہ کی تحقیق سے متفق ہیں۔

نیز ”المنار المنيف“ پر تحقیق و تعلیق کرنے والے حضراتِ علما مثلاً شیخ عبد الفتاح ابوغدہ، عبد الرحمٰن بن یحییٰ المُعلمی، شیخ یحییٰ بن عبداللہ الثمالی نے اس پر کوئی نہ نقد فرمایا ہے اور نہ ہی اس ضابطے سے کسی روایت کا استثنا فرمایا ہے۔

الغرض مذکورہ تحقیق کے بعد نتیجہ کلام یہی ہے کہ ان مرفوع روایات میں سے کوئی بھی روایت نبیٔ اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے؛ بل کہ ہر ایک میں ایسے راوی ہیں، جو یا از خود تو کذاب و وضاع ہیں یا پھر باطل و موضوع روایات بہ کثرت سنانے والے ہیں؛ لہٰذا ہر دو صورت میں اس قسم کے راویوں کی حدیثیں محدثین کے نزدیک غیر ثابت و موضوع ہی قرار پاتی ہیں۔

موقوف روایت

(۱) امام سیوطی رحمۃ اللہ نے ”اللآلي المصنوعة: ۲/۲۰۹“ میں امام طبرانی رحمۃ اللہ کے حوالے سے ”موقوف علی ابن عباس رضی اللہ عنہ“ ایک روایت نقل فرمائی ہے:

”كان يأخذ الحبة من الرمان، فيأكلها، قيل له: لِمَ تفعل هذا؟

قال: بلغني أنه ليس في الأراضي رمانة تلقح إلا بحبة من حب

الجنة ، فلعها هذه.“

لیکن یہ ضعیف ہے؛ اس لیے کہ اس کی سند میں ایک راوی: عبدالحمید بن جعفر انصاری ہیں، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں؛ حالاں کہ حضرت ابن عباس کی وفات سے کئی برس بعد پیدا ہوئے، چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی اور عبدالحمید کی وفات ۱۵۳ھ میں ہوئی اور امام ابن حبان رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الثقات: ۱۲۴/۷“ میں لکھتے ہیں: ”مات سنة ثلاث وخمسين و مائة وهو ابن سبعين“.

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ولادت ۸۰ھ کے بعد ہی ہے، گویا کہ ۱۲، یا ۱۵ ربرس کا طویل فاصلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات اور ان کی ولادت کے مابین حائل ہے۔

(۲) اسی طرح حافظ سیوطی، امام ابن السنی رحمہما اللہ کے حوالے سے یہی روایت، ایک دوسری سند سے نقل فرماتے ہیں، جس میں علی بن عبدالعزیز روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ”عن رجل من أهل المدينة قال وجد ابنَ عباس... اهـ“۔ یہاں وہ رجل مجہول ہے اور شیخ معلّی کا رجحان یہ ہے کہ وہ رجلِ مجہول: عبدالحمید بن جعفر ہے۔

بہ ہر حال پہلی صورت ہو یا دوسری صورت؛ یہ سند بھی ضعیف وکم زور ہے۔ تاہم یہ موقوف روایت موضوع تو نہیں کہلائے گی؛ مگر ضعیف ضرور کہلائے گی۔

ابن الجوزیؒ پر سیوطیؒ کے تعقب کی پہلی دلیل اور اس پر کلام

(۱) سب سے پہلی جو روایت محمد بن الولید قلانسی کے حوالے سے گزری، اس روایت کو امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ”الموضوعات“ میں داخل فرمایا ہے؛ مگر حافظ سیوطی رحمہ اللہ اس پر تعقب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اگرچہ ”المیزان“ میں اس روایت کے بارے میں لکھا کہ یہ محمد بن الولید کی باطل روایات میں سے ایک ہے؛ مگر امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ”لسان“ میں لکھا ہے کہ ابن حبان نے ”الثقات“ میں ولید بن الولید کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ میں صرف یہ لکھا ہے کہ ”ربما أخطأ وأغرب“۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی رائے میں محمد بن الولید کی بنیاد پر امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا اس حدیث کو موضوع کہنا صحیح نہیں ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر ایک دلیل یہ قائم فرمائی ہے کہ محمد بن الولید کذاب وضاع راوی نہیں ہے؛ کیوں کہ ابن حبان رحمہ اللہ جیسے سخت ومتشدد امامِ حدیث

نے اپنی مایہ ناز کتاب: ''الثقات'' میں اس کو ذکر کیا ہے اور جس راوی کا ذکر ابن حبان کی ''الثقات'' میں ہو وہ ثقہ ہوگا، یا زیادہ سے زیادہ ضعیف ہی ہوگا، وضاع وکذاب نہیں۔

راقم کہتا ہے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کا یہ تعقب وزن دار نہیں ہے؛ اس لیے کہ

(الف) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اور امام حسین بن ابو المعشر نے صاف تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا اور صرف متون ہی میں نہیں؛ بل کہ اسانید میں بھی الٹ پھیر کرتا تھا اور پھر امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس سے مروی تقریباً ۱۵/ موضوع روایات ذکر فرمائی ہیں۔

(ب) امام ابن حبان رحمہ اللہ کا ''الثقات'' میں کسی راوی کو ذکر کرنا اس کے معتبر ہونے کی دلیل ہے؛ مگر یہ کوئی کلی قاعدہ نہیں؛ بل کہ اکثری قاعدہ ہے؛ چناں چہ بعض وہ راوی، جو جمہورِ محدثین کے نزدیک ضعیف اور شدید ضعیف ہیں، ان کا بھی ذکر ''الثقات'' میں ملتا ہے۔

(ج) امام ابن حبان رحمہ اللہ کا اس کتاب میں کسی راوی کا ذکر کرنا بھی اس وقت اس کے حق میں باعثِ توثیق ہے، جب کہ دیگر ائمہ سے اس کی توثیق ثابت ہو، یا ایسا راوی ہو، جس کے بارے میں دیگر محدثین سے کوئی توثیق منقول نہ ہو؛ لیکن اگر کسی راوی کے متعلق ائمہ نے جرح کی اور وہ بھی جرح مفسر، تو پھر اصول حدیث کی رو سے جرحِ مفسر ہی مقبول ومستند ہوگی۔ اِس وقت ابن حبان رحمہ اللہ کا ''الثقات'' میں اُس راوی کا ذکر کرنا مفید نہیں ہوگا۔

چناں چہ استاذی وشیخی حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ اپنی کتاب ''إکمال الخطاب في تحقیق إیصال الثواب'' میں ''أجوبة الحافظ ابن حجر علی أسئلة بعض تلامذته:۱۳۶-۱۴۱'' سے نقل کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حافظ عراقی رحمہ اللہ سے پوچھا:

> ''جس راوی کی توثیق صرف ابن حبان رحمہ اللہ سے منقول ہو، کیا اور دوسرے حفاظِ حدیث مثلاً ابو حاتم رحمہ اللہ اس کو مجہول کہیں، تو کیا وہ ابن حبان کے قول کی بنیاد پر قابلِ حجت مانا جائے گا؟

حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''وإن وجدنا لغیره فیه جرحًا مفسرًا فالجرح مقدم . و قد وقع لابن حبان جماعةٌ ، ذکرهم في الثقات ، وذکرهم في الضعفاء ، فینظر أیضاً إن کان جرحه له مفسراً ، فهو مقدم علی توثیقه.''

اور یہاں محمد بن الولید کے متعلق "**یکذب و یضع الحدیث**" کی جرح مفسر بھی ہے اور اس کے کاذب و وضاع ہونے پر متعدد دلائل بھی قائم ہیں، جیسا کہ ابن عدی رحمۃ اللہ نے "**الکامل**" میں اِس کے ترجمے میں نقل فرمایا ہے۔

ابن الجوزیؒ پر سیوطیؒ کے تعقب کی دوسری دلیل اور اس پر کلام

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ نے اپنے تعقب کی صحت پر دوسری دلیل میں تین روایات پیش کی ہیں: ایک حدیثِ انس رضی اللہ عنہ اور دوسرے ابن عباس کی دو موقوف روایات۔

حدیثِ انس رضی اللہ عنہ پر سابق میں کلام گزر گیا اور معلوم ہو گیا، وہ روایت بھی حافظ ابن حجر کی زبانی "منکر" اور دیگر محدثین کی زبان میں "موضوع" ہے؛ لہٰذا یہ روایت تو شاہد و متابع نہیں بن سکتی ہے۔

رہی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دو موقوف روایات، تو چوں کہ ضعیف ہیں؛ اس لیے ایک حد تک متابعت وتقویت میں معاون ہو سکتی ہیں؛ مگر حافظ سیوطی رحمۃ اللہ کے نزدیک محمد بن الولید کی روایت موضوع نہیں ہے؛ اس لیے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دو موقوف روایات بہ طور متابعت لا رہے ہیں؛ لیکن دیگر حضراتِ محدثین کے نزدیک چوں کہ محمد بن الولید کی روایت موضوع ہے اور راجح بھی یہی ہے؛ اس لیے ان دو روایاتِ موقوفہ سے حدیثِ موضوع میں کوئی قوت پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ کا قول اور اس کی توجیہ

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ محمد بن الولید کی روایت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" **الديلمي وابن عدي في كامله عن ابن عباس مرفوعاً ، وسنده ضعيف كما قاله الذهبي في ترجمة محمد بن الوليد بن أبان أبي جعفر القلانسي.... اهـ**"

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ محمد بن الولید کی روایت موضوع نہیں؛ بل کہ ضعیف ہے۔

مگر یہاں "ضعیف" کو "موضوع" کے مفہوم و مطلب پر محمول کرنا لازم ہے اور یہی کہنا ہوگا کہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ نے موضوع کہنے کی جگہ بر بنائے احتیاط "ضعیف" کہا ہے۔ دراصل اس کی وجوہات یہ ہیں:

(۱) حافظ سخاوی رحمۃ اللہ نے اپنی طرف سے مزید کوئی تحقیق نہیں کی، صرف امام ابن عدی اور امام ذہبی رحمہما اللہ کی تحقیق نقل کر دی اور اپنی تحقیق و رائے کی بنیاد اسی کو ٹھیرایا، جو اُن دو حضرات کی تحقیق ہے

اور سابق میں خود اُن دونوں محدثین کی تحقیق ان ہی کی زبانی نقل کردی گئی، جس میں صاف بیان ہے کہ امام ابن عدی اور امام ذہبی رحمہا اللہ کے نزدیک محمد بن الولید کی یہ روایت ضعیف نہیں، موضوع ہے۔

(۲) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے تو صاف لکھا ہے کہ "هذا حديث باطل بأي اسناد"۔ نیز امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ذکر کرنے سے پہلے فرمایا: "فَمِنْ أَبَاطِيْلِه"۔ اتنی پختہ ومضبوط اور صاف وتصریح کے ہوتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ "ضعیف" سے مراد ضعیف نہیں؛ بل کہ موضوع وباطل اور مکذوب ومن گھڑت ہے۔

"جنت کے حسین مناظر" اور "بکھرے موتی" کی ایک غلطی پر تنبیہ

حضرت مولانا امداد اللہ انور صاحب دامت برکاتہم نے "جنت کے حسین مناظر: ۵۵۸" پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انار کے ایک دانے کو اٹھایا اور اس کو کھالیا، ان سے کہا گیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زمین کے ہر انار میں جنت کے دانوں میں سے ایک دانہ ڈالا جاتا ہے، شاید کہ یہ وہی ہو۔

مولانا نے اس روایت کو طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور حاشیے میں تحریر فرمایا ہے کہ: "طبراني، بسند صحيح"۔

اسی طرح "بکھرے موتی: ۱/۴۷" پر اُس کا انتخاب وترتیب اور تصحیح ونظر ثانی کرنے والے حضراتِ اساتذۂ علم نے مولانا امداد اللہ صاحب کی بات کو بعینہٖ نقل فرمادیا ہے۔

مگر حدیثِ طبرانی کی سند پر "سندِ صحیح" کا اطلاق صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ اِس کی سند میں عبد الحمید بن جعفر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مابین کئی سالوں کا طویل انقطاع ہے۔ جیسا کہ سابق میں بیان گزرا اور انقطاع کے ہوتے ہوئے کوئی اسناد "سندِ صحیح" کیسے ہوسکتی؟

الغرض اس طویل وتفصیلی کلام سے ظاہر ہوگیا کہ مرفوع روایات، موضوع ہیں اور موقوف روایتِ ابن عباس ضعیف ہیں اور محدثین نے ان میں سے کسی کو بھی انار کی مذکورہ بالا فضیلت کے ثبوت کے لیے قابلِ اعتبار نہیں گردانا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن القیم اور ملا علی قاری رحمہا اللہ نے اس سلسلے میں اصول ہی لکھ دیا کہ انار کی فضیلت میں جو روایات مروی ہیں، وہ غیرِ مقبول ومردود ہیں یعنی از قبیلِ موضوعات ہیں۔

(الموضوعات: ۳/۹٤، الفوائد المجموعة: ۱٥۱، تلخيص الموضوعات: ۲۳۹، المنار المنيف: ٥٥، اللؤلؤ المرصوع: ۱٦۳، المقاصد الحسنة: ۳۷۱)

انار کے دانے حضور ﷺ کے دندانِ مبارک ہیں؟

ہمارے علاقے کے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ انار اور اس کے دانوں کی بے حد تعظیم وتکریم بجا لاتے ہیں، جب کھاتے ہیں تو بڑا اہتمام کرتے ہیں کہ نیچے گرنے نہ دیا جاوے اور اگر دانے گر جاتے ہیں، تو پہلے تو خود کو بہت کوستے اور ملامت کرتے ہیں، پھر نہایت ادب کے ساتھ اٹھا کر کھاتے ہیں اور بعض لوگ تو حد ہی کر دیتے ہیں، آنکھوں سے لگاتے ہیں، زبان سے ”توبہ، توبہ“ کہتے ہیں اور ہونٹوں سے چومتے ہیں۔

ایسے لوگوں کا خیالِ خام ہوتا ہے کہ انار کے دانے آپ ﷺ کے دندانِ مبارک ہیں یعنی ادب ومحبت، تعظیم وتکریم کے حوالے سے ان کو تقریباً وہی مرتبہ حاصل ہے، جو حضور ﷺ کے دندانِ مبارک کا ہے۔

ظاہر ہے کہ دین کا تھوڑا بھی علم وفہم اور موٹی سمجھ بوجھ رکھنے والا ہر فرد یہی کہے گا کہ یہ جاہلانہ واحمقانہ بات ہے، دین سے دور رہنے اور دور رکھنے والوں کی من چلی چال ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

”و من ذلک .... أحادیث مدح العدس، و الأرز، والباقلاء، والباذنجان، و الرمان...وفیها جزء کله کذب من أوله الی آخره.“

(درایتاً موضوع قرار دی جانے والی احادیث میں سے دال، چاول، لوبیے، بیگن اور انار وغیرہ کی تعریف وشان میں کہی جانے والی حدیثیں ہیں، ان پھلوں اور ترکاریوں کی تعریف میں ایک کتاب تصنیف کی گئی، جس میں شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔)

ملا علی قاری اور شیخ عبد الفتاح ابوغدہ، امام ابن القیم رحمہم اللہ کی تحقیق سے مکمل طور پر متفق ہیں۔

(المنار المنیف:۱۲۸،الأسرار المرفوعة: ٤٦٣)

حاصلِ تحقیق وخلاصۂ کلام

الغرض تقریباً تمام ہی محدثین کے نزدیک انار کی فضیلت کے متعلق کوئی حدیثِ مرفوع ثابت نہیں ہے اور جو روایت حضرت ابن عباس کی موقوف منقول ہے، وہ چوں کہ روایتاً ودرایتاً ضعیف ہے؛ اس لیے جمہور محدثین نے اس کو مفید ثبوت نہیں مانا۔

۵۸ - بیگن سے متعلق روایت

بیگن ایک جائز وحلال ترکاری ہے۔ جس کی فضیلت وبرتری کو بتانے کے لیے لوگوں نے متعدد حدیثیں گھڑ کر چلتی کردی ہیں اور افسوس! آج بھی یہ روایتیں برابر بیان کی جاتی ہیں؛ حالاں کہ محدثینِ عظام اور محققینِ کرام نے اس سلسلے کی ہر ایک روایت کی تحقیق کے بعد صاف صاف تحریر کردیا ہے کہ بیگن سے متعلق جتنی بھی احادیث روایت کی جاتی ہیں، وہ روایتاً بھی موضوع ومن گھڑت ہیں اور درایتاً بھی باطل وغلط ہیں۔

ذیل میں چند مشہور روایات ذکر کرتا ہوں:

(۱) "عن ابن عباس ﷺ قال: كنا في وليمةِ رجلٍ من الأنصار، فأُتِيَ بطعامٍ فيه باذنجان، فقال رجلٌ من القوم: يارسول الله! إن الباذنجان يهيج المرارَ، فأكل رسول الله ﷺ باذنجانةً في لقمةٍ، وقال: إنما الباذنجان شفاءٌ من كل داء، ولا داءَ فيه."

(حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم ایک انصاری صحابی کے ولیمے میں شریک تھے، کھانا لایا گیا، جس میں بیگن بھی تھا، ایک صاحب نے کہا: یارسول اللہ! بیگن سے پتے کی تھیلی (جو چکناہٹ ہضم کرنے میں مددگار ہوتی ہے) میں قوت وحرکت پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے فوراً ایک بیگن ایک ہی لقمہ میں کھالیا اور فرمایا: بیگن تو ہر بیماری کے لیے شفا ہے اور اس میں کوئی بیماری نہیں ہے۔)

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرتے ہوئے طیش میں آجاتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"یہ سراسر حضور ﷺ پر افترا اور جھوٹ ہے، اللہ تعالیٰ اُس ظالم کی قبر کو ابرِ کرم سے دور رکھے، جس نے یہ حدیث گھڑی ہے-- آگے اس حدیث کے موضوع وباطل ہونے کے درایتی اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ-- ظالم نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کرکے شریعت کو بدنما اور بھونڈا دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اِس کے علاوہ طب وحکمت کے تقاضے کے بھی خلاف ہے، پھر یہ بھی کہہ دیا کہ حضور ﷺ کو سلیقہ وادب نہیں کہ ایک ہی لقمے میں پورا ہڑپ کرگئے؛ بیگن تو گھٹیا اور خراب سمجھا جاتا ہے، کھانا تو دور اس کی آمیزش ہی ناپسندیدہ ہے، اس کی وجہ سے کبھی خون خراب ہوجاتا ہے،

پتّا نہایت سیاہ ہوجاتا ہے، چہرے پر چھائیاں اور داغ دھبے پڑ جاتے ہیں، جذام، ناک بند ہونے کی بیماری، بواسیر اور کینسر جیسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔اس کا جو راوی ہے: احمد بن محمد بن حرب قصداً جھوٹ بولا کرتا تھا اور دروغ اور حدیث گھڑنے میں مشہور و معروف زمانہ تھا، جیسا کہ ابن عدی نے بیان فرمایا ہے۔''

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے:

''یہ احمد بن محمد بن حرب جھوٹ بولنے اور حدیث گھڑنے میں مشہور تھا اور اس سے مروی کئی من گھڑت اور باطل روایات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ اسی قسم کی بے اصل روایات بیان کرتا تھا۔''

(۲) "**الباذنجانُ لِمَا أُكِلَ له**"(بیگن اس مرض کے لیے نفع بخش ہے، جس کے لیے کھایا جاوے۔)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ ''**حديث باطل لا أصل له**''(یہ بے اصل اور باطل حدیث ہے۔)

(۳) ''مسندِ فردوس دیلمی'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

"**كلوا الباذنجان ، فإنها شجرة رأيتها في جنة الماوى ، شهدت لله بالحق ، ولي بالنبوة ، ولعلي بالولاية ، فمن أكلها على أنها داء كانت داء ، ومن أكلها على أنها دواء كانت دواء.**"(بیگن کھایا کرو! کیوں کہ میں نے ''جنت الماویٰ'' میں اس کو دیکھا ہے، اس نے اللہ کی حقانیت، میری نبوت اور علی کی ولایت کی گواہی دی ہے؛ لہٰذا جو اس کو مرض مان کر کھائے گا؛ اس کے لیے مرض ہے اور دوا ہونے کے یقین کے ساتھ کھائے گا، اس کے لیے دوا ہے۔)

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

"**كلوا الباذنجان ، و أكثروا منه ، فإنها أول شجرة امنت بالله عزوجل.**"

(بیگن زیادہ سے زیادہ کھایا کرو؛ کیوں کہ یہ اللہ عزوجل پر سب سے پہلے ایمان لانے والا درخت ہے۔)

(۵) علامہ عجلونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ بری و خراب روایت یہ سنائی جاتی ہے

کہ جو اس کو بیماری مان کر کھائے ، تو اس کے لیے بیماری اور جو دوا سمجھ کر کھائے ، اس کے لیے دوا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ کیا ہی بہترین ترکاری ہے یہ بیگن ! تم سب دودھ اور زیتون میں ملا کر زیادہ سے زیادہ کھاؤ ; کیوں کہ یہ پہلا درخت ہے ، جو اللہ پر ایمان لایا ہے ، علم و حکمت پیدا کرتا ہے ، دماغ میں تر و تازگی مثانے کو طاقت پہنچاتا ہے اور جماع میں کثرت لاتا ہے -- اس کے بعد علامہ لکھتے ہیں کہ -- یہ تمام روایات جھوٹی ، بے اصل اور خبیث کذابوں کی من گھڑت روایتیں ہیں ۔

علامہ ناجی اپنی کتاب "قلائد المرجان" میں اپنے استاذ اور محدثِ جلیل : امام ناصر الدین سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے بیگن کے سلسلے میں مروی ان روایات کی بابت فرمایا : عالم کو چھوڑو ، عقلِ سلیم رکھنے والے کو چھوڑو ، ذرا یہ بتاؤ کہ کیا کوئی معمولی انسان اور عام آدمی بھی جھوٹے اور سر پھروں کی وضع کردہ بیگن والی احادیث کو صحیح قرار دے سکتا ہے ؟!!! ہاں بتاؤ ؟!!

الغرض امام ابن الجوزی ، امام ذہبی ، ابن قیم ، حافظ سخاوی ، صاحبِ قاموس : مجد الدین ، امام طاہر پٹنی ، امام سیوطی ، علامہ صغانی ، ملا علی قاری ، علامہ عامری ، علامہ کنانی ، علامہ زرکشی اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے صاف صاف تحریر فرمایا ہے :

> "خربوزہ ، بیگن ، پیاز ، لہسن کے فضائل سے متعلق جتنی روایتیں ہیں ; وہ سب کی سب موضوع اور جھوٹی و بے اصل ہیں ۔"

(الموضوعات:١٣٣٨،المقاصد الحسنة :١/٢٧٩،المنار المنيف :٥٤،الموضوعات للصغاني : ١٢٦،النخبة البهية :٦٨، تذكرة الموضوعات :١/٦٤، ترتيب الموضوعات :٦٣٦،اللآلي المنثورة :١/١٥٠،اللآلي المصنوعة :٢/ ١٨٩، الفوائد المجموعة : ٣٦ ،المصنوع : ٧٥،أسنى المطالب: ٤٦٢، اللؤلؤ المرصوع:١٢٦،الجد الحثيث:٩٠،الدرر المنثورة:٧١، الفوائد الموضوعة : ٩١، كشف الخفاء : ١/٣١٣ ، تنزيه الشريعة : ٢/٢٩٢ ، الكامل في الضعفاء : ١/ ٣٣٠-٣٣٢ ، ميزان الاعتدال: ١/٢٧٨، لسان الميزان:١/٥٩٤ ،مسند الفردوس: ٤٧٢٠، ٤٧١٨)

۵۹ - حدیث : امتِ محمدیہ کے علما ، انبیائے بنی اسرائیل کے مانند ہیں ۔

" عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيْلَ ."

(میری امت کے علما ، بنی اسرائیل کے انبیا جیسے ہیں ۔)

علمائے دین کی فضیلت و منقبت کے سلسلے میں حدیث بالا بہت ہی زیادہ ذکر کی جاتی ہے اور وہ بھی

اس قدر کہ امام بیروتی شافعی رحمہ اللہ کو لکھنا پڑا:

”موضوع لا أصل له كما قاله غير واحد من الحفاظ، و يذكره كثيرمن العلماء في كتبهم غفلةً عن قول الحفاظ.“

(یہ موضوع و بے اصل ہے، جیسا کہ متعدد حفاظِ حدیث نے کہا ہے؛ مگر بہت سارے علما اپنی کتابوں میں حفاظِ حدیث کی تحقیق سے غافل ہونے کی وجہ سے ذکر کردیتے ہیں۔)

اس کلام کے متعلق حضراتِ محدثین مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی، امام زرکشی، امام دمیری، امام سیوطی، امام سخاوی، امام طاہر پٹنی، ملا علی قاری، عجلونی، محمد بن درویش، علامہ شوکانی اور امیر مالکی رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ ”حديث لا أصل له“ (اس حدیث کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔) ائمہ فن کی اس تصریح وتحقیق کی رو سے یہ بے اصل اور بے سند روایت ہے اور جس حدیث کی سند ہی نہ ہو، وہ حدیث ہی نہیں کہلائے اور ایسے روایت کو بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

کیا یہ حدیث معنیً ثابت ہے؟

راقم کہتا ہے کہ: اِس بے اصل روایت میں جو مضمون آیا ہے، وہ کسی معتبر حدیث سے ثابت وصحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضراتِ محدثین وعلما کی مختلف آرا ملتی ہیں۔ بعض حضرات عدمِ ثبوت کے قائل ہیں اور بعض ثبوت کے قائل ہیں؛ لہٰذا اِس نسبت سے کلام آگے پیش کرتا ہوں؛ مگر اُس سے پہلے دو احادیث مع تحقیق ملاحظہ ہوں:

پہلی روایت: حافظ سخاوی، علامہ عجلونی اور علامہ کتانی نے امام دارقطنی رحمہم اللہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَكْرِمُوْا حَمَلَةَ الْقُرْآنِ ، فَمَنْ أَكْرَمَهُمْ فَقَدْ أَكْرَمَنِيْ ، وَ مَنْ أَكْرَمَنِيْ فَقَدْ أَكْرَمَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ.“

(حفاظِ قرآن کا اکرام کرو، جس نے اِن کا اکرام کیا؛ اس نے میرا اکرام کیا اور جس نے میرا اکرام کیا؛ اس نے اللہ عزوجل کا اکرام کیا۔)

اسی روایت کے آخر میں امام دیلمی رحمہ اللہ نے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے:

” أَلَا فَلَا تَنْقُصُوْا حَمَلَةَ الْقُرْآنِ حُقُوْقَهُمْ ، فَإِنَّهُمْ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ كَادَ

حَمَلَةُ الْقُرْآنِ أَنْ يَكُوْنُوْا أَنْبِيَاءَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَا يُوْحٰى إِلَيْهِمْ.''

(کان کھول کر سن لو، حفاظِ قرآن کے حقوق میں کمی مت کرو؛ کیوں کہ یہ اللہ کے یہاں ایک خاص مقام پر فائز ہیں، قریب تھا کہ یہ حفاظِ قرآن انبیا ہو جائیں، بس بات اتنی سی ہے کہ ان کی جانب وحی نہیں کی جاتی۔)

اس روایت کی سند پر کلام کرتے ہوئے امام ابن عراق ''تنزيه الشريعة'' میں لکھتے ہیں: اس میں خلف بن عامر الضریر بغدادی نامی جو راوی ہے، اس کے متعلق ''ميزان الاعتدال'' میں ہے کہ ''فيه جهالة''۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس نے ایک حدیثِ منکر بیان کی ہے اور غالبًا یہی وہ حدیث ہوگی؛ بل کہ میں کہتا ہوں کہ میرے بعض اساتذہ نے فرمایا: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے خلف بن عامر کے۔ ''وهذا كله لا يقتضي الحكم على الحديث بالوضع.'' (یہ ساری باتیں اس حدیث پر موضوع کا حکم لگانے کا تقاضا نہیں کرتیں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عراق رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ضعیف ہے، موضوع نہیں۔

اسی طرح فرماتے ہیں کہ ''و فيه من لايعرف و أحسبه غير صحيح'' (اس میں مجہول راوی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ غیر صحیح ہے۔)

اب یہاں ''غیر صحیح'' سے، ضعیف بہ مقابلہ ''صحیح'' بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور فاسد و باطل بہ مقابلہ ''ثابت'' بھی مراد ہو سکتا ہے؛ مگر اول الذکر معنی مراد لینا ہی راجح معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ کا اسلوب بھی اسی کی طرف راجع اور دوسرے امام ابن عراق رحمہ اللہ کی تصریح بھی اس کی متقاضی ہے۔

ایسے ہی علامہ مناوی رحمہ اللہ نے بھی ''فيض القدير'' میں اس کے بارے میں موضوع ہونے کی بات نہیں کہی، جب کہ اسی کتاب میں جگہ جگہ اُن روایات کی نشان دہی کی ہے، جو موضوع ہیں۔ واللہ اعلم!!

بہ ہر حال یہ اپنی ایک سند رکھتی ہے اور چوں کہ اس میں کوئی کذاب و وضاع نہیں ہے؛ اس لیے اِس پر موضوع کا اطلاق، محلِ کلام و قابلِ غور ہے، ہاں! زیادہ سے زیادہ ضعیف حدیث کہی جا سکتی ہے۔

دوسری روایت: حافظ سخاوی تحریر کرتے ہیں:

''و لأبي نعيم في فضل العالم العفيف بسند ضعيف عن ابن عباس رضي الله عنه رفعه : أَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْجِهَادِ.''

(امام ابونعیم نے نیک شعار عالم کی فضیلت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت سندِ ضعیف سے نقل کی ہے کہ لوگوں میں نبوت کے درجے سے قریب علما ومجاہدین ہوتے ہیں۔)

علامہ شوکانی اور حافظ طاہر پٹنی، حافظ سخاوی رحمہم اللہ کی اس تحقیق سے متفق ہیں اور اِن تینوں ائمہ نے ''علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل'' کی تحقیق میں یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ذکر کی ہے اور اِن تینوں محققین کا اس طرح، اِس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ؛ اگر چہ ضعیف ہے، تاہم اِس سے زیرِ بحث روایت کا معنی ومفہوم ثابت مانا جاسکتا ہے۔

الغرض پہلی روایت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علما کی تعظیم وتکریم کو اپنی تعظیم وتکریم قرار دینا، نیز اسی روایت بہ الفاظ دیلمی ''كَادَ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ أَنْ يَكُوْنُوْا أَنْبِيَاءَ إِلَّا أَنَّهُمْ لا يُوْحٰى إِلَيْهِمْ'' کی واضح تعبیر کا ہونا اور اسی طرح دوسری ضعیف حدیث میں ''أَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ'' کا ہونا؛ ان سب سے ظاہر ہے کہ وہی مضمون ثابت ہوتا ہے، جو ''علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل'' والی روایت کا ہے۔ بس ''أنبياء بني اسرائيل'' کی تصریح نہیں ہے۔

بہ ہر حال حافظ سخاویؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور علامہ شوکانیؒ کے اسلوبِ بیان سے یہی بات بہ ظاہر سمجھ میں آتی ہے کہ ''علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل'' بے اصل وبے سند ہے؛ مگر ضعیف روایات سے اس کا معنی ثابت مانا جاسکتا ہے۔

''علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل'' کے مفہوم کی توجیہ

اِس حدیث میں امتِ محمدیہ کے علما کو بنی اسرائیل کے حضراتِ انبیا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اب تشبیہ کی وجوہات مختلف ہیں، مثلاً:

(الف) وجہِ تشبیہ اگر یہ نکالی جائے - جو باطل وغلط ہے- کہ جس طرح حضراتِ انبیا پر وحی آتی ہے، اسی طرح علما پر بھی آتی ہے، جس طرح وہ واجب الاتباع ہیں، اسی طرح یہ بھی ہیں اور جیسے انبیا معصوم ہیں؛ ایسے ہی علما بھی ہیں اور جس طرح حضراتِ انبیا پر ایمان لانا لازم ہے، اسی طرح علما پر بھی ایمان لانا لازم ہے، وغیرہ وغیرہ۔

تو یہ تشبیہ مراد لینا سو فی صد غلط ہے، نصوصِ قرآن وحدیث کے منافی اور اجماعِ امت کے خلاف ہے؛ لہٰذا اِس وقت یہ حدیث معنیً بھی ثابت نہیں ہوگی؛ بل کہ اصولِ اسلام کے منافی ہونے کی بنا پر

درایتاً موضوع وجھوٹی ہوگی۔ جن حضرات کی نظر اسی معنی پر مرکوز رہی، انھوں نے ’’**علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل**‘‘ کو بہ لحاظِ سند بے اصل اور بہ لحاظِ معنی باطل قرار دیا ہے۔

(ب) لیکن اگر یہ وجہ تشبیہ نکالی جائے -جیسا کہ امام قرطبیؒ صاحبِ ’’**المفهم**‘‘ امام سخاویؒ، علامہ مناویؒ، ملا علی قاریؒ نے نکالی ہے- کہ غلو پسندوں کی تحریفات سے، باطل پرستوں کی اختراعات سے اور جاہلوں کی بے بنیاد تاویلات سے دین کو محفوظ رکھنا اور دین کی علمی وعملی صحیح خدمت انجام دینا، جس طرح بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے حضراتِ انبیا کا فرضِ منصبی تھا، اسی طرح تحفظِ دین وشریعت کی یہ ذمے داری -چوں کہ خاتم الانبیا ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں؛ اس لیے- اِس امت کے علما کا فریضۂ دینی ہے اور اِس فریضے کی ادائیگی کے حوالے سے امتِ محمدیہ کے علما ایسے ہی ذمے دار ہیں، جیسا کہ انبیائے بنی اسرائیل ہیں؛ تو یہ تاویل بالکل صحیح ودرست بھی ہے اور ’’**إن العلماء ورثة الأنبياء**‘‘ اور ’’**العلماء أمناء الرسل**‘‘ وغیرہ معتبر احادیث سے مؤید بھی ہے؛ نیز سابقہ دو ضعیف روایات بھی اس معنی کی حامل ہیں؛ اس لیے اِس معنی کو مراد لینا راجح بھی ہے اور صحیح بھی؛ لہٰذا اس تاویلِ واجب کے مراد لیے جانے کی صورت میں ’’**علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل**‘‘ کی حدیث بہ لحاظِ الفاظ اور بہ اعتبارِ سند بے اصل وبے سند تو کہلائے گی؛ مگر بہ لحاظِ معنی ثابت وصحیح قرار پاتی ہے۔ واللہ اعلم!

مُلاحظہ: یہ تو اس روایت کی فنی تحقیق ہوئی، اس سے کوئی اس بے اصل روایت کو بیان کرنا جائز نہ سمجھے؛ اس لیے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی لازم ہے کہ جب نبیِ اکرم ﷺ کے ارشادات نقل کیے جائیں، تو ان ہی کلمات وتعبیرات میں نقل کرنے چاہئیں، جو کہ کتبِ حدیث میں صحیح وثابت ہیں۔ یہی اصل طریقہ بھی ہے اور اسی میں خیر بھی ہے۔

(الدرر المنثورة :١٤/١، اللآلي المنثورة :١٦٧/١، المصنوع:١٢٣، الأسرار المرفوعة : ٢٤٧، كشف الخفاء :٧١/٢، الفوائد المجموعة: ١٣٢/١، المفهم : ١٢/ ٩٦، المقاصد الحسنة :٢٨٦، ٤٥٩، فيض القدير: ٩/١، مرقاة المفاتيح :١٧/ ٤٢٤، تنزيه الشريعة:٢٧٦/١، تذكرة الموضوعات:٩ ، أسنى المطالب :١٨٤، النخبة البهية:١١/١)

٦٠ - حدیث: کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ حرفِ ’’شین‘‘ کا تلفظ نہیں کر پاتے تھے؟

بہت مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور مسجدِ نبوی کے مؤذن، حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے ’’اَشْھَدُ‘‘ کا حرفِ ’’شین‘‘ صحیح طور سے ادا نہیں ہوتا تھا، ’’شین‘‘ کی

جگہ حرف ''سین'' نکلتا تھا، جس کی وجہ بھی بعض واعظین یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ چوں کہ حبشی اور موٹے ہونٹ والے تھے، اِس وجہ سے وہ ''شین'' کا تلفظ کرنے پر قادر نہیں تھے اور بعضوں نے تو حد ہی کر دی اور یہ مشہور کر دیا کہ ''سین بلال عند اللّٰه شین'' (حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلنے والا حرفِ ''سین'' بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''شین'' ہے۔)

امام ابن قدامہؒ نے ''المغني'' میں اور ان ہی کی اتباع کرتے ہوئے امام ابو عمر شمس الدینؒ نے ''المقنع'' میں یہ روایت نقل کر دی ہے؛ مگر حفاظِ حدیث نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے اپنی تحقیق بیان کی ہے کہ یہ بلا شک وشبہ موضوع، باطل، جھوٹی اور بناوٹی ہے۔ چناں چہ علامہ قاوقجی، ملا علی قاری، علامہ طاہر پٹنی تحریر فرماتے ہیں: ''لیس له أصل.'' (اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔)

حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ امام مِزی نے فرمایا:

''إنه اشتهر علی ألسنة العوام، ولم نره في شيء من الکتب.''

(عوام الناس کی زبانوں پر یہ بات چل پڑی ہے، حالاں کہ ہمیں (یعنی حضراتِ محدثین کو) یہ روایت، حدیث کی کسی کتاب میں نظر تک نہیں آئی۔)

علامہ عجلونیؒ، علامہ ابراہیم الناجیؒ کا قول نقل کرتے ہیں (کہ ان کو اس حدیث کے موضوع ہونے کا یقین اس درجے تھا) کہ علامہ فرماتے تھے: میں اللہ کو گواہ بنا کر، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سیدی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی ''أسهد'' (سین کے ساتھ) تلفظ نہیں فرمایا۔

علامہ عجلونی ''کشف الخفاء'' میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سوانحِ حیات میں متعدد مؤرخین نے لکھا ہے:

''کان أندی الصوت، حَسَنَه، فصیح الکلام.''

(حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز اونچی بھی تھی، حسین وخوب صورت بھی تھی اور آپ بڑے فصیح اللسان تھے۔)

امام سخاوی رحمہ اللہ ''المقاصد الحسنة'' میں تحریر کرتے ہیں:

''ولو کانت فیه لثغة لتوفرت الدواعي علی نقلها، و لَعَابَهَا أهل النفاق والضلال.''

(اگر حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ کی زبان میں کجی وکھوٹ ہوتی؛ تو بہت سارے ذرائع سے منقول ہوتی، نیز منافقین وگم راہ لوگ اسی کو عیب ونکتہ چینی کا نشانہ بنا لیتے۔)

حضراتِ محدثین کی اس تحقیق اور اس تصریح سے ظاہر و باہر ہو جاتا ہے کہ یہ بات جھوٹی، گھڑی ہوئی اور رسول وصحابیٔ رسول پر افترا و بہتان کا نتیجہ ہے اور یہ ایسی روایت ہے، جس میں بلا تحقیق وثبوت ایک عظیم صحابی کو عیب ونقص سے موصوف بتایا گیا ہے اور ایسی بے سروپا باتیں کسی عام مسلمان کے حق میں کہنا گناہِ کبیرہ ہے؛ تو صحابہ کی شان میں ایسا کہنا بہ درجہ اولیٰ بدترین جرم وقبیح ترین گناہ ہے؛ اس لیے اِس قسم کی روایت کا نہ سنانا جائز ہے اور نہ سننا اور اگر کبھی بہ ضرورت بیان کرنا پڑ جائے، تو بیان کرنے والے پر لازم وضروری ہے کہ علی الفور اِس کے بے اصل وباطل اور خودساختہ ہونے کی وضاحت کردے؛ تاکہ کسی کو بھی کسی قسم کی غلطی میں پڑنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

(تذكرة الموضوعات: ٤٤، اللؤلؤ المرصوع للقاوقجي: ١٠٠، الأسرار المرفوعة: ١٤٠، المصنوع: ٦٥، النخبة البهية: ٤، أسنى المطالب: ٨٥، الجد الحثيث: ١٠، المقاصد الحسنة: ١١٢، ٢٤٧، الدرر المنثورة: ٢٤، اللآلي المنثورة: ٢٠٨، كشف الخفاء: ١/٥٢٥)

٦١ - حدیث: "موتوا قبل أن تموتوا."

اس کلام کو آپ ﷺ کی جانب منسوب کرنا اور حدیثِ رسول کی حیثیت سے بیان کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ رسولِ اکرم ﷺ سے یہ کلام ثابت نہیں ہے، چناں چہ حافظ سخاویؒ، امام ابن حجر عسقلانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ "قال شيخنا: إنه غير ثابت." (ہمارے استاذ نے فرمایا کہ یہ ثابت نہیں ہے۔)

علامہ عجلونی، علامہ عامری اور دیگر حضرات، حافظ ابن حجرؒ ہی کی تحقیق نقل کرتے ہیں، اُس سے اتفاق رکھتے ہیں اور اِس روایت کو موضوع وغیر ثابت قرار دیتے ہیں۔

شیخ ملا علی قاری رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

" قال العسقلاني: إنه غير ثابت ، قلت: هو من كلام الصوفية ، والمعنى موتوا اختيارًا قبل أن تموتوا اضطرارًا ، المراد بالموت الاختياري ترك الشهوات واللهوات ، وما يترتب عليها من الزلات والغفلات."

(امام عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ حضراتِ صوفیا کا کلام ہے اور اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ اضطراری موت آنے سے پہلے پہلے اختیاری موت اپنا لو۔ یہاں اختیاری موت کا مفہوم ہے، نفسانی خواہشات

ولغویات اور کوتاہیوں وغفلتوں کو چھوڑ دو۔)

معلوم ہوا کہ یہ صوفیا اور بزرگوں کا ملفوظ ہے، نبی کریم ﷺ کی مبارک حدیث نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة :٤٣٦، الأسرار المرفوعة : ٣٤٨، المصنوع:١٩٨، كشف الخفاء :٣٤٣/٢، أسنى المطالب:٢٩٥، الجد الحثيث:٥٤، النخبة البهية للمالكي:٢٠، الفوائد الموضوعة: ١٤٠)

٦٢ - حدیث: "نوم العالم عبادة" عالم کا سونا عبادت ہے۔

"نَومُ العالِمِ عِبادَةٌ." (عالم کا سونا عبادت ہے۔)

یہ الفاظ وتعبیر نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں، جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لا أصل له في المرفوع هكذا."

(باین تعبیر آپ ﷺ کے ارشاد ہونے کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔)

لیکن اس کا معنی ایک ضعیف روایت سے ثابت مانا جائے گا، چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ اور اِن ہی کے حوالے سے علامہ عجلونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے "حلية الأولياء" میں بہ طریقِ سلمان مرفوعاً روایت کی ہے: "نومٌ علی علمٍ خیرٌ من صلاةٍ علی جهل." (علم پر قائم نیند، جہالت پر قائم نماز سے اولیٰ وبہتر ہے۔)

یہ حضراتِ محدثین اس ضعیف روایت کو ذکر کر کے یہی بتانا چاہتے ہیں کہ زیرِ بحث روایت لفظاً کہیں ثابت نہیں؛ البتہ ایک ضعیف حدیث سے اس کا معنی ومفہوم ثابت ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

(الأسرار المرفوعة: ٣٥٩، اللؤلؤ المرصوع:٢١١، كشف الخفاء :٢ /٣٨٦، صحيح وضعيف الجامع للألباني :٥٩٧٤، جمع الجوامع:٧٣٦٢)

٦٣ - حدیث: ایک مومن کا دل، اللہ کا گھر ہے۔

مذکورہ بالا مفہوم کو بتانے کے لیے حدیثِ نبوی کہہ کر ایک کلام یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "القلب بيت الرب." (دل اللہ کا گھر ہے۔) اسی طرح ایک کلام یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "ما وسعني أرضي ولا سمائي، ولكن وسعني قلب عبدي المومن." (میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں، نہ اپنے آسمان میں؛ مگر ہاں میرے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔)

امام زرکشی، ابن تیمیہ، سخاوی، سیوطی، ملا علی قاری، عجلونی، محمد بن درویش، عامری، کرمی، امیر مالکی، طاہر پٹنی، ابن عراق رحمہم اللہ؛ ان سب محققین نے مذکورہ دونوں روایات کو موضوع و بے اصل قرار دیا ہے۔

(أحاديث القصاص :٦٩، الدرر المنثورة :١٥، المقاصد الحسنة:٤٩٢، الفوائد الموضوعة :١١، اللآلي المنثورة :١٣٦، تذكرة الموضوعات:١٣، أسنى المطالب : ٢٠٦، الأسرار المرفوعة: ٢٥٨، ٣٠١، المصنوع: ١٣١، ١٦٤، تنزيه الشريعة :١٥٥، كشف الخفاء : ٤٩٧، الجد الحثيث:٣٥، النخبة البهية :١٢)

اب اِن روایات کا مطلب اگر یہ نکالا جائے کہ مومن کا دل، ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے مکان و محل کی حیثیت رکھتا ہے یعنی دل میں اللہ تعالیٰ اس طرح سما جاتے ہیں، جیسے کہ کوئی جسم دار چیز کسی چیز میں سما جاتی ہے-یہ مطلب تو کوئی بے وقوف و جاہل بھی نہیں لیتا؛ تاہم اگر کوئی لیتا بھی ہے-تو عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے اور سو فی صد غلط ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کسی مکان میں حلول کرنے اور کسی حد میں محدود ہونے سے منزہ و پاک ہے۔ اُس وقت یہ موضوع و باطل کہلائے گی اور اس کو بیان کرنا جائز ہی نہ ہوگا۔

لیکن اگر یہ مطلب لیا جائے- اور غالبًا کہنے والے بھی یہی مطلب مراد لیتے ہیں- کہ جس طرح قوتِ شنوائی کا محل کان ہیں، قوتِ گویائی کا محل زبان ہے، ایسے ہی معرفتِ ربانی کی حلاوت کا اور کمال ایمان کی لذت کا محل، دلِ مومن ہے؛ تو اس تاویلِ ضروری کے بعد صرف اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ ان روایتوں کا معنی خلافِ شرع نہیں۔

چوں کہ اِن الفاظ کے ظاہر سے پہلا مطلب ہی سامنے آتا ہے اور یہ مطلب ذاتِ باری اور صفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق اسلامی عقائد کے خلاف ہے؛ اس لیے حضراتِ محدثین نے بالخصوص ملا علی قاری رحمہ اللہ نے زیرِ بحث روایات کے ضمن میں کوئی مطلب نہیں نکالا؛ اس لیے اس طرح کی تعبیر سے بھی احتیاط لازم اور بہتر ہے؛ مگر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ بہتر اُس وقت ہے، جب کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہ کیا جائے؛ کیوں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب غیر ثابت روایات کو منسوب کر کے بیان کرنے سے اجتناب بہتر ہی نہیں؛ واجب و ضروری ہے۔

٦٤ - حدیث: اذان کی دعا میں ''والدرجة الرفيعة'' کی زیادتی

اذان کی دعا میں ''الوسيلة والفضيلة'' کے بعد ''والدرجةَ الرفيعة'' کی زیادتی درست نہیں ہے، چناں چہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے ''المقاصد الحسنة'' میں اس کی مکمل تحقیق فرمائی ہے،

جس کا حاصل یہ ہے کہ اس دعا کی تعبیرات وجملوں میں کمی وزیادتی ہوئی ہے، جیسے اذان کے اخیر میں ''إنک لاتخلف المیعاد'' کا اضافہ بیہقی کی روایت سے اور بہ روایت امام کشمیهنی بخاری سے ثابت ہے۔ایسے ہی اذان کے شروع میں ''اللّٰهم إني أسئلک بحق هذه الدعوة'' کی زیادتی بھی بیہقی میں ثابت ہے۔

مگر کسی بھی روایت میں ''والدرجة الرفیعة'' والی زیادتی کہیں نہیں ملی، جیسا کہ حافظ سخاوی کے استاذ محترم اور امیر المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ''التلخیص الحبیر'' میں یہی تحقیق بیان فرمائی ہے۔ملا علی قاری، علامہ بیروتی، علامہ عامری، علامہ قاوقجی وغیرہ محدثین نے حافظ سخاوی کی تحقیق نقل کر کے اس سے مکمل اتفاق کیا ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ''فهي زیادة لا أصل لها ، ولا یسوغ قولها''(یہ زیادتی بے اصل ہے اور اس کا پڑھنا جائز بھی نہیں۔)

معلوم ہوا کہ یہ اضافہ ثابت نہیں ہے اور اس کا مسنون دعا میں بڑھانا اور پڑھنا درست نہیں ہے۔

(التلخیص الحبیر:۱/۴۱۱، المقاصد الحسنة:۴۸۴،المصنوع:۱۳۲،کشف الخفاء: ۱۲۸۹،أسنی المطالب:۶۷۰،اللؤلؤ المرصوع: ۱۹۸، الجد الحثیث: ۱۶۳، تعلیق المصنوع في معرفة الحدیث الموضوع :۱۰۱)

٦٥ - حدیث: لباس نبیوں جیسا اور عمل متکبروں جیسا

" أَبْغَضُ الْعِبَادِ إِلَى اللّٰهِ -عزوجل- مَنْ كَانَ ثَوْبَاهُ خَيْرًا مِنْ عَمَلِهِ أَنْ يَكُوْنَ ثِيَابُهُ ثِيَابَ الْأَنْبِيَاءِ ، وَعَمَلُهُ عَمَلَ الْجَبَّارِيْنَ."

(اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام بندوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے، جس کا لباس تو انبیا کے لباس جیسا ہو؛ مگر عمل متکبروں جیسا ہو۔)

یہ روایت بایں الفاظ امام عقیلی نے ''الضعفاء الکبیر'' میں ذکر کی ہے اور امام دیلمیؒ نے یہی روایت ''الفردوس بماثور الخطاب'' میں ان الفاظ سے روایت کی ہے:''أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ -عزوجل- مَنْ كَانَ ثَوْبُهُ خَيْرًا مِنْ عَمَلِهِ ، وَ أَنْ يَكُوْنَ ثِيَابُهُ ثِيَابَ الْأَنْبِيَاءِ ، وَعَمَلُهُ عَمَلَ الْجَبَابِرَةِ.''

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے ''الموضوعات'' میں اس کو موضوع وخود ساختہ روایت بتایا ہے

اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''تلخيص الموضوعات''میں سکوت فرما کر ابن الجوزی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے اور اپنی مشہور کتاب: ''ميزان الاعتدال''میں سلیم بن عیسیٰ کے تذکرے میں یہی روایت ذکر کرنے کے بعد صاف صاف فرمادیا: ''هٰذا باطل.''(یہ باطل ہے۔)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الجامع الصغير'' اور ''الجامع الكبير'' میں یہ روایت تو ذکر کردی ہے؛ مگر اپنی کتاب ''اللآلي المصنوعة''میں اس کو موضوع لکھا ہے۔ اِن ائمہ کے علاوہ، امام طاہر پٹنی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ شوکانی، علامہ ابن عراق اور علامہ بیروتی نے بھی اس کو موضوع وغیر ثابت قرار دیا ہے۔

مُلاحظہ: امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''الميزان''میں لکھا ہے کہ ایک سلیم بن عیسیٰ رحمہ اللہ کوفی ہیں، جو علم قراءت کے امام ہیں، شاید اس روایت کے راوی یہ نہ ہوں، کوئی اور ہو۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کے اس رجحان کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ البانی کہتے ہیں کہ: حافظ کی ''مسند الفردوس'' کی تلخیص میں یہ روایت یوں مذکور ہے: ''عن سليمان بن عيسى بن نجيح ....اهـ''

جس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت سلیم بن عیسیٰ سے نہیں؛ بل کہ سلیمان بن عیسیٰ بن نجیح سے مروی ہے اور یہ سلیمان راوی، تو کذب بیانی و وضعِ حدیث کے سلسلے میں مشہورِ زمانہ ہے، جس کی تفصیل کتب الرجال میں مذکور ہے۔

(الضعفاء الكبير للعقيلي :١٦٤/١، مسند الفردوس للديلمي: ١٤٨١، كنز العمال: ٧٤٨٣،الجامع الكبير:٥٥ ، الجامع الصغير : ١٧٤، الموضوعات : ١٤٤٨ ، تنزيه الشريعة : ٤ ، اللآلي المصنوعة:٢٢٥/٢، كشف الخفاء: ٣٨،أسنى المطالب: ٢٤، تذكرة الموضوعات :٦٨/١، فيض القدير : ٢٠٧/١ ، تلخيص الموضوعات للذهبي : ٧٠٥ ، ميزان الاعتدال : ٣٢٤/٣ ، الفوائد المجموعة : ١٦،سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة :٨٠٧)

٦٦ - حدیث: ''عندَ ذكرِ الصالحين تنزل الرحمة.''

نبیِ اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک کہہ کر بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے کہ ''عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ.''(صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔)

اِس روایت کی تحقیق میں علامہ عجلونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام زمخشری رحمہ اللہ نے فرمایا:

علمائے کبار سے صحیح و مسند آثار سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ.''

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: امام ابن الصلاحؒ اپنی کتاب: ''علوم الحديث'' میں لکھتے ہیں کہ ابو عمرو اسماعیل بن نُجید نے ابو جعفر احمد بن حمدان سے پوچھا- اور یہ دونوں صالح و نیک شعار بندگان خدا تھے- کہ میں کس نیت سے حدیث لکھوں؟ ابو جعفر نے جواب دیا کہ کیا تم لوگ خود یہ روایت نہیں کرتے ہو کہ ''عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ.'' (صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے) اور رسول اللہ ﷺ تو تمام صالحین کے سردار ہیں؟

اس کے بعد ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں ایک صیغہ ہے ''ترووون'' اگر یہ دو ''واو'' کے ساتھ ہے، تو ''روایت'' سے مشتق ہے (جس کا معنی یہ ہوگا کہ کیا تم لوگ یہ روایت بیان نہیں کرتے ہو؟ یا سین) اور اگر ایک ''واو'' کے ساتھ ہے، تو ''رؤیت'' سے مشتق ہے (جس کا مطلب یہ ہوگا کہ: کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے؟ یا سین)۔

پہلی صورت میں احتمال ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے اور دوسری صورت میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہوگی۔

ان دونوں محققین نے صرف یہ احتمالات نقل کیے ہیں اور از خود اِس اثر کی ایک سند بھی ذکر نہیں فرمائی۔ ظاہر ہے کہ محض احتمال دلیلِ ثبوت نہیں ہوسکتا، جب کہ ان کے علاوہ دیگر ائمۂ محدثین: مثلاً: حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ سخاوی، حافظ عراقی، امام طاہر پٹنی، علامہ شوکانی، علامہ امیر مالکی نے صاف صاف فرمادیا کہ یہ حدیثِ رسول نہیں ہے؛ بل کہ یہ حضرت سفیان ابن عیینہ رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے۔

بہ ہر حال اس کلام کا حدیث نبوی ہونا محدثینِ عظام کی تحقیق کی رو سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا اس کو ارشادِ نبوی کی حیثیت سے ذکر کرنا صحیح و درست نہیں۔ (علوم الحديث:٢٤٦، المقاصد الحسنة: ٧٢٠، تذكرة الموضوعات: ١٩٣، المغني في حمل الأسفار: ٢٠٩٥، المصنوع: ٢٠١، الأسرار المرفوعة: ٣٠٦، النخبة البهية: ٢٠٩، الفوائد المجموعة: ١١٣، الجد الحثيث: ٢٩٩، كشف الخفاء: ٢/٧٩)

٦٧ - حدیث: ''أنا أفصحُ مَنْ نطق بالضاد.''

بہت مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''أنا أفصحُ مَنْ نَطَق بالضَّاد.'' (لغتِ ضاد (عربی) بولنے والوں میں سب سے زیادہ فصیح میں ہی ہوں۔)

امام زرکشی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ امام عماد الدین بن کثیر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ''لا أصل له.'' (اس کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔)

حافظ سخاوی، حافظ طاہر پٹنی، علامہ عجلونی، حافظ سیوطی، علامہ شوکانی، ملا علی قاری، علامہ عامری و دیگر محدثینِ کرام رحمہم اللہ نے امام زرکشی کی تحقیق کو ''حرفِ آخر'' مانتے ہوئے اس کو بے اصل وغیر ثابت قرار دیا ہے۔

اسی کے ہم معنی اور ایک موضوع روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''أنا أفصح العرب بَيْدَ أني من قريش.'' (تمام عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان صرف میں ہوں، پھر بھی خاندانِ قریش میں سے ہوں۔)

امام زمخشری رحمۃ اللہ نے ''الفائق في غريب الحديث: ۱/ ۱۱۷'' میں، امام ابن الاثیر جزری نے ''النهاية في غريب الحديث والأثر: ۴/ ۱۸۵'' میں یہ حدیث بلا سند اور بغیر تخریج کے ذکر کی ہے؛ مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ علم غرائب الحدیث والوں نے یہ حدیث ذکر تو کی ہے؛ مگر کسی کو یہ نہیں معلوم کہ کس امام نے اس روایت کی تخریج کی ہے اور اس کی سند کیا ہے؟ البتہ امام طبرانی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بلا شک وشبہ مَیں نبی برحق ہوں، عبد المطلب کا لڑکا (پوتا) ہوں، ''أعرب العرب'': تمام عرب میں سب سے زیادہ عربی دان وعربی بیان ہوں، قریش کی اولاد میں سے ہوں اور بنو سعد بن بکر میں پرورش اور نشو ونما پائی ہے، تو بھلا میرے کلام میں خطا کہاں سے آسکتی ہے؟

اِس روایت کا ایک راوی: مبشر بن عبید ہے، جو متروک اور شدید الضعف ہے؛ لہٰذا حدیث ضعیف ہے۔

بہ ہر صورت زیرِ بحث یہ دونوں روایات آپ ﷺ سے صحیح وثابت نہیں ہیں؛ مگر ان کا معنی سو فی صد صحیح ہے؛ بل کہ ایک ضعیف حدیث سے اِن روایات کا معنی نبی اکرم ﷺ سے ثابت مانا جاسکتا ہے۔

(اللآلي المنثورة: ۱/ ۱۶۰، الأسرار المرفوعة: ۶۹، المصنوع: ۴۱، المقاصد: ۱/ ۱۶۷، تذكرة الموضوعات: ۳۹، كشف الخفاء: ۱/ ۱۸۲، أسنى المطالب: ۳۸۶، اللؤلؤ المرصوع: ۸۲، الجد الحثيث: ۵۰، الدرر المنثورة للسيوطي: ۱/ ۳، الفوائد الموضوعة: ۵۵، الفوائد المجموعة: ۲۶، النخبة البهية: ۴۲، المصنوع: ۴۰، الأسرار المرفوعة: ۶۹، المعجم الكبير: ۵۴۳۷، الجامع الكبير: ۱۸۱)

٦٨ - حدیث: ''وُلِدْتُ فِي زَمَنِ الْمَلِكِ الْعَادِلِ.''

''وُلِدْتُ فِي زَمَنِ الْمَلِكِ الْعَادِلِ.'' (میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں۔)

یہی روایت ''وُلِدْتُ'' کی جگہ ''بُعِثْتُ'' کے لفظ کے ساتھ بھی مروی ہے اور بعض میں ''العادل'' کے بعد ''کِسْریٰ'' کا بھی اضافہ ہے۔

تحقیق

یہ روایت بہ اتفاقِ محدثین بے اصل، جھوٹی اور موضوع و باطل ہے اور یہ روایتاً و درایتاً دونوں لحاظ سے موضوع ہے۔

روایتاً موضوع اس لیے ہے؛ کیوں کہ اس کی کوئی سند اور اصل نہیں اور یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ بے سند روایت حدیث نہیں ہوتی۔

درایتاً موضوع ہونے کی وجہ تاریخی اعتبار سے غلط ہونا ہے؛ کیوں کہ ''کسریٰ'' ایرانی بادشاہ کا لقب ہے اور ایرانی بادشاہوں میں عدل و انصاف سے مشہور صرف ایک گزرا ہے، جس کا نام نوشیرواں ہے۔ اب نبی کریم ﷺ کا زمانہ ولادت اور اس کے درمیان کافی طویل عرصہ ہے۔

بعض علما نے یہ بھی لکھا ہے یہ شرعاً بھی صحیح نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُس شخص کو عادل کہیں، جو حکمِ الٰہی کے بغیر فیصلے کرنے والا؛ مگر یہ وجہ اتنی مضبوط نہیں؛ کیوں کہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے آپ ﷺ نے اُس کو عادل نہیں کہا؛ بل کہ عام طور پر لوگوں میں وہ اسی حیثیت سے مشہور تھا، تو آپ ﷺ نے اسی شہرت پر نظر کرکے یہ بات فرمادی۔

مگر یاد رہے یہ تیسری وجہ اور احتمال تبھی قابلِ گفتگو ہے، جب کہ اِس کلام کا حدیثِ رسول ہونا ثابت ہوجائے؛ لیکن جب ثابت ہی نہیں، تو آپ ﷺ کی جانب ایسے احتمال کو منسوب کرنا بھی درست نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ حدیث موضوع و باطل اور جھوٹی و بناوٹی ہے۔ چناں چہ تقریباً تمام ہی محدثین نے ''لا أصل له، موضوع، كذب، باطل'' ہی کہا ہے۔

ایک حکایت

اِس حدیث کے موضوع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمادیا، یہ حدیث آپ ﷺ کی نہیں ہے۔ امام اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عام طور پر یہ قصہ سننے میں آتا

ہے کہ قاضی ابوبکر الجبری کے سامنے ایک نیک وصالح بزرگ نے انہیں سنایا کہ مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ تک آپ کا یہ ارشاد پہنچا کہ آپ نے فرمایا: ''وُلِدْتُ فِي زَمَنِ الْمَلِكِ الْعَادِلِ.'' میں نے اِس کے متعلق حافظِ حدیث حاکم ابوعبداللہ (صاحبِ مستدرک) سے پوچھا، تو انھوں نے کہا: یہ سراسر جھوٹ ہے، حضور ﷺ نے یہ کہا ہی نہیں۔ اِس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''صدق أبو عبد اللّٰه.'' (ابوعبداللہ کی بات سچی ہے۔)

مُلاحظۃ: یہ تو محض ایک نیک خواب ہے، جو یوں ہی بہ طور خوش طبعی وسرورِ قلبی ذکر کیا جاتا ہے؛ ورنہ تو ظاہر ہے کہ کسی امتی کا خواب شرعی مسائل و دلائل کے سلسلے میں نہ تو اثبات کی دلیل ہوسکتا ہے اور نہ ہی نفی وانکار کی دلیل بن سکتا ہے۔

(تذكرة الموضوعات: ۳۹، الموضوعات للصغاني: ۳۰،المقاصد الحسنة :۱۲۷۱، المصنوع: ۳۹۰، الأسرار المرفوعة:۵۷۶،اللآلي المنثورة:۱/۱۷۹،الجد الحثيث:۵۹۷،كشف الخفاء: ۹۱۵ ، ۲۹۲۷، فتح المغيث:۳/۳۶، الفوائد المجموعة:۳۰،النخبة البهية:۷۵،٤٠٥،أسنى المطالب: ۱٦٤۸، ٤٤۹، الفوائد الموضوعة: ۱۲۳)

٦۹ - حَدِيث: '' لا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلام.''

مشہور ہے کہ ''لا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلام'' (اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباري'' میں فرماتے ہیں: ''فلم أره بهذا اللفظ.'' (ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت مجھے نہیں ملی۔) لیکن ''طبرانی'' میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ''إن اللّٰه أبدلنا بالرهبانية الحنيفية السمحة.'' (بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم کو رہبانیت کی جگہ ایک ایسے طریقۂ زندگی کا حکم دیا ہے، جو تمام غلط و بے ہودہ طریقوں سے پاک وصاف اور وسعت وراحت والا ہے۔)

علامہ عجلونی اور علامہ عامری نے امیر المحققین حافظ ابن حجر رحمہم اللہ کی اِس تحقیق کو ''حرفِ آخر'' قرار دیا ہے۔

راقم عرض پرداز ہے: طبرانی کی جس روایت کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، وہ پوری روایت اس طرح ہے: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے خصی بننے کی اجازت عطا فرمادیں، آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا:

" يا عثمان ! إن الله قد أبدلنا بالرهبانية الحنيفية السمحة ، والتكبير على كل شرف ، فإن كنت مِنَّا ، فاصنع كمانصنع."

(اے عثمان! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم کو رہبانیت کی جگہ ایک ایسے طریقۂ زندگی کا حکم دیا ہے، جو تمام غلط و بے ہودہ طریقوں سے پاک وصاف اور وسعت وراحت والا ہے اور ہر اونچی جگہ پر تکبیر بلند کرنے کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا اگر آپ ہم میں سے ہیں،تو وہی کریں؛ جو ہم کرتے ہیں۔)

یہ روایت ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی ابراہیم بن زکریا ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

مگر امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباري'' میں اس کے متعدد حسن وصحیح شواہد ذکر کیے ہیں، جن سے اس ضعیف روایت کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور حدیث قابلِ قبول قرار پاتی ہے۔

الغرض متعلق بحث حدیث لفظاً ثابت نہیں ہے؛ مگر معنیً ثابت ہے۔

مُلاحظہ: ''فتح الباري'' کی اتباع میں علامہ عجلونی اور علامہ عامری رحمہما اللہ نے نقل کیا کہ حدیثِ طبرانی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ مگر تلاش اور جستجو کے بعد بھی اس بندۂ مسکین کو طبرانی کی تینوں معاجم میں سے کسی میں بھی یہ حدیث بہ روایتِ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نہیں ملی؛ بل کہ یہ بہ روایتِ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ مروی ہے اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی سعید بن العاص ہی کے طریق سے یہ حدیثِ طبرانی نقل کی ہے۔

(فتح الباري:۹/۱۳، كشف الخفاء:۳۱۵٤، الجد الحثيث:٦١٤، المعجم الكبير: ٥٥١٩، مجمع الزوائد: ۷۳۰۸)

۷۰ - حدیث: کسی کے سامنے اُس کی تعریف کرنا نہایت مذموم حرکت ہے۔

مشہور ہے کہ ''اَلشُّكْرُ فِي الْوَجْهِ مَذَمَّةٌ.'' (کسی کے روبہ رو اس کی تعریف کرنا نہایت مذموم حرکت ہے۔)

امام سخاوی ''المقاصد الحسنة'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہی بات ''الشكرانُ في الوجه مذمة'' اور ''شكران الإنسان في الوجه مذمة'' کے الفاظ سے عوام الناس میں مشہور ہے؛ مگر یہ حدیثِ رسول نہیں ہیں۔ (المقاصد الحسنة: ٦٠٠)

ملا علی قاری، علامہ عجلونی اور علامہ عامری ودیگر محدثین رحمہم اللہ بھی یہی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے۔

البتہ ملا علی قاری نے ''بخاری ومسلم'' کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب کا ذکر آیا، تو اس پر ایک دوسرے صاحب نے تعریف میں کچھ بہتر بات سنائی، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ یہ فرمایا کہ ''وَیْحَکَ ، قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِکَ'' (تمھارا ناس ہو! تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن اڑا دی)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے سامنے اُس کی تعریف کرنے کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا؛ بل کہ یہ واضح کر دیا کہ کسی کے منہ پر اُس کی تعریف کرنا، اُس شخص کی ہلاکت وبربادی کا باعث ہے۔

الغرض زیرِ بحث روایات بہ لحاظِ الفاظ حدیثِ نبوی نہیں، البتہ ان کا معنیٰ ومفہوم متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

مُلاحظہ: محدثین اور شراحِ حدیث نے اس موقع پر بیان کیا ہے کہ یہ کلام علی الاطلاق صحیح نہیں ہے؛ بل کہ یہ مذموم وممنوع اُس وقت ہے، جب کہ قوی احتمال ہو کہ جس شخص کی تعریف کی جا رہی ہے، وہ عجب وتکبر اور غرور وگھمنڈ میں مبتلا ہو جائے گا؛ لیکن اگر نیک وصالح انسان کی تعریف کی جائے اور قوی احتمال بھی ہو کہ وہ اِس تعریف سے باطنی خباثت سے ملوث نہیں ہوگا، اسی طرح کسی بندۂ مومن کی تعریف اس لیے کی جائے؛ تاکہ اس سے دینی کام لیا جائے، تو ایسی صورتوں میں کسی کے روبہ رو اُس کی تعریف کرنا جائز وصحیح ہے، جیسا کہ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی صورتوں میں صحابہ کی تعریف کرنا ثابت ومشہور ہے، چناں چہ فضائلِ صحابہ کا باب اِس پر شاہد ودلیل ہے۔

(المصنوع:١٦٤،الأسرار المرفوعة: ٢٤٦، كشف الخفاء: ١٥٦٢،أسنى المطالب:٨٠٥، الجد الحثيث:٢١١،البخاري:٦٠٦١،مسلم:٣٠٠٠،فتح الباري: ١٣/ ١٦١٧-٦٢١)

۷۱ - حدیث: تمھارے اعمال جیسے، تمھارے حکمران ویسے!

مشہور ہے کہ ''أعْمَالُکم عُمَّالُکم.'' (تمھارے اعمال جیسے تمھارے حکمران ویسے۔)

علامہ محمد بن درویش بیروتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''لم یثبت'' (یہ حدیث ثابت نہیں۔)

علامہ عامری اپنے پردادا حافظ نجم الدین رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''لم أره حديثاً.'' (اس کا حدیثِ نبوی ہونا مجھے نہیں معلوم ہوا۔)

علامہ عجلونی، علامہ نجم الدین رحمہما اللہ کی تحقیق نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ امام طبرانی کی روایت ہے کہ حضرت حسن بصری نے ایک شخص کو دیکھا، جو حجاج بن یوسف پر بددعا کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: ایسا نہ کہو، اُس کو تم پر خود تمھاری حرکتوں اور کرتوتوں کی وجہ سے مسلط کیا گیا ہے، (اگر تم ایسے ہی خدا کے باغی بن کے رہے تو) مجھے یہ خوف و اندیشہ ہے کہ اِس حجاج کی معزولی اور موت واقع ہونے کے بعد کہیں تم لوگوں پر خنزیروں اور بندروں کو مسلط نہ کر دیا جائے ''فَقَدْ رُوِيَ أَنَّ أَعْمَالَكُمْ عُمَّالُكُمْ، وَكَمَا تَكُوْنُوْا يُوَلّٰى عَلَيْكُمْ.'' (کیوں کہ مروی ہے کہ تمھارے اعمال تمھارے حکمران ہیں اور تم جیسے رہو گے؛ ویسے حکمران تم پر مقرر کیے جائیں گے۔)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کے کلام میں چوں کہ ''رُوِيَ'' کا لفظ آیا ہے؛ اس لیے اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے یہ کلام بہ حیثیتِ حدیث روایت کیا ہو۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: امام حاکمؒ اور امام دیلمیؒ نے یہ روایت حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور امام بیہقیؒ نے ابو بکرہ کا نام لیے بغیر ذکر کی ہے، نیز امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ یہ منقطع ہے اور اس کا ایک راوی یحییٰ بن ہاشم ہے، جس کا شمار حدیث گھڑنے والوں میں کیا جاتا ہے۔

نیز اس روایت کی دوسری سند بھی ہے، جس کو محدثِ ابن جمیع نے اپنی ''معجم'' میں اور حافظ قضاعی رحمہما اللہ نے اپنی ''مسند'' میں بیان کیا ہے، مگر اس سند میں متعدد مجہول راوی ہیں۔

یہ محتمل و قابلِ کلام روایات کے بعد حافظ سخاوی رحمۃ اللہ، نبی کریم کی دعاؤں میں سے ایک دعا نقل کرتے ہیں:

''اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا بِذُنُوْبِنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا'' (اے اللہ! ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر ایسوں کو مسلط مت فرما، جن کے دل میں ہمارے لیے ہمدردی نہ ہو۔)

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ نے جس دعا کا ذکر کیا ہے، یہ متعدد کتبِ حدیث میں مذکور ہے؛ مگر ''بذنوبنا'' کے اضافے کے ساتھ یہ روایت صرف سخاوی کی ''المقاصد الحسنة'' میں اور علامہ مناوی رحمہما اللہ کی ''فیض القدیر'' میں ملا ہے؛ مگر احادیث و ادعیہ و اذکار کی متعدد کتابوں میں یہ اضافہ بندے کو کہیں نہیں ملا۔

اس تفصیل و تحقیق کے بعد حاصلِ کلام یہ نکل آیا کہ زیرِ بحث روایت لفظاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے؛ مگر معنیً ثابت مانی جا سکتی ہے، تاہم اس کلام کا مفہوم خود نصِ قرآنی سے بھی ثابت ہے،

چناں چہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾۔ [الأنعام: ۱۲۹]

(أسنى المطالب:٦٢،الجد الحثيث:٣٤،كشف الخفاء:١/١٦٨،المقاصد الحسنة:٨٣٥، الترمذي: ٣٥٦٩، السنن الكبرى للنسائي:١٠٢٣٤،كنزالعمال:٣٧٦٤،رياض الصالحين: ٨٣٤، الأذكار النووية:٧٦١ وغيره)

۷۲ - حدیث: "بخلاء أمتي الخياطون"

"بُخَلاءُ أُمَّتِي الْخَيَّاطُوْنَ." (میری امت کے بخیل لوگ درزی ہیں۔)

امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: "لم أقف عليه" کہ مجھے یہ حدیث نہیں پتا۔علامہ قاوقجی رحمہ اللہ نے کہا "لا أصل له" (اس کی کوئی اصل نہیں ہے)۔صاحبِ "الجد الحثيث": علامہ عامری رحمہ اللہ نے کہا: "باطل" (باطل ہے۔)علامہ امیر مالکی رحمہ اللہ نے کہا: "لم يعرف" (غیر معلوم ہے)۔

ان کے علاوہ امام طاہر پٹنی، ملا علی قاری، علامہ شوکانی و دیگر ائمہ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ روایت بے اصل و بے سند، مطلب موضوع ہے۔

(المقاصد الحسنة:٢٣٤،الأسرار المرفوعة:١٦٢،المصنوع:٧٥،اللؤلؤ المرصوع:٦١، كشف الخفاء:١/٢٥٤، الجد الحثيث:٧٣، الفوائد للشوكاني:١٤٧، النخبة البهية: ٥، تذكرة الموضوعات للفتني:٥٩)

۷۳ - حدیث: "نَاكِحُ الْيَدِ مَلْعُوْنٌ."

فقہ کی متعدد معتبر و مستند کتابوں میں درج ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ناكح اليد ملعون." (ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے) یعنی اپنے ہاتھ سے عضوِ خاص کو استعمال کر کے مادۂ منویہ ضائع کرنے والا لعنتی ہے۔(فتح القدير:٣/٢١٢،الدر المختار مع الشامي:٣/ ٣٧١، البحر الرائق:٢/٤٧٥)

تحقیق

مگر حضراتِ محدثین کی تحقیق کے مطابق یہ بے اصل اور موضوع ہے، چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "لا أصل له كما صرّح به الرهاوي في حاشيته على المنار."،

علامہ عجلونی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''قال الرهاوي في حاشية المنار: لا أصل له.''، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ ''المصنوع'' کی تحقیق وتعلیق میں امام شرف الدین یحیٰ رُہاوی رحمہ اللہ کی عبارت نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے لکھا: ''لم أجده في كتب الحديث ، و إنما ذكره المشايخ في كتب الفقه.''

امام رُہاوی رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کرتے ہوئے اِن حضراتِ محدثین نے صریح وواضح اشارہ دے دیا کہ یہ حدیث بے اصل ہے، کتبِ حدیث میں ناپید ہے اور محدثین سے مروی وثابت نہیں ہے۔ آگے مزید اس حدیث کے تعلق سے کوئی کلام نہیں کیا۔

مگر شیخ ناصرالدین البانی مرحوم لکھتے ہیں کہ امام حسن بن عرفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع ذکر کی ہے:

> ''سبعة لا ينظر الله إليهم يوم القيامة ، و لا يُزَكِّيهم ، ولا يجمعهم مع العاملين ، و يدخلهم النار أول الداخلين، إلا أن يتوبوا ، فمن تاب تاب الله عليه ، ناكح يده، والفاعل، والمفعول به ، ومُدمِن الخمر، والضارب والديه حتى يستغيثاه ، والموذي جيرانه حتى يلعنوه ، و الناكح حليلة جاره.''
>
> (اللہ قیامت کے روز سات قسم کے لوگوں پر نہ نظرِ کرم کریں گے، نہ ان کا تزکیہ کریں گے اور نہ عمل کرنے والوں کے ساتھ ان کو رکھیں گے اور جہنم میں سب سے پہلے جانے والوں کے ساتھ ان کو جہنم میں ڈالیں گے؛ الا یہ کہ وہ توبہ واستغفار کرلیں؛ اس لیے جو بندہ توبہ کرتا ہے، اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتے ہیں (وہ سات یہ ہیں): اپنے ہاتھ سے جماع کرنے والا، بدفعلی کرنے والا اور کرانے والا، شراب کا عادی، اپنے والدین کو اس قدر ستانے والا کہ وہ پناہ مانگیں اور اپنے پڑوسیوں کو اس قدر اذیت دینے والا کہ وہ اُس کو لعن طعن کرنے پر مجبور ہوجائیں اور اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے والا۔)

پھر علامہ البانی نے ابوالشیخ کی ''مجلس من حديثه'' اور ابن بشران کی ''الأمالي'' کے حوالے سے اِس کی ایک شاہد بھی ذکر کی ہے، جو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ''هذا حديث

غریب ، وإسناده فيه من لا يعرف لجهالته.“ (یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں مجہول وغیر معروف راوی ہیں)۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ نے ”میزان الاعتدال“ میں یہ روایت اشارتاً ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ بہ طریقِ مسلمہ بن جعفر عن حسان بن حمید ماثور ہے اور یہ ان دونوں کو مجہول قرار دیا گیا ہے؛ تاہم امام ازدی نے فرمایا ہے کہ یہ مسلمہ ضعیف ہے۔

لہٰذا یہ وابستہ تحقیق روایت لفظاً تو غیر ثابت ہے؛ تاہم معنیً ثابت قرار دی جائے گی۔

(المصنوع:۱۹۹، الأسرار المرفوعة:۳۶۰،کشف الخفاء:۲/۳۸۵،تفسیر ابن کثیر:۱۰/۱۰۹، إرواء الغلیل: ۸/۵۸، ۲۴۰۱،سلسلة الأحادیث الضعیفة: ۱۰/۴۲۴، ۴۸۵۱،میزان الاعتدال: ۶/۴۲۲)

۷۴ - حدیث: ”مَنْ قَالَ فِيْ دِيْنِنا بِرَأْيِهِ فَاقْتُلُوْهُ“

”مَنْ قَالَ فِيْ دِيْنِنا بِرَأْيِهِ فَاقْتُلُوْهُ.“

(جو ہمارے دین میں اپنی رائے سے کوئی بات کہے؛ اس کو قتل کر دو۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی گئی ہے؛ مگر اس کی سند میں ایک راوی ابو صالح اسحاق بن نَجيح مَلَطِي ہے، جس کے بارے میں حضراتِ ائمہ کے اقوال ملاحظہ ہوں:

امام احمد رحمۃ اللہ نے فرمایا: ”هو مِنْ أكذب الناس.“ (یہ لوگوں میں سب سے بڑا جھوٹا اور گرو گھنٹال ہے۔)، امام فلاس نے فرمایا: ”كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ صَرَاحًا“ (یہ کھل کر صاف صاف حدیثیں گھڑا کرتا تھا)۔ امام یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ نے فرمایا: ”مَعْرُوْفٌ بِالْكَذِبِ ، وَ وَضْعِ الْحَدِيْثِ.“ (جھوٹ بولنے اور حدیث گھڑنے میں مشہور ہے)۔ امام یحیٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا کہ ”كَذَّابٌ، عَدُوُّ اللّٰهِ ، رَجُلُ سُوْءٍ ، خَبِيْثٌ“ (یہ اسحاق، سب سے بڑا جھوٹا، دشمن خدا، نہایت بدترین وخبیث ترین آدمی ہے۔)

امام ذہبی رحمۃ اللہ، حضراتِ ائمہ کے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد چند موضوع ومن گھڑت روایات ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:" هذه كلها هو وضعها." (یہ ساری کی ساری روایات اسی نے گھڑی ہیں۔)

امام ابن عدیؒ نے اور امام ابن الجوزیؒ نے یہی روایت، دوسرے طریق سے نقل کی ہے، جس میں سوید بن سعید راوی نے اسحاق بن نجیح کے بہ جائے ابن ابی الرجال کا نام لیا ہے؛ مگر

اولاً: تو بعض حضراتِ ائمہ نے فرمایا کہ سوید ثقہ نہیں ہے اور اس کو وہم ہو گیا اور اسحاق بن نجیح کہنے

کی جگہ ابن ابی الرجال کہہ دیا ہے۔

ثانیاً: حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہاں اس کو وہم ہوگیا، جس کی دلیل یہ ہے کہ یہی روایت اسی سوید بن سعید نے اسحاق بن عبداللہ کہہ کر ذکر کی ہے، جیسا کہ حافظ ابونعیم نے "حلية الأولياء" میں تخریج کی ہے۔

ثالثاً: امام ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سوید بن سعید کی صفائی میں جو یہ عذر بیان کیا کہ اس کو وہم ہوگا، اِس عذر کو بہت سارے علما نے قبول نہیں کیا، بل کہ جب یحییٰ بن معین کے سامنے ذکر کیا گیا کہ سوید نے یہ روایت ابن ابی الرجال کے نام سے بیان کی ہے، تو امام یحییٰ نے فرمایا:

"ينبغي أن يبدأ به ويقتل، فإنه حلال الدم ، و لو كان عندي سيف ودرقة لغزوته."

(جب ایسی بات ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والے کو قتل کرنا ہے تو پھر] بہتر یہی ہے اس کام کا آغاز اسی سے کیا جائے اور اس کی گردن اڑا دی جائے؛ کیوں کہ مباح الدم ہوگیا، اگر میرے پاس تلوار اور ڈھال ہوتی، تو میں اس سے ضرور جنگ کرتا۔)

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ نے اتنی بڑی بات اسی لیے کہی؛ کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ ایسی روایت ابن ابی الرجال کی نہیں ہوسکتی؛ ہوگی تو اسحاق بن نجیح ہی ہوگی۔

بہ ہر حال محدثین نے اس کو صحیح وثابت تسلیم نہیں کیا؛ بل کہ اس کو دروغ بافتہ وخودساختہ روایت قرار دیا ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزي: ۲۹۸/۳-۲۹۹،تلخيص الموضوعات:۷٦٤، تذكرة الموضوعات: ١٦، اللآلي المصنوعة:٢٢٩/١، تنزيه الشريعة: ٢٦٨/٢، أسنى المطالب:١٤٤٩ ، الفوائد المجموعة : ١٠٤ ، كشف الخفاء : ٢٥٦٢ ، المصنوع : ٣٥٢ ،الكامل لابن عدي:١٩١/١، ميزان الاعتدال:٣٥٤/١-٣٥٧، لسان الميزان:٢٨٧/١)

۷۵ - حدیث: ایک مسلمان کو وضو کرنے لوٹا دینا، جہاد میں گھوڑا دینے کے برابر ہے۔

جس مدرسے میں راقم نے ناظرۂ قرآن اور حفظِ قرآن کیا ہے، وہاں پر دیکھا کہ بعض اساتذۂ گرامی اپنے طلبۂ حفظ وناظرہ کو بہ روز جمعرات اخلاقی نصیحتیں کررہے ہیں، ایک استاذِ محترم نے فرمایا کہ حدیث پاک میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: "ایک مسلمان کو وضو کرنے لوٹا دینا، جہاد میں

گھوڑا دینے کے برابر ہے‘‘۔ اس کے بعد طلبہ کو اس پر عملی مشق کرانے کے لیے کچھ بھرے ہوئے لوٹوں کا تبادلہ طلبہ سے کروا رہے ہیں۔

تحقیق

راقم نے اپنے تاثرات میں بصد ادب جو کچھ عرض کیا، اُس کا حاصل یہ ہے کہ: تربیت کا جو نظام دیکھا؛ وہ بہت عمدہ و مفید پایا؛ لیکن اُس وقت جو حدیث پڑھ کر سنائی اور اس کے مطابق مشق کرائی جارہی تھی، وہ صحیح نہیں، جس کی تحقیق یہ ہے کہ حدیث کا جو مضمون اوپر نقل ہوا ہے، اس کے عربی الفاظ یہ ہیں:

’’مَنْ قَدَّمَ لِأَخِيْهِ إِبْرِيْقًا ؛ يَتَوَضَّأُ بِهِ فَكَأَنَّمَا قَدَّمَ جَوَادًا.‘‘

اس روایت کی تحقیق کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ’’أحاديث القصاص‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’من قدَّم إبريقا لمتوضيء ، فكانما قدَّم جوادًا مسورجاً ملجوماً يقاتل عليه في سبيل اللّٰه تعالى.‘‘

(جس نے وضو کرنے والے کو ایک لوٹا پانی دیا، اس کا یہ عمل ایسا جیسے کسی نے ایک ایسا عمدہ گھوڑا دیا، جس پر زین بچھی ہوئی ہو، لگام لگی ہوئی ہو اور جس پر سوار ہو کر فی سبیل اللہ جہاد کیا جائے۔)

یہ کلام نقل کرنے کے بعد خود امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ’’هذا ليس من كلام النبي ، ولايعرف في شيء من الكتب المعروفة.‘‘ (یہ نبی ﷺ کی حدیث نہیں ہے اور نہ حدیث کی معروف و متداول کسی کتاب میں اس کا وجود ہے۔)

علامہ شوکانی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ ابن عراق و دیگر محدثین رحمہم اللہ نے حضرت امام ابن تیمیہ ہی کی تحقیق کو نقل فرما کر اس روایت کے موضوع و من گھڑت ہونے پر مہر لگائی ہے اور چوں کہ اس معنی اور اس فضیلت کی کوئی دوسری روایت صحیح و ثابت نہیں ہے؛ اس لیے اس کو بیان کرنا اور اس پر عمل کرنا بالکل صحیح نہیں ہے۔

(أحاديث القصاص:٥٥، الفوائد الموضوعة:٣٠، المصنوع:٣٥٣، الأسرار المرفوعة: ٥١٣، كشف الخفاء:٢٥٦٣، أسنى المطالب:١٤٥١، تذكرة الموضوعات للفتني:١٤، تنزيه الشريعة:٣٦)

٧٦ - حَدِيث: ''مسجد میں دنیاوی بات کرنے پر وعید والی دو موضوع روایات''

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کی مذمت اور مضرت کے متعلق خطبا و عوام کے درمیان کچھ رویات آج کل سنی وسنائی جارہی ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے: ''مَنْ تَكَلَّمَ بِكَلَامِ الدُّنْيَا فِي الْمَسْجِدِ أَحْبَطَ اللّٰهُ أَعْمَالَهُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً.'' (جو شخص مسجد میں دنیاوی باتیں کرتا ہے، اللہ کے یہاں اس کی چالیس برس کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔)

مشہور محدث امام ابوالفضائل الحسن بن محمد الصغانی رَحِمَهُ اللهُ نے ''الموضوعات'' میں اِس کو موضوع وخانہ ساز روایت قرار دیا ہے۔ امام طاہر پٹنی، ملا علی قاری اور علامہ عجلونی نے امام صغانی رحمہم اللہ کی تحقیق نقل کر کے اس سے بالکلیہ اتفاق کیا ہے؛ بل کہ ملا علی قاری رَحِمَهُ اللهُ نے ''الأسرار'' میں فرمایا کہ ''وهو كذالك ؛لأنه باطل مبنىً و معنىً.'' (یہ موضوع ہے، جیسا کہ امام صغانی کی تحقیق ہے؛ اس لیے کہ یہ سنداً بھی باطل ہے اور معنیً بھی)

محدثِ کبیر، فقیہ العصر استاذی ومرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ اپنی مایہ ناز کتاب: ''حدیثِ نبوی اور دور حاضر کے فتنے'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''مساجد میں دنیوی بات کے بارے میں ایک حدیث اس طرح آئی ہے کہ اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جس نے مسجد میں دنیوی بات چیت کی اس کے چالیس برس کے عمل حبط ہوجاتے ہیں؛ مگر یہ حدیث موضوع ہے، جیسا کہ علمائے حدیث نے تصریح کی ہے۔''

دوسری روایت یہ ہے کہ ''الحديثُ في المسجدِ يأكلُ الحسناتِ كما تأكلُ البهيمةُ الحشيشَ.'' (مسجد میں بات کرنا نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے، جس طرح چوپایہ چارہ کھا جاتا ہے۔) اسی مفہوم کی ایک تعبیر یہ بھی ہے: ''الحديث في المسجد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب''، یہ بھی ہے: ''الكلام المباح في المسجد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب.''

یہ حدیث بے حد مشہور ہے حتی کہ امام زمخشری کی تفسیر: ''الكشاف'' میں، امام رازی رَحِمَهُ اللهُ کی تفسیر: ''مفاتيح الغيب'' میں اور علامہ آلوسی رَحِمَهُ اللهُ کی تفسیر: ''روح المعاني'' میں و دیگر کتبِ تفسیر میں؛ نیز وعظ وخطبات کی متعدد کتابوں میں یہ کلام حدیثِ نبوی اور فرمانِ رسول کی حیثیت

سے بہ کثرت ذکر کیا گیا ہے؛ مگر جو حضرات علمِ حدیث کے ممتاز محققین ہیں اور اس فن کے مختص ماہرین ہیں، اُن کی تحقیق یہ ہے کہ یہ ارشادِ نبوت نہیں ہے، چناں چہ

"إحياء العلوم" کی تخریج "المغني عن حمل الأسفار" میں حافظ عراقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "لم أقف له على أصل." (مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔) امام فیروز آبادی، حافظ عراقیؒ کی تائید میں لکھتے ہیں کہ "لَمْ يُوْجَدْ" (کہیں کسی کے پاس نہیں ملی۔) امام طاہر پٹنی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ شوکانی، علامہ بیروتی؛ اِن سب محدثین نے حافظ مجد الدین فیروز آبادی ہی کی طرح تحریر فرمایا ہے کہ "لَمْ يُوْجَدْ"۔

اسی طرح امام زمخشری نے "الكشاف" میں سورۂ توبہ اور سورۂ لقمان دو مقامات پر یہ حدیث نقل کی ہے؛ مگر اولاً: تو اِس تفسیر میں دیگر کتبِ تفسیر کی طرح متعدد منکر و موضوع آثار منقول ہیں، جیسا کہ حضراتِ محدثین کی تخریج و تحقیق سے ظاہر و باہر ہے۔ ثانیاً: احادیثِ کشاف کی تخریج میں حافظ جمال الدین زیلعی نے اور زیلعی کی اسی کتاب کی تلخیص میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں مقامات پر اِس حدیث کے متعلق کوئی کلام نہیں کیا، جب کہ اکثر و بیش تر مرویات پر امام زیلعیؒ کی تحقیق و تخریج ہے۔

بہ ظاہر یہی کہا جائے گا -اور یہی کہنا بھی چاہیے- کہ جس طرح حافظ عراقی اور حافظ مجد الدین کو اس حدیث کی کوئی سند اور اس کا ذکر حدیث کی کتابوں میں کسی محدث سے نہیں ملا، اسی طرح حافظ زیلعی اور حافظ عسقلانی؛ دونوں ائمۂ کبار کو بھی یہ حدیث اور اس کی اصل کہیں نہیں ملی۔

محدثِ کبیر شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ "المصنوع" کی تعلیق میں لکھتے ہیں کہ علامہ سفارینی رحمہ اللہ نے "غذاء الألباب" میں یہ حدیث اور اُس کی متعدد تعبیرات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ "فهو كذب لا أصل له." (یہ سب بناوٹی وجھوٹی ہیں، ان کی کوئی اصل وحقیقت نہیں ہے۔)

شیخ ابو غدہ رحمہ اللہ نے اس کے بعد چند کتبِ تفسیر اور ائمۂ تفسیر کا نام لیا ہے، جنھوں نے یہ من گھڑت روایت بغیر تحقیق نقل کر دی ہے، پھر لکھتے ہیں کہ "لهذا يتعين في كل علم الرجوع الى أهله الحاذقين فيه." (اسی لیے یہ امر طے ومقرر ہے کہ ہر علم میں اعتبار صرف اُس علم کے حاذقین وماہرین ہی کا ہوگا۔)

الغرض امام زیلعی، امام عراقی، امام عسقلانی، حافظ فیروز آبادی، حافظ طاہر پٹنی، ملا علی قاری، علامہ شوکانی، علامہ عجلونی، محدثِ کبیر شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہم اللہ اور محدثِ کبیر شیخ ومفتی محمد شعیب اللہ خان حفظہ اللہ؛ ان سب محدثینِ عظام کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث بھی سابقہ حدیث کی طرح موضوع وخود ساختہ ہے۔

کلام مزید و مفید

یہ روایات اگرچہ کہ موضوع و بے اصل ہیں؛ لیکن مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کی مذمت اپنی جگہ دیگر احادیث سے صحیح وثابت ہے، مثلاً ''مشکاۃ شریف'' میں بہ حوالہ ''ابوداود وترمذی'' بہ طریقِ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے اندر اشعار پڑھنے سے، خرید وفروخت سے اور مسجد کے اندر جمعے کے دن نمازِ جمعہ سے قبل حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

بہ حوالہ ''ترمذی ودارمی'' حضرت ابوہریرہ ﷛ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم لوگ مسجد کے اندر کسی کو خرید وفروخت کرتے دیکھو، تو کہو: اللہ تمھاری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے۔ اسی طرح مسجد کے اندر کسی گم شدہ چیز کا اعلان کرتے دیکھو؛ تو کہو: اللہ وہ چیز تمھیں نہ لوٹائے۔

بہ حوالہ ''ابوداود وجامع الاصول'' حضرت حکیم بن حزام سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں قصاص لینے سے، اشعار پڑھنے سے اور حدود وتعزیرات جاری کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت استاذِ مکرم ''حدیث نبوی اور دور حاضر کے فتنے'' میں بہ حوالہ صحیح امام ابن حبان حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے ایک قابلِ قبول روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا، جب کہ لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کیا کریں گے، تم ان کے پاس نہ بیٹھنا، اللہ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت استاذِ محترم رقم فرماتے ہیں:

> ''اس سے معلوم ہوا کہ مساجد میں دنیوی بات چیت کرنا، اچھی بات نہیں ہے؛ حتیٰ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں (دنیوی اور ذاتی اغراض کے لیے) شعروشاعری کرنا، بیع وتجارت کرنا، اپنی گم کردہ چیز کا اعلان کرنا بھی منع ہے۔''

(المغني عن حمل الأسفار: ٤١٠، الموضوعات للصغاني: ٤٠، كشف الخفاء: ١١٢١،٢٤٤٠، الأسرار المرفوعة: ٤٧٧، المصنوع: ١٠٩، ٣٢٨، تذكرة الموضوعات للفتني: ١٦١، الفوائد المجموعة للشوكاني: ٣٣، غذاء الألباب: ٢/٢٤٢، مشكاة المصابيح مع مرقاة المفاتيح: ٢/٤٠٨-٤١١، حدیثِ نبوی اور دورِ حاضر کے فتنے: ۲۳۱)

۷۷ - حدیث: ''زندہ نمازیوں پر مردہ لوگوں کا رشک کرنا''

"مَا مِنْ لَيْلَةٍ اِلَّا وَ يُنَادِيْ مُنَادٍ : يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ! مَنْ تَغْبِطُون؟ قَالُوا: نَغْبِطُ أَهْلَ الْمَسَاجِدِ ،لِأَنَّهُم يَصُومُون، و لَا نَصُومُ ، وَ يُصَلُّون، وَ لَا نُصَلِّيْ، وَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ ، وَلَا نَذْكُرُه."

(ہر رات ایک فرشتہ یہ ندا لگاتا ہے کہ اے اہلِ قبور! تم کس پر رشک کرتے ہو؟ مردے کہیں گے: ہم مسجد میں آنے والوں پر رشک کرتے ہیں؛ کیوں کہ وہ روزہ رکھتے ہیں؛ مگر ہم نہیں، وہ نماز پڑھتے ہیں؛ مگر ہم نہیں، وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں؛ مگر ہم نہیں۔)

تحقيق

یہ ایک مشہورِ زمانہ روایت ہے، جو کتبِ حدیث میں تو نہیں ہے؛ مگر کتبِ سلوک وتصوف میں بہت منقول ہے، مگر یہ بے اصل اور بے سند روایت ہے۔ مثلاً امام غزالیؒ نے ''إحياء العلوم: ۲/۲۰۱'' میں یہ روایت ذکر کی ہے۔ اس کی تخریج کرتے ہوئے حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں: ''لَمْ أَجِدْ لَهُ أَصْلًا '' (مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔) امام طاہر پٹنی لکھتے ہیں: ''لَمْ يُوْجَدْ'' (کسی کے پاس بھی نہیں ملی۔) ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''لَمْ يُوْجَدْ لَهُ أَصْلٌ'' (اس کی اصل نہیں ہے۔) علامہ عجلونی اور علامہ شوکانی؛ ان حضرات کی تحقیق سے متفق ہیں۔

حافظ عراقی، حافظ طاہر پٹنی، ملا علی قاری، علامہ شوکانی اور علامہ عجلونی رحمہم اللہ جیسے محدثینِ عظام کی مذکور تحقیق نے صاف بتا دیا کہ یہ بے اصل وغیر ثابت، نبیٔ اکرم ﷺ کی مبارک حدیث نہیں ہے۔

(المغني عن حمل الأسفار: ۲۰۱۰، الأسرار المرفوعة: ۴۱۹، المصنوع: ۲۸۹، تذكرة الموضوعات: ۳۶، كشف الخفاء: ۲۲۳۳، الفوائد المجموعة: ۳۵)

۷۸ - حدیث: '' إِذَا صَدَقَتِ الْمَحَبَّةُ ، سَقَطَتْ شُرُوْطُ الْأَدَب. ''

''إِذَا صَدَقَتِ الْمَحَبَّةُ سَقَطَتْ شُرُوْطُ الْأَدَب. '' (جب محبت واقعی محبت ہو جاتی ہے؛ تو شرائطِ ادب ختم ہو جاتے ہیں۔)

اسی مفہوم کی دیگر تعبیرات بھی ملتی ہیں، مثلاً: ''إذا صحت المَوَدَّة سقط التكلُّف و العملُ.''

" إذا صحَّت المحبَّة تأكَّدتْ على المُحِبِّ مُلازمةُ الأدب" ، " إذا وُجِدَت الألفةُ سقطت الكُلفةُ ."

حافظ سخاوی، حافظ عامری، ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ قاوقجی اور علامہ امیر مالکی رحمہم اللہ؛ ان سب محدثینِ عظام کی تحقیق یہی ہے کہ یہ سب، نبیٔ اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ نہیں ہیں؛ بل کہ بعض صوفیا اور صلحا کے اقوال ہیں۔

(المقاصد الحسنة:٦٦، كشف الخفاء:٢٤٦، المصنوع:٢٠، الأسرار المرفوعة:٢٨، اللؤلؤ المرصوع:٢٩، الجد الحثيث:١٨، النخبة البهية: ١٤)

ایک ضروری توضیح وتنبیہ

مذکورہ بالا تعبیرات اگر چہ احادیثِ نبویہ نہیں ہیں؛ مگر سلفِ صالحین و بزرگانِ دین کے ارشادات ہیں، مثلاً: حضرت جنید بغدادیؒ اور امام قشیریؒ سے منقول ہیں اور اِن ملفوظات کا مفہوم و مطلب یہ ہے:

(۱) جب ایک طالبِ خدا محبت الٰہیۃ کے بحرِ عمیق میں غرق اور حالتِ جذب و بے خودی میں مگن و مست ہو جاتا ہے، تو اپنے ہوش و حواس اور عقل و خرد کھو بیٹھتا ہے۔ اُس کو آس پاس کی اور اپنی ذات و حالت کی خبر نہیں رہتی۔ اِس کیفِ بے خودی کے اثر سے کبھی تو یہ بندہ گھر بار چھوڑ کر کسی ویرانے میں سب سے الگ آ پڑا رہتا ہے، یا شہر و بستی سے دور کسی جنگل کی راہ لے لیتا ہے؛ کبھی رات دن بہ حالتِ قیام کھڑے رہتا ہے اور کبھی بہ حالتِ رکوع وسجدہ جھکا ہوا رہتا ہے۔ الغرض مختلف مجذوبانہ حالات و کیفیات میں مبتلا و مگن رہتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جو محبتِ الٰہیۃ میں فنا ہو چکا ہو اور عقلِ مطلوب سے عاری ہو چلا ہو، وہ قانونِ شریعت کی رو سے معذور سمجھا جائے گا؛ نیز احکامِ شرع کا مکلّف بھی نہیں رہتا۔ ایسے انسان کے حق میں یہ کہنا صحیح ہے کہ جب حقیقی محبت ہو جاتی ہے، تو ادب اور عمل کے احکام سے وہ مستثنیٰ ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اِس عاشقِ صادق کو سوائے اپنے محبوبِ حقیقی کے کسی اور کی خبر تو کیا ہوتی، خود اپنی بھی خبر نہیں ہوتی۔

(۲) ایک مطلب ایسی عبارات کا یہ لیا جائے کہ جب ایک بندے کو اپنے رب سے سچی محبت ہو جاتی ہے، تو وہ محض شرعی احکام وفرامین ہی کو نہیں دیکھتا اور اپنی بندگی صرف اور صرف قانون و ضابطے کے زور پر انجام نہیں دیتا؛ بل کہ تعلق مع اللہ اور اُس کے تقاضوں پر اُس کی نظر ہوتی ہے؛ اس لیے ایسا انسان ہر اُس عملِ خیر اور کارِ نیک کو بھی ایک فرض و واجب کی طرح انجام دینے میں پیش پیش رہتا ہے، جو تشریعِ اسلامی کی رو سے نفل، مستحب یا مباح ہے؛ کیوں کہ اُس کے پیشِ نظر صرف یہ بات مرکوز رہتی ہے کہ جب

یہ نیک وحسین عمل ہے، اللہ ورسول کو پسند ہے، اس سے محبتِ الٰہیہ نصیب ہوتی ہے، تو اُس کو ترک کرنا صحیح نہیں ہے..... اسی طرح یہ بندۂ خدا ہر اُس خطا ولغزش سے، ہر اُس قصور وکوتاہی سے خود کو پوری طرح بچائے رکھتا ہے، جو حکمِ شرع کے بہ موجب مکروہِ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ ہے؛ کیوں کہ اُس کے دل میں یہ تہ نشیں رہتا ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا اور خدا سے تھوڑا بھی دور کر دینے والا ہو، وہ کام کرنا آخر کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ مانا کہ وہ حرام اور بڑا گناہ نہیں ہے؛ مگر ہے تو خدا کو ناخوش کرنے والا۔

اب ایسے محبت مزاج نیک بندے کی نسبت یہ کہنا بالکل بہ جا ہے کہ جو محبت میں سچا ہوتا ہے، اس پر سے قانونی احکام اتر جاتے ہیں؛ کیوں کہ اللہ ورسول سے اُس کی سچی محبت، اُس کو قانون سے زیادہ پابندِ عمل بنا دیتی ہے۔

بہ ہر حال سلفِ صالحین کے ارشادات کی مذکورہ بالا توضیحات یا اس جیسی موافقِ شرع ومعقول تشریحات ہی کو مراد لینا واجب وضروری ہے۔

اس وقت یہ توضیح وتشریح کرنے کی ضرورت محسوس ہونے کی وجہ یہ ہے:

(۱) بعض جاہل وبدعتی اور نام نہاد صوفی کہتے ہیں کہ جب کسی بندے کو سچی محبت ومعرفت نصیب ہو جاتی ہے، تو اسے نماز، روزہ، حج اور زکاۃ وغیرہ اعمال کی ضرورت نہیں رہتی ہے، وہ اِن سب سے مستثنیٰ وبری کر دیا جاتا ہے۔ اِن اعمال کی ضرورت تو اس کو ہے، جو اس دولت سے محروم وتہی دست ہے۔

اس قسم کے جاہل لوگ اپنے اس باطل مطلب کے لیے غلط سلط، جھوٹی اور من گھڑت باتیں بھی پھیلاتے ہیں اور محقق وحقیقی ائمۂ تصوف کے مذکورہ بالا ارشادات وملفوظات کو بہ طور دلیل پیش کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنے کی لاحاصل کوشش کرتے ہیں۔

حالاں کہ ان کا یہ نظریہ وعمل، اسلام مخالف ہے، شریعت کو معطل، بے کار اور لایعنی قرار دینے والا ہے، جو کسی طور صحیح نہیں اور یہ سراسر زندیقانہ والحاد زدہ سوچ ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا جن صلحا کے یہ اقوال ہیں اور جو صلحا اِن کو نقل کرتے ہیں، ان کے نزدیک بھی یہ معنی ہرگز ہرگز مراد نہیں؛ بل کہ اُن کے نزدیک بھی وہی مفہوم متعین ہے، جو اوپر زیرِ عنوان نمبروار تحریر کر دیا گیا ہے، جو کہ صاف، بے غبار اور صحیح ہے۔

(۲) اسی طرح ان اقوال کی توضیح وتشریح میں چند جاہل، بدعمل اور نام نہاد صوفیوں کی غلط باتوں کی وجہ سے اور صحیح معلومات صحیح مآخذ سے حاصل نہ کرنے کی بنا پر ایک طبقہ ایسا بھی ہے، جو تصوف وسلوک سے کھار کھائے ہوئے ہے۔ صحیح علم تصوف ومحقق صوفیا سے خود کو بھی اور دوسروں کو بھی دور رکھے ہوئے ہے۔ اور ایسے لوگ اپنی اسی کم علمی وغلط فہمی کے باعث یہ غلط پروپگنڈہ کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو علم

تصوف میں ایسی ایسی باتیں لکھی ہوئی ہیں کہ جس سے اسلامی تعلیمات واحکامات کو کھلے طور پر ترک کرنا لازم آتا ہے؛ حالاں کہ ایسا سمجھنا حقیقت وسچائی سے جہالت کا نتیجہ ہے۔

آمدم بر سر مطلب

بہ ہر حال اس تفصیل سے کلام کرنے کا مقصود افراط وتفریط سے بچانا اور صحیح ومعتدل راہ دکھانا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ زیرِ بحث جتنے اقوال ہیں، وہ سب نبیٔ اکرم کی احادیثِ مبارکہ نہیں ہیں؛ بل کہ سلفِ صالحین کے ملفوظات ہیں۔ نیز اِن ملفوظات کا اگر صحیح معنیٰ مراد ہو، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو پھر ان کو صرف اقوالِ سلف کی حیثیت سے ہی نقل کرنا ضروری ہے؛ لیکن اگر وہ معنیٰ مراد لیا جائے، جو اسلام کو معطل اور شریعت کو ڈھانے والا ہے، تو پھر اِن اقوال کا اس غرض کے لیے نقل کرنا صرف ناجائز وکبیرہ گناہ ہی نہیں؛ بل کہ کفریہ وزندیقانہ حرکت ہے۔

۷۹ - حدیث: "تَزَوَّجُوْا ، وَ لَا تُطَلِّقُوْا ، فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَزُّ لَهُ الْعَرْشُ."

بے حد مشہور روایت ہے کہ: "تَزَوَّجُوْا ، وَ لَا تُطَلِّقُوْا ، فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَزُّ لَهُ الْعَرْشُ."
(شادی کرو اور طلاق نہ دیا کرو؛ کیوں کہ اِس طلاق کی وجہ سے عرش کانپ اٹھتا ہے۔)

یہ حدیث امیر المومنین حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے، جسے امام ابن الجوزی نے "الموضوعات" میں خطیب بغدادیؒ کے طریق سے اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "الجامع الصغیر" میں ابن عدی کے حوالے سے نقل کی ہے اور یہی حدیثِ علی رضی اللہ عنہ "مسند فردوس دیلمی" میں "یھتز لہ" کی جگہ "یھتز منہ" کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

اِس روایت کی تحقیق تھوڑی سی تفصیل طلب ہے: چناں چہ امام ابن الجوزی، امام صغانی، امام ذہبی، امام طاہر پٹنی، امام ابن عراق اور علامہ شوکانی نے صاف لکھا ہے کہ یہ موضوع ہے۔

ان کے علاوہ دو حفاظِ حدیث وہ ہیں، جنھوں نے اِس کو ضعیف قرار دیا ہے، چناں چہ

(۱) حافظ سخاوی رحمہ اللہ "المقاصد الحسنة" میں لکھتے ہیں: "سنده ضعيف" (اس کی سند ضعیف ہے۔)

(۲) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "الجامع الصغیر" میں ضعیف ہونے کی جانب اشارہ دیا ہے۔

تفصیلی کلام

اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

(الف) یہ روایتِ علی، امام خطیب بغدادی نے اور امام ابن عدی نے اپنی سندوں سے نقل کی ہیں اور دونوں کی سندوں میں ایک راوی ہے: ابو ابراہیم ترجمانی، جو اِس حدیث کو **عمرو بن جُمَیع** کے واسطے سے روایت کرتا ہے، یہی عمرو بن جمیع ''مُلْتَقَی السَّنَدَیْن'' یعنی دونوں طریق کا مرجع و مصدر ہے۔اس کے متعلق حضراتِ ائمۂ حدیث کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

''میزان الاعتدال'' اور ''لسان المیزان'' میں منقول ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''لیس بثقة ، و لامأمون.'' (ثقہ بھی نہیں اور قابلِ اطمنان بھی نہیں ہے۔)؛ نیز ذہبی و عسقلانی رحمہما اللہ نے تصریح کی ہے کہ ''کَذَّبَه ابنُ معین.'' (امام یحییٰ بن معین نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے۔)

اسی طرح امام دارقطنی رحمہ اللہ اور ایک جماعتِ محدثین نے متروک کہا ہے۔ابن عدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''کان یتهم بالوضع.'' (وضعِ حدیث کی تہمت کھائے ہوئے تھا)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''منکر الحدیث'' (منکر الحدیث ہے)۔امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''متروک الحدیث'' ہے۔امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہشام بن عروہ کے حوالے سے منکر اور موضوع روایات بیان کرتا تھا۔امام نقاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''أحادیثه موضوعة.'' (اس کی حدیثیں گھڑی ہوئی ہوتی ہیں۔)

اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ یہ عمرو بن جمیع کذب بیانی اور وضعِ حدیث کی جرح سے مجروح ہے، ثقہ ائمہ سے موضوع روایات بیان کرتا ہے اور اس کی مرویات موضوع و ناقابلِ اطمنان ہوتی ہیں؛ کسی بھی امام سے اِس کی توثیق و تصدیق منقول نہیں ہے؛ لہٰذا اصولِ حدیث کی رو سے، جو راوی متروک الحدیث و منکر الحدیث ہو، وضعِ حدیث اور دروغ بیانی سے متہم ہو، ایسے راوی کی روایت ناقابلِ قبول اور متروک و موضوع کہلاتی ہے۔

(ب) حافظ سخاوی رحمہ اللہ ''المقاصد'' میں لکھتے ہیں: یہ روایت امام دیلمی نے بطریق **جویبر عن الضحاک عن النزال** ذکر کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

اتنی بات تو بالکل صحیح ہے؛ اس لیے کہ جویبر اور امام ضحاک اگرچہ علمِ تفسیر میں معتبر ہیں؛ مگر علمِ حدیث میں محدثین نے ان کو ضعیف بتایا ہے، چنانچہ امام ذہبی، امام ابن قدامہ سرخسی کے حوالے سے

یحییٰ القطان کا قول نقل کرتے ہیں:

" ثم ذکر لیث بن أبي سلیم ، و جویبر، و الضحاک ، و محمد بن السائب ، و قال: هؤلاء لا یُحْمَدُ حدیثُهم ، ویکتب التفسیر عنهم. "

(لیث بن ابی سلیم، جویبر، ضحاک اور محمد بن السائب کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اِن حضرات کی حدیثیں قابلِ تعریف وتوثیق نہیں؛ تاہم اِن سے تفسیر لکھی جائے گی۔)

مگر اس روایت کا جو راوی عمرو بن جمیع ہے، اس کے بارے میں حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے کچھ نہیں فرمایا، حالاں کہ یہی اس روایت کا مرکزی اور اصل راوی ہے اور یہ صرف اسی سے مروی ہے، کوئی دوسرا اِس کا متابع ومؤید بھی نہیں ہے۔

اسی لیے دیگر محدثین نے اِس کو ضعیف تسلیم نہیں کیا؛ بل کہ اِس کو موضوع روایت ہی قرار دیا ہے؛ بل کہ علامہ مناوی رحمہ اللہ کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ کی تردید کر رہے اور ان کا بھی رجحان یہی ہے کہ اس کو موضوع کہا جائے، چناں چہ "فیض القدیر" میں اس حدیث کی تخریج میں پہلے تو حافظ سخاوی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا کلام نقل کرتے ہیں؛ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں: قال ابن الجوزی: بل هو موضوع.

اس ترتیبِ کلام سے علامہ مناوی رحمہ اللہ کا رجحان ومیلان بھی معلوم ہوگیا کہ وہ بھی امام ابن الجوزی کی طرح اِس روایت کے موضوع ہونے کے قائل ہیں۔

(ج) علامہ عجلونی رحمہ اللہ "کشف الخفاء" میں لکھتے ہیں:

" تَزَوَّجُوْا ، وَ لَا تُطَلِّقُوْا ، فَإِنَّ الطَّلَاقَ یَهْتَزُّ لَهُ عَرْشُ الرحمٰن ، قال الصغاني: موضوع، لکن عزاه في الجامع الصغیر لابن عدي بسند ضعیف عن علي بلفظ: "تَزَوَّجُوْا ، وَ لَا تُطَلِّقُوْا ، فَإِنَّ الطَّلَاقَ یَهْتَزُّ لَهُ الْعَرْشُ، و قال ابن الجوزي: موضوع. "

(امام صغانی نے اِس حدیث کو موضوع کہا ہے، مگر "جامع صغیر" میں سندِ ضعیف کے ساتھ یہی روایت ابن عدی کے حوالے سے "یهتز له" کی جگہ "یهتز منه" کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے؛ تاہم ابن الجوزی نے اس کو بھی موضوع کہا ہے۔)

علامہ عجلونی رحمہ اللہ نے جو یہ کہا کہ "جامع صغیر" میں ابن عدی کی سند ضعیف ہے- اگر چہ کہ ابن الجوزی نے اِس روایت کو موضوع کہا ہے- یہ بھی نا قابلِ فہم ہے؛ اس لیے کہ یہ بات درست ہے کہ حافظ

سیوطی رحمہ اللہ نے "جامع صغیر" میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے، مگر یہ وزن دار بات نہیں ہے؛ کیوں کہ:

اولاً: تو اس لیے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے "جامع صغیر" میں متعدد موضوع روایات کی بابت کہہ دیا کہ وہ ضعیف ہیں؛ جب کہ وہ صریح طور پر موضوع ہیں، جیسا کہ "جامع صغیر" کے اصحابِ شرح وتخریج نے اور دیگر محدثین نے جگہ جگہ اس کی نشان دہی کی ہے اور ہم نے علامہ مناوی رحمہ اللہ کی تحقیق بھی اوپر نقل کردی ہے۔

ثانیاً: حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب: "اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة" میں --- جس کا مقصدِ تحریر اور موضوعِ بحث ہی موضوع روایات کی تحقیق ہے --- صاف تحریر فرمایا ہے:

"لا يصح ، قال الخطيب: عمرو بن جميع كذاب ، يروي المناكير عن المشاهير ، والموضوعات عن الأثبات."

(موضوع ہے، خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: عمرو بن جمیع کذاب ہے اور مشہور وثقہ ائمہ سے منکر و موضوع روایات بیان کرتا ہے۔)

اب یہاں کسی کو یہ دھوکہ نہ لگے کہ "جامع صغیر" کی روایت، ابن عدی رحمہ اللہ کے طریق والی ہے اور یہاں "اللآلي" کی روایت بہ طریقِ خطیب آئی ہے کہ جس کو موضوع قرار دیا گیا ہے؛ اس لیے کہ اوپر یہ بات ذکر کردی گئی ہے کہ دونوں کی سندوں میں مشترکہ طور پر عمرو بن جمیع راوی کذاب موجود ہے اور یہ کہنا تو خلافِ عقل ہوگا کہ اسی راوی کے واسطے سے ایک روایت ابن عدی ذکر کریں، تو ضعیف کہلائے گی اور وہی روایت اسی راوی کے حوالے سے خطیب بغدادی روایت کریں؛ تو موضوع کہلائے گی۔

ثالثاً: یہ عمرو بن جمیع، ایسا راوی ہے کہ خود حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے کذاب و وضاع قرار دیا ہے، نیز اس سے مروی جتنی روایات آئی ہیں، اُن کو بھی موضوع ومکذوب ٹھیرایا ہے، مثلاً:

(الف) بہ طریقِ ابن عدی ایک روایت متعدد اسانید سے نقل کرنے کے بعد ہر سند کے راویوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" لا يصح ، عَمْرُو بن جُميع ، وجُوَيْبِر ، و نَهْشل ، ومحمد بن معاوية ، و كَثير كَذَّابُون." (اللآلي المصنوعة:۲/ ۱٦٤)

(یہ حدیث صحیح نہیں ہے، عمرو بن جمیع، جویبر، نھشل، محمد بن معاویہ اور کثیر؛ یہ سب راوی بڑے ہی جھوٹے راوی ہیں۔)

(ب) بہ طریقِ امام ازدی یہ حدیث نقل کی ہے: "ما من مدينة يكثر أذانُها إلّا قَلَّ بردها"

پھراس روایت پرحکم لگاتے ہوے لکھتے ہیں: ’’موضوع، متروک ، وعمرو بن جمیع کذاب و هو المتهم به.‘‘ (یہ روایت موضوع اور متروک ہے، عمرو بن جمیع کذاب اور متہم بالکذب ہے۔)

(اللآلي المصنوعة:۲/۱٤)

(ج) نبیٔ اکرم ﷺ کے نامِ مبارک کی فضیلت میں مروی ایک روایت نقل کرنے کے بعد اس کی سند پر کلام کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: ’’عمرو بن جمیع وعبداللّٰه بن داهر کلاهما متهم بالوضع.‘‘ (عمرو بن جمیع اور عبد اللہ بن داہر؛ دونوں ہی حدیث گھڑنے کی تہمت سے مجروح ہیں۔)

(اللآلي المصنوعة:۱/۱۰۳)

الغرض اس تفصیل وتحقیق سے واضح ہوگیا کہ عمرو بن جمیع متروک الحدیث، منکر الحدیث اور متہم بالکذب والوضع ہے اور محدثینِ عظام کے نزدیک اس کی مرویات موضوع ومکذوب ہیں؛ لہٰذا زیرِ بحث روایت چوں کہ اسی سے مروی ہے؛ اس لیے یہ حدیث بھی موضوع قرار دی جائے گی، یہی راجح اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم

تحقیق مزید

اس زیرِ بحث حدیث کے ہم دو حصے کرتے ہیں:

ایک حصہ: ’’تزوجوا ولا تطلقوا‘‘ والا۔ اس کا معنی متعدد صحیح، حسن اور ضعیف احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے؛ بل کہ ایک روایت ایسی بھی ہے، جس سے اس تعبیر وترکیب ہی کے ثبوت پر معنیً دلالت ہوتی ہے، چناں چہ ’’المطالب العالیة‘‘ میں حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے اور ’’إتحاف الخیرة‘‘ میں علامہ بوصیری رحمہ اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: ’’تَزَوَّجْ ، وَلَا تُطَلِّقْ... اھـ‘‘ علامہ بوصیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کا راوی بشر بن نمیر ضعیف ہے۔

اس روایت کے سہارے کہا جاسکتا ہے کہ زیرِ بحث روایت اس حد تک تو معنیً صحیح وثابت ہے۔

مُلاحَظہ: ’’تزوجوا ولا تطلقوا‘‘ والا جملہ ’’طبرانی‘‘ کے حوالے سے ’’جامع صغیر‘‘ میں اور ’’سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة‘‘ میں مذکور ہے؛ مگر تلاشِ بسیار اور سعیٔ بلیغ کے بعد بھی بایں ترکیب ’’طبرانی‘‘ میں ملی اور نہ کسی ماخذِ احادیث میں؛ اس لیے راقم نے ’’المطالب العالیة‘‘ اور ’’إتحاف الخیرة‘‘ کے حوالے سے مذکورہ صیغے والی روایت پیش کی ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا حصہ: ’’فإن الطلاق يهتز له العرش ‘‘، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اِس جملے کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے اور عرش کے لیے حرکتِ واقعیہ کو ثابت مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ ناحق طلاق دینے کے وقت عرشِ الٰہی واقعی حرکتِ اہتزاز میں آجاتا ہے۔

یہ معنی ومفہوم اس حدیثِ موضوع سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی اس معنی کے لیے کوئی دوسری حدیث بندے کے علم میں ہے۔

لیکن اگر مجازی معنی مراد لیا جائے اور کہا جائے کہ اہتزازِ عرش کا مطلب یہ ہے کہ ناحق طلاق دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حد معیوب ومذموم ہے اور خدائے تعالیٰ کی شدید ناراضگی کا باعث ہے۔ تو یہ معنی صحیح وثابت ہے اور غالباً اسی معنی ومفہوم کو ثابت بتانے کے لیے علامہ عجلونی رحمہ اللہ نے ’’کشف الخفاء‘‘ میں متعدد روایات ذکر فرمائی ہیں۔

(ان روایات کے لیے ’’كشف الخفاء‘‘ دیکھی جائے)

(مسند الفردوس للديلمي : ۲۲۹۳، الكامل في الضعفاء: ۱۹۶/٦، الجامع الصغير مع فيض القدير: ۲٤۳/۳، ميزان الاعتدال: ۳۰٤/٥، ميزان الاعتدال: ۱٦۱/۲، الضعفاء والمتروكين للدار قطني: ۳۰۳، الكشف الحثيث: ۲۰۰، لسان الميزان: ۱۹۷/٦، الضعفاء والمتروكين للنسائي: ۱۸٤، المقاصد الحسنة: ۱۰، الموضوعات: ۸۰/۳، تلخيص الموضوعات للذهبي: ٦۰٤، الموضوعات للصغاني: ۹۷، تذكرة الموضوعات للفتني: ٥۷/۱، اللآلي المصنوعة : ۱۷۹/۲، كشف الخفاء: ۹۷۳، تنزيه الشريعة : ۲٤٤/۲، الفوائد المجموعة للشوكاني: ٥۳/۱، المطالب العالية: ۱۷۱٥، إتحاف الخيرة : ۱۳۲۰)

۸۰ - حدیث: ’’مَا مِنْ جَمَاعَةٍ اجْتَمَعَتْ إِلَّا وَ فِيهِمْ وَلِيُّ اللهِ لَا هُمْ يَدْرُونَ، وَلَا هُوَ يَدْرِي بِنَفْسِهِ.‘‘

’’مَا مِنْ جَمَاعَةٍ اجْتَمَعَتْ إِلَّا وَ فِيهِمْ وَلِيُّ اللهِ لَا هُمْ يَدْرُونَ، وَلَا هُوَ يَدْرِي بِنَفْسِهِ.‘‘

(جو بھی جماعت جمع ہوتی ہے، اس میں اللہ کا ایک ولی ہوتا ہے، اس ولی اللہ کی خبر نہ لوگوں کو ہوتی ہے اور نہ خود اس کو۔)

امام علی بن علی بن محمد جو قاضی ابن ابی العز کے نامِ نامی سے معروف ہیں، ’’شرح العقيدة الطحاوية‘‘ میں لکھتے ہیں:

" و أمَّا مَا يُروىٰ مرفوعاً إلى النبي ﷺ أنه قال:" ما من جماعة اجتمعت إلا و فيهم ولي اللّٰه ، لا هم يدرون به ، و لا هو يدري بنفسه " فلا أصل له ، و هو كلامٌ باطلٌ ، فإنَّ الجماعة قد يكونون كفاراً ، و قد يكونون فساقًا يموتون على الفسق" (ما من جماعة اجتمعت إلا و فيهم ولي اللّٰه ، لا هم يدرون به ، و لا هو يدري بنفسه ."

(جہاں تک اس مرفوع روایت کی بات ہے، تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ نیز یہ باطل وفاسد المعنی کلام ہے؛ کیوں کہ کافروں وفاسقوں کی بھی جماعتیں ہوتی ہیں، جو آخر کار اپنے کفر وفسق میں مرجاتے ہیں۔)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں اِس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ "فَمِنَ الأكاذيب ، ليس في شيء من دواوين الاسلام." (جھوٹی وبناوٹی باتوں میں سے ایک ہے، اسلامی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب میں نہیں ہے۔)

امام ملا علی قاری اور علامہ عجلونی رحمہما اللہ نے اس تحقیق سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

اِس روایت کے موضوع ہونے کی دو وجہیں ہیں:

(۱) ایک بہ لحاظِ روایت کہ اس کی کوئی اصل اور سند نہیں۔

(۲) دوسری بہ لحاظِ درایت کہ بہ قاعدۂ "نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے" دنیا کی ہر جماعت کے بارے میں یہ بات صحیح بھی نہیں ہوسکتی؛ اس لیے کہ بعض جماعتیں ایسے کافروں، مشرکوں، فاسقوں اور بدکاروں کی بھی ہوتی ہیں، جو موت تک اپنے کفر وفسق ہی پر اڑے رہتے ہیں، تو اب یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ہر جماعت میں ایک ولی اللہ ہوتا ہے؟! بل کہ ایسا کہنا بہ قولِ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جھوٹ وخلاف واقع بات ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی بات کا صدور سرورِ دو عالم کے مقامِ بلند کے آگے ناممکن ہے۔

فَلْاحِظْ: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے:

"وَ لَو صَحَّ ، فَبَابُ التَّأويل واسعٌ عندهم."

(اور بالفرض غیر موضوع ہونا ثابت بھی ہوجائے، تب بھی (اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوسکتا؛ بل کہ) محدثین کے نزدیک اس کی تاویل کا دروازہ وسیع وکشادہ ہے۔)

کسی کو ملا علی قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ بات سے یہ دھوکہ نہ لگے کہ حضرت ایک درجے میں اس کو

صحیح وثابت مان رہے ہیں؛ اس لیے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ بات بعض صریح وواضح ترین موضوع روایات کے بیان میں بھی ذکر فرمائی ہے اور تحقیق وتعلیق نگار حضراتِ علما نے لکھا ہے کہ جب کسی حدیث کا موضوع ہونا محقق ومسلم ہوگیا، تو پھر بھی اس کو فرضاً ومحالاً ثابت مان کر کلام کرنے سے حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوتی اور نہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کا ارادہ ونظریہ ایسا کچھ ہے؛ بل کہ موضوع روایت، موضوع ہی رہتی ہے۔

(شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز: ٥٠٨ ، مجموعة الفتاوىٰ شيخ الإسلام ابن تيمية :١١/٣٦،الأسرار المرفوعة: ٤٢٠،كشف الخفاء: ٢٢٩٤،المصنوع:٢٨٨)

۸۱ - حدیث: "مَا ضَاقَ مَجْلِسٌ بِمُتَحَابَّيْن."

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے حوالے سے "جامع صغیر وکبیر" اور "کنز العمال" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "مَا ضَاقَ مَجْلِسٌ بِمُتَحَابَّيْن" (اہلِ محبت کی وجہ سے کوئی مجلس تنگ نہیں پڑتی۔)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "لسان المیزان" میں ایک راوی ابوبکر محمد بن محمد بن احمد بن عثمان بغدادی کا ذکر کرتے ہوئے خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کرتے ہیں کہ "ذاهب الحديث ، روى مناكير، وأباطيل." (یہ روایتِ حدیث کے تعلق سے گیا گزرا راوی ہے، اس نے منکر وباطل احادیث بیان کی ہیں۔) اور محدث خراش والے نسخے میں ایسی ایسی احادیث بڑھادی ہیں، جو اس میں بالکل بھی نہیں ہے"۔ اِس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس نسخے میں جن حدیثوں کا اس نے اضافہ کیا ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے "مَا ضَاقَ مَجْلِسٌ بِمُتَحَابَّيْن "۔

بہ ہر حال اس کا حدیثِ نبوی ہونا صحیح وثابت نہیں ہے۔

بہ غرضِ افادہ عرض ہے کہ اسی کے ہم معنی اور بھی متعدد ملفوظات ہیں، جو احادیثِ نبویہ نہیں؛ بل کہ سلفِ صالحین کے ارشاداتِ عالیہ ہیں، مثلاً:

(۱) "سَمُّ الخياط مع الأحباب ميدان." (اپنوں کا ساتھ ہو، تو سوئی کا ناکا بھی ایک میدان لگتا ہے۔)

(۲) "ما تبعد مصرٌ عن حبيب" (ایک دوست کو شہر کی دوری بھی دوری نہیں لگتی۔)

(۳) حضرت ذو النون مصری رحمہ اللہ جب اپنے ایک دوست کی عیادت کے لیے تشریف

لائے، تو اس موقع پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''ما بَعُدَ طریقٌ أدّی الی صدیق ، ولا ضاق مکانٌ من حبیب۔'' (دوست کی جانب جانے والی کوئی راہ طویل نہیں لگتی، نیز دوست کی وجہ سے کوئی جگہ بھی تنگ نہیں لگتی۔)

(۴) امام اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام خلیل بن احمد رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا، آپ ایک چھوٹی سی حصیر پر تشریف فرما تھے، آپ نے میرے لیے جگہ دیتے ہوئے بیٹھنے کو کہا، تو میں نے جگہ ناکافی ہونے کی بنا پر پسند نہیں کیا کہ بیٹھوں اور حضرت کو تکلیف ہو، یہ دیکھ کر حضرت نے فرمایا: ''لا یضیقُ سمُّ الخیاط علی متحابین ، ولا تتسع الدنیا علی متباغضین۔'' (محبت رکھنے والوں کے لیے سوئی کا ناکا بھی بہت ہے اور نفرت رکھنے والوں کے لیے دنیا بھی کم ہے۔)

(الجامع الصغير:٧٩٢٩، الجامع الكبير:٧٧٧، كنز العمال:٢٤٦٧٤، لسان الميزان :٤٧٨/٧، شعب الإيمان: ٨٣٩١، كشف الخفاء:٢١٩٦، أسنى المطالب:١٢٤٥، الجد الحثيث:٤١٣، الأسرار المرفوعة : ٤٠٢، المصنوع: ٢٧٦، المقاصد الحسنة: ٩٦٢، تذكرة الموضوعات للفتني:٨٥/١)

۸۲ - حدیث: ''ما عُبِدَ اللّٰهُ بِشَيْءٍ أَعْظَم مِنْ جَبرِ القُلُوب.''

''ما عُبِدَ اللّٰهُ بِشَيْءٍ أَعْظَم مِنْ جَبرِ القُلُوب.''

(خدا کی عبادت دل داری سے بڑھ کر کسی دوسرے عمل سے نہیں کی گئی۔)

اسی کی ہم معنی وہم مراد ایک تعبیر یہ بھی ہے: ''ما عُبِدَ اللّٰهُ بشيءٍ أفضل من جبر الخواطر.''

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے ''المقاصد الحسنة'' میں فرمایا: ''لا أعرفه في المرفوع'' (اس کلام کا ارشادِ نبوی ہونا مجھے نہیں معلوم۔) علامہ غزی عامری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''لیس بحدیث'' (یہ حدیثِ رسول نہیں ہے)، امام محمد بن درویش رقم طراز ہیں کہ ''لا یُعرَفُ مرفوعاً'' (اس کا حدیثِ رسول ہونا غیر معلوم ہے)، علامہ محمد امیر مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''لا أصل له'' (اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔)

معلوم ہوا کہ یہ کلام حدیثِ نبوی نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة:٩٦٥، المصنوع:٢٨٢، الأسرار المرفوعة:٤١١، كشف الخفاء: ٢٢٢١، أسنى المطالب:١٢٦٨، الجد الحثيث:٤٢٥، النخبة البهية:٢٩٦)

راقم عرض پرداز ہے کہ یہ حدیث لفظاً بے اصل قرار دی جائے گی معنیً نہیں؛ اس لیے کہ اس حدیث کا معنی و مفہوم متعدد احادیث سے ثابت ہے، مثلاً:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "**إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰه – بعد الفرائض – إِدْخَالُ السُّرُوْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ.**" (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کے بعد تمام اعمال میں سب سے زیادہ محبوب عمل، ایک مسلمان کو خوشی پہنچانا ہے۔)

اس روایت کا ایک راوی اسماعیل بن عمرو بن نجیح بجلی ہے، جو نہایت ضعیف راوی ہے؛ اسی لیے اس روایت کو علامہ ہیثمیؒ اور حافظ عراقیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(المعجم الأوسط: ۷۹۱۱، المعجم الكبير: ۲۷۳۱، مجمع الزوائد: ۱۳۷۱۸، الجامع الصغير مع فيض القدير: ۲۰۰، ميزان الاعتدال: ۳۹۹/۱، لسان الميزان: ۱۵۵/۲)

(۲) "مسند احمد" اور "طبرانی" میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "**أَفْضَلُ الفَضَائل أن تَصِلَ مَنْ قَطَعَکَ ، و تُعْطِيَ مَنْ حَرَمَکَ ، و تَصْفَحَ عَمَّنْ شَتَمَکَ.**" (سب سے افضل ترین خوبی و نیکی یہ ہے کہ تم اُن کے ساتھ بھی رشتہ داری نبھاؤ، جو تمھارے ساتھ رشتہ توڑ لیتے ہیں اور ان پر بھی خرچ کرو، جو تم پر خرچ نہیں کرتے اور ان سے درگزر کرو، جو تمھیں سب و شتم کرتے ہیں۔)

یہ روایت بھی ضعیف ہے، اس روایت کا ایک راوی زبان بن فاید ضعیف راوی ہے اور علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ دو راوی اور ہیں: ایک ابن لہیعہ، جن کا ضعف مشہور ہے اور ایک سہل بن معاذ، جن کو یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے اپنی "کتاب الضعفاء" میں ان کو ضعیف شمار کیا ہے۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "**أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ أَنْ تُدْخِلَ عَلَى أَخِيْکَ الْمُؤْمِنِ سُرُوْرًا ، أَوْ تَقْضِيَ عَنْهُ دَيْنًا ، أَوْ تُطْعِمَهٗ خُبْزاً**" (افضل ترین عمل یہ ہے کہ تم اپنے مومن بھائی کو خوشی پہنچاو، یا اس کا قرض ادا کر دو، یا اس کو ایک روٹی کھلا دو۔)

حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو محدثین نے منکر بتایا ہے، جب کہ حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ مناوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کے متعدد شواہد ہیں، جن کی وجہ سے یہ درجۂ حسن کی روایت قرار پاتی ہے۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کے پیشِ نظر مشہور غیر مقلد محدث علامہ البانی نے بھی اس کو حسن لکھا ہے۔ (شعب الإيمان للبيهقي: ۷۶۷۸، الجامع الصغير: ۱۲۳۶، الجامع الكبير: ۳۹۴۱، صحيح وضعيف الجامع: ۱۰۹۶)

ان روایات کا حاصل یہی ہے کہ انسانوں اور مسلمانوں کے دلوں کو خوش رکھنا اور ان کو ٹوٹنے نہ دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عبادت ہے اور اگر کبھی ٹوٹ گئے، تو ان کو جوڑنا، اِس کے لیے مختلف تدابیر وطریقے اختیار کرنا افضل ترین عمل ہے۔

مقصدِ کلام یہ بتانا ہے کہ متعلقِ بحث حدیث لفظاً تو ثابت نہیں ہے؛ لیکن اس کا معنی ومفہوم متعدد احادیثِ ضعیفہ کے مجموعہ حسن سے چوں کہ صحیح وثابت ہے؛ اس لیے معنیً صحیح وثابت ہے۔ تاہم حدیثِ نبوی کو ان ہی الفاظ میں بیان کرنا چاہئے جن الفاظ کے ساتھ کتبِ حدیث میں منقول ومروی ہے۔ غیر ثابت شدہ الفاظ کو آپ ﷺ کی جانب منسوب کرنا درست نہیں ہے۔

(المعجم الكبير: ٤١٣ ،الجامع الكبير: ١٤٨ ،مسند أحمد:١٥٦١٨ ، غاية المقصد في زوائد المسند : ٢٩١١ ، مجمع الزوائد:١٣٦٩٣، الجامع الصغيرمع فيض القدير:٨٧)

٨٣ - حدیث: " اَلنَّاسُ مَجْزِيُّونَ بِأَعْمَالِهِم....اھـ"

"الناسُ مَجْزِيُّونَ بأعمالهم ، إن خيراً فخيرٌ ، وإن شرا فشرٌ."

(انسانوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اچھے اعمال ہیں تو اچھا اور برے ہیں تو برا بدلہ۔)

اردو زبان کا محاورہ "جیسی کرنی ویسی بھرنی" بھی اسی کا مترادف المعنی محاورہ ہے۔

یہ کلام قرآن وحدیث کے متعدد نصوص سے مؤید ومؤکد ہے۔ مطلب یہ کہ اس معنی ومفہوم پر دلالت کرنے والی آیات اور روایات متعدد ہیں؛ مگر یہ الفاظ اور تعبیرات نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ سخاوی، حافظ سیوطی، علامہ عجلونی، علامہ زرکشی، علامہ عامری، علامہ بیروتی ودیگر ائمہ نے اس کو حدیثِ نبوی تسلیم نہیں کیا۔

البتہ حافظ سخاوی ودیگر محدثین نے اس مقام پر متعدد نصوصِ قرآن وحدیث نقل کیے ہیں، مثلاً:
﴿جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾ اور ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَاكُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ وغیرہ۔

لہٰذا جس معنی ومفہوم کو بتانے کے لیے جو الفاظِ حدیث ثابت ہیں، ان ہی کو نقل کرنا چاہیے اور جو ثابت نہیں، ان کو نقل کرنا درست نہیں۔

(المقاصد الحسنة:٣٦٧، كشف الخفاء:١٠٧٠، الدرر المنتثرة ، :٢٠/١،الدرر المنثورة : ٢٠/١، الجد الحثيث:٥٧١،أسنى المطالب : ١٦٢٥ ،اللؤلؤ المرصوع:١٦١، النخبة البهية :٩٦)

٨٤ - حَدِيث: ’’لي مع الله وقت....اهـ‘‘

’’سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب اذان کی ’’اللہ اکبر‘‘ ہوتی، تو نبی کریم ﷺ مجھے پہچاننا چھوڑ دیتے تھے، میں کئی مرتبہ سامنے آتی؛ تو آپ ﷺ پوچھتے، تم کون ہو؟ میں کہتی: عائشہ! پوچھتے: عائشہ کون؟ میں کہتی: ابوبکر کی بیٹی ہوں، پوچھتے: ابوبکر کون؟ میں اس وقت پہچان لیتی کہ اب ایک نام دل میں اتنا غالب آچکا ہے کہ دنیا میں کسی اور کو یہ نہیں پہچانیں گے۔‘‘

یہ دراصل ایک نہایت ہی مشہور و معروف روایت: ’’لي مع الله وقت‘‘ کا ترجمہ و ترجمانی ہے اور یہ روایت کتبِ تصوف میں بکثرت ذکر کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت ’’خطبات ذو الفقار: ۳/۳۲،۲۲/۲۰۵‘‘ کی ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کی متعدد کتابوں میں ہے۔ مثلاً:

(۱) ’’الرسالة القشيرية‘‘ میں امام قشیری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ’’لأنه ﷺ قال: لي وقت لا يسعني فيه غيرُ رَبّي عَزَّ وجلَّ‘‘ (میرا ایک مخصوص وقت ہے، جس میں اپنے پروردگار کے علاوہ کسی کے لیے بھی میرے پاس گنجائش نہیں ہے۔)

(۲) یہی بات دوسری مشہور تعبیر میں منقول ہے کہ ’’لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب ، و لا نبي مرسل.‘‘ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک خاص وقت مقرر ہے، جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کو آنے کی اجازت ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔)

(۳) نیز بعض بزرگوں سے یہی حدیث کچھ اس اضافے کے ساتھ بارہا سننے کو ملی:

’’ایک دن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا، تو آپ نے پوچھا: کون؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: عائشہ ہوں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: کون عائشہ؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا: بنت ابوبکر (ابوبکر کی بیٹی)، آپ نے پھر پوچھا: کون ابوبکر؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: ابن ابو قحافہ (ابوقحافہ کا بیٹا)، آپ ﷺ پھر پوچھتے ہیں: کون ابوقحافہ؟ بس اس کے بعد حضرت عائشہ گھبرا کر چلی جاتی ہیں۔ کچھ دیر کے بعد حاضرِ خدمت ہوتی ہیں اور عرض کرتی ہیں: یا رسول اللہ! کافی وقت پہلے میں آئی تھی اور ایسا ایسا قصہ ہوا، تو میں گھبرا گئی، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: لي مع الله وقت لا يسعني فيه

ملك مقرب ولا نبي مرسل.''

(۴) شیخ سلطان باہو رحمۃ اللہ کی کتاب ''عین الفقر'' کے صفحہ:۱۶/ کے حاشیہ پر کسی محشی نے یہی روایت کچھ مزید اضافے کے ساتھ بلا سند و بغیر حوالے کے ذکر کی ہے، وہ بھی ملاحظہ کیا جاوے، جناب لکھتے ہیں:

''حدیثِ مبارک میں آیا ہے کہ ایک رات حضور ﷺ اٹھ کر گھر سے نکلے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تجسس میں آپ کے تعاقب میں چلی گئیں، دیکھا کہ حضور ﷺ جنت البقیع میں جا کر بیٹھ گئے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واپس پلٹنے لگیں، تو حضور ﷺ نے ان کی آہٹ پا کر فرمایا: کون ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: میں عائشہ ہوں، فرمایا: کون عائشہ؟ عرض کی: ابوبکر کی بیٹی، فرمایا: کون ابوبکر؟ عرض کی: محمد ﷺ کا غلام، فرمایا: کون محمد؟ اس پر حضرت عائشہ خاموش ہو کر واپس پلٹ گئیں، حضور ﷺ کی واپسی پر اس معاملہ پر بات ہوئی، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''**لي مع الله وقت لا يسع فيه ملك مقرب ولا نبي مرسل**'' (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک حالت ایسی بھی ہوتی ہے کہ جہاں کسی مقرب فرشتے یا نبیٔ مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔)

تحقیق

مگر از روئے تحقیق اس کا حدیثِ نبوی ہونا ثابت نہیں ہے اور اس کے متعلق تفصیلی تحقیق ذیل میں درج کرتا ہوں:

مشہور محدث شیخ ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے اپنی معروف زمانہ دو کتابوں میں تعبیرِ ثانی کو نقل کیا ہے: ایک: ''**الأسرار المرفوعة**'' میں اور دوسرے ''**مرقاة المفاتيح**'' میں؛ ''**الأسرار**'' میں صاف صاف دوٹوک الفاظ میں تصریح کی ہے کہ ''**يذكره الصوفية كثيرًا، و هو في "رسالة القشيري" لكن بلفظ: لي وقت لا يسعني فيه غيرُ رَبِّي عز وجل.**'' (یہ روایت حضراتِ صوفیا کے کلام میں بہ کثرت مذکور ہے، چناں چہ امام قشیری کے رسالے میں یہ مفہوم ان الفاظ سے منقول ہے: ''**لي وقت لا يسعني فيه غيرُ رَبِّي عز وجل**''۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ کی اس تحقیق سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ کلام، حدیث کی کتابوں

میں نایاب ہونے کے ساتھ ساتھ محدثین سے کہیں ماثور ومروی نہیں ہے۔ مزید اس سے یہ بھی سب بے غبار ہو جاتا ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث جس طرح لفظاً ثابت نہیں ہے، اسی طرح معنیً بھی ثابت نہیں ہوئی اور یہ بات حضرت کی کتاب: ''الموضوعات الکبریٰ'' کا سرسری مطالعہ کرنے والے پر واضح ہے؛ کیوں کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کا عام طرز واصول دیگر محدثین کی طرح یہ رہا ہے کہ جس موضوع حدیث کی بابت کوئی ایسی روایت ملی، جس سے کہ اس کا مفہوم ثابت ہو جاتا ہے، تو وہ اس کو ضرور ذکر کرتے ہیں اور صرف اتنا ہی نہیں؛ بل کہ اس کا صحیح محمل اور مصداق بھی متعین کرتے ہیں؛ مگر یہاں اس روایت کی تحقیق میں کوئی ایسی دوسری حدیث حضرت نے ذکر نہیں کی ہے، حتی کہ اپنی دوسری کتاب: ''الموضوعات الصغریٰ'' جس کو ''المصنوع في معرفة الحديث الموضوع'' بھی کہا جاتا ہے، اس میں بھی آپ نے اس روایت کو علی الاطلاق موضوع ہی قرار دیا ہے، چناں چہ آپ تصریح فرماتے ہیں کہ ''من كلام بعض الصوفية ، و ليس بحديث.'' (بعض صوفیا کا کلام ہے، حدیثِ رسول نہیں ہے)۔

اب رہی دوسری کتاب: ''مرقاة المفاتيح''؛ تو اس میں آپ نے یہ کلام دو جگہ تحریر کیا ہے:

(الف) ایک: مشکاۃ کی پہلی حدیث یعنی حدیثِ جبرئیل کی شرح میں، چناں چہ لکھتے ہیں:

" فمقام " لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب و لا نبي مرسل " معلوم لنبينا.''

(ب) دوسرے: ''باب الاستغفار والتوبة'' کی حدیثِ ثانی کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وقد رُوِيَ: '' لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب و لا نبي مرسل''۔

(یہاں یہ بھی بتا دوں کہ اسی تعبیر کے ساتھ علامہ مناوی رحمہ اللہ نے بھی ''فيض القدير'' میں اِس کلام کو ذکر کیا ہے۔

بہ ہر حال پہلے مقام سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ یہ کلام بہ لحاظِ حدیثِ نبوی نقل فرماتے ہیں، جیسا کہ ظاہر و باہر ہے۔ ہاں دوسرے مقام میں موجود لفظ ''رُوِيَ'' سے بہ درجۂ احتمال ثابت ہوتا ہے کہ شاید حضرت بہ لحاظِ روایت اس کا ذکر فرما رہے ہیں۔

مگر جب ''الموضوعات الكبرى'' اور'' الموضوعات الصغریٰ'' دونوں میں اس کے موضوع ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔ جب کہ یہ تصنیفات خاص احادیثِ موضوعہ کی تحقیق پر مشتمل ہیں۔ تو یہی کہا جائے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ حدیث ثابت وصحیح نہیں

ہے اور جہاں بہ صیغہ ''رُوِيَ'' ذکر کیا ہے، وہ بہ طورِ حدیث کے نہیں؛ بل کہ بہ طورِ کلام دیگراں نقل فرمایا ہے۔

''المصنوع'' پر تحقیق وتعلیق کرنے والے دورِ قریب کے مشہور ومعروف محدث: شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بابت ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی تحقیق سے مکمل اتفاق کیا اور ایک حرفِ نقد واعتراض بھی نہیں لکھا، جو اس بات کا صریح قرینہ ہے کہ شیخ عبدالفتاح بھی ملاعلی قاری کے مانند یہ تحقیق ورائے رکھتے ہیں کہ یہ موضوع ہے، واللہ اعلم!

اسی طرح حافظ سخاوی، علامہ عجلونی اور علامہ امیر مالکی نے بھی اس روایت کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے، البتہ سخاوی وعجلونی نے مزید یہ بات بھی ذکر فرمائی ہے کہ ''شمائل الترمذي'' اور ''مسند ابن راهويه'' میں حضرت علی کی ایک طویل روایت میں یہ مضمون آیا ہے، جس سے اس حدیث کو معنیً ثابت مانا جاسکتا ہے اور وہ حدیثِ علی یہ ہے کہ ''كان إذا أوى إلى منزله جزَّأ دخولَه ثلاثةَ أجزاء : جُزْأً لله ، وجُزْأً لأهله ، وجُزْأً لنفسه.''

(آپ ﷺ جب گھر تشریف لاتے، تو قیام کے تین حصے فرمالیتے: ایک صرف اللہ کے لیے، ایک گھر والوں کے لیے اور ایک اپنی ذات کے لیے۔)

اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے گھریلو قیام کے معمول کا ذکر کرتے ہوئے بہ طورِ تخصیص ''جزأ لله'' بیان کیا ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے معمولاتِ یومیہ میں خاص ذکرِ الٰہی کے لیے ایک مخصوص وقت مقرر تھا۔

لیکن یہ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ روایت ''لي مع الله'' کے جملہ معنی پر صریح الدلالۃ نہیں--- اور شاید اسی عدمِ وضاحت وصراحت کی وجہ سے باوجود یہ کہ یہ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ مشہور ومتداول کتاب ''شمائل الترمذي'' میں ہے--- ملاعلی قاری، امیر مالکی اور شیخ ابوغدہ نے موضوع بحث حدیث کو معنیً ثابت قرار دینے کے لیے اِس کا ذکر نہیں کیا۔ اور دوسری جانب حافظ سخاوی وعلامہ عجلونی رحمہما اللہ نے ذکر کیا، تو ''يُشْبِهُ'' اور ''يَقْرُبُ'' والے صیغے کے ساتھ، جو قریب قریب اور لگ بھگ یعنی ثبوتِ احتمالی کا مفہوم دیتا ہے۔ واللہ اعلم وھو فوق کل ذی علم علیم !!

مُلاحَظہ: اس قدر تحقیق کے بعد راقم اس نتیجے تک پہنچا کہ یہ حدیث لفظاً ثابت نہیں اور معنیً ثابت ہونے کے لیے صریح حدیث نہیں ہے۔ آج بہ تاریخ: ۱۶/ محرم ۱۴۳۵ھ بعد نمازِ مغرب حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی ''امداد الفتاویٰ'' دیکھی، تو حضرت قدس سرہ

نے بھی یہی نتیجہ تحقیق پیش فرمایا ہے، **وللہ الحمد علی ذلک۔**

چناں چہ حضرت سے سوال کیا گیا کہ حدیث: ''**لي مع اللّٰہ وقت**'' کیسی حدیث ہے اور کس کتاب میں ہے؟۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

''باقی ثبوتِ حدیث کا، سو لفظاً تو منفی ہے اور معنیً اس حدیث سے گنجائش ہے: **إذا أتى بمنزله جَزّأَ دخولَه ثلاثةَ أجزاء : جُزْأً لله ، وجُزْأً لأهله ، وجُزْأً لنفسه.**''

فائدہ: اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیش آمدہ قصے والی روایت کے متعلق راقم عرض کرتا ہے کہ استاذِ محترم، محدثِ جلیل، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی زیدت معالیہ نے بہ روزِ جمعرات بعد نماز عشا، بہ تاریخ ۱۲/ محرم ۱۴۳۶ھ ارشاد فرمایا کہ کئی سال پہلے میں نے حضرت حکیم اختر صاحب رحمہ اللہ کی کسی کتاب میں بہ حوالہ ''**مرقاة المفاتیح**'' یہ حدیث پڑھی اور اس میں حضرت نے ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تصحیح کا ذکر فرمایا ہے، آپ اس کو بھی دیکھ لیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت کی ہدایت کے مطابق بندے نے تلاش کیا، تو حضرت حکیم صاحب رحمہ اللہ کی یہ بات ''انعامات ربانی: ۱۳۸'' میں ملی، چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے پورا واقعہ نقل کرنے کے بعد حضرت حکیم اختر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث بالکل صحیح ہے، محدثِ عظیم ملا علی قاری نے ''مرقاہ شرحِ مشکوۃ'' میں اس کی توثیق کی ہے۔''

مگر راقم کو پوری ''**مرقاة المفاتیح**'' میں کہیں ایک جگہ بھی ملا علی قاری رحمہ اللہ کی توثیق و تصحیح نہیں ملی؛ بل کہ اس کے برعکس اس حدیث کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے موضوع و غیر ثابت ہی قرار دیا ہے، جیسا کہ سابقہ سطور میں خود ان ہی کی تحقیق ان ہی کی زبانی پیش کر دی گئی۔

الغرض ''**لی مع اللہ وقت، الخ**'' والی بات صرف حضراتِ صوفیا، صلحا اور خطبا سے منقول ہے، محدثین سے اور کتبِ احادیث میں کہیں مروی نہیں ہے؛ اور یہ بات متعدد محدثین کی تصریح کے موافق اور عقلی و اصولی طور پر مسلم ہے کہ ''**المعوَّلُ في كل فن على أهله**''۔

حاصلِ تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث بہ لحاظِ الفاظ، تو ثابت نہیں اور غالباً بہ لحاظِ معنیٰ بھی ثابت نہیں، ہاں

ایک احتمال کی صورت میں ثابت مانی جاسکتی ہے؛ لیکن اتنے سے احتمال کی بنا پر بلا دریغ اور بلا بیانِ حقیقت آپ علیہ السلام کی جانب اس کو منسوب کرنا خلاف احتیاط ہے۔

(روح المعاني:۲/۷۳،روح البیان :۲/۲۰۷،بحرالفوائد للکلاباذي:۱/۱۳۰، فیض القدیر: ٤٣٧٧، سنن ابن ماجه مع شروحه: ١٥٥٨، الرسالة القشیریة:۱/٤٠، گلستان سعدی:۷۳، محك الفقر: ۱۵۸، اورنگِ شاهی:۱۶، قرب التوحید:۵۷، مرقاة المفاتیح :۱/۱۱۷، ۵/۲۳۳، المصنوع :۲۵۹، الأسرار المرفوعة: ۳۹۲،المقاصد الحسنة:۹۲٦،کشف الخفاء: ۲۱۵۹ ،النخبة البهية : ۲۷۸، شمائل الترمذي:۳۳٦،امداد الفتاوی:۵/۹۰)

۸۵ - حدیث: ”نفس پرستی، لذتِ مناجات سے محروم کردیتی ہے۔“

امام غزالی رحمہ اللہ نے ”إحياء العلوم“ میں حدیثِ قدسی درج کی ہے:

” يقول الله تعالى : إِنَّ أَدْنٰى مَا أَصْنَعُ بِالْعَبْدِ إِذَا اٰثَرَ شَهْوَتَهُ عَلٰى طَاعَتِي أَنْ أَحْرِمَهُ لَذَّةَ مُنَاجَاتِي.“

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب بندہ میرے مقابلے میں اپنی خواہشات کو اپناتا ہے، تو میں اس کو اپنی مناجات کی لذت سے محروم کردیتا ہوں، یہ میری سب سے ہلکی و معمولی سزا ہے۔)

امام عراقی رحمہ اللہ اس روایت کی تحقیق میں تحریر کرتے ہیں کہ ”غريب ، لم أجده“ (غریب ہے، مجھے نہیں ملی۔) امام طاہر پٹنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”لم يوجد“ (کسی کے بھی یہاں نہیں ہے۔) حضرت الاستاذ زید مجدہ نے اپنی مشہور و نہایت مفید ترین کتاب: ”ہم گناہوں سے کیسے بچیں؟“ میں یہ روایت ذکر فرمائی ہے اور امام طاہر پٹنی رحمہ اللہ کی تحقیق کا حوالہ دیتے اور اس سے اتفاق رکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ”یہ مرفوعاً ثابت نہیں“۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ ابو اشہب العُطارِدی (مولود ۷۰ھ) کا ملفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام پر وحی بھیجی: اے داود! اپنے ساتھیوں کو شہوت پرستی سے بچاؤ اور ڈراؤ؛ کیوں کہ جن کے دل شہواتِ دنیویہ پر لٹکے ہوئے ہیں، ان کی عقلیں میری معرفت سے محروم ہوجاتی ہیں، ”و إِنَّ أهون ما أصنع بالعبد من عَبِيْدِي إذا آثَرَ شهوةً من شهواته عَلَيَّ أن أحرمه طاعتي.“ (اور جب میری مرضی کے خلاف میرا کوئی بھی بندہ اپنی ایک خواہش کو بھی ترجیح دیتا ہے، تو

میں سب سے ہلکی و معمولی سزا، یہ دیتا ہوں کہ اس کو اپنی طاعت سے محروم کر دیتا ہوں۔)

حضرت الاستاذ زیدت معالیہ نے اپنی کتاب "ہم گناہوں سے کیسے بچیں؟" میں ابن ابی حاتم کی "الجرح والتعديل" کے حوالے سے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"بَلغني أن الله عزوجل يقول: إن أهون ما أصنع بالعالم إذا آثر الدنيا أن أنزع حلاوة مناجاتي مِنْ قَلْبِهِ."

(مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: عالم جب دنیا کو ترجیح دیتا ہے، تو میں کم سے کم جو اس کے ساتھ کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس کے دل سے مناجات کی لذت وحلاوت نکال لیتا ہوں۔)

اِن جلیل القدر حضرات محدثین کی تحقیقِ مذکور سے یہ بات نکھر کے سامنے آتی ہے:

اس روایت کا حدیثِ نبوی ہونا ثابت نہیں ہے۔ ہاں یہ بات یقیناً سچی و پکی ہے کہ ایک گنہ گار محبتِ الٰہیہ کے کیف و سرور سے اور مناجاتِ الٰہیۃ کی لذت وحلاوت سے محروم ہو جاتا ہے؛ جیسا کہ متعدد سلفِ صالحین سے منقول ہے؛ بل کہ بہ قول اشہب العُطاردی جلیل القدر پیغمبرِ خدا سیدنا حضرت داود علیہ السلام سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔

(إحياء العلوم: ٤/٥٤، تذكرة الموضوعات للفتني: ١/٧٣، تفسير ابن كثير: ٩/٢٦٧، ہم گناہوں سے کیسے بچیں: ۴۵-۴۶)

٨٦ - حضرت عائشہ وحسنین کے قصے والی ایک مشہور موضوع روایت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام سے ایک مشہور حکایت و روایت نقل کی گئی ہے، جو پہلے بھی بہ کثرت سنائی جاتی تھی اور آج بھی بہ کثرت سنائی جاتی ہے، روایت یہ ہے:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن میرے پاس حسن اور حسین آئے، میں نے دونوں کو ایک دینار دیا اور میرے پاس اون یا ریشم کی ایک چادر تھی، اس کے دو حصے کر کے ایک ایک حصہ دونوں کو پہنا دیا؛ پھر یہ دونوں بچے خوشی خوشی ہنستے مسکراتے چلے گئے۔ پھر دونوں الگ الگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا: آنکھوں کو بڑی ٹھنڈک پہنچی، آنکھوں کو بڑی ٹھنڈک پہنچی۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بھی تم دونوں کو یہ چادریں پہنائی ہیں اور ایک دینار دیا ہے، اللہ

اس کو جزائے خیر عطا کرے۔ اِن دونوں بچوں نے کہا: [وہ نیک کار] ہماری امی عائشہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بچوں! تم دونوں نے بالکل صحیح کہا، خدا کی قسم وہ تو تم دونوں کی بھی امی ہیں اور ہر ایک مومن کی بھی امی ہیں۔ [یہ قصہ پورا سنا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں]: خدا کی قسم کھا کے کہتی ہوں: جو نیک کام میں نے کیا اور میری بابت جو پیاری بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی، مجھے دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔''

یہ قصہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی ''تاریخ بغداد'' میں نقل کیا گیا ہے اور اس روایت کو نقل کرنے والے راویوں میں تین راوی ایسے ہیں، جن پر ائمہ حدیث نے سخت جرح کی ہیں، چناں چہ

پہلا راوی: أَسِید بن زید الجمّال کوفی ہے۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ ''هدي الساري مقدمة فتح الباري'' میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' کی ''كتاب الرقاق'' میں امام ہشیم کی متابعت و مقارنت کے ساتھ اس سے ایک روایت لی ہے؛ مگر ''لم أر لأحد فيه توثيقًا.'' (مجھے اس کے بارے میں کسی بھی امامِ حدیث کی کوئی توثیق نہیں معلوم۔)

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی مذکورہ بات سے قبل متصلاً متعدد ائمہ حدیث کی جرحوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً: امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ''متروک'' ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''حَدَّثَ بِأَحَادِيْثَ كَذِبٍ'' (اس نے متعدد جھوٹی حدیثیں بیان کی ہیں۔) امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''يَرْوِيْ عَنِ الثِّقَاتِ الْمَنَاكِيْرَ، وَ يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ'' (ثقہ راویوں کے نام سے منکر روایات روایت کرتا ہے اور حدیث کی چوری کرتا ہے۔)

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ ''تقریب'' میں لکھتے ہیں کہ ''ضعيف ، أفرط ابن معين ، فكذّبه'' (ضعیف تو ہے؛ مگر امام ابن معین رحمہ اللہ نے تو حد ہی کر دی اور اس کو کاذب بتا دیا۔)

امام ابن عدی رحمہ اللہ ''الكامل'' میں لکھتے ہیں کہ اس کی روایات ہی سے اس کا ضعف عیاں ہو جاتا ہے، نیز اس کی بیش تر مرویات ایسی ہیں، جن میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

بہ ہر حال اس راوی کی توثیق کسی امام و محدث سے مروی نہیں ہے، صرف اقوالِ جرح منقول ہیں، جن سے اس کا غیر معتبر ہونا تو طے ہے؛ مگر کس درجے کا غیر معتبر و غیر مقبول ہے اس بارے میں ائمہ کی

آرا مختلف ہیں: بعض ضعیف کہتے ہیں، بعض متروک کہتے ہیں اور بعض کذاب کہتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جب کسی راوی کے متعلق جرح وتعدیل دونوں مروی ہوں، وہاں جرح کا مفسر ہونا ضروری ہے اور جس راوی کے متعلق صرف جرح ہی جرح ہو، کسی بھی امام سے توثیق منقول نہ ہو، تو اس راوی کے متعلق اصول یہ ہے کہ جرحِ مبہم بھی ہو، تو کافی ہے اور اگر کسی متفق علیہ ضعیف راوی کے متعلق کسی امام سے ہلکے درجے کی جرح مروی ہو اور دوسرے امام سے سخت جرح منقول ہو، تو اس موقع پر سخت کو ترجیح دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اول الذکر امام کے مقابلے میں دوسرے امام کو مزید واقفیت حاصل ہوئی اور انھوں نے اس کی بنا پر اس پر یہ سخت جرح کی ہے؛ لہٰذا انھوں نے اِس کا وصف مزید بیان کر دیا ہے۔

چناں چہ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ کا ترتیب فرمودہ مجموعہ رسائل میں امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کے رسالے "قاعدة في الجرح و التعديل" میں جو اصول ہے، اس کا خلاصہ و حاصل یہ ہے:

اگر جرح معتبر و مستند امام سے منقول ہو اور مجروح راوی محدثین کے مابین مشہور ہو اور متروک ہو، تو ایسے راوی کے متعلق ہم جرح کرنے والے امام کی جرح کو علی الاطلاق قبول کریں گے، اب اُس امام سے یہ سوال بھی نہیں کریں گے کہ وہ اپنی جرح کی تفسیر و توضیح کرے؛ لہٰذا امام ابن معین رحمہ اللہ نے ابراہیم بن شعیب مدنی کے بارے میں فرمایا: "ليس بشيء"، ابراہیم بن یزید مدنی کے متعلق فرمایا: "ضعيف" اور حسین بن الفرج الخیاط کے متعلق فرمایا: "إنه كذاب يسرق الحديث"، ان لوگوں کے متعلق امام ابن معین رحمہ اللہ کی جروحات کو ہم قبول کریں گے، اگر چہ انھوں نے اپنی جرح کی وضاحت نہ بھی کی ہو؛ کیوں کہ اِس فن کے امامِ کبیر ہیں۔

لہٰذا اسید بن زید کوفی، یہ راوی بھی ایسا ہی ہے، جو محدثین کے درمیان ضعیف و منکر کے وصف سے معروف و مشہور ہے اور کسی امام سے اس کی توثیق مروی نہیں ہے، جیسا کہ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اب اس کے متعلق امام نسائی، امام ابن حبان اور امام ابن معین کی سخت جرحوں کا اعتبار کرنا اِس اصول کی روشنی میں ضروری ہو جاتا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ امام ابن عراق رحمہ اللہ نے اس کو کاذب ہی قرار دیا ہے، چناں چہ لکھتے ہیں: "فيه ثلاثةٌ كَذَبَةٌ :أسيد بن زيد الجمال، وعمرو بن شمر، و جابر الجعفي"۔ اسی طرح حافظ محمد بن طاہر مقدسی "تذكرة الموضوعات" میں ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے اس راوی کے متعلق تمام ائمہ کے اقوال کو چھوڑ کر صرف ابن معین کے قول ہی کو ذکر کرتے ہیں، جس سے بہ ظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حافظ مقدسی بھی اِس راوی کو کاذب ہی مانتے

ہیں، چناں چہ حافظ مقدسی رقم طراز ہیں: ''فيه أسيد بن زيد ، قال بن معين: هو كذاب'' (اس میں ایک راوی اسید بن زید ہے، امام ابن معین نے فرمایا کہ وہ کذاب اور جھوٹا ہے)۔
(تذكرة الموضوعات: ٦٢)

دوسرا راوی: عمرو بن شمر جعفی ہے۔

کسی بھی امامِ جرح وتعدیل سے اس کی بابت توثیق وتعدیل کہیں منقول نہیں ملی اور اسماء الرجال کی کتابوں میں جہاں اس کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں اس کے متعلق حضراتِ ائمہ کے صرف اقوال جرح اور وہ بھی نہایت سخت منقول ہیں۔ یہاں ''**میزان الاعتدال**'' اور ''**لسان المیزان**'' سے چند جروحات نقل کرتا ہوں:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''منكر الحديث'' (یہ منکر الحدیث ہے)۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**رافضي يشتم الصحابة ، و يروي الموضوعات عن الثقات.**'' (رافضی تھا اور حضراتِ صحابہ پر سب وشتم کرتا تھا اور ثقہ راویوں سے موضوعات ومن گھڑت روایتیں سناتا تھا)۔ امام جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**زائغ كذاب**'' (گم راہ اور دروغ گو ہے)۔ امام نسائی اور امام دارقطنی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''**متروك الحديث**'' (متروک الحدیث ہے)۔ امام سلیمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**كان عمرو يضع على الروافض.**'' (یہ عمرو رافض کے لیے حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔)

تیسرا راوی: جابر بن یزید جُعفی ہے۔

یہ مشہور ومتکلم فیہ راوی ہے، بعض ائمہ نے اس کی تعریف فرمائی اور بعض ائمہ نے نہایت سخت جرحیں فرمائی ہیں، مثلاً حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روایتِ حدیث کے سلسلے میں جابر سے زیادہ محتاط میں نے کسی کو نہیں پایا۔ امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جابر روایتِ حدیث کی بابت صدوق یعنی نہایت سچا ومعتبر ہے۔ زہیر بن معاویہ فرماتے ہیں: جابر اعلیٰ درجے سے سچے واچھے لوگوں میں سے ایک ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام سفیان ثوریؒ، امام شعبہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: اگر تم جابر جعفی کے متعلق کلام کروگے؛ تو میں تمھارے متعلق کلام کروں گا۔

ایک طرف یہ حضراتِ ائمہ ہیں، تو دوسری جانب بڑے بڑے ائمہ سخت جرح کرتے ہیں، مثلاً امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جابر بہت بڑا جھوٹا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جتنے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی، ان میں سب سے بڑا جھوٹا میں نے جابر جعفی کو پایا۔ امام زائدہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں: یہ جابر بہت بڑا جھوٹا تھا۔ امام اسماعیل بن خالد

رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: امام شعبی نے جابر سے کہا تھا کہ اے جابر! تم اس وقت تک نہیں مروگے، جب تک کہ حضور ﷺ پر افترا اور دروغ بیانی نہیں کروگے، امام اسماعیل کہتے ہیں: پھر کچھ دنوں میں امام شعبی کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی اور لوگوں نے اس کو متہم بالکذب قرار دیا۔

حضراتِ ائمہ کی مذکورہ جروحات کے بعد یہ بھی گوش گزار کردوں کہ تعریف کرنے والے ائمہ میں حضرت سفیان ثوری اور حضرت شعبہ سے اس کے متعلق جرح بھی مذکور ہے، چناں چہ معلّٰی بن منصور رازی فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام ابومعاویہ نے فرمایا: امام سفیان ثوری اور امام شعبہ مجھے جابر جعفی کے پاس جانے سے منع فرماتے تھے۔ اسی طرح بعض کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ پہلے اِس سے روایتیں لیتے تھے؛ مگر بعد میں جابر کی بددیانتی ظاہر ہونے کے بعد اُس سے حدیثیں لینا ترک فرمادیا، مثلاً امام عبدالرحمٰن بن مہدی پہلے اِس کے حوالے سے حدیثیں بیان کرتے تھے؛ مگر بعد میں اس سے حدیث سنانا چھوڑ دیا۔

الغرض اس کا حال یہی ہے کہ یہ شخص ابتدا میں تو ٹھیک تھا؛ مگر بعد میں گم راہ ہوگیا اور اس درجے غیر معتبر و مردود ہوگیا کہ حضراتِ ائمہ کی ایک بڑی جماعت نے اس کو کاذب اور جھوٹا قرار دے دیا۔

الغرض اس قسم کے راویوں کی وجہ سے امام ابن الجوزی، امام سیوطی اور امام بن عراق کنانی نے اس روایت کو موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے۔

(تایخ بغداد :۵۱۵/۷،الموضوعات :۲۴۰/۲،اللآلي المصنوعة :۴۰۸/۱،تنزيه الشريعة :۴۲۱/۱، تهذيب الكمال: ۲۳۸/۳، ۴۶۵/۴-۴۶۹،ميزان الاعتدال :۴۱۹/۱، ۳۲۴/۵، ۱۰۳/۲-۱۰۷ ،لسان الميزان: ۲۱۰/۶، أربع رسائل:۵۹،الكشف الحثيث:۲۰۲، هدي الساري :۱۰۲۴، تقريب التهذيب:۱۴۴/۱، الكامل: ۸۷/۲)

۸۷ - ”علم، عمل اور اخلاص سے متعلق نہایت مشہور روایت“

علما، صلحا، مبلغین؛ سبھی کے درمیان نہایت ہی مشہور و متداول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

” اَلنَّاسُ هَلْكٰى اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ، وَالْعَالِمُوْنَ هَلْكٰى اِلَّا الْعَامِلُوْنَ ، و العامِلون هَلْكٰى الا المُخْلصون، و المخلصون على خَطَرٍ عظيم.“

(سارے لوگ تباہ و برباد ہیں سوائے علمائے دین کے اور تمام علم والے بھی برباد وتباہ ہیں، سوائے اہلِ عمل کے اور تمام اہلِ عمل بھی تباہ و برباد ہیں، سوائے اہلِ اخلاص کے اور تمام اہلِ اخلاص بھی بڑے خطرے میں ہیں۔)

الفاظِ روایت کی بحث

یہ روایت الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ متنوع طور پر نقل کی گئی ہے، چناں چہ

(الف) لفظ ''هَلْكٰى'' کے بہ جائے ہر جگہ لفظِ ''مَوْتٰى'' مروی ہے۔

(ب) پہلی جگہ لفظ ''مَوْتٰى''، دوسری جگہ لفظِ ''هَلْكٰى'' اور تیسری جگہ لفظِ ''غَرْقٰى'' بھی بیان کیا جاتا ہے۔

(ج) اسی طرح شروع میں لفظِ ''الناس'' کے بدلے، لفظِ ''العالمون'' یا ''العالَم'' یا ''الخلق'' ذکر کیا جاتا ہے۔

(د) اسی طرح کہیں ہر ایک مبتدا کے ساتھ ''كلهم'' ذکر کیا جاتا ہے اور کہیں نہیں۔

(ہ) ایسے بھی بیان کی جاتی ہے: الخلق كلهم موتٰى إلا العلماء، والعلماء نيام إلا العاملون، والعاملون مغترون إلا المخلصون، والمخلصون على خطر عظيم''۔

(و) امام و فقیہ سمرقندی رحمہ اللہ نے یہی روایت ''تنبيه الغافلين'' میں اس طرح ذکر فرمائی ہے:

" قال سهل بن عبد الله : الناس كلهم موتى إلا العلماء، والعلماء كلهم سكرى إلا العاملون بالعلم ، و العاملون مغرورون إلا المخلصون، و المخلصون في الخطر."

اس کے علاوہ اور بھی متعدد متنوع تعبیرات میں یہ روایت نبی اکرم ﷺ کی جانب منسوب کر کے بہ کثرت سنائی جاتی ہے۔

درجۂ روایت کی بحث

مذکورہ کلام، روایت کے الفاظ و تعبیرات سے متعلق تھا، اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب کر کے یہ جو کلام بیان کیا جاتا ہے، اِس کا حدیثِ نبوی ہونا از روئے تحقیق صحیح و ثابت ہے بھی یا نہیں؟ اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ:

(الف) امام محمد بن درویش رحمہ اللہ اپنی کتاب ''أسنى المطالب'' میں اِس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

" موضوع ، و هذا الحديث ذكره السمرقندي في كتابه: " تنبيه الغافلين" و وُلِعَ به أهل الوعظ ، و هذا الكتاب فيه كثير من

الموضوعات ؛ فلا يعتمد عليه."

(یہ حدیث موضوع ہے، امام سمرقندی نے اپنی کتاب: "تنبیه الغافلین" میں ذکر کی ہے اور واعظین کو بڑی بھاتی ہے؛ مگر کیا کریں اِس کتاب میں بہت ساری موضوع احادیث ہیں؛ اس لیے اِس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔)

(ب) امام صغانی رَحِمَہُ اللہ اپنی کتاب "الموضوعات" میں تحریر کرتے ہیں:

"هذا الحديث مُفترىً ، ومَلحون، والصَّواب في الإعراب إلا العالمين ، والعاملين، والمخلصين."

(یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اور اس میں اعرابی غلطیاں بھی ہے، چناں چہ صحیح تعبیر و عبارت [عالِمُون، عامِلُون، مخلِصُون نہیں؛ بل کہ] عالِمِين، عامِلِين، مخلِصِين ہے۔)

(ج) علامہ شوکانی "الفوائد المجموعة" میں، علامہ طاہر پٹنی "تذكرة الموضوعات" میں، علامہ عجلونی "كشف الخفاء" میں؛ یہ تینوں ماہرینِ حدیث، امام صغانی کی تحقیق ہی کو نقل کرتے ہیں اور امام صغانی کی طرح یہ حضرات بھی اسی کے قائل ہیں کہ یہ ایک من گھڑت اور خود ساختہ روایت ہے، نبیٔ اکرم ﷺ کی مبارک حدیث نہیں ہے۔

کلام مزید ومفید

راقم عرض کرتاہے کہ: امام صغانی نے اپنے مذکورہ بالا کلام میں اِس حدیث کے موضوع ومکذوب ہونے کی دو وجوہات کی جانب اشارہ کیا ہے:

(الف) بہ لحاظِ روایت وجہ یہ ہے کہ اس کی کوئی سند اور اصل ہے ہی نہیں، نہ صحیح، نہ ضعیف؛ لہٰذا کسی نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ دیا اور حدیث کہہ کر چلتا کر دیا، تو بلا تحقیق لوگ اس کو حدیث کا درجہ دینے اور اس کی روایت کرنے لگے۔

(ب) بہ لحاظِ درایت وجہ یہ ہے کہ اِس میں عربی زبان اور اس کے مشہور و مسلّم قاعدے کے خلاف تعبیر آئی ہے، جو کہ ایک فاش غلطی اور لحنِ جلی ہے، چناں چہ عربی نحوی قواعد جاننے والے یہ قاعدہ بہ خوبی جانتے ہیں کہ کلامِ تام ومُوجَب میں حرفِ "إلا" کے بعد آنے والے مستثنیٰ کو نصب دینا واجب وضروری ہے، چاہے مستثنیٰ منقطع ہو یا متصل، چناں چہ "ألفية مع شرح ابن عقيل: ۲/۲۱۰" کے شعر:

''مااستثنت "إلا " مع تمام ينتصب'' کی شرح کرتے ہوئے امام ابن عقیل لکھتے ہیں:''حکم الاستثناء بِ "الا" النصبُ ، إن وقع بعد تمام الكلام الموجَب ، سواء كان متصلا أو منقطعا''۔

اورامام ابن ہشام رحمہ اللہ ''شرح قطر الندیٰ:۲۴۴'' میں لکھتے ہیں:

''إذاكان الاستثناء بـ"إلا" وكانت مسبوقةً بكلامٍ تامٍ موجَبٍ وجب بمجموع هذه الشروطِ الثلاثةِ نصبُ المستثنى ، سواء كان الاستثناءُ متصلا.... أو منقطعا.''

اور یہاں ''الناس هَلْكىٰ الا العالِمُون'' اوراس کے بعد کے جملوں میں جب مستثنیٰ ''إلا'' کے بعد کلامِ تام وموجب میں واقع ہے،تو ''العالمين، العاملين، المخلصين'' بہ صورتِ منصوب ہونا واجب ہے؛لیکن وجوبی قاعدے کے برخلاف مرفوع آ گیا ہے۔

یہ ہے امام صغانی کے قول ''ملحون'' کی شرح؛مگر علامہ عجلونی نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ علامہ سیوطی نے ابوحیان سے نقل کیا ہے کہ بعض عربوں کی لغت میں کلامِ تام وموجب میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کا بدل بنانا بھی جائز ہے؛لہٰذا یہاں بدل مانا جائے،تو حرج نہیں۔

یہ قاعدہ امام ابوحیان رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر:''البحر المحيط:۲/۲۷۵'' میں لکھا ہے:

''إذا تقدم موجب جاز في الذي بعد "إلا" وجهان: أحدهما: النصب على الاستثناء ، وهو الأفصح . والثاني: أن يكون بعد إلا تابعاً لإعراب المستثنى منه إن رفعاً رفع ، أو نصباً فنصب ، أو جراً فجر''.

الغرض امام صغانی نے جو دوسری وجہ بتائی ہے،وہ اگر مخدوش قرار دی جائے،تب بھی پہلی اصلی وجہِ وضع کے ہوتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ یہ روایت بےاصل وبےسند ہے،کسی کی گھڑی ہوئی ہے،نبیِ اکرم ﷺ کی حدیثِ نبوی نہیں ہے۔

الغرض حضراتِ محدثین کی مذکورہ بالا تحقیقِ انیق کے مطابق یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے،اِس تحقیق کے صحیح وبرحق ہونے کا ایک ظاہری وواضح قرینہ یہ ہے:

(الف) یہی کلام امام غزالی رحمہ اللہ نے ''إحياء العلوم'' میں متعدد مقامات پر درج فرمایا ہے؛ مگر- جہاں تک بندے کی نظر ہے-امام غزالی نے کہیں بھی اس کو آپ ﷺ کی جانب منسوب نہیں

کیا۔ چناں چہ ''إحياء العلوم: ۳/۴۰۲'' پر ''كتاب ذم الغرور'' کے بالکل اخیر میں اور (۴/۱۷۶) پر ''بيان معنى سوء الخاتمة'' میں اور (۴/۳۵۱) پر ''كتاب النية والإخلاص والصدق'' کے آغاز میں اور (۴/۴۵) پر ''بيان أقسام العباد في دوام التوبة '' میں ''فالناس كلهم محرومون، الخ'' والے الفاظ کے ساتھ امام غزالی نے ذکر کیا ہے؛ مگر ایک مقام پر بھی نہ ''رُوِيَ، يُرْوٰى'' کے صیغوں سے ذکر کیا ہے، نہ ''قال النبي ﷺ'' لکھا ہے اور نہ ہی ''وفي الخبر، وفي الحديث''۔

(ب) اسی طرح علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''بريقة محمودية'' میں لکھا ہے؛ مگر کہیں بھی اس کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بتایا؛ بل کہ اِس کو حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا ملفوظ بتایا ہے، چناں چہ آپ لکھتے ہیں:

''ولقد صدق ذوالنون: الخلق كلهم موتٰى إلا العلماء ، والعلماء نيام إلا العاملون، والعاملون مغترون إلا المخلصون، والمخلصون على خطر عظيم .''

ان دونوں حضرات کا حدیث کی حیثیت سے ذکر نہ کرنا، اس کلام کے حدیث نہ ہونے کا ایک مضبوط قرینہ اس وجہ سے ہے کہ، ان حضرات نے اپنی مذکورہ کتابوں میں اپنی بات کو مضبوط و پختہ کرنے کے لیے نصوصِ قرآن وحدیث سے استدلال کیا ہے اور اس کی فکر میں ایسی بہت ساری روایات نادانستہ طور پر جمع کردی ہیں، جو بے اصل و بے سند اور موضوع وخود ساختہ ہیں؛ لہٰذا یہ حضرات متعدد مقامات پر یہ روایت لے آتے ہیں؛ مگر کہیں بھی اس کو آپ کی حدیث نہیں کہہ رہے ہیں، تو یہ ایک مضبوط دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی اِس روایت کا حدیث رسول ہونا ثابت وصحیح نہیں ہے۔

(ج) اسی طرح مشہور محدث وفقیہ شیخ علی بن سلطان نے ''مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۹/۱۵۳'' پر ''باب البر والصلة'' کی ''فصل ثالث'' میں یہ کلام ذکر کیا ہے؛ مگر حضرت نے بھی نہ آپ ﷺ کی جانب منسوب کیا اور نہ کسی اور کی طرف منسوب کیا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا دعوی اور اس پر کلام

مشہور ومعروف محقق ومفسرِ عظیم شیخ شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز کتابِ لاجواب: ''روح المعاني: ۱/۳۱۰'' پر رقم طراز ہیں:

"وقد خَرَّجَ غيرُ واحدٍ قولَه ﷺ فيما صَحَّ على الصحيح:

"العالَمُون هَلْكٰى إلا العالِمُون ، و العالِمون هَلْكٰى إلا العامِلون ، و العامِلون هَلْكٰى إلا المُخْلصون ، والمخلصون على خَطَرٍ عظيم".

اس عبارت میں علامہ آلوسی نے نہایت صاف لفظوں میں بیان کر دیا کہ یہ حدیثِ رسول ہے، جس کی تخریج متعدد علما نے کی ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ صحیح و معتبر حدیث ہے؛ مگر علامہ کا یہ دعویٰ چند وجوہات کی بنا پر قابلِ کلام ہے:

(۱) علامہ نے ان متعدد علما کا نام ذکر نہیں کیا، جنھوں نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔ کم از کم دو چار علما ہی کا نام اشارے و کنایے میں بھی اگر ذکر فرما دیتے، تو آپ کا دعویٰ بھی ایک حد تک مدلل ہو جاتا اور پھر اُن حضراتِ علما کے کلام پر کسی طرح واقف ہونے کے بعد اہلِ علم کو ایک نتیجے پر پہنچنے کا موقع فراہم ہوتا؛ خصوصاً اس وقت جب کہ علمِ حدیث کے متخصص و باکمال محدثین کی تحقیق علامہ کی تحقیق کے بالکل منافی و برخلاف ہے، جیسا کہ سابق میں ہم نے اِن حضراتِ محدثین کی تحقیقات ذکر کر دی ہیں۔

(۲) نیز علامہ نے اُن کتابوں، رسالوں اور تخریجات کی جانب اشارہ بھی نہیں دیا، جہاں اِس روایت کی تخریج کی گئی ہے، جب کہ آپ نے دیگر بے شمار مقامات پر متعدد کتبِ حدیث کے حوالے سے بہت ساری روایات ذکر کی ہیں، تو یہاں علامہ کے ذمے ایک اعتبار سے لازم و ضروری تھا کہ کسی ایک کتاب کا حوالہ دے دیتے؛ خصوصاً اس وقت جب کہ زیرِ بحث روایت حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے اور خصوصاً اس وقت جب کہ اگر کہیں ہے، تو دیگر علمائے محققین کے بہ قول موضوع و خود ساختہ اور بے اصل و بے سند ہے۔

(۳) اب صرف اور صرف علامہ کے دعوے کو اس مقام پر تسلیم کرنا بھی [بہ صد ادب و احترام عرض ہے کہ] مشکل ہے؛ اس لیے کہ آپ نے اپنی اِس تفسیری کتابِ لاجواب میں کچھ موضوع احادیث اور وہ بھی بلا بیانِ وضع ذکر فرما دی ہیں، اگر چہ دیگر کتبِ تفسیر کے مقابلے میں موضوع احادیث بہت کم و نادر ہیں؛ مگر ایک قلیل تعداد پھر بھی موجود ہے۔

(۴) اور علامہ کی بات اس لیے بھی قابلِ کلام ہے: کیوں کہ متعدد متخصص ماہرینِ علمِ حدیث کی صریح و واضح تحقیقات، علامہ کی بات کے خلاف ثبت ہو چکی ہیں اور وہ بھی کسی حدیث کی شرح کے ضمن میں یا کسی دوسری بحث کے تحت نہیں؛ بل کہ اُن کتابوں میں ثبت ہیں، جو بہ طورِ خاص موضوع روایات

کے بیان اور اُن کی تحقیق کے عنوان پر باضابطہ ومدلل لکھی گئی ہیں۔

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ کے کلام کے متعلق یہ جو کچھ بیان ہوا، وہ حدیث کے ثبوت وعدم ثبوت کے سلسلے میں تھا، جس سے معلوم ہوگیا کہ علامہ آلوسی کی بات محققینِ محدثین کی تحقیق کے خلاف ہے اور باحوالہ ومدلل بھی نہیں ہے۔اب آگے یہ بھی ملاحظہ کرتے جائیں کہ جس طرح اس روایت کے ثبوت کے حوالے سے علامہ کی بات دیگر ائمہ کے خلاف ہے، اسی طرح اس کلام کی شرح میں علامہ آلوسی نے جو کلام فرمایا ہے، وہ بھی دیگر حضرات کے بیان سے مختلف والگ ہے، چناں چہ سب سے پہلے اس کلام کی وہ تشریح ذکر کرتا ہوں، جو مشہور ہے اور تقریباً بیان کرنے والے تمام احباب کی مراد بھی وہی ہے، چناں چہ علما وصلحا یہ کلام جس مقام وعنوان کی مناسبت سے بیان کرتے ہیں، اُس کا حاصل یہ ہے کہ سارے علم وعمل والے بغیر اخلاص کے ہلاکت میں ہیں اور اخلاص والے بھی خطرے میں ہیں اور کسی بھی شخص کو محض علم، یا عمل یا اخلاص کی بنا پر نجات ملنے والی نہیں ؛ بل کہ نجات وسعادت صرف اور صرف خدا کے فضل وکرم اور احسان وامتنان کی بہ دولت نصیب ہوگی ؛ لہٰذا علم والا ہو، عمل والا ہو، یا اخلاص والا ؛ کوئی بھی ہو؛ ہر ایک کو خدا سے رحم وکرم کی طلب کرتے رہنا چاہیے۔

اس کا حاصل یہ کہ روایت میں یہ جو" علی خطر عظیم " آیا ہے، اس سے مراد ہلاکت وبربادی ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اخلاص والے بھی خوف کھاتے رہیں کہ کہیں وہ بھی برباد وتباہ نہ ہوجائیں۔

اب علامہ آلوسی کی تشریح ملاحظہ ہو، علامہ آیتِ کریمہ: ﴿إلا عبادک منهم المخلصین﴾ کی تفسیر میں" روح المعاني:۱۴/۵۶" پر لکھتے ہیں:

" الذین أخلصتهم لک ، واصطفیتهم لمحبتک ؛ أو المخلصین في طاعتهم لک ، ولا یلتفتون لأحد سواک . وفیه من مدح الإخلاص ما فیه ، وفي الخبر "العالم هَلْكَى إلا العالِمُون، و العالمون هَلْكَى إلا العامِلون، و العامِلون هَلْكَى إلا المُخْلصون ، والمخلصون علی خَطَرٍ" أي شرف عظیم ، کما ذکره السید السند في بعض تعلیقاته."

اس عبارت میں علامہ آلوسی نے شیخ سید سند کے قول کو اپناتے ہوئے" علی خطر " کی مراد یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے اندر اہلِ اخلاص کی زبردست تعریف وتوصیف فرمائی ہے اور اِس حدیث میں بھی اہلِ اخلاص کی تعریف میں فرمایا گیا ہے کہ وہ مخلصون" علی خطر عظیم "یعنی بڑے

اونچے مقامِ شرف واعزاز پر فائز ہوں گے۔

سید سند اور علامہ آلوسی کے قول کا حاصل یہ نکلا کہ اس روایت میں یہ جو"علی خطر" آیا ہے، اس سے مراد بشارت وخوش خبری ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ اخلاص ڈرنے کے بہ جائے شکر ادا کریں اور خوشی منائیں۔

بہ ہر حال و بہ ہر صورت ثبوتِ حدیث کے متعلق علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا کلام تشنہ ومحلِ غور ہے، اور توضیح مطلب وتشریح مفہوم کے حوالے سے بھی دیگر جمہور علما وصوفیا کے اختیار کردہ مشہور معنیٰ مراد سے مختلف وجدا ہے۔

حاصل کلام

الغرض اِس مفصل وطویل کلام کا حاصل یہ ہے:

زیر بحث یہ روایت بہ قولِ محدثینِ عظام موضوع، مکذوب اور غیر ثابت و بے اصل ہے اور یہ آپ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے؛ بل کہ حضرت عبداللہ بن سہل یا حضرت ذوالنون مصری یا کسی دوسرے بزرگوار کا ملفوظ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!!

(الموضوعات للصغاني: ٣٩، الفوائد المجموعة: ٧٧١، تذكرة الموضوعات: ١/ ٢٠٠، أسنى المطالب: ١٦٣١، كشف الخفاء: ٢٧٩٦، تنبيه الغافلين: ٣٠٧)

۸۸ - حدیث: "اطلبوا العلم من المهد إلى اللحد."

"علم کی اتنی اہمیت ہے کہ حدیثِ پاک میں فرمایا:"اُطْلُبُوا العِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحْدِ"(تم علم حاصل کرو پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک۔)"

(خطباتِ ذوالفقار: ۱/ ۲۲۴، ۲۲/ ۲۵۷)

حدیث کی کسی معتبر کتاب میں مروی وماثور نہیں ہے،"روح البیان، کشف الظنون" اور ان کے علاوہ بعض کتابوں ورسالوں میں یہ کلام آپ ﷺ کی جانب منسوب کرکے ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی بلا سند اور بغیر حوالۂ کتاب؛ مگر ظاہر واغلب یہی ہے کہ یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ نہیں ہے۔

شیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ نے اپنے رسالے:"فضل العلم وصفات أهله وفضلهم" میں اس کو حضرت امام ابن حنبل رحمہ اللہ کا ملفوظِ عالی بتایا ہے۔ واللہ اعلم!!

(روح البيان: ٥/ ٢٢١، كشف الظنون: ١/ ٥١، فضل العلم: ١٦، كتاب النوازل: ٢/ ٣١٩)

۸۹ - حدیث: "علیکم بمجالسة العلماء ....اھـ"

ایک حدیث میں آتا ہے: "علیکم بِمُجالسة العلماء" (تمھارے اوپر لازم ہے کہ علمائے کرام کی مجالس میں بیٹھو)، "و استماع کلام الحکماء" (اور تم داناؤں کی باتوں کو سنو)، "فإن الله تعالی یحیي القلب المیت بنور الحکمة کما یحیي الأرضَ المَیّةَ بماء المطر." (اللہ تعالیٰ حکمت ودانائی سے مردہ دلوں کواسی طرح زندہ کردیتے ہیں، جس طرح کہ بارش کے برسنے سے مردہ زمین کوزندہ کردیتے ہیں۔) (خطباتِ ذوالفقار:۱/۲۲۴)

مذکورہ بالا کلام بایں الفاظ وتعبیرات، حدیث کی کسی معتبر کتاب میں تلاشِ بسیار اور انتھک محنت کے بعد بھی نہیں ملا، نہ کتبِ صحاح ومسانید میں، نہ مستدرکات ومستخرجات میں، نہ احادیثِ اجزاوافراد میں؛ حتی کہ موضوعات کی کتب بھی اس سے خالی ہیں۔ البتہ اسی مفہوم ومعنی کے ساتھ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إن لقمان قال لابنه : یا بُنَيَّ ! علیک بمجالسة العلماء ، واسمعْ کلام الحکماء ، فإن الله یحیي القلب المیت بنور الحکمة کما یحیي الأرض المیتة بوابل المطر."

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ "مجمع الزوائد" میں تحریر کرتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عبید اللہ بن زحر ہے، جو علی بن یزید سے روایت کرتا ہے: "وکلاھما ضعیف لا یحتج به" (اور اِن دونوں میں سے ہرایک ضعیف وناقابلِ احتجاج ہے۔)

مذکورہ دونوں راویوں کے متعلق حضراتِ محدثین کا کلام ملاحظہ فرمایا جاوے:

(۱) عبیداللہ بن زَحر: امام یحییٰ بن معین نے کہا: "لیس بشيء"۔ امام ابن المدینی نے کہا: "منکر الحدیث"۔ امام دارقطنی نے کہا: "لیس بالقوي"۔ امام ابن حبان نے تو یہ تک کہدیا:

"یروی الموضوعات عن الأثبات، وإذا روي عن علی بن یزید أتی بالطامات ، وإذا اجتمع في إسناد خبر عبید الله ، وعلی بن یزید ، والقاسم أبوعبدالرحمن ، لم یکن ذالک الخبر إلا مما عملته أیدیھم ."

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ نے کہا: "صدوق"۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ اِس راوی کے متعلق حسن رائے رکھتے ہیں، اسی وجہ سے اپنی کتاب "الضعفاء" میں اس کو

ذکرنہیں کیا؛ بل کہ فرمایا:''لا بأس به''۔

الغرض اس راوی کو اکثر و بیش تر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ ''تقریب'' میں رقم فرماتے ہیں کہ ''و لکن الأکثر علی تضعیفه''۔ اور ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیش تر منکر و عجیب و غریب حدیثیں بیان کرتا تھا اور خاص طور پر علی بن یزید سے اس کی مرویات کا حال بڑا ہی تباہ و برباد ہوتا تھا، جیسا کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے واضح بیان کیا ہے۔

(۲) علی بن یزید شامی: امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: ''منکر الحدیث''۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا: ''لیس بثقة'' اور ''متروک الحدیث''۔ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے کہا: ''لیس بقوي''۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا: ''متروک''۔ امام یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ نے کہا: ''واهي الحدیث، کثیر المنکرات''۔

''متروک الحدیث، منکر الحدیث اور واہی الحدیث''؛ یہ بڑی سخت جرحیں ہیں، چناں چہ متروک الحدیث: اس راوی پر بولا جاتا ہے، جو یا تو متہم بالکذب ہو، یا کثیر الغلط ہو، یا فاحش الخطا ہو یا ایسا شخص ہو، جو معروف راویوں کے حوالے سے ایسی ایسی روایتیں بیان کرتا ہو، جن کو خود وہ معروف راوی نہ جانتے ہوں، وغیرہ۔

بالخصوص امام بخاری رحمہ اللہ، جو معتدل امامِ جرح و تعدیل مانے گئے ہیں، ان کا اِس راوی کے متعلق ''منکر الحدیث'' کہنا بڑی سخت جرح ہے؛ اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ جرح عموماً ایسے شخص کے بارے میں ہوتی ہے، جو کذب بیانی و دروغ گوئی کی جرح سے مجروح و مطعون ہو، چناں چہ محدثِ عظیم شیخ احمد شاکر ''الباعث الحثیث'' میں لکھتے ہیں:

"و کذا قوله منکر الحدیث؛ فإنه یرید به الکذابین."

(اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ، جب منکر الحدیث کہتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ راوی کذابین میں سے ہے۔)

شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے ''الرفع و التکمیل'' کی تحقیق و تعلیق میں اِس کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے متعدد مثالیں ذکر کی ہیں، جن سے انھوں نے بھی یہی بتانا چاہا ہے، جو احمد شاکر نے صاف صاف بیان کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے: الرفع و التکمیل: ۲۰۸، ملاحظہ کریں)

الغرض جمہور ائمہ نے ان دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور بہ قولِ امام ہیثمی اس قدر ضعیف کہ

نا قابلِ احتجاج ہیں۔

راقم کہتا ہے: اس میں ایک اور راوی ہیں، قاسم بن عبد الرحمٰن ابو عبد الرحمٰن دمشقی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد و خادم؛ امام ابن معینؒ، امام ترمذیؒ اور امام جوز جانیؒ نے ان کو ثقہ و قابلِ اعتماد قرار دیا ہے، جب کہ یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ان کی تضعیف کی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: علی بن یزید نے اِس کے حوالے سے بڑی عجیب عجیب احادیث روایت کی ہیں اور میری رائے میں اس قسم کی روایات خود قاسم ہی کی طرف سے آئی ہیں۔ اسی طرح امام جعفر بن ابان حرانی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی، جس کی سند میں قاسم بن عبد الرحمٰن آئے، تو امام احمد نے اس پر تعجب کرتے ہوئے اور نگاہِ انکار ڈالتے ہوئے فرمایا: "**ما أرى البلاء إلا من القاسم**"۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ قاسم بن عبد الرحمٰن اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معضل روایات بیان کرتا ہے۔

خلاصۂ تفصیل یہ کہ یہ تینوں راوی متکلم فیہ ہیں، اُن میں سے قاسم بن عبد الرحمٰن ایک درجے میں لائقِ قبول قرار پا جائیں، تو دوسرے دو راوی: علی بن یزید اور عبید اللہ بن زحر نا قابلِ احتجاج و غیر معتبر ہیں۔

ایک طرف تو اس روایت کی سند کا یہ حال ہے اور دوسری جانب اس روایت کے حوالے سے کوئی ایک بھی ثقہ یا کم از کم ضعیف راوی ایسا نہیں ہے، جو ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی متابعت و مقارنت کر رہا ہو؛ لہٰذا یہ روایت تینوں درجوں میں منفرد ٹھیری اور یہ بات اصولِ حدیث میں مصرح و مسلم ہے کہ ضعیف راوی، جس پر منکر الحدیث و متروک الحدیث کی جرح شدید کی گئی ہو، اگر کسی روایت میں متفرد ہو جائے اور کسی ثقہ و معتبر راوی کی روایت اُس کی تائید میں نہ ہو اور اس پر مستزاد اُس کی بیش تر مرویات منکر و غیر معروف ہوں؛ تو ظاہر ہے کہ ایسے راوی کی روایت عقائد و احکام کے باب میں تو قبول نہیں کی جائے گی اور ترغیب و ترہیب کے باب میں بھی اس کو مقبول ماننا محلِ کلام و قابلِ غور بات ہے۔

اب یہاں تو ایک نہیں، تین ضعیف و مجروح راوی ہیں۔ جب ایک کا تفرد ثبوتِ روایت کے لیے مفید نہیں، تو تینوں درجوں میں ایسے تین راویوں کا تفرد تو بہ درجۂ اولیٰ مفیدِ ثبوت نہیں ہوگا۔

لہٰذا یہاں امام ابن حبان رحمۃ اللہ کی رائے درست و معتدل قرار پاتی ہے، جو انھوں نے اِن تینوں کے متعلق فرمائی ہے:

" و إذا اجتمع في إسناد خبر عبيد الله ، وعلي بن يزيد ، و القاسم

أبو عبد الرحمن ، لم يكن ذالک الخبر إلا مما عملته أيديهم."

(جب کسی روایت کی سند میں عبید اللہ بن زحر، علی بن یزید اور قاسم ابوعبدالرحمٰن اکھٹے ہوجائیں، تو وہ روایت یقیناً ان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہی ہوسکتی ہے۔)

بہ ہر حال یہ تو روایت کی سند پر کلام ہوا اور رہی بات متنِ حدیث کی، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ''العلماء'' اور ''الحکماء'' کی تقسیم؛ نیز ''الحکماء'' کا تلفظ، بندے کو نہیں معلوم کہ یہ نبیٔ اکرم ﷺ سے کہیں ثابت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:

کتبِ حدیث میں کہیں کوئی ایسی روایت نہیں ملی، جو صحیح یا حسن یا کم از کم خفیف الضعف سند سے مروی ہو اور جو مرفوع روایت ہو اور اس میں یہ آیا ہو کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اس طرح علما وحکما کی تقسیم فرما کر ان کی صحبت ومجالست اپنانے کی ترغیب دی ہو۔ حتی کہ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے جو ذخیرۂ کلمات والفاظ منقول ہے، اس ذخیرے میں راقم کو ''الحکماء'' کا لفظ نظر نہیں آیا؛ ہاں! ایک روایتِ طبرانی (رقم: ۳۲۴) اور مجمع الزوائد (رقم: ۵۱۹) میں ابو جحیفہ کے حوالے سے مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''جالسوا الکبراء ، و سائلوا العلماء ، و خالطوا الحکماء''۔ یہ مرفوع وموقوف دونوں طرح مروی ہے؛ مگر علامہ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ موقوف صحیح الاسناد ہے اور مرفوع روایت کی سند میں ایک راوی ابو مالک عبد الملک بن الحسین نخعی ہے اور یہ منکر الحدیث ہے۔

ابو مالک کے متعلق حضراتِ ائمہ میں سے کسی کی توثیق کہیں نہیں ملی، صرف اقوالِ جرح ہی منقول ہیں، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''تھذیب التھذیب'' میں نقل کرتے ہیں کہ امام بخاری اور امام حاکم ابو احمد نے فرمایا: ''لیس بالقوی عندھم''، امام ابوداود نے ''ضعیف'' اور امام ابن معین نے ''لیس بشیء'' فرمایا، امام عمرو بن علی نے ''ضعیف ، منکر الحدیث''، امام ابوزرعہ وابوحاتم نے ''ضعیف الحدیث'' اور امام ازدی نے ''متروک الحدیث'' فرمایا ہے، امام نسائی نے فرمایا: ''لیس بثقة ، لا یکتب حدیثه ، متروک الحدیث''۔ حافظ عسقلانی رحمھم اللہ نے ''تقریب'' میں جو معتدل رائے بیان کی، وہ یہ کہ یہ ''متروک'' ہے۔

خلاصه وحاصل تحقیق

الغرض بہ لحاظِ روایت ودرایت کی گئی اِس تحقیق کے زیرِ بحث حدیث کے متعلق راجح رائے یہی ہے کہ یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث نہیں ہے، قرائنِ قویہ اسی فیصلے ورائے کے متقاضی ہیں۔

ہاں البتہ اس معنی ومفہوم کا ایک ملفوظ حضرت ابو جحیفہ سے ماثور ہے، تو اس بات کو ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی

جانب ہی منسوب کرکے بیان کی جائے، تاکہ بات بھی پوری ہوجائے اورکوئی نقص وقباحت بھی لازم نہیں آئے گی۔

(بريقة محمودية:٤/٤٧١، المعجم الكبير:٧٨١٠، مجمع الزوائد: ٥١٨، تقريب التهذيب: ٢/٤٠٥، ميزان الاعتدال:٥/١٩٦، تهذيب الكمال:٢١/١٧٨-١٨٢ ، الباعث الحثيث: ٣٢٠، ميزان الاعتدال: ٥/٤٥٣ ،تهذيب الكمال:٢٣/٣٨٣-٣٩١،تهذيب التهذيب:٤/٥٨١، التقريب: ٤/٢٦٦)

۹۰ - حَدِیْث: ''الدنيا جِيفَةٌ ، وطَالِبُوْهَا كِلَابٌ''

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الدنيا جِيفَةٌ ، وطَالِبُوْهَا كِلَابٌ'' (دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔)

(خطبات ذوالفقار:۹/ ۴۸،۱۴/۲۰۴)

بعض جگہ ''طالبوها'' کی جگہ ''طلابها'' اور بعض جگہ ''والناس كلابها'' کے الفاظ بھی ملتے ہیں؛ مگر سوال یہ ہے کہ یہ اگر حدیث ہے، تو کس محدث سے مروی ہے؟ حدیث کی کس کتاب میں مذکور ہے؟ اس کی سند ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو کس درجے کی ہے؟ یہ وہ اہم ترین اور بنیادی سوالات ہیں، جن کا جواب مواعظ ونصائح کی کتابوں میں ناپید ہے اور احادیث وآثار کی معتمد ومستند کتابوں میں کہیں منقول ومروی نہیں ہے۔

اس بنیادی واجمالی وجہ کے بعد محدثینِ عظام کی تصریحات بھی ملاحظہ کریں:

(الف) امام صغانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں اس کو داخل کیا ہے۔

(ب) علامہ عجلونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" قال الصغاني: موضوع ، أقول: و إن كان معناه صحيحاً ؛ لكنه ليس بحديث."

(امام نے کہا کہ یہ موضوع ہے، میں کہتا ہوں کہ اگرچہ اس کا مفہوم صحیح ودرست ہے؛ مگر یہ حدیثِ رسول نہیں ہے۔)

(ج) اور علامہ نجم الدین عامری رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں: ''ليس بهذا اللفظ في المرفوع.''

(یہ بایں الفاظ ارشادِ نبوی نہیں ہے۔)

ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف روایت مروی ہے، جس میں آپ ﷺ نے دنیا کو

مردار سے اور دنیا کے پیچھے پڑنے کو مردار کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ چناں چہ ''مسند بزار'' کے حوالے سے ''مجمع الزوائد'' میں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" يُنادِي مناد: دعوا الدنيا لأهلها ، دعوا الدنيا لأهلها ، دعوا الدنيا لأهلها ، من أخذ من الدنيا أكثر مما يكفيه أخذ جيفة و هو لا يشعر. "

(ندا لگانے والا ندا لگاتا اور کہتا ہے کہ دنیا کو دنیاداروں کے لیے چھوڑ دو، دنیا کو دنیا داروں کے لیے چھوڑ دو، دنیا کو دنیاداروں کے لیے چھوڑ دو، جس نے اپنی ضرورت وکفایت سے زیادہ دنیا پائی اس نے گویا بے خبری و بے شعوری میں ایک مردار لاش کو لے لیا۔)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ اس کی سند کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں ایک راوی: ہانی بن المتوکل ہے، جو کہ ضعیف راوی ہے۔

اس روایت کی بنا پر کہا جائے گا کہ جو روایت زیر بحث ہے، وہ لفظاً ثابت نہیں ہے؛ مگر معنیً ایک ضعیف روایت کی بنیاد پر ثابت مانی جاسکتی ہے، جیسا کہ حافظ عامری رحمہ اللہ نے ''الجد الحثيث'' میں تحقیق فرمائی ہے۔

اسی طرح امام نووی، علامہ سیوطی، علامہ عامری، علامہ متقی اور علامہ عجلونی رحمہم اللہ نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک حکیمانہ قول نقل فرمایا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"الدنيا جيفة فمن أرادها فليصبر على مخالطة الكلاب."

(دنیا مردار ہے، جو اس کو پانا چاہتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ جائے اور کتوں سے میل ملاپ بڑھائے۔)

مزید یہاں یہ عرض کردوں کہ ''مسند الفردوس'' میں امام دیلمی نے اور دیگر ائمہ نے امام دیلمی رحمہ اللہ کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے:

" أوحى الله عزوجل إلى داود: مثل الدنيا كمثل جيفة اجتمعت عليها كلاب يجرونها ، أفتحب أن تكون كلبامثلهم فتجر معهم. "

(اللہ عزوجل نے حضرت داود علیہ السلام کی جانب وحی بھیجی کہ دنیا کی مثال اس

مردار لاش کے جیسی ہے، جس پر کتے جمع ہوکر گھسیٹا کر رہے ہوں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ان ہی کی طرح تم بھی کتے بن جاؤ اور ان کے ساتھ مل کر گھسیٹا کرو؟!)

مگر اس روایت کی سند نہ امام دیلمی رحمہ اللہ نے ذکر کی اور نہ ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے؛ اب ظاہر ہے کہ اس بے سند حدیث کا کوئی اعتبار نہیں۔

نیز متن میں یہ جو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جلیل القدر پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''أفتحب أن تكون كلباً مثلهم فتجر معهم'' اس کو ارشادِ الٰہی اور ارشادِ نبوی ماننے سے ذوقِ سلیم انکار کرتا ہے اور جو حضرات اہلِ علم، ربانی ارشادات اور نبوی روایات سے مزاولت رکھتے ہیں، اِن کی بلاغت وفصاحت اور ان میں مخزون ادب وتہذیب سے آشنا ہیں، وہ ضرور پکار اُٹھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک جلیل القدر پیغمبر سے اس طرح خطاب نہیں فرمائیں گے اور جو حضرات اسرائیلی روایات کا علم رکھتے ہیں، ان کو اس میں اسرائیلی روایات کی بدبو بہ آسانی محسوس ہو جائے گی۔ واللہ اعلم!

بہ ہر حال یہ روایتِ دیلمی رحمہ اللہ بھی بے اصل و بے سند اور غیر ثابت ہے؛ اس لیے ان روایات کو حدیثِ نبوی کی حیثیت سے بیان کرنا روا نہیں ہے۔

(الموضوعات للصغاني:٣٦، كشف الخفاء:١٣١٣، الجد الحثيث:١٦٥، مجمع الزوائد: ١٧٨٥٩، كنز العمال:٨٥٦٤، جامع الأحاديث:٣٣٣٤٥، الدرر المنثورة:١١، تهذيب الأسماء واللغات: ٤٨٦/١)

۹۱ - حدیث: ''الْمُؤمِنُ فِيْ المسْجدِ كَالسَّمكِ فِيْ الْماءِ''

''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''المؤمن في المسجد كالسمك في الماء''۔ (خطباتِ فقیر:۱۰/۲۲،۱۷/۲۰۴)

(مومن کو مسجد میں ایسے سکون ملتا ہے، جیسا کہ مچھلی پانی کے اندر پُرسکون ہوتی ہے۔)

خطبا اور واعظین کے درمیان یہ روایت کافی مشہور ہے؛ مگر تلاشِ بسیار کے بعد بھی تا حال حدیث کی کسی کتاب میں یہ حدیث نہیں ملی، حتی کہ محدثِ جلیل علامہ اسماعیل بن محمد عجلونی جراحی رحمہ اللہ اپنی کتاب: ''كشف الخفاء'' میں رقم فرماتے ہیں:

" لم أعرفه حديثًا وإن اشتهر بذلك ، ويشبه أن يكون من كلام

مالک بن دینار ؛ فقد نقل المناوي عنه أنه قال: المنافقون في المسجد كالعصافير في القفص."

(اِس کلام کا حدیثِ نبوی ہونا مجھے نہیں معلوم، اگر چہ یہ اسی (یعنی حدیثِ رسول کے نام) سے مشہور ہے۔ یہ حضرت مالک بن دینار کا کلام لگتا ہے؛ اس لیے کہ علامہ مناوی نے اُن کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: " المنافقون في المسجد كالعصافير في القفص [منافقین مسجد میں ایسا محسوس کرتے ہیں، جیسے چڑیا پنجروں میں]) (كشف الخفاء:۲٦٨٩، كتاب النوازل:۲/۳۱۰)

۹۲ - حدیث: "سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی برتری کا ذکر"

"لَوِ اتَّزَنَ اِيْمَانُ أَبِي بَكْرٍ مَعَ اِيْمَانِ أُمَّتِي لَوَجِهَ."

(اگر ابو بکر کے ایمان کو میری پوری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے، تو ابو بکر کا ایمان سب سے زیادہ ہو جائے۔) (خطبات ذوالفقار:۱۳/۱۱۱)

یہ روایت بعینہٖ اِن الفاظ کے ساتھ حدیث کی کسی کتاب میں مجھے نہیں ملی، البتہ دیگر الفاظ کے ساتھ ثابت ہے اور حضراتِ محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مذکورہ عظمت و منقبت کے سلسلے میں مرفوع روایت بھی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت بھی ہے؛ مگر موقوف حدیث کی سند صحیح ہے، جب کہ مرفوع روایت کی سند ضعیف ہے؛ لیکن دیگر شواہد کی تائید و تقویت کی بنا پر یہ مرفوع حدیث بھی معتبر ہے۔ چناں چہ

روایتِ مرفوعہ کا ذکر امام ابن عدی رحمہ اللہ کی کتاب: "الكامل في الضعفاء:٦/۲۸۷" میں اور امام دیلمی رحمہ اللہ کی کتاب: "الفردوس:۵۱٤۸" میں موجود ہے اور موقوف حدیث کا ذکر متعدد کتبِ حدیث میں ہے، مثلاً: "شعب الإيمان:۳٦، المطالب العالية:۳۸۷۵، جامع الأحاديث: ۳۰٤۸۰، فضائل الصحابة لأحمد:٦۵۳، كنز العمال:۳۵٦۱٤" و دیگر کتبِ احادیث۔

ان روایات کی تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیں: "المقاصد الحسنة:۹۰۸، كشف الخفاء: ۲۱۳۰ و دیگر کتبِ احادیث۔

۹۳ - حدیث: ”یا ابن آدم خلقت أشیاء لک ، وخلقتک لي“

(الف)”یا ابن آدم خلقت أشیاء لک ، وخلقتک لي.“

(ب)”عبدي !خلقت الأشیاء لأجلک ، و خلقتک لأجلي.“

(اے آدم کے بیٹے !اے میرے بندے! میں نے ساری چیزیں تیرے لیے پیدا کی ہیں اور تجھے میرے لیے۔) (خطبات ذوالفقار:۲۶/۲۱،۱۷۰)

تحقیق

اس روایت کے متعلق عرض ہے:

اولاً: تو یہ روایت، حدیث کی معتبر ومقبول کتابوں میں مفقود ہے، حتی کہ جو رسالے خاص احادیثِ قدسیہ کے موضوع پر تصنیف کردہ ہیں اور جو معتبر ہیں، اُن میں بھی اس قسم کی کوئی حدیث نہیں ملی۔

ثانیاً: تفسیر، تصوف اور مواعظ وملفوظات کی، جن کتابوں میں یہ روایت بیان کی گئی ہے، وہاں اس کی نہ کوئی سند ذکر کی گئی ہے، نہ کسی محدث اور حدیثی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ثالثاً: مشہور ومعروف شارحِ حدیث علامہ عبدالروف المناوی رحمہ اللہ ”فیض القدیر“ میں اس حدیث کا حوالہ لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”و في بعض الکتب المنزلة.“ (اللہ تعالی کی نازل کردہ ایک کتاب میں ہے۔)

یہ بات منظور وتسلیم ہے کہ علامہ کے اس قول سے حدیث کی نفی، قطعی طور پر لازم تو نہیں آتی؛ مگر جو حضرات شرحِ حدیث کے باب میں محدثین کے مقصدِ تحریر سے، ان کے اندازِ تشریح سے واقف ہیں اور بہ طورِ خاص وہ محدث، جو تشریحِ حدیث کے ساتھ تخریجِ حدیث کا بھی اہتمام کرتا ہو، جیسا کہ ”فیض القدیر“ میں علامہ مناوی رحمہ اللہ کا طریق ہے، اِس سے بھی جو واقف ہیں، وہ یہ ضرور کہیں گے کہ بہ ظاہر و بہ ظنِ غالب اِس کا حدیثِ قدسی اور ارشادِ نبوی ہونا ثابت نہیں ہے؛ اسی لیے علامہ جیسے وسیع النظر محدثِ عظیم نے بھی حدیث کی حیثیت سے نہ صراحتاً ذکر کیا ہے اور نہ اشارتاً وکنایتاً؛ بل کہ جو بات جہاں ان کو نظر آئی، پوری امانت داری کے ساتھ انھوں نے وہ بات باحوالہ ذکر کردی۔

بہ ہر حال اِن وجوہات کی بنا پر اِس کو حدیثِ نبوی اور ارشادِ ربانی قرار دینا از روئے تحقیق صحیح و درست نہیں۔

لیکن جہاں تک مضمون کی بات ہے، وہ تو سو فی صد صحیح بھی ہے اور آیاتِ کریمہ ومتعدد احادیثِ

معتبرہ سے ثابت بھی ہے اور چوں کہ یہ آیات وروایات اہلِ علم پر اظہر من الشمس ہیں؛ اس لیے ان کو نقل کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

(تفسير الشعراوي: ١٥/ ٥٠٥، فيض القدير: ٥/ ٣٦٦)

٩٤ - حدیث: ''فَبِحَقِّي عَلَيْکَ کُنْ لِيْ مُحِبًّا''

''يا عبدى ! إِنِّي لَکَ مُحِبٌّ فبحقي عليک کن لي محباً'' (اے آدم کے بیٹے! میں تیرے ساتھ محبت کرتا ہوں، تجھ پر بھی میرا حق بنتا ہے کہ تو مجھ سے محبت کرنے والا بن جا۔) (خطباتِ ذوالفقار:۲۶/ ۲۱)

تفسیر و وعظ کی کتابوں میں مذکورہ بالا کلام حدیثِ قدسی کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے؛ مگر حدیث کی سند کا اور کسی محدث کا کوئی حوالہ نہیں ہے، اس پر مستزاد یہ کلام حدیث کی معتبر ومقبول کتابوں میں بھی ناپید ہے؛ لہٰذا اس کو حدیث قدسی قرار دینا بالکل بھی درست وصحیح نہیں ہے۔

نیز صاحبِ ''تفسیر حقی'' نے جب یہ کلام نقل کیا، تو اس طرح بیان کیا ہے:

''ومن الكلمات التي نقلها كعب الأحبار عن التوراة.''

(اور وہ باتیں، جو کعب احبار نے توراۃ سے نقل کی ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے۔)

اسی طرح کی بات صاحبِ ''المستطرف'' نے بھی بیان کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نبیِ اکرم ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔ (تفسیرِ حقی: ۷/ ۵۹، المستطرف: ۱/ ۱۴۶)

٩٥ - حدیث: ''عَلَّمَنِي رَبِّيْ فَأَحْسَنَ تَعْلِيْمِيْ.''

''نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أدبني ربي فأحسن تأديبي'' (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔)، ''علمني ربي فأحسن تعليمي.'' (تو اللہ نے مجھے علم سکھایا اور بہترین علم سکھایا۔)''

(خطباتِ ذوالفقار: ۲۶/ ۲۹)

پہلا جملہ: ''أدبني ربي فأحسن تأديبي'' نہایت ہی ضعیف حدیث سے ثابت ہے۔ چناں چہ ''الجامع الصغير: ۳۱۰'' میں، الجامع الكبير: ۹۵۹، میں، کنز العمال: ۳۱۸۹۵'' میں موجود ہے۔

حافظ ابن الجوزی، حافظ ابن تیمیہ، حافظ سخاوی، حافظ زرکشی، حافظ طاہر پٹنی، علامہ مناوی ودیگر محدثین رحمہم اللہ نے اِس کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے۔

مگر دوسرا جملہ: ''**علمني ربي فأحسن تعليمي**''، یہ جملہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا، حتیٰ کہ ضعیف وموضوع احادیث کی کتابوں میں بھی نہیں۔

(العلل لابن الجوزي: ٢٨٤ ،أحاديث القصاص:٧٨، المقاصد الحسنة:٤٥،اللآلي المنثورة: ١٦٠/١، تذكرة الموضوعات:٨٧، فيض القدير : ٧٦/١، كشف الخفاء : ١٦٤،أسنى المطالب: ٣٥/١، الفوائد المجموعة:٢٥،الفوائد الموضوعة:٤٩)

٩٦ - حَدِیْث: ''أَلَا طَالَ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلٰى لِقَائِيْ''

" أَلَا طَالَ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلٰى لِقَائِيْ، و إِنَّا إِلٰى لِقَائِهِمْ أَشَدُّ شَوْقًا."

(جان لو! نیک لوگوں کا شوق میری ملاقات کے لیے بڑھ گیا اور میں ان کی ملاقات کے لیے ان سے بھی زیادہ مشتاق ہوں۔)'' (خطباتِ ذوالفقار:۲۶/۲۵)

تحقیق

خطبات کے جامع ومرتب نے اس روایت کے حوالے میں ''**جامع الأحاديث:١١٦٠**'' کا ذکر کیا ہے اور اِس سے بہ ظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی مشہور ومعروف کتاب کی جانب اشارہ ہے، جو کہ ''**جمع الجوامع ، الجامع الكبير** اور **جامع الأحاديث**'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے، اگر محترم مرتب صاحب کی مراد یہی کتاب ہے، تو عرض ہے کہ پوری کتاب میں کہیں بھی یہ روایت بندے کو نہیں ملی۔

لیکن اور ایک کتاب ہے، جو ابوعبدالرحمٰن عصام الدین صابطی رحمہ اللہ کی ہے، جس کا پورا نام ''**جامع الأحاديث القدسية**'' ہے، غالباً یہ مراد ہوگی، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اِس کتاب میں یہ روایت اور اس کا درجہ دونوں مذکور ہیں۔

اس اجمالی گفتگو کے بعد تفصیل یہ ہے:

یہ حدیث کتبِ احادیث میں سے صرف امام دیلمی رحمہ اللہ کی مسند: ''**الفردوس بمأثور الخطاب**:۲۴۰/۵، رقم: ٨٠٦٧'' میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ملی، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”يقول الله عزوجل: طَالَ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلٰى لِقَائِي ، وَ إِنَّا إِليهم أَشَدُّ شَوْقًا.“

محدث عصام الدین یہ روایت، حدیث کی کتاب سے نہیں؛ بل کہ امام غزالی رحمہ اللہ کی مشہور ومعروف تصوف واخلاق کی کتاب ”إحياء العلوم“ سے نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

(۱) حافظ عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا: بے اصل ہے۔

(۲) یہ ”ضعيف جداً“ یعنی حد درجے کی ضعیف وکم زور روایت ہے۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ کی تحقیق آگے ذکر کی جائے گی؛ جہاں تک ضعیف ہونے کی بات ہے، تو شاید عصام الدین نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کر دیا ہے؛ اس لیے کہ امام ابن تیمیہ نے اپنے ”مجموعۂ فتاوی: ۱/ ۱۶۵“ میں اس حدیث کو حدیثِ ضعیف قرار دیا ہے۔

لیکن دیگر حضراتِ محققین کی تحقیق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق کے برخلاف ہے۔ چناں چہ

(الف) حافظ عراقی رحمہ اللہ ”المغني عن حمل الأسفار“ یعنی ”تخریج احادیث احیاء علوم الدین للغزالی“ میں فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی سند کہیں نہیں ملی، البتہ صاحبِ ”فردوس“ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس کی تخریج کی ہے؛ مگر کیا کیا جائے؟ صاحبِ ”مسند“ کے فرزند نے اس کی کوئی اسناد ذکر نہیں کی ہے۔

(ب) حافظ سبکی رحمہ اللہ نے بھی ”أحاديث الإحياء التي لا أصل لها“ میں اس کو بے سند و بے اصل روایات میں ذکر کیا ہے۔

(ج) حافظ طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے ”تذكرة الموضوعات“ میں لکھا ہے کہ ”لم يوجد“ (ناپید ہے۔)

بل کہ حافظ ابن رجب حنبلی نے ”لطائف المعارف“ میں، امام ابن قدامہ المقدسی نے ”مختصر منهاج القاصدين“ میں اور امام ابن قیم الجوزیہ نے ”روضة المحبين ونزهة المشتاقين“ میں اس روایت کو اسرائیلی روایت قرار دیا ہے۔

ایک طرف امام ابن تیمیہ ہیں اور دوسری طرف حافظ عراقی، حافظ سبکی، حافظ طاہر پٹنی اور امام ابن رجب، امام ابن قدامہ اور امام ابن قیم جیسے اساطینِ علم ہیں؛ لہٰذا امام ابن تیمیہ کی بات اس وقت درست ہوتی، جب کہ وہ اس کی سند ذکر کرتے؛ کیوں کہ صحت وضعف کا پتہ سند ہی سے چلتا ہے؛ مگر نہ تو امام ابن تیمیہ نے کوئی سند ذکر کی ہے اور نہ محدث عصام الدین نے اور نہ اس کی سند کتبِ حدیث میں کہیں

منقول ہے، جیسا کہ ائمۂ کبار کی تحقیق بھی یہی ہے؛ لہٰذا یہ روایت حدیثِ ضعیف نہیں ؛ بل کہ بے سند حدیث اور کسی کی خودساختہ حدیث کہلائے گی۔

بہ ہر حال یہ ایک بے اصل و بے سند حدیث ہے؛ تاہم اس کو صرف بہ لحاظِ الفاظ ہی غیر ثابت کہا جائے گا؛ بہ لحاظِ معنیٰ ثابت وصحیح مانا جائے گا؛ اس لیے کہ اِس کا معنیٰ ومفہوم دیگر روایات سے ثابت ہے۔ چناں چہ امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب: ''الجواب الكافي'' میں زیرِ بحث حدیث بالا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''وهذا هو المعنى الذي عبر عنه ﷺ بقوله: من أحب لقاء الله أحب الله لقائه.''

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر فرمائی ہے، وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبادہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور بالکل صحیح روایت ہے، حدیثِ عبادہ بن الصامت ''بخاری ومسلم اور ترمذی'' میں ہے، امام ترمذی حدیثِ عبادہ ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''حديث عبادة بن الصامت حسن صحيح.''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث معنیً صحیح وثابت ہے۔

راقم بہ غرضِ افادہ عرض پرداز ہے کہ زیرِ تحقیق حدیثِ غیر ثابت کے معنیٰ ومفہوم کو ثابت بتانے کے لیے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے جو روایت ذکر فرمائی ہے، اس سے صرف حاصلِ مضمون پر دلالت ہوتی ہے، پورے مفہوم ومضمون پر نہیں، چناں چہ یہ حدیثِ قدسی بھی نہیں اور نیز محبت وشوقِ ملاقات کی شدت پر بھی بہ ظاہر نص دلالت نہیں کرتی؛ لیکن ایک دوسری روایت ہے، جس سے نفسِ مضمون کے ساتھ ساتھ اِن فروع پر بھی دلالت ہوتی ہے۔

چناں چہ ''بخاری ومسلم'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

'' قال النبي ﷺ: يقول الله تعالى: أنا عنْد ظَنِّ عبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَه إِذا ذَكَرَنِي ، فإِن ذَكَرَنِي فِي نفسِه ذَكَرْتُه في نفسِي ، وإِن ذَكَرَنِي في مَلاءٍ ذَكَرْته في ملاءٍ خيرٍ منهُم ، و إِن تقرَّب إليَّ بِشِبْرٍ تقرَّبتُ إِليه ذراعًا ، و إِن تقرَّب إِليَّ ذراعًا ، تقربتُ إِليه باعًا ، وإِن أتَاني يمْشِي أتيتُه هَرْوَلَةً.''

الغرض'' أَلا طَالَ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلٰى لِقَائِيْ'' والے کلمات والی یہ حدیث بے اصل و بے سند ہے۔ (جامع الأحاديث القدسية: ١١٤٠، المغني عن حمل الأسفار: ٢٥٨٦، طبقات الشافعية الكبرىٰ: ٣٣١/٦، تذكرة الموضوعات: ٨٤/١، لطائف المعارف: ١٣٥، مختصر منهاج القاصدين: ١١٣/٤، روضة المحبين و نزهة المشتاقين: ٣٠/١، الجواب الكافي: ٢٢٣/١، البخاري: ٦٥٠٧، مسلم: ٦٩٩٦، سنن الترمذي: ١٠٦٦، البخاري واللفظ له: ٧٤٠٥، مسلم: ٦٩٨١)

۹۷ - حدیث: '' عَبْدِي ! أَنْتَ تُرِيْدُ ، وَأَنَا أُرِيْدُ . ''

" عَبْدِي! أَنْتَ تُرِيْدُ ، وَأَنَا أُرِيْدُ ، وَلَا يَكُوْنُ إِلَّا مَا أُرِيْدُ ، فَإِنْ أَسْلَمْتَ لِيْ فِيْ مَا أُرِيْدُ أَعْطَيْتُكَ مَا تُرِيْدُ ، فَإِنْ لَمْ تُسَلِّمْ فِيْ مَا أُرِيْدُ أَتْعَبْتُكَ فِيْ مَا تُرِيْدُ ، وَلَا يَكُوْنُ إِلَّا مَا أُرِيْدُ.''

(ایک تیرا ارادہ ہے اور ایک میرا ارادہ ہے؛ ہوتا وہی ہے جو میرا ارادہ ہے۔ اور اگر تو وہ چاہے گا، جو میرا ارادہ ہے، تو میں تیرے ارادے کو بھی پورا کردوں گا اور اگر تو میرے ارادے کو نہیں مانے گا؛ تو میں تجھے تھکا دوں گا، اُس ارادے میں جو تو چاہتا ہے اور ہوگا وہی، جو میں چاہوں گا۔)

(بیانات مولانا طارق جمیل صاحب: ۱۲۸/۶، خطباتِ ذوالفقار: ۱۷۱/۲۶)

تحقیق

یہ کلام ''حاشية الصاوي على الشرح الصغير: ۶۸۷/۴'' میں ہے، جیسا کہ ''خطبات ذوالفقار'' کے جامع و مرتب صاحب نے لکھا ہے؛ مگر سوال یہ ہے کہ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ اُس کی سند کیا ہے؟ اور اُس کے راوی مقبول ہیں یا مردود؟ حدیث کے ثبوت و عدمِ ثبوت سے متعلق یہ وہ بنیادی سوالات ہیں، جن کے محقق و مقبول جواب کے بعد ہی اِس کو حدیث کہا جا سکے گا، نہیں تو نہیں، چاہے کسی بھی کتاب میں ہو، چاہے کسی سے بھی منقول ہو۔

مگر کتبِ حدیث اور کتبِ موضوعات میں بے حد تلاش و جستجو کے بعد اور متعدد علمائے علمِ حدیث سے بار ہا رجوع کرنے کے بعد بھی اس روایت کی کوئی اصل و سند بندے کے ہاتھ نہیں لگی۔ نیز ''الشرح الصغير مع حاشية الصاوي'' کی تخریجِ احادیث کرنے والے: ڈاکٹر مصطفی کمال وصفی

نے نہ تو کسی کتاب اور محدث کا حوالہ دیا ہے، نہ اس پر کوئی رائے قائم کی ہے؛ بل کہ مکمل خاموشی کے ساتھ گزر گئے، غالباً اُن کے نزدیک بھی اس روایت کا حدیثِ رسول ہونا ثابت نہیں ہوا؛ اس لیے خاموشی پر اکتفا کرلیا۔

یہ تو حال ہوا اِس روایت کا۔باقی جس کتاب کے حوالے سے نقل کی گئی ہے، وہ ’’حاشیة الصاوي علی الشرح الصغیر ‘‘ حاشیہ تحریر کرنے والے حضرت علامہ شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی ہیں اور ’’شرحِ صغیر‘‘ والے حضرت علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر ہیں۔ یہ حدیث کی کتاب نہیں ہے؛ بل کہ مالکی فقہ کی کتاب ہے اور جس طرح کچھ فقہی کتابوں میں موضوع و بے اصل روایات بیان کردی گئی ہیں، اس کا بھی وہی حال ہے۔مثلاً ایک روایت تو یہی ہے، جس پر کلام چلا آرہا ہے اور ایک روایت اور ہے، جو اِس روایت کے مانند حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں ہے اور ڈاکٹر مصطفیٰ کمال صاحب نے اِس کے متعلق بھی کوئی نہ کوئی حوالہ دیا اور نہ ہی اپنی کوئی رائے ذکر کی ہے۔

وہ روایت یہ ہے:

” یاعبدي ! إن رضیتَ بما قسمْتُ لک أرحْتُ بدَنک و قلبَک، وکنتَ عندي مرضیاً ، و إن لم ترضَ بما قسمتُ لک سلطتُ علیک الدنیا ترکضُ فیها کما ترکض الوحش في البریة ، وأتعبت بدنک و قلبک ، و کنتَ عندي مذموماً ، ولا یکون إلا ما قسمت لک.“

لہٰذا جب تک کسی حدیث کا ثبوت مضبوط طریقے سے ثابت نہ ہو جائے، اس وقت تک اس کو حدیث کہنا اور اس کی روایت کرنا درست نہیں ہے۔

۹۸ - حدیث: ’’ یا ابن ذبیحین! ‘‘

’’ایک مرتبہ ایک بدو آیا: اس نے نبی کریم ﷺ سے کہا: ’’یا ابن ذبیحین! ‘‘ تو نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ہاں! میں اسماعیل کی اولاد میں سے ہوں اور وہ ذبیح اللہ تھے اور میں عبد اللہ کا بیٹا ہوں اور عبد اللہ بھی ذبیح اللہ تھے۔‘‘ (خطبات ذوالفقار: ۲۲/۱۶)

اس طرح بیان کرنے سے بہ ظاہر یہی عیاں ہوتا ہے کہ ’’ابن ذبیحین ‘‘ کی تشریح خود آپ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمائی ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ بل کہ تحقیق یہ ہے:

امام حاکم رحمہ اللہ کی ''المستدرک'' میں اور دیگر متعدد کتبِ حدیث میں ایک طویل روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے، جس میں ہے کہ ایک دیہاتی صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انھوں نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''یا ابن ذبیحین ! قال : فتبسم رسول اللّٰہ ، ولم ینکر علیه ، فقلنا یا أمیر المؤمنین وما الذبیحان؟...اھ''

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے سن کر کچھ نہیں فرمایا؛ بل کہ مسکرا کر خاموش ہو گئے اور آگے جو تشریح بیان کی ہے، وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے، نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

اور جو امام زمخشری کی ''الکشاف'' میں ''أنا ابن الذبیحین'' آیا ہے، اُس کے متعلق حافظ زیلعی، حافظ ابن حجر، حافظ سخاوی، حافظ ولی الدین عراقی، حافظ عجلونی و دیگر جمیع محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ روایت بایں الفاظ ثابت نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة:۱۳ ، کشف الخفاء:٦٠٦،النخبة البهية:٤٣،اللؤلؤ المرصوع:٨١،الفتح السماوي:٨٤١،أسنى المطالب:٢٦ وغیرہ)

۹۹- حدیث: ''الدنیا أسحر من هاروت و ماروت.''

"الدنیا أسحرُ مِنْ هاروتَ و ماروت ،کان سحرُ هاروت و ماروت یفرق بینَ المرءِ وزوجِه ، وهذه السحارة بین العبدِ و ربِّه."

(دنیا ہاروت و ماروت سے بھی بڑی جادوگرنی ہے، ہاروت اور ماروت کا جادو میاں اور بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتا تھا اور دنیا ایسی جادوگرنی ہے، جو بندے اور پروردگار کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔) (خطباتِ ذوالفقار:۹/۲۹)

تحقیق

اس مشہور روایت کی تحقیق کے حوالے سے عرض ہے:

اولاً: تو یہ روایت بایں ترتیب وترکیب اور اس قدر الفاظ کے ساتھ حدیث کی معتبر کتابوں میں کہیں نہیں ملی۔

ثانیاً: علامہ متقی نے ''کنز العمال'' میں اور علامہ سیوطی رحمہما اللہ نے ''جامع الأحادیث''

میں بہ حوالہ حکیم ترمذی رحمہ اللہ ،حضرت عبداللہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ایک حدیث نقل فرمائی ہے،جس کے الفاظ یہ ہیں:

" اتقوا الدنيا، فوالذي بيده نفسي ، إنها لأسحر من هاروت و ماروت."

مگر اُس کی سند کیا ہے؟ اس کے راوی ثقہ ہیں یا غیر ثقہ؟ کچھ علم نہیں؛ کیوں کہ حکیم ترمذی نے ''نوادر الأصول'' میں اس کی کوئی سند کہیں ذکر نہیں کی ہے اور نہ ہی ''جامع الأحاديث'' اور ''كنز العمال'' میں اس کی کوئی اصل وسند بیان کی گئی ہے؛ لہٰذا جب اس کی سند نہ اصل میں ہے اور نہ نقل میں،تو ظاہر یہی ہے کہ یہ ایک بے اصل روایت ہے۔

ثالثاً: ایک دوسری روایت ہے، جو امام ابن ابی الدنیا نے ''ذم الدنيا'' میں اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے ''شعب الإيمان'' میں ابوالدرداء الرہاوی کے حوالے سے نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''احذروا الدنيا ، فإنها أسحر من هاروت وماروت''۔

اب اس روایت کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ عجلونی رحمہ اللہ ''كشف الخفاء'' میں تحریر کرتے ہیں:

اس کا جو راوی: ابوالدرداء ہے، ظاہر یہی ہے کہ اس سے مشہور صحابیٔ رسول حکیم الامت حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ مراد ہیں، پھر میں نے علامہ عامری رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے پایا کہ امام بیہقی نے یہ روایت ابودرداء سے مرسلاً بیان کی ہے،جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ تابعی ہیں،صحابی نہیں؛ تاہم بعض محدثین نے ''عن رجل من الصحابة'' کہہ کر ذکر کیا ہے۔ بہ ہر حال کچھ بھی، حدیث بہ قول علامہ مناوی رحمہ اللہ ضعیف ہے۔

علامہ عجلونی رحمہ اللہ کے کلام کا حاصل یہ نکلا کہ یہ حدیث مرفوع متصل ہوگی، جب صحابی ہونا محقق ہو جائے اور مرفوع مرسل ہوگی، جب غیرِ صحابی ہونا محقق ہو جائے اور بہ ہر حال خواہ مرسل ہو یا مرفوع،اس روایت کو علامہ مناویؒ اور علامہ عجلونیؒ دونوں نے ضعیف مانا ہے۔

مگر دوسری جانب امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لا يدرى من هو ذا ؟ هذا منكر الحديث ، لا أصل له.''

(نہیں معلوم کہ یہ صاحب کون ہیں؟ نیز جو بھی ہیں، بہ ظاہر منکر الحدیث معلوم ہوتے ہیں اور یہ حدیث بے اصل ہے۔)

حافظ ابن حجر''لسان المیزان''میں، حافظ عراقی''تخریج الإحیاء''میں اور حافظ طاہر پٹنی رحمہم اللہ''تذکرۃ الموضوعات''میں؛ یہ تینوں محققین حافظ ذہبی کی تحقیق بلا اختلاف نقل کرتے ہیں اور اس کو بے اصل کہنے میں امام ذہبی سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں۔

اِن چاروں ائمہ کی طرح حافظ سبکی رحمۃ اللہ نے بھی''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ''میں اِس کو بے اصل روایات میں شمار کیا ہے۔

کلام مزید ومفید

لیکن اس روایت کو بے اصل اور موضوع کہنے کی صاف وصریح وجہ معلوم نہ ہوسکی؛ اس لیے کہ امام ابن ابی الدنیا نے''کتاب الزھد''میں اس کی جو سند نقل فرمائی، اس کے رجال یہ ہیں:

(۱) امام ابن ابی الدنیا (۲) ابوحاتم رازی (۳) ہشام بن عمار (۴) صدقہ بن خالد (۵) عتبہ بن ابی حکیم (۶) ابوالدرداء۔

اور ان میں سے کوئی بھی راوی نہ ہی کذابین میں سے ہے اور نہ ہی وضاعین میں سے، یعنی کسی کے بھی بارے میں حضراتِ محدثین سے کذب بیانی اور اتہام بالکذب کی تصریح منقول نہیں ہے، اس کی مختصر سی تشریح وتوضیح یہ ہے:

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابوحاتم رازی تو بہت ہی مشہور ومعروف حفاظِ حدیث اور ائمہ محدثین میں سے ہیں اور اسی طرح صدقہ بن خالد، جو ابوالعباس دمشقی واموی ہیں، حافظ عسقلانی نے''تقریب: ۲/۱۳۷''میں اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ''ثقۃ''ہیں۔

اِن تین محدثین کے علاوہ باقی تین راوی ہیں، جن پر ائمہ نے کلام کیا ہے، چناں چہ

(الف) جو ابوالدرداء راوی ہیں، اِس سے کون مراد ہیں؟ یہ متعین نہیں ہے، ایک احتمال یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں اور جو بھی مراد ہوں؛ کوئی مضبوط وٹھوس دلیل نہیں کہ وہ کون ہیں؟

(ب) عتبہ بن ابی حکیم جو''اردن''کے رہنے والے ہیں، امام زہری، امام مکحول اور امام قتادہ کے شاگرد ہیں، یہ مختلف فیہ راوی ہیں، چناں چہ''تھذیب التھذیب''میں مذکور ہے کہ امام ابوحاتم نے''صالح''، امام دُحیم نے''مستقیم الحدیث''، امام ابن عدی نے''أرجو أنه لا بأس به''کہا ہے اور امام ابن حبان نے''الثقات''میں ان کا ذکر کیا ہے؛ مگر امام محمد بن عوف نے''ضعیف''

اورامام نسائی نے ''ضعیف'' اور ''لیس بالقوي'' کہا ہے، امام یحییٰ بن معین سے متعدد اقوال منقول ہیں: ''ثقة'' بھی، ''ضعیف الحدیث'' بھی فرمایا ہے، حتی کہ امام آجری، امام ابوداود کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا، تو امام ابن معین نے فرمایا: ''والله الذي لا إله إلا هو إنه لَمُنكر الحديث''۔ امام جوزجانیؒ فرماتے ہیں کہ ''غير محمود في الحديث''۔

الغرض اِن سب اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے ''تقریب'' میں جو رائے تحریر فرمائی ہے، وہ یہ کہ ''صدوق ، حسن الحدیث'' (صدوق اور حسن الحدیث) ہیں۔
(التقریب: ۲/ ٤۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مختلف فیہ؛ مگر حسن الحدیث راوی ہیں۔

الغرض امام ابن ابی الدنیا، ابو حاتم رازی، صدقہ بن خالد ثقہ ہیں اور عتبہ بن ابی حکیم: حسن الحدیث راوی ہیں اور یہ بات حدیث کے ہر طالبِ علم پر روزِ روشن کی طرح عیاں و بیاں ہے کہ ایسے راویوں کی روایت معتبر و مقبول کہلاتی ہے، موضوع و مردود نہیں ہے اور رہی بات ابوالدرداء راوی کی؟ تو یہ متعین نہیں کہ وہ تابعی ہیں اور اتنی سی بات کی بنا پر اس روایت کو زیادہ سے زیادہ مرسل، یا ضعیف کہیں گے، موضوع و مکذوب نہیں۔

(ج) اب صرف ایک راوی رہ گئے یعنی ہشام بن عمار، یہ بڑے مشہور محدث گزرے ہیں، ان کو محدثِ دمشق، استاذِ دمشق اور خطیبِ دمشق کے وصف سے جانا جاتا ہے، ان کے متعلق یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں۔ امام عبدان کہتے ہیں: ''ما كان في الدنيا مثله''۔ امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں: ''من فاته هشام بن عمار يحتاج أن ينزل في عشرة آلاف حديث'' اور بھی متعدد ائمہ نے بڑے اونچے الفاظ میں بڑی اونچی تعریف و توثیق بیان کی ہے؛ مگر یہ تعریف اِن کے ابتدائی احوال سے متعلق ہے؛ اس لیے کہ بعد میں ان کا حافظہ متغیر و مختل ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے حضراتِ ائمہ نے ان پر جرح کی ہے، چناں چہ ''میزان الاعتدال: ۷/ ۸۷'' میں مذکور ہے کہ امام ابو حاتم نے فرمایا: ''صدوق وقد تغير ، فكان كلما لقنه لقن'' اور آخر میں ان کے متعلق امام ذہبی نے جو فیصلہ فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے بھی راوی نہیں ہیں کہ آنکھ بند کر کے علی الاطلاق ان کی روایات قبول کی جائیں اور نہ ایسے ہیں کہ مطلقاً ان کی مرویات کو رد کیا جا سکے؛ بل کہ ہر ایک روایت کی تحقیق ضروری ہے۔

اسی طرح حافظ عسقلانی رحمہ اللہ ''تقریب: ۴۰/ ۴۱'' میں لکھتے ہیں کہ ''صدوق مقرئ ، كبر فصار يتلقن فحديثه القديم أصح.'' (صدوق و استاذِ کبیر ہیں، عمر ہو گئی، تو تلقین قبول کرنے پر

آ گئے؛ لہٰذا ان کی قبل التلقین مرویات صحیح ہوں گی۔)

اور یہ جس تلقین کے شکار ہو گئے تھے، وہ بھی تلقینِ مردود ہے، چناں چہ امام ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں رقم فرماتے ہیں کہ امام ابو حاتم نے ان کی بیان کردہ ایک روایت ذکر فرمائی، جو بہ طریقِ قیس عن جریر عن رسول اللہ ﷺ مروی ہے کہ ''من یتزود في الدنیا ینفعه في الآخرة''؛ اُس کے بعد ابوحاتم فرماتے ہیں کہ ''هذا باطل، وإنما یروی من قول قیس'' (یہ حدیث باطل ہے؛ اس لیے کہ یہ نبیِ اکرم ﷺ سے مروی نہیں ہے؛ بل کہ یہ امام قیس کا قول ہے)۔ اسی طرح امام ابوداود نے فرمایا: ''حدّث بأربعمائة حدیث لا أصل لها.'' (انھوں نے چار سو ایسی احادیث بیان کردی ہیں، جو بے اصل ہیں)۔

بہ ہر حال یہ راوی بھی نہ مطلقاً مقبول ہیں اور نہ مطلقاً نا قابلِ قبول ہیں؛ بل کہ ان کی جو روایات تغیرِ حافظے سے پہلے کی ہیں، وہ معتبر قرار دی جاسکتی ہیں اور جو تغیر کے بعد کی ہیں، وہ معتبر نہیں ہوں گی۔

اور یہاں ہشام بن عمار (م:۲۴۶ھ) سے روایت کرنے والے راوی امام ابوحاتم رازی (م:۲۷۷ھ) ہیں، جنھوں نے ہشام بن عمار کا آخری زمانہ بھی پایا ہے، ان کا بھی قول ''الجرح والتعدیل: ۹/ ۶۷'' میں یہی بیان ہوا ہے:

"هشام بن عمار لما كبر تغير، وكلما دفع إليه قرأه، وكلما لقن تلقن، وكان قديماً أصح، وكان يقرأ من كتابه."

نیز سابق میں ''میزان الاعتدال'' کے حوالے سے ایک روایت نقل ہوئی، جس کو نقل کر کے امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''هذا باطل'' اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے یہ مرفوع روایت نہیں ہے؛ بل کہ یہ روایتِ قیس ہے، جس کو غلطی سے ہشام نے مرفوع روایت کہہ دیا ہے اور یہاں بھی اس روایت کے راوی ابوحاتم ہیں، جنھوں نے ہشام کے آخری عمر کے زمانے کی روایتیں سنی ہیں، جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ یہ آخری زمانے کی ہو اور غیر صحیح ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ جس طرح متعدد محدثین ضعاف نے صلحا کے اقوال کو حدیثِ نبوی کہہ کر بیان کردیا ہے، اسی طرح انھوں نے بھی یہاں کردیا ہو۔

تلقین کا معنی و حکم

تلقین کے معنی و مفہوم پر اور اس کے حکم و اثر پر جامع اور مختصر کلام شیخ عبدالرحمٰن معلمی نے کیا ہے:

چند ایسی روایات جو بے اصل ہوں، ان کے بارے میں کسی راوی سے امتحاناً کہا جائے کہ فلان بن فلان نے فلاں فلاں جو روایات آپ کو بیان کی ہے، آپ ہمیں بیان کریں؛ اس پر اگر وہ راوی وہ

بے اصل روایات اسی فلاں بن فلاں کے نام سے بیان کردے، تو اس کو اصطلاحِ محدثین میں تلقین کہا جاتا ہے اور ایسے راوی کی وجہ سے ایک نقصان یہ پیش آتا ہے کہ حدیثیں گھڑنے والے من چاہی روایات گھڑتے ہیں اور اس بے چارے محدث کے پاس لاکر یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ہمیں یہ یہ حدیثیں بیان کی ہیں، ذرا ایک بار اس کو ملاحظہ کرلیں، اس طرح وہ لوگ تلقین کرتے ہیں اور وہ اُس تلقین کو قبول کرلیتا ہے اور ان کی من گھڑت مرویات کی روایت کر بیٹھتا ہے اور ایسا راوی ''مظنة روایة الموضوع'' بن جاتا ہے، یعنی موضوع و بے اصل روایات کا ایک مضبوط راوی ہو جاتا ہے۔

(حاشیة الفوائد المجموعة:۳۵۲)

بہ ہر صورت و بہ ہر حال اس روایت کو علامہ عجلونی وعلامہ مناوی رحمہما اللہ ضعیف کہتے ہیں اور ان کی نظر سند کی ظاہری حالت پر مرکوز ہے؛ مگر دیگر حضرات اس کو بے اصل وموضوع کہتے ہیں۔ اِن ہی حضرات کی رائے کے راجح ہونے کے وجوہ وقرائن یہ ہیں:

(۱) پختہ طور پر متعین نہیں کہ یہ مرفوع ہے، یا مرسل؟ یہ ضعیف بھی ہوسکتی ہے اور معضل بھی۔

(۲) ہشام بن عمار سے مروی اس روایت کی کوئی دوسری روایت نہ شاہد ہے اور نہ ہی متابع، نہ تو صحیح وحسن ہے اور نہ ہی ضعیف۔

(۳) اور ہشام بن عمار پر تلقینِ مردود کی جرح منقول وثابت ہے اور یہ جرح جس پر کی گئی ہو، اس کی روایت کو دوسرے معتبر وثقہ راوی کی تائید وتصدیق کے بغیر محض اُسی کے کہنے سے ثابت وصحیح کہنا از روئے تحقیق وانصاف درست وصحیح نہیں ہے۔

(۴) بے اصل و بے سند قرار دینے والے حضرات نسبتاً بڑے ہی اونچے درجے کے ہیں یعنی امام ذہبی، امام سبکی، حافظ عراقی، حافظ طاہر پٹنی، جیسا کہ اہلِ علم بہ خوبی جانتے وسمجھ سکتے ہیں۔

(۵) بسا اوقات محدثینِ عظام ضعیف راوی کے متعلق ایسی خفیف و باریک علتوں پر مطلع ہو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ راوی اور اس کی وہ روایت ضعیف یا مردو ہو جاتی ہے، اگر چہ کہ بہ ظاہر کوئی علتِ قادحہ نظر نہ آتی ہو اور ایسا کتبِ جرح وتعدیل میں بہت ہوا ہے، اس مسئلے کی وضاحت کے لیے ایک دو مثالیں پیش کرتا ہوں:

(الف) مقدمۂ مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے ایک ضعیف راوی: ہشام ابو المقدام کا ذکر کیا ہے، اس کے تذکرے میں ہے کہ: یہ پہلے کہتا تھا کہ میں نے یہ حدیث یحیٰی سے سنی ہے، پھر اس کے بعد کہنے لگا کہ میں نے یہ حدیث بہ راہِ راست محمد بن کعب سے سنی ہے، جس کی وجہ سے اس کو جھوٹا کہا گیا۔

اس پر تعلیق وتبصرہ کرتے ہوئے امام نووی رحمۃ اللہ بڑی قیمتی بات تحریر فرماتے ہیں:

" و هذا القدر وحده لا يقتضي ضعفاً ؛ لأنه ليس فيه تصريح بكذب لاحتمال أنه سمعه من محمد ، ثم نسيه فحدث به عن يحيى عنه ، ثم ذكر سماعه من محمد ، فرواه عنه ، ولكن انضم هذا قرائن و أمور اقتضت عند العلماء بهذا الفن الحذاق فيه ، المبرزين فيه من أهله ، العارفين بدقائق أحوال رواته أنه لم يسمعه من محمد ، فحكموا بذالک لما قامت الدلائل الظاهرة عندهم بذلک. "

(مقدمة مسلم مع شرح النووي :١/١٤١)

امام نووی رحمۃ اللہ کے کلام کا حاصل، استاذِ معظم، بحر العلوم حضرت مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی دامت برکاتہم کی زبانی یہ ہے:

"امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اتنی سی بات سے اِس کا جھوٹ ثابت نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے یحیٰی سے سنا ہو، پھر سند کو عالی کرنے کے لیے محمد بن کعب سے بہ راہِ راست سنا ہو اور بہت سے محدثین نے حدیثوں کو سنا ہے، پھر جا کے اپنے استاذ کے استاذ سے بھی سنا ہے؛ لیکن جب ائمۂ فن کسی کی غلط بیانی پر اس طرح استدلال کرتے ہوں، تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ اور قرائن ہوتے ہیں، جس سے اُس شخص کی غلط بیانی کا یقین یا ظنِ غالب ہوجاتا ہے؛ لہٰذا ہم کو ان کی بات کا ماننا لازم ہے۔" (نعمت المنعم:۱۰۳)

(ب) اسی طرح ایک راوی ابوامیہ عبدالکریم ہے، اس کا حال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایوب نے عبدالکریم کو غیر ثقہ بتایا اور اس کی دلیل یہ دی کہ عکرمہ کی ایک حدیث مجھ کو مجھ سے پوچھا اور بعد میں اسی حدیث کو لوگوں سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے عکرمہ سے سنا ہے؛ مگر اتنی سی بات سے ان کو غیر ثقہ کہنا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ عکرمہ سے انھوں نے سنا ہو، پھر تذبذب ہوگیا ہو؛ اس لیے ایوب سے تحقیق کے لیے پوچھا ہو؛ لہٰذا کہا جائے گا کہ ایوب کے پاس اور دوسرے قرائن ہوں گے، جس کی وجہ سے انھوں نے ایسا کہا۔" (نعمت المنعم:۱۱۲)

لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی کہنا درست ہے کہ بہ ظاہر اس سند میں ضعف کے سوا کوئی

وجہ نہ ہو؛ اسی لیے مناوی وعجلونی رحمہما اللہ نے ضعیف کہا ہو؛ مگر ہشام بن عمار راوی کے ہوتے ہوئے یہ بھی غالب ہے کہ انھوں نے اس روایت کو نبیِ اکرم ﷺ کی جانب منسوب کر دیا ہو؛ حالاں کہ وہ واقعی حدیثِ نبوی نہ ہو، جیسا کہ ذہبی، عراقی، سبکی اور طاہر پٹنی جیسے ائمہ محققین نے کہا ہے۔ واللہ اعلم

(٦) اِس روایت کے حدیثِ نبوی نہ ہونے کا ایک عقلی قرینہ یہ بھی ہے کہ ہشام بن عمار کی یہ روایت صلحا واتقیا کے ملفوظات کے مثل ہے اور بہت سارے راویوں نے ایسا کیا ہے کہ صلحا اور حکما کی باتوں کو انھوں نے نبیِ اکرم ﷺ کی جانب منسوب کر دیا ہے، جیسا کہ یہ بات تاریخِ حدیث سے واقف اہلِ علم بہ خوبی جانتے ہیں اور یہ پہلو یہاں اس لیے بھی مضبوط ہے کہ ان ہی کی بیان کردہ جو روایت بہ طریقِ قیس سابق میں نقل کی گئی اور جس کو ابو حاتم رازی نے کہا کہ یہ حضرت قیس کا کلام ہے، جسے ہشام نے غلط فہمی سے نبیِ اکرم ﷺ کی حدیث بتا دیا ہے، یہ روایت بھی اقوالِ صلحا کی قبیل سے ہے۔

خلاصۂ کلام وحاصلِ مرام

اِس تفصیلی کلام کا حاصل یہ ہے کہ امام ابن ابی الدنیاؒ کی روایت کردہ حدیث: ''**الدنیا أسحر من هاروت وماروت**'' سنداً کم زور ہے اور اس قدر کہ اس کو بے اصل وغیر ثابت کہنا ہی راجح وصحیح ہے۔

(كتاب الزهد لابن أبي الدنيا:٥٣،شعب الإيمان :١٠٤/١٣،رقم:١٠٠٢٢، فيض القدير:٢٤٥، كنز العمال : ٦١٩٦، جامع الأحاديث:٤٨٣،كشف الخفاء: ١٣٩، المغني عن حمل الأسفار:٣٢٠٧، تذكرة الموضوعات:١٧٣،ميزان الاعتدال: ٣٦٤/٧، المغني في الضعفاء : ٧٤٥٠، لسان الميزان :٦٥/٩، نوادر الأصول : ٤٠/١)

١٠٠ - حدیث: ''كنت كنزاً مخفياً....اهـ''

''حدیثِ قدسی میں آیا ہے: ''**كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ ، فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ.**'' (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے اس بات کو پسند کیا کہ مجھے پہچانا جائے، پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔) (خطباتِ ذوالفقار:۱۹/۹۳)

تحقیق

یہ حدیث بہت ہی مشہور ہے اور اس میں مزید یہ اضافہ بھی کیا جاتا ہے:

'' **فَعَرَّفْتُهُمْ بِيْ، فَعَرَفُوْنِيْ.** ''

(پھر میں نے ان کو اپنی معرفت عطا فرمائی، یوں انھوں نے مجھے جانا، پہچانا۔)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد نہیں ہے اور اِس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے، نہ صحیح نہ ضعیف۔

امام نووی، امام زرکشی، حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی، حافظ سخاوی، حافظ ملا علی قاری رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ دیگر متعدد محدثین نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی بات کو صحیح و معتبر مانا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ نے امام ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر و حافظ زرکشی کی مذکورہ بالا تحقیق نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا کہ جو حضراتِ صوفیا یہ حدیث روایت کرتے ہیں، وہ خود معترف ہیں کہ یہ بہ لحاظِ نقل ثابت نہیں ہے؛ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بہ لحاظِ کشف ثابت ہے۔ -اس کے بعد شیخ آلوسی نے صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ-''والتصحیحُ الکشفيُّ شِنْشِنَۃٌ لھم''(بہ لحاظِ کشف حدیث کو صحیح و ثابت قرار دینا؛ یہ اِن حضراتِ صوفیا کی عام عادت ہے)۔

محدثِ کبیر حضرت شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ کی تحقیق ''فوائدِ ترجمہ شیخ الہند'' اور فقیہ الامت حضرت شیخ محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ کی تحقیق ''فتاوی محمودیہ'' میں بھی وہی ہے، جو ابھی ذکر کی گئی۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت متحقق نہیں اور یہ موضوع و خود ساختہ حدیث ہے۔

اِس مذکورہ تحقیق و تفصیل کا تعلق اس بات سے تھا کہ زیرِ بحث حدیث لفظاً ثابت ہے یا نہیں؟ اس کا جواب تو مل گیا کہ لفظاً ثابت نہیں۔ اب یہ بحث رہ جاتی ہے کہ معنیً بھی ثابت ہے یا نہیں؟ یعنی کسی معتبر روایت میں، دوسری تعبیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کوئی ایسا قول مروی ہے، جس سے کہ مذکورہ روایت کا معنی و مفہوم ثابت ہوتا ہو؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ جن ائمہ محدثین نے اِس پر کلام کیا ہے، انھوں نے ایسی کوئی روایت ذکر نہیں کی ہے۔ ہاں البتہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے ''الأسرار المرفوعۃ'' میں اس پر کلام کرتے ہوئے کوئی حدیث ذکر تو نہیں؛ مگر اپنی دوسری کتاب: ''**مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح**:۱/۳۰۶'' میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کی شرح میں اِس کو معنیً ثابت قرار دیا ہے۔ چناں چہ

سید الانصار حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے طویل روایت میں مروی ہے کہ ''عالمِ الست'' میں حضرت آدم علیہ السلام نے جب اپنی اولاد کو دیکھا کہ ان کی اولاد میں امیر بھی ہیں اور فقیر بھی، خوب صورت بھی ہیں اور بد صورت بھی، تو انھوں نے عرض کیا:

"رَبِّ! لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ؟ قَالَ: إِنِّيْ أَحْبَبْتُ أَنْ أُشْكَرَ."

(میرے پروردگار! آپ نے اپنے بندوں کو یکساں کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ بندے میرا شکرادا کرتے رہیں۔)

حافظ ضیاء الدین مقدسی رحمہ اللہ نے "الأحادیث المختارة: رقم/۱۱۵۹" میں لکھا ہے: "إسنادہ حسن" اس کی سند حسن ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ حدیث حسن درجے کی ہے؛ جب کہ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الزوائد: رقم/۱۱۰۱۹" میں لکھا ہے کہ اس میں ایک راوی محمد یعقوب ہے، جو کہ مستور ہے؛ باقی سارے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ اِس کا مطلب یہ نکلا کہ بہ لحاظِ سند حدیث ضعیف ہے۔ شیخ ارناؤوط نے بھی "مسند أحمد" کی تحقیق میں اس کو ضعیف ہی لکھا ہے۔ واللہ اعلم!!

(مسند احمد بہ تحقیق ارناؤوط: رقم/۲۱۲۷۰)

الغرض حدیثِ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم کی پیدائش سے اور اُن کے متنوع جسموں، صورتوں، مختلف انواع وحیثیتوں کی ترتیب سے اللہ عزوجل کا مقصود یہ ہے کہ خدا کے بندے خدا کا شکرادا کرتے رہیں اور یہ بات ظاہر وواضح ہے کہ شکرِ الٰہی معرفتِ الٰہی کے بغیر ناممکن ہے۔ یعنی جب انسان خدا کی پہچان اور اُس کا علم حاصل کرے گا؛ تبھی جا کر شکرادا کرے گا؛ ورنہ نہیں۔

اس طرح حدیثِ "أحببت أن أشکر" سے "أحببت أن أعرف" کے معنی ومفہوم پر بہ طریقِ اقتضاء النص دلالت ہوتی ہے؛ لہٰذا شیخ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے، وہ صحیح ودرست ہے اور حدیث چوں کہ شدید ضعیف نہیں؛ اس لیے کہا جائے گا کہ: "کنت کنزا مخفیا" والی حدیث لفظاً موضوع اور غیر ثابت ہے؛ تاہم اِس کا مفہوم ایک ضعیف حدیث سے ثابت مانا جاسکتا ہے۔

(أحادیث القصاص: ۶۹، الأسرار المرفوعة: ۳۵۳، المقاصد الحسنة: ۵۲۱، الجد الحثیث: ۱۷۵ تدریب الراوي: ۲/۶۷۱، اللآلي المنثورة: ۱/۱۳۶، کشف الخفاء: ۲۵، أسنی المطالب: ۲۲۱، الفوائد: ۱۱، الموضوعات للفتني: ۶۱، تنزیه الشریعة: ۱۵۴، روح المعاني: ۲۱/۲۷، حاشیہ ترجمہ شیخ الہند: ۷۴۳، فتاوی محمودیہ: ۴/۸۷)

۱۰۱- "حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ کی فضیلت والی ایک روایت"

"نبی علیہ السلام نے اِن کے بارے میں ارشاد فرمایا: "إِنَّ أبا الدرداءِ من العلمَاء الفقهَاء الذين يشفون من الداء." (وہ لوگ جن کے پاس بیٹھنے سے

روحانی بیماریوں کوشفاملتی ہے،ابودردا اُن علما فقہا میں سے ہیں۔)

(خطبات ذوالفقار:۲۲/۱۰۰)

حدیث، تاریخِ رجال اور طبقات وتراجم کی بیش تر کتابوں میں حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت میں متعدد ارشاداتِ نبویہ مروی ہیں؛ مگر مذکورہ بالا کلام نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کی حیثیت سے کہیں نہیں ملا؛ بل کہ امام بخاری نے "التاريخ الكبير" میں، ابونعیم نے "حلية الأولياء" میں اور ذہبی رحمہم اللہ نے "سير أعلام النبلاء" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ تعریفی جملہ، یزید بن معاویہ اور ابن ابی حسین کا بیان کردہ ہے۔

اگر یہ جملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی وثابت ہوتا -چاہے ضعیف ومنکر درجے ہی میں کیوں نہ ہو- تو یہ حضرات اور خصوصاً امام ابونعیم ضرور ذکر کرتے؛ لیکن ان میں سے جب کسی نے بھی یہ جملہ حدیثِ نبوی کی حیثیت سے ذکر نہیں کیا، تو یہ ایک زبردست قرینہ ودلیل ہے کہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ (التاريخ الكبير:۷/۷٦،حلية الأولياء:۱/۲٤۲،سير أعلام النبلاء:۲/۳٤٦)

۱۰۲- حدیث: "جنت میں عقل کے مطابق درجہ"

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! لوگ قیامت کے دن جو مقام اور درجہ پائیں گے، وہ کس حساب سے پائیں گے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ عقل کے مطابق۔ وہ بڑی حیران ہوئیں، کہنے لگیں: اے اللہ کے نبی! کیا عمل کے مطابق نہیں پائیں گے؟ تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عمل بھی اتنا ہی کریں گے، جتنی اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہوگی۔" (خطباتِ ذوالفقار:۵/۱۹۹)

تحقيق

تلاش وجستجو کے باوجود ایسی کوئی حدیث نہیں ملی، جو مضمونِ مذکور پر صریح الدلالہ ہو۔ البتہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "اللآلي المصنوعة" میں مشہور غیر معتبر کتاب، جس کا نام "كتاب العقل" ہے، اُس کے حوالے سے ایک حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کی ہے اور لگتا یہی ہے کہ مضمون بالا اِسی حدیث کا مفہوم ہے، چناں چہ امام سیوطی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

" أن ابن عباس رضي الله عنه دخل على عائشة رضي الله عنها ، فقال: يا أم المؤمنين!

الرجل يقلُّ قيامه ، و يكثرُ رقاده ، و آخر يكثرُ قيامه ، و يقلُّ رقاده ، أَيُّهما أحبُّ إليک؟ فقالت: سألت رسول الله ﷺ كما سألتني ، فقال: أحسنهما عقلاً ، فقلت: يا رسول الله ! أسئلک عن عبادتهما ، فقال: يا عائشة ! إنما يسئلان عن عقولها ، فمن كان أعقل كان أفضل في الدنيا و الآخرة. "

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: یا ام المؤمنین! ایک شخص ہے، جو تہجد کم پڑھتا ہے اور سوتا زیادہ ہے اور ایک دوسرا شخص ہے، جو سوتا بھی زیادہ اور عبادت بھی زیادہ کرتا ہے، آپ کی نظر میں ان دونوں میں سے کون محبوب و پسندیدہ ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جس طرح تم نے مجھ سے پوچھا، اسی طرح میں نے آپ ﷺ سے یہی سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اُن دونوں میں سے جو بہترین عقل والا ہوگا، وہ محبوب و افضل ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ان دونوں کی عبادتوں سے متعلق پوچھ رہی ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! ان دونوں سے ان کی عقلوں کے متعلق ہی پوچھ کچھ کی جائے گی؛ لہٰذا جو سب سے زیادہ عقل مند ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں سب سے افضل ہوگا۔)

مگر یہ حدیث موضوع و باطل ہے، چناں چہ امام سیوطی "اللآلي" میں اور امام کنانیؒ "تنزیه الشریعة" میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں داود بن المحبر ہے اور امام دارقطنی نے فرمایا ہے کہ "کتاب العقل" چار آدمیوں کی گھڑی ہوئی ہے: سب سے پہلے تو میسرہ نے اس کتاب میں من گھڑت حدیثیں اپنی سندیں لگا کر چلتی کردی اور اِس سے چرا کر داود بن المحبر نے ان ہی حدیثوں پر اپنی سندیں لگادیں، پھر عبدالعزیز بن ابی رجاء نے چوری کی اور اپنی اسانید ملادیں، پھر سلیمان بن عیسٰی السجزی آیا اور اس نے اپنی سندیں چسپاں کردیں، اس طرح سے یہ "کتاب" چار جھوٹوں کی بناوٹ و جعل سازی کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح عقل کی فضیلت سے متعلق جتنی مرویات ہیں، اُن سب کی تحقیق اور جائزہ لینے کے بعد حضراتِ ائمۂ محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی حدیث صحیح و ثابت نہیں ہے۔ چناں چہ امام ابن القیم رحمہ اللہ "المنار المنیف" میں یہ قاعدہ لکھتے ہیں کہ "أحاديث العقل كلها كذب."

اسی طرح امام ابوالفتح ازدی رحمہ اللہ نے دو جلیل القدر ائمہ محدثین کی تحقیق بیان فرمائی ہے کہ
''لا يصح في العقل حديث ، قاله أبوجعفر العقيلي ، و أبو حاتم بن حبان''۔
(اللآلي المصنوعة:١/١٢٨، تنزيه الشريعة:١/١٧٦، المنار المنيف:٦٦)

١٠٣ - حدیث: ''ما صَبَّ الله في صدري....اهـ''

''ما صبَّ الله في صدري إلا و قد صَبَبْتُه في صدر أبي بكر''(اللہ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا، وہ میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا)....وہ علم باطن تھا، وہ علم معرفت تھا، وہ ایک نور تھا، جو سینۂ نبوت سے سینۂ صدیق میں منتقل ہوا تھا۔''
(خطبات ذوالفقار:۲/۱۲۳)

تحقیق

اس حدیث کی بابت ائمہ محدثین و محققین کے اقوال پیش ہیں:
(۱) امام ابن الجوزی رحمہ اللہ ''الموضوعات'' میں رقم فرماتے ہیں:
''و قد تركت أحاديث كثيرةً يَرْوُوْنَها في فضل أبي بكر، فمنها صحيح المعنى ؛ لكنه لا يثبت منقولا ، ومنها ما ليس بشيء ، و ما أزال أسمع العوام يقولون عن رسول الله ﷺ أنه قال: ما صب الله في صدري إلا وصَبَبْتُه في صدر أبي بكر ، و إذا اشتقت إلى الجنة قبلت شيبة أبي بكر ، وكنت أنا و أبوبكر كَفَرَسَيْ رهان سبقته فاتبعني، ولوسبقني لاتبعته في أشياء ما رأينا لها أثراً في الصحيح ولا في الموضوع ، ولا فائدة في الإطالة بمثل هذه الأشياء''.
(فضیلت ابوبکر میں بیان کردہ بہت ساری روایات کو میں نے ذکر نہیں کیا ہے؛ کیوں کہ بعض معناً صحیح ہیں؛ مگر نقلاً ثابت نہیں اور بعض تو کسی قابل ہی نہیں ہیں (یعنی نہ نقلاً ثابت ہیں اور نہ معناً صحیح ہیں) اور میں ایک طویل عرصے سے عوام الناس کی زبانی یہ حدیث سنتے آرہا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ما صب الله في صدري إلا وصَبَبْتُه في صدر أبي بكر ، و إذا اشتقت إلى الجنة قبلت شيبة أبي بكر ، وكنت أنا و أبوبكر كَفَرَسَيْ رهان سبقته فاتبعني،

ولو سبقني لاتبعته''؛ یہ حدیث بھی ان باتوں میں سے ایک ہے، جن کے ثبوت کا نام ونشان تک ہمیں حدیثِ صحیح میں نہیں ملا، حتی کہ احادیثِ موضوعہ میں بھی نہیں، خیر اس قسم کی باتوں کا ذکر کوئی مفید نہیں ہے۔)

(۲) امام ابن القیم رحمۃ اللہ ''المنار المنيف'' میں رقم طراز ہیں:

" فصل: و مما وضعه جَهَلَةُ المنتسبين إلى السنة في فضائل الصديق ﷺ ......حديث ما صب الله في صدري شيئاً إلا صببته في صدر أبي بكر."

(فصل، نام نہاد جاہل حدیث دانوں نے حضرت صدیق ﷺ کے فضائل میں، جن آثار کو گھڑا ہے، ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے: ''ما صب الله في صدري شيئاً إلا صببته في صدر أبي بكر.'')

(۳) مشہور ومعروف امامِ حدیث حضرت علامہ حسین بن عبداللہ عرف امام طیبی رحمۃ اللہ، امام قضاعی رحمۃ اللہ کی کتاب ''الدر الملتقط في تبيين الغلط'' کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: اس میں ایسی بہت ساری موضوع احادیث جمع کی گئی ہیں، جن کا موضوع ہونا ظاہر وباہر ہے، ان ہی میں سے ایک یہ بھی حدیث ہے، جو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی شان میں گھڑی گئی ہے۔

(الخلاصة في أصول الحديث: ۷۵)

(۴) علامہ عجلونی رحمۃ اللہ ''كشف الخفاء'' میں یہ اور اس جیسی دیگر احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''وأمثال هذا من المفتريات المعلوم بطلانها ببديهة العقل'' (اس قسم کی روایات، اُن خودساختہ ومن گھڑت باتوں میں سے ہیں، جن کے باطل وناحق ہونے کا یقین بداہتاً حاصل ہوجاتا ہے۔)

(۵) اِن حضراتِ محدثین کے علاوہ علامہ طاہر پٹنی، علامہ شوکانی، ملا علی قاری، علامہ بیروتی رحمہم اللہ اور دیگر حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ خودساختہ اور گھڑی ہوئی ہے اور جعلی روایات میں بھی حد درجے کی جھوٹی وبناوٹی ہے اور علامہ عجلونی کے یہ قول اِس کا جعلی ہونا اتنا واضح اور ظاہر وباہر ہے کہ سنتے ہی ہر ایک صاحب عقل سمجھ جائے گا کہ یہ تو ایک جھوٹی روایت ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزي: ۶۴/۲، كشف الخفاء: ۵۱۲/۲، المنار المنيف: ۱۱۵، تذكرة الموضوعات للفتني: ۹۳، الفوائد المجموعة: ۲۹۷، أسنى المطالب: ۱۲۶۲، الأسرار المرفوعة: ۴۵۴)

١٠٤ - حدیث: ''من أراد أن ينظر إلى ميت يمشي....اهـ''

''اُن کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''من أراد أن ينظر إلى ميت يمشي على وجه الأرض فلينظر إلى أبي بكر الصديق'' کہ جو شخص چاہے کہ زمین کے اوپر چلتی ہوئی کسی لاش کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر صدیق کو دیکھ لے۔''

(خطبات ذوالفقار: ۳/۱۲۶)

یہ روایت علامہ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب ''لواقح الأنوار القدسية'' میں ہے، اسی طرح ''روح البيان'' میں ''صدیق'' کے لفظ کے ساتھ ہے؛ لیکن نہ تو ان کتابوں میں اس کی سند ہے اور نہ کسی کتابِ حدیث اور محدث کا حوالہ ہے۔ نیز تلاش وجستجو کے بعد بھی حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں ملی۔ واللہ اعلم! (لواقح الأنوار القدسية: ١/ ٢٣٠، ١٣٤، روح البيان: ٢/ ٢٠٩)

١٠٥ - حدیث: ''الحق ينطق على لسان عمر''

''اِن کے بارے میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:...... ''الحق ينطق على لسان عمر'' (عمر کی زبان پر حق بولتا ہے۔)''

(خطبات ذوالفقار: ۳/ ۱۲۸، ۲۴/ ۲۰۱)

یہ روایت بایں الفاظ وتعبیر حدیث کی کسی معتبر کتاب میں مروی نہیں ہے؛ بل کہ حدیث موضوع وغیر ثابت ہے۔ البتہ اس کو لفظاً موضوع قرار دیا جائے گا معنیً نہیں؛ اس لیے کہ اس کا مفہوم دیگر احادیث سے ثابت ومنقول ہے، چناں چہ اس حدیث کے متعلق امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا، تو آپ نے جواب دیا کہ امام احمد، امام ترمذی اور امام ابوداود نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ''إن الله تعالى جعل الحق على لسان عمر وقلبه'' (بے شک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان ودل پر حق کو جما دیا ہے) اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ''إن الله تعالى وضع الحق على لسان عمر يقول به.'' (بے شک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق رکھ دیا ہے، جب کہ وہ کہتے ہیں۔)

راقم عرض کرتا ہے کہ اس روایت کے بیان میں اشتباہ شاید ایک دوسری معتبر روایت سے لگتا ہے، جو حضرت علی وابن مسعود وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''**ما كنا نبعد أصحاب محمد ﷺ أن السكينة تنطق على لسان عمر**'' (ہم اصحابِ رسول کے مابین یہ بات معروف تھی کہ سکینہ عمر کی زبان پر بولا کرتی ہے۔)

(الفتاوى الحديثية لابن حجر المكي:١/٦٧٩،سنن الترمذي: ٣٦٨٢، مستدرك الحاكم : ٤٥٠١، سنن أبي داود:٢٩٦٤، سنن ابن ماجه:١٠٨، مسند أحمد : ٥١٤٥، ٢١٤٩٥، مسند أحمد:٨٣٤، مجمع الزوائد للهيثمي:١٤٤٢٩)

١٠٦ - حدیث: ''ما عبدناک حق عبادتک....اھ''

''کثرتِ علم کی وجہ سے پروردگارِ عالم کے محبوب ﷺ نے کہا: **مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عبادتِک ، و ما عَرَفْنَاکَ حقَّ معرفتِک۔**''

(خطباتِ ذوالفقار:۳/۱۷۷)

تحقیق

اولاً: تو مذکورہ عبارت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ کلام بایں اسلوب وتعبیر اور بایں ترتیب وترکیب حدیثِ نبوی ہے، جب کہ اس کا ذکر نہ صحیح وحسن روایات میں ملتا ہے، نہ ضعیف آثار میں، حتی کہ موضوعات میں بھی نہیں۔

ثانیاً: اس روایت کے پہلے جملے: ''**ما عبدناک حق عبادتک**'' کا ذکر بعض احادیث میں ملتا ہے، مثلاً حضرت سلمان کی روایتِ صحیحہ میں اور حضرت عائشہ وجابر رضی اللہ عنہما کی حدیث ضعیف میں ہے۔

(مستدرك الحاكم :٥/ ٥٠،رقم: ٨٨٠،مجمع الزوائد للهيثمي: ١٥٧٥٧، ١٨٤٣٧)

مگر حضرت سلمان وجابر کی روایات میں یہ کلام بہ طور حکایت ہے کہ قیامت کے روز فرشتے یہ بات کہیں گے اور حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا خواب سنایا کہ حضرت جابر کے والد نے اللہ تعالیٰ سے فرمایا: ''**ما عبدتک حق عبادتک**''۔

لیکن یہ روایتِ عائشہ نہایت ہی ضعیف ہے؛ اس لیے کہ اس کا ایک راوی: فیض بن وثیق ہے، جس پر ''کذاب'' ہونے تک کی جرح کی گئی ہے اور رہی حضرت سلمان والی صحیح روایت، اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کا اظہار فرشتوں کی جانب سے ہوگا اور آپ ﷺ نے وہ بات بس بہ طور

حکایت بیان فرمائی ہے، جب کہ زیرِ بحث حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ کلام خود آپ ﷺ کا ہے، جس کا صدور ذاتِ نبوی سے ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ بہ ذاتِ خود اپنی بات کہنا الگ مفہوم رکھتا ہے اور دوسرے کی بات نقل کرنا الگ مفہوم رکھتا ہے؛ تاہم اس کو مرفوع مانا جائے گا کہ جو کلام برحق دوسروں سے صادر ہوا، اس کو آپ نے نقل فرما کر اس کی مکمل تصدیق فرمائی ہے۔

ثالثا: جہاں تک دوسرا جملہ: "**ما عرفناک حق معرفتک**" ہے، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ البتہ علامہ مناویؒ نے "**فیض القدیر**: ۲/۴۱۰" میں لکھا ہے کہ "**وفِيْ الخبر**" اور علامہ آلوسیؒ نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ یہ ارشادِ نبوی ہے، چناں چہ "**روح المعاني**: ۴/ ۹۷" میں لکھتے ہیں:

"**و في الخبر عن سيد العارفين ﷺ: سبحانک ما عرفناک حق معرفتک**"۔

مگر نہ اس کی کوئی اصل و سند بیان کی ہے، نہ کسی محدث و کتاب کا کوئی حوالہ دیا ہے اور راقم کو تلاشِ بسیار کے بعد بھی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں یہ روایت نہیں ملی اور جہاں تک علامہ آلوسی و علامہ مناوی کی نقل کی بات ہے، تو راقم کے نزدیک یہ اس بات پر محمول ہے کہ ان دو بزرگوں نے شاید "**ماعبدناک حق عبادتک**" ہی کے معنی و مفہوم کو "**ما عرفناک حق معرفتک**" کے اسلوب و صیغے میں بیان کر دیا ہے اور اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ ان دونوں نے "**سبحانک**" کے اضافے کے ساتھ یہ کلام ذکر کیا ہے، یعنی "**سبحانک ما عرفناک حق معرفتک**" اور اس اضافے کے ساتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت صحیحہ میں صیغۂ "عبادت" والی عبارت ہے، صیغۂ "معرفت" والی نہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

تاہم اس کے مفہوم و معنی پر ایک روایتِ حسنہ سے واضح دلالت ہوتی ہے، چناں چہ مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداود، ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ متعدد کتبِ حدیث میں حضرت عائشہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ دعا میں فرمایا کرتے تھے: "**لاأُحصي ثناءً عليک ، أَنت کما أثنيت علی نفسک.**" (خدایا! میں آپ کی مدح و ثنا نہیں کر سکتا، آپ کی شانِ وصف ایسی ہی ہے، جیسی کہ آپ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے)۔

اس سے ظاہر و باہر ہے کہ جس طرح خدا کی مدح و ستائش کماحقہ بندے سے نہیں ہو سکتی، اسی

طرح؛ بل کہ بہ درجۂ اولی اس کی عبادت ومعرفت بھی کما حقہ نہیں ہو سکتی۔

حاصل یہ کہ زیرِ بحث حدیث بعینہٖ دونوں جملوں کے ساتھ کہیں ثابت ومذکور نہیں ہے، تاہم صرف جملۂ اولی دیگر روایات میں لفظاً ثابت ہے؛ مگر دوسرا جملہ لفظاً کہیں ثابت نہیں، مگر معنیً دوسری روایت سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

(مسلم:١١١٨،الترمذي:٣٥٦٦،النسائي:١١٣٠، ١٧٤٧،أبو داود:٨٧٩، ١٤٢٩، ابن ماجه: ١١٧٩، مسند أحمد: ٧٥١، ٢٤٣١٢، المستدرك للحاكم: ١١٥٠، مصنف ابن أبي شيبة: ٧٠١٦، ٢٩٧٥٠)

١٠٧ - حدیث: ''جوں ہی اذان ہوتی حضور ہمیں پہچانتے نہ تھے۔''

''کان رسول اللہ ﷺ يُحَدِّثُنَا وَنُحَدِّثُهُ ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ كَأَنَّهُ لَمْ يَعْرِفْنَا ، وَلَمْ نَعْرِفْهُ.

(رسول اللہ ﷺ ہم سے اور ہم لوگ آپ سے ہم کلام رہتے تھے اور جوں ہی اذان ہوتی، تو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ ہمیں نہیں پہچانتے اور ہم آپ کو نہیں پہچانتے۔)''

(خطبات ذو الفقار:۱۴/۴۵)

تحقیق

اس روایت کی تحقیق کچھ اس طرح درج ذیل ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''**إحياء العلوم**'' میں بہ طریقِ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا درج فرمائی ہے، اسی طرح علامہ مناوی رحمہ اللہ نے ''**فيض القدير**: ۱/ ۸۸'' میں ایک حدیث کی شرح کے ضمن میں یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ذکر فرمائی ہے؛ مگر انھوں نے بھی نہ تو کسی کتاب کا حوالہ دیا اور نہ ہی کسی محدث وراوی کا؛ نیز حدیث کی معتمد ومستند کتابوں میں یہ الفاظ وجملے نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں منقول ملے اور نہ ہی دیگر صحابہ وصحابیات کی روایات میں۔

مشہور امام ومحدث حافظ ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم عراقی رحمہ اللہ کو بھی یہ روایت نہیں ملی؛ اسی لیے اِس کی تحقیق میں انھوں نے '**المغني عن حمل الأسفار**: ۳۳۹'' میں صرف حضرت سوید بن غفلہ کی ایک مرسل حدیث درج کردی ہے، جو امام ازدی کی کتاب: ''**الضعفاء**'' میں مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''**كان النبي ﷺ إذا سمع الأذانَ كأنه لايعرف أحدًا من الناس**''۔

اور یہی روایت ”کنز العمال:۱۸۵۷٦“ میں ہے کہ ”كان النبي ﷺ إذا نُودِيَ بالأذان كأنه لا يعرف أحدًا“۔

سوید بن غفلہ نبیٔ اکرم ﷺ کے ہم عمر ہیں، بعض علما نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کو زیارتِ نبوی حاصل نہیں ہوئی، آپ اس وقت مدینہ حاضر ہوئے، جب کہ صحابہ نبی علیہ السلام کی تدفین سے فارغ ہو چکے تھے؛ لہٰذا صحابی تو نہیں ہیں؛ مگر جلیل القدر اور کبارِ تابعین میں سے ہیں اور آپ ثقہ و مستند ہیں۔

(الثقات لابن حبان:۹۷/۳،الطبقات الكبرى لابن سعد:۳۲/۵،تذكرة الحفاظ:۳٦، سير أعلام النبلاء:۷۳/۷)

دوسری بات یہ کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ نے جو حدیثِ مرسل نقل کی ہے، وہ ضعیف ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”**هذا حديثٌ ضعيفُ الإسناد**“۔ (سير أعلام النبلاء:۷۳/۷)

تیسری بات یہ کہ اس حدیث میں نبیٔ اکرم ﷺ کی جو یہ حالت و عادت نقل کی گئی ہے کہ نماز کا وقت آجاتا اور اذان سن لیتے، تو آپ پر کیفیتِ استغراق طاری ہوجاتی، جس کے باعث آپ ﷺ کسی کو نہیں جانتے و پہچانتے تھے اور یہ حالت صرف آپ ﷺ ہی کی نہیں؛ بل کہ صحابہ کی بھی ہوجاتی تھی، جیسا کہ یہ مفہوم ظاہرِ کلام سے عیاں و نمایاں ہے۔ نیز بیان کرنے والوں کو یہی مطلب بیان کرتے ہوئے پایا ہے۔ اگر اس کلام کی یہی مراد مانی جائے، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ بداہتاً وصراحتاً غلط ہے، صحیح و درست نہیں ہے؛ کیوں کہ متعدد روایات اِس کے خلاف مروی و ماثور ہیں۔ مثلاً:

(۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كانَ رسُولُ اللّٰه ﷺ يُسَوِّي صفوفَنا حتّٰى كأنَّما يسوِّيْ القداحَ ، حتى رأينَا قدْ عقَلْنا عنه ، ثم خرَج يومًا فقَام حتّٰى كاد يكبِّر، فراى رجلاً باديًا صدرُه من الصَّفّ ، فقال: عبادَ اللّٰه ! لتسون صفوفَكم أو ليخالفنَّ اللّٰه بينَ وُجُوهِكم.“ (مسلم:٤٣٦)

(۲) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سناتے ہیں:

”كان رسول اللّٰه ﷺ يمسحُ مَنَاكِبَنا في الصلاة ، و يقول: استووا، ولا تختلفوا ، لِيَلِيَنِي منكم أولو الأحلام و النهٰى ، ثم الذين يلونهم ، ثم الذين يلونهم.“ (مسلم:۱۰۸۸، أبو داود:٦٧٤)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ما صلّيتُ وراءَ إمامٍ قط أخف صلاةً ، ولا أتم من النبي ﷺ وإن كان ليسمع بكاء الصبي فيخفّف مخافة أن تفتن أمّه." (البخاري: ٧٠٨)

(۴) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" قال رسول الله ﷺ : إني لأدخل في الصلاة و أنا أريد إطالتَها ، فأسمع بكاء الصبيّ فأتجوّز في صلاتي ، ممّا أعلم من شدّة وجدِ أمّه من بُكائِه." (البخاري: ٧٠٩)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"بِتُّ في بيت خالتي ميمونة ، فقام رسول الله ﷺ يصلّي، فقمت عن يساره، فأخذ بيدي من وراء ظهره ، فعدلني كذالك من وراء ظهره إلى الشق الأيمن." (البخاري: ٦٩٧، مسلم: ٧٦٣)

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قام رسول الله ﷺ لِيُصلي، فجئت حتى قمتُ عن يساره، فأخذ بيدي فأدارني حتى أقامني عن يمينه ، ثم جاء جبار بن صخر، فقام عن يسار رسول الله ﷺ فأخذ بيدينا جميعاً فدفعنا حتى أقامنا خلفه."
(مسلم: ٧٦٣)

(۷) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"رأيت النبي ﷺ يؤم الناس و أمامة بنت أبي العاص على عاتكه ، فإذا ركع وضعَها ، و إذا رفع من السجود أعادها." (مسلم: ٥٤٣)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كنا نصلّي مع رسول الله ﷺ العشاء ، فكان يصلي ، فإذا سجد وثب الحسن و الحسين على ظهره ، وإذا رفع رأسه أخذهما فوضعهما وضعاً رفيقاً ، فإذا عاد عادا ، فلمّا صلّى جعل واحدًا هاهنا ، و واحدًا هاهنا، فجئته ، فقلت: يا رسول الله ! ألا أذهب بهما إلى أمهما ؟ قال : فبرقت برقة ، فقال: الحقا بأمكما، فما زالا يمشيان في

ضوئهما حتى دخلا". (المستدرك للحاكم: ٤٧٨٢)

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"كان رسول الله ﷺ يصلي تطوعاً و الباب عليه مغلق جئتُ فاستفتحتُ فمشى ففتح لي ثم رجع إلى مصلاه ، و ذكرت أن البابَ كان في القبلة." (أبو داود: ٩٢٢، الترمذي: ٦٠١، النسائي: ١٢٠٦)

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں:

"إن رسول الله ﷺ كان يلحظ في الصلاة يميناً و شمالاً ، و لا يلوي عنقه خلْفَ ظهرِه." (الترمذي: ٥٨٧، النسائي: ١٢٠١)

یہ معتبر و مقبول احادیث واضح دلالت کرتی ہیں کہ باجماعت نماز ہو یا بہ حالتِ انفراد، فرض ہو یا نفل، جلوت میں ہو یا خلوت میں، نماز کے قریب ہو یا عین درمیانِ نماز میں، بہ ہر صورت آپ کی یہ کیفیت وحالت نہیں ہوتی کہ آپ کسی کو جانتے و پہچانتے ہی نہ تھے۔

چوتھی بات یہ کہ بعض کتابوں میں اس حدیث کی تفسیر و تائید کے طور پر "لي مع الله وقت" والی روایت اور قصہ عائشہؓ ذکر کیا گیا ہے؛ مگر سابق میں حضرات ائمہ محققین کی یہ تحقیق گزر چکی ہے کہ "لي مع الله وقت" والی حدیث ثابت نہیں ہے؛ بل کہ موضوع و خود ساختہ ہے۔

اسی طرح یہاں اس حدیث "كأنه لم يعرفنا" کا حال ہے کہ احادیثِ صحیحہ میں اس کا ثبوت مفقود ہے۔ بس ایک حدیثِ مرسل ہے؛ مگر وہ بھی ضعیف الاسناد ہونے اور متعدد احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہونے کے باعث؛ اس قابل ہی نہیں کہ یہ مضمون "كأنه لم يعرفنا" ثابت ہو سکے۔ نیز اگر چہ ان دونوں کو مجمل و مفسر مانا جائے، تب بھی چوں کہ دونوں کا حاصل وقدرِ مشترک ایک ہی ہے؛ اس لیے اگر ایک بھی صحیح و ثابت ہوتی، تو جتنے محدثین نے اِن کی تحقیق میں جو کلام فرمایا ہے، اُس میں کہیں نہ کہیں اِس حدیثِ سوید بن غفلۃ کا صراحتاً یا اشارتاً ضرور بالضرور ضرور ذکر ہوتا؛ مگر کسی نے بھی اس روایت کا ذکر تک بالکلیہ نہیں کیا۔ نہ حدیث "لي مع الله" کی بحث میں اور نہ حدیث "كأنه لم يعرفنا" کے ذکر میں۔

جس سے یہ بات بے غبار ہو جاتی ہے کہ نہ یہ متکلم فیہ حدیث ثابت ہے اور نہ ہی روایت "لي مع الله"۔ والعلم الی اللہ!

پانچویں بات یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آجاتا یعنی اذان دے دی جاتی، تو آپ ﷺ کی جو

حالت ہوتی تھی، اس کی صراحت ووضاحت بعض احادیث سے ثابت ہے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب ایک خاص سوال کیا گیا، تو ام المومنین نے فرمایا: ''كان ينام أول الليل، ثم يقوم ، فإذا كان من السحر أوتر ثم أتى فراشه ، فإذا كان له حاجة ألم بأهله ، فإذا سمع الأذان وثب ، فإن كان جنباً أفاض عليه الماء ، و إلا توضأ ، و خرج إلى الصلاة.''

(البخاري:١١٤٦،مسلم:٧٣٩،شمائل الترمذي:٢٦٥،السنن الكبرى للنسائي:١٣٨٩)

اس حدیث میں اذان سنتے ہی آپ کے عمل کی تصریح لفظِ ''وَثَبَ'' سے بیان کی گئی ہے؛ جس کی شرح میں علامہ باجوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قام بنهضة وشدة''۔ علامہ ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قام بنهضة وسرعة''۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قام بنهضة وخفة ، أو قعد علىٰ لُغَةِ قبيلة حمير فإن الوثوب عندهم بمعنى القعود''۔

ان سب اقوال کا حاصل یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان جوں ہی سنتے، فوراً بیدار ہوجاتے اور بستر سے اٹھ کر نماز کی تیاری میں مصروف ہوجاتے۔ اس سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کا بڑا ہی اہتمام فرماتے، کوتاہی وسستی کا دربارِ رسالت میں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ (كما أفاد العلامة العيني حيث قال: وفيه الاهتمام في العبادة ، والإقبال عليها بالنشاط ، ولفظة الوثوب تدل عليه)۔

(المواهب اللدنية مع الشمائل المحمدية:٤٦١،أشرف الوسائل:٣٧٤،جمع الوسائل:٢/٦٧، عمدة القاري:٧/٢٩٤)

اگر عدمِ معرفت کا مفہوم کہیں ثابت ہوتا، تو ان محقق شراحِ حدیث میں سے کوئی ایک دو تو کم از کم اس جگہ ''وثوب'' کی نوعیت وکیفیت بتانے وسمجھانے کے لیے یا تو حدیث ''كأنه لم يعرفنا'' یا حدیث ''لي مع الله ...اهـ'' کسی کا تو ذکر کرتے؛ کیوں کہ یہی مقام اس مفہوم کا خاص موقع ومحل ہے۔

خلاصہ یہ کہ روایتاً زیرِ بحث حدیث کے ثبوت کا کوئی پختہ ثبوت نہیں ہے اور درایتاً متعدد صریح وصحیح احادیث کے منافی ہونے کی بنا پر قابلِ قبول نہیں۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب ''كأنه لم يعرفنا'' میں عدمِ معرفت کا حقیقی معنی مراد لیا جائے؛ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ بخاری ومسلم کی روایتِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں جو''وثب'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہتمامِ نماز کا ذکر آیا ہے، اسی کو سمجھانے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے اور اس تعبیر میں اس کا مجازی معنی مراد ہے، تو اس صورت میں سوید بن غفلہ کی ضعیف ومرسل روایت بخاری ومسلم کی صحیح روایت کی تائید سے معتبر ہوجائے گی۔

۱۰۸ - حدیث: ''عجلوا بالصلاۃ قبل الفوت''

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: مجھے میرے محبوب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کاموں میں جلدی کرنے کی وصیت فرمائی:

(۱) عجّلوا بالصلاۃ قبل الفوت (تم نماز کے فوت ہونے سے پہلے اسے ادا کرو۔)

(۲) عجّلوا بالتوبۃ قبل الموت (موت سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو۔)

(۳) جب کوئی آدمی مرجائے، تو اس کے کفن دفن میں جلدی کرو۔

(۴) تمھارے سر پر قرض ہو، تو اس کے ادا کرنے میں جلدی کرو۔

(۵) جب بیٹی یا بیٹے کے لیے کوئی مناسب رشتے مل جائیں، تو اس کے نکاح کرنے میں جلدی کرو۔''

(خطبات ذوالفقار: ۱/۱۹)

تحقیق

اس روایت کے متعلق عرض ہے:

(الف) یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو روایت نقل کی گئی ہے، اس میں پانچ جملے پانچ الگ الگ احکام ومفاہیم پر مشتمل ہیں اور اوپر صرف دو جملوں کی عربی تعبیر نقل کی گئی ہے اور ان دو جملوں والی ایک روایت علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب ''لباب الحدیث'' میں منقول ہے؛ مگر امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی ہے؛ نیز اس میں یہ روایت کس صحابیٔ رسول سے مروی ہے، اس کا بھی ذکر نہیں ہے۔ ایک تو یہ حال ہے اور دوسری جانب علامہ صغانی رحمہ اللہ نے ''الموضوعات'' میں اس کو داخل کرکے صاف صاف بیان فرما دیا کہ یہ ایک بے اصل وبے سند اور موضوع حدیث ہے۔ اسی طرح علامہ البانی مرحوم بھی ''سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ'' میں حافظ صغانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے متفق ہیں۔

راقم کہتا ہے کہ حضراتِ ائمہ کی معتبر مسانید میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جتنی روایات نقل کی گئی ہیں، ان میں بھی باوجود تلاشِ بسیار کے یہ جملے نہیں ملے۔

(ب) البتہ نمبر ۱/۲/اور ۵؛ ان تین جملوں کا مفہوم ومعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے، چناں چہ ''ترمذی شریف'' میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ارشاد فرمایا:

''یا علي! ثلاثٌ لا تؤخرها: الصلاۃ إذا أتت، والجنازۃ إذا

حضرت ، و الأیم إذا وجدتَ لها كفواً."

(دیکھو علی! تین کاموں میں تاخیر مت کرنا، نماز میں جب اس کا وقت ہوجائے، جنازے میں جب وہ حاضر ہوجائے اور لڑکی کے متعلق جب اس کا مناسب رشتہ مل جائے)

(ج) رہے بقیہ نمبر۳؍اور۴؍والے جملے؛ان کے نہ تو عربی الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی روایت میں ملے اور نہ ہی ان کا معنی ومفہوم ملا۔

(د) البتہ اِن کا معنی ومفہوم دیگر متعدد حضراتِ صحابہ کی روایات سے مرفوعاً صحیح وثابت ہے۔

(ان روایات کے لیے ملاحظہ کیا جائے حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ کی مشہور ومعروف کتاب: "معارف الحدیث:۵/ ۳۰۸-۳۲۲ اور ۷/۹۲-۹۸)

الغرض اس تحقیق سے یہ بات ظاہر وباہر ہے کہ زیر کلام روایتِ علی ﷺ اس طرح ثابت نہیں جیسا کہ نقل کی گئی ہے اور نقل کی جاتی ہے، البتہ اس روایت کے ہر جملے کا معنی ومفہوم متعدد صحابہ سے الگ الگ روایات میں صحیح وثابت ہے۔

(لباب الحديث:١/١٩، الموضوعات للصغاني:٣٤، سلسلة الأحاديث الضعيفة : ٢٦٨٧، الترمذي:١٠٧٥)

۱۰۹ - حدیث: "لا إيمان لمن لا غيرة له"

"حدیث پاک میں آیا ہے کہ "لا إيمان لمن لا غيرة له" (اس کا ایمان ہی نہیں، جس کے اندر غیرت نہیں۔)" (خطبات ذوالفقار:۵/۱۶۴)

تحقیق

یہ حدیث ان الفاظ اور تعبیر کے ساتھ کہیں ثابت نہیں ملی، البتہ بعض ضعیف روایات سے اس کا معنی ومفہوم ثابت ہے، جیسے یہ مرفوع روایت: "لا إيمان لمن لا حياء له" اور جیسے یہ حدیثِ مرفوع: "الغيرة من الإيمان" (غیرت، ایمان میں سے ہے)۔حافظ سخاویؒ اور علامہ عجلونیؒ لکھتے ہیں: "وفي الغيرة أحاديث كثيرة صحيحة" پھر اس کے بعد متعدد احادیثِ صحیحہ ذکر فرمائی ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھو: "كشف الخفاء: ٣١٣٨، ترتيب المدارك وتقريب المسالك للقاضي عياض:١/١١٣، مجمع الزوائد:٥ ٧٧٢، جامع الأحاديث: ١٤٦٤٠، المقاصد الحسنة:٧٣٣ "۔)

الغرض یہ روایت لفظاً غیر ثابت، مگر معنیً ثابت ہوگی۔

۱۱۰ - حدیث: ”أَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ“

”حدیثِ پاک میں فرما دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ میرا ذکر کرتا ہے، ”أَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ“ (میں اُس بندے کا ہم جلیس ہوتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔)“ (خطباتِ ذوالفقار: ۱۴/ ۴۱)

تحقیق

بعض کتب حدیث میں میں اِس کلام کو حدیثِ قدسی کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے؛ مگر یہ حدیث قدسی نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے؛ بل کہ حضرت کعب احبار رحمہ اللہ سے مروی ایک روایت میں اس قول کو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ”**الزهد**“ میں، امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ”**مصنف**“ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”**شعب الإيمان**“ میں سنداً نقل کیا ہے کہ حضرت کعب رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! کیا آپ قریب ہیں کہ میں آپ سے سرگوشانہ مناجات کروں، یا آپ دور ہیں کہ زور سے پکار پکار کر یاد کروں؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! ”**أنا جليس من ذكرني**“ (میں اس بندے کا ہم نشیں ہوتا ہوں، جو میرا ذکر کرتا ہے۔)

اسی طرح امام علی متقی رحمہ اللہ نے ”**كنز العمال**“ میں، امام سیوطی رحمہ اللہ نے ”**جمع الجوامع**“ میں امام ابن شاہین کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ! کیا آپ کو یہ محبوب ہے کہ میں آپ کے ساتھ آپ کے گھر رہوں؟ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰ سجدے میں گر پڑے، پھر فرمایا کہ اے میرے رب! آپ کیسے میرے ساتھ میرے گھر میں رہیں گے؟ ”اے موسیٰ! **أما علمت أني جليس من ذكرني وحيثما التمس عبدي وجدني**“ (کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ میں اس بندے کا ہم نشیں ہوتا ہوں، جو میرا ذکر کرتا ہے اور میرا بندہ مجھے جہاں کہیں بھی ڈھونڈے گا مجھے اپنے پاس پاوے گا۔)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ ”**المقاصد الحسنة**“ میں اور علامہ عجلونی ”**كشف الخفاء**“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام دیلمی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً اس روایت کی تخریج کی ہے؛ مگر بلا سند۔

اب ظاہر ہے کہ بے سند و بے اصل حدیث کا کسی درجے میں کوئی اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا اس کو حدیثِ مرفوع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے، نبی اکرم ﷺ کی حدیث نہیں ہے؛ لیکن اس حدیث کا مفہوم دیگر متعدد صحیح و معتبر حدیثوں سے ثابت ہے، چناں چہ بخاری شریف کی حدیث میں ارشادِ خداوندی ہے "أنا عندظن عبدي بي ، وأنا معه اذا ذكرني."

(الزهد لابن حنبل : ٣٦٠، مصنف ابن أبي شيبة :٣٥٤٢٨،شعب الإيمان: ٦٨٠،كنز العمال: ١٨٦٥، جمع الجوامع:٧٨٩٥،المقاصدالحسنة:١٨٦، كشف الخفاء:٦١١،البخاري:٧٤٠٥)

۱۱۱- حدیث: "من صلّى خلف عالم تقي فكأنما صلّى خلف نبيٍّ"

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے عالم باعمل کے پیچھے نماز پڑھی، ایسا ہی ہے جیسے اس نے میرے پیچھے نماز پڑھی۔" (خطبات ذوالفقار: ۷/۶۴)

تحقیق

یہ ایک مشہور و معروف حدیثِ موضوع کی ترجمانی ہے، جو متعدد کتب میں منقول ہے، حتی کہ فقہِ حنفی کی مستند و بے نظیر کتاب: "ہدایہ" میں امام مرغینانی رحمہ اللہ نے "باب الإمامة" میں یہ حدیث ذکر فرمائی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من صلى خلف عالم تقي فكأنما صلى خلف نبي" (جس کسی نے ایک متقی عالم کی اقتدا میں نماز پڑھی، گویا اس نے ایک نبی کی اقتدا میں نماز پڑھی۔)

اس حدیث کو ائمہ محققین نے موضوع قرار دیا ہے، چناں چہ

(۱) حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے "نصب الراية" میں "غريب" کہا ہے اور علامہ زیلعی کی مخصوص اصطلاح میں "غريب"، "لم يوجد" کے معنی میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ اصحابِ تخریج جانتے ہیں۔

(۲) حافظ عسقلانی نے "الدراية" میں "لم أجده" فرمایا ہے۔

(۳) علامہ عینی نے "البناية" میں فرمایا کہ "هذا الحديث غريب ليس في كتب الحديث" (یہ حدیث غریب ہے، حدیث کی کتابوں میں نہیں ہے۔)

(۴) حافظ سخاوی نے "المقاصد" میں فرمایا کہ "لم أقف عليه بهذا اللفظ" (مجھے یہ روایت ان الفاظ سے نہیں ملی) کسی حدیث کے متعلق محدثین جب ایسی تعبیر لکھتے ہیں، تو اس کا مطلب۔ جیسا کہ اصولِ حدیث میں مصرح ہے۔ یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث، رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور موضوع روایت ہے۔

(۵) حافظ طاہر پٹنی، علامہ شوکانی، ملا علی قاری، علامہ عجلونی اور علامہ بیروتی رحمہم اللہ؛ ان سبھی حضرات نے بھی اس روایت کو بے اصل و بے سند قرار دیا ہے۔

الغرض ان حضرات کے علاوہ دیگر ائمۂ حدیث نے بھی اس تحقیق پر رضا ظاہر فرما کر اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

فَائِدَة : اس حدیث کے بے اصل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ جس مسئلے کے اثبات میں صاحبِ ہدایہ نے یہ حدیث ذکر کی ہے، جب اس مسئلے کی دلیل ہی بے اصل ہوگئی، تو اس کی بنیاد پر متفرع ہونے والا مسئلہ بھی غلط ہوگیا؛ یہ مطلب ہرگز صحیح نہیں؛ اس لیے کہ اُس مسئلے کی صرف یہی ایک دلیل نہیں ہے؛ بل کہ اور بھی متعدد ومعتبر دلائل اپنی جگہ قائم ہیں، لہٰذا اِن دلائل کی بنا پر وہ مسئلہ اپنی جگہ صحیح ودرست ہے۔ (ان دلائل کے لیے نصب الرایہ اور البنایہ اور دیگر کتبِ حدیث کی جانب رجوع کیا جائے)۔

(نصب الراية : ٢/٢٦، الدراية:١/١٦٨،البناية:٢/٢٩٠،المقاصد الحسنة :١/٤٨٦،تذكرة الموضوعات للفتني:٤٠،كشف الخفاء : ٢/٢٥٧،المصنوع: ١٨٦ ،الفوائد للشوكاني: ١/١٣، أسنى المطالب:١/٢٠٠)

۱۱۲- حدیث: ”روحانی ضیافت“

”حدیث مبارکہ میں ہے:

”من زار حياً ، و لم........منه شيئا فكأنما زار ميتاً“

(جس نے کسی زندے کی زیارت کی اور اس زندے نے اس کو کھانے کو کچھ بھی پیش نہ کیا، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کسی مردے کی زیارت کی۔)

(خطباتِ ذوالفقار:۲۴/ ۱۳۸)

تحقیق

اسی طرح کی عبارت ”خطبات“ میں لکھی ہوئی ہے۔ اب یہ متنِ حدیث اور اس کی یہ شرحِ حدیث کی متعدد کتابوں میں تلاش کرلی؛ مگر کہیں بھی اس کا نام ونشان تک نہیں ملا۔

غالبًا یہ روایت وہی ہے، جس کو امام عجلونی رحمہ اللہ نے ”کشف الخفاء:۲/۲۹۴“ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: ”من زار حيًّا ، و لم يكرمه فكأنما زار مَيّتًا“، پھر اس روایت کی تحقیق میں علامہ لکھتے ہیں: ”لِيُنْظَرْ“ (قابلِ تلاش ولائقِ غور ہے۔)

”کشف الخفاء“ کی تحقیق وتخریج اور تعلیق کرنے والے محدث، شیخ یوسف بن محمود بھی لکھتے ہیں کہ ”لم أجد له أصلا مع كثرة المراجع الحديثية ، و لينظر“ (حدیث کی کثرتِ

مراجعت کے باوجود؛ مجھے بھی اِس روایت کی کوئی اصل وسند نہیں ملی، قابلِ تلاش ہے)۔

ان محدثین کی طرح راقم نے بھی حدیث کی بیشتر کتابوں میں تلاش وجستجو کر کے دیکھ لیا، حتی کہ موضوعات کی کتابوں میں بھی ڈھونڈ لیا؛ مگر"کشف الخفاء" کے علاوہ کہیں نہیں ملی، بہ ظاہر"جدید موضوع روایات" میں سے لگتی ہے۔ واللہ اعلم

۱۱۳- حدیث: "الحب أساسي"

"نبی علیہ السلام نے ایک حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا: "الحب أساسي"۔
(خطباتِ ذوالفقار: ۲۴/۳۳)

تحقیق

حدیث کی معتبر ومستند کتابوں میں یہ روایت نہیں ملی، البتہ یہ جملہ ایک طویل بے اصل و بے سند حدیث کا جزو ہے۔ ذیل میں وہ حدیث مع تحقیق پیش ہے۔

"عن علي رضي الله عنه : سألتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم عن سنته ، فقال: المعرفةُ رأس مالي، والعقل أصل ديني ، والحُبُّ أساسي ، و الشوق مركبي ، وذكر الله أنيسي ، والثقةُ كنزي ، والحزن رفيقي ، والعلم سلاحي ، والصبر ردائي، و الرضاء غنيمتي ، والفقر فخري ، والزهدُ حرفتي واليقين قوتي ، والصدق شفيعي ، والطاعة حسبي ، و الجهاد خلقي ، وقرة عيني في الصلاة . وفي حديث آخر: وثمرة فؤادي في ذكره ، وغمي لأجل أمتي ، وشوقي إلى ربي ."

(حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے طریقے وسنت کے متعلق پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معرفت میرا سرمایہ ہے، عقل میری دین داری کی جڑ ہے، محبتِ (الٰہی) میری بنیاد ہے، شوق (ملاقاتِ باری) میری سواری ہے، ذکر و یادِ (الٰہی) میری مونس، (خدا پر) بھروسہ میرا خزانہ ہے، حزن وغم میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضا بر قضا میرا مالِ غنیمت ہے، فقر و تنگ دستی میرا مایۂ فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت ہے، سچائی

میرا اسفارشی ووکیل ہے، طاعتِ خدا میرا سرمایہ افتخار ہے، جہاد میری طبعی پسند ہے اور میری آنکھوں کا قرار نماز میں ہے--- ایک حدیث میں مزید یہ بھی مروی ہے---: میرے دل کا ثمرہ ونفع خدا کی یاد میں رکھا ہوا ہے، میرا یہ غم میری امت کی خاطر ہے، اور میرا شوق بس میرے رب ہی سے وابستہ ہے۔)

مذکورہ روایت امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے ''الشفاء بتعريف حقوق المصطفى'' میں، نیز معمولی سے فرق کے ساتھ امام غزالی رحمہ اللہ نے ''إحياء العلوم'' میں ذکر فرمائی ہے۔اس روایتِ علی ﷺ کی تحقیق کے سلسلے میں حضراتِ ائمہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے یہ حدیثِ علی ﷺ ذکر کی ہے؛ مگر مجھے اس کی کوئی سند نہیں ملی، چناں چہ حافظ عراقی کے الفاظ ہیں: ''ولم أَجِدْ له إِسنادًا''۔

(۲) امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے ''أحاديث الإحياء التي لا أصل لها'' والی فصل میں یہ روایت ذکر کرکے اس کو بے اصل و بے سند قرار دیا ہے۔

(۳) امام زبیدی رحمہ اللہ بھی نے اس کو بے سند قرار دیا ہے چنانچہ ''إتحاف السادة'' میں حافظ عراقی رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کرنے کے بعد ان کی تائید وتقویت میں امام ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق نقل فرماتے ہیں کہ ''سُئِلَ ابنُ حجرفي فتاويه ، فقال: لا أصل له'' (امام ابن حجر رحمہ اللہ سے ایک فتویٰ میں اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا،تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے)۔

(۴) علامہ خفاجی مصری رحمہ اللہ کا طرز بھی وہی ہے، جو حافظ زبیدی کا ہے،چناں چہ ''نسيم الرياض'' میں تحقیقِ عراقی ذکر کرکے آگے تحریر فرماتے ہیں کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''إنه موضوع ، و آثار الوضع لائحة عليه ، وهو يشبه كلام الصوفية''

(بے شک یہ حدیث موضوع وخود ساختہ ہےاور اس کے من گھڑت ہونے کی علامتیں خود ہی ظاہر وباہر ہیں اور یہ صوفیا کے کلام کے مشابہ ہے)۔

(۵) امام علی بن سلطان قاری رحمہ اللہ نے بھی ''شرح الشفاء للقاضي عياض'' میں اس کو بے اصل و بے سند لکھا ہے۔

الغرض حافظ عراقی، حافظ سبکی، حافظ زبیدی، حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی، حافظ خفاجی، حافظ ملا علی قاری

رحمہم اللہ؛ یہ جلیل القدر محدثین ومحققین نے اِس روایت کو بے اصل وبے سند اور من گھڑت قرار دے دیا ہے اور اِن حضرات کی اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی دو وجوہ ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اس کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔

(۲) دوسری وجہ بہ قول حافظ سیوطی رحمہ اللہ یہ ہے کہ اس کے موضوع ہونے کی ایک علامت خود اس کے کلمات وتعبیرات ہیں؛ کیوں کہ یہ کلام حضراتِ صوفیا کے ملفوظات کے مانند ہے۔

راقم کہتا ہے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی یہ بات ایک امرِ ذوقی ہے، جو حدیث کا گہرا ووسیع علم رکھنے والے، کلامِ نبوت کی بلاغت ومعنویت کا عمیق درک رکھنے والے اور حدیث کے تعلم وتعلیم میں شب وروز بتانے والے خوش نصیب کبارِ محدثین ہی محسوس کرتے ہیں اور اس فن کی مزاولت وممارست اور احادیثِ نبویہ کی مصاحبت کی برکت سے یہ حضراتِ ائمہ بھی نبوی مزاج واسلوب کے ذوق آشنا ہو جاتے ہیں اور فوراً تمیز کر لیتے ہیں کہ کون سا کلام حدیثِ نبوی ہوگا اور کون سا نہیں؟

راقم کہتا ہے: جو حضرات احادیثِ نبویہ کی بے تکلف وسادہ تعبیرات پر گہری نظر رکھتے ہیں اور جو احادیث وروایاتِ نبویہ کا اور حضراتِ صوفیا وصلحا کے ملفوظات کا علم رکھتے ہیں، وہ بہ آسانی پتا لگالیں گے کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے۔

ملاحظہ: یہاں ایک بات عرض کرنی ضروری ہے کہ یہ بہ لحاظِ مجموعۂ کلام اور بعض جملوں کے پیشِ نظر یقیناً موضوع ہے، جیسا کہ یہ جملہ ''الفقر فخري''؛ لیکن اس کے بعض جملے صحیح روایات میں ثابت ہیں، مثلاً ''قرة عيني في الصلاة'' صحیح سند کے ساتھ مسند احمد، سنن نسائی، مستدرک حاکم، سنن بیہقی ودیگر کتب حدیث میں مروی ہے۔

۱۱۴- حدیث: ''الشريعة أقوالي......اھ''

''الشريعة أقوالي، والطريقة أفعالي، والحقيقة حالي، والمعرفة رأس مالي''

(شریعت میری باتیں ہیں، طریقت میرے افعال ہیں، حقیقت میرا حال ہے اور معرفت میرا اصل سرمایہ ہے۔)

تحقیق

بعض صوفیا بڑی شد ومد کے ساتھ اس موضوع حدیث کا ذکر کرتے ہیں، چناں چہ یہ روایت

حدیث کی کسی بھی معتبر کتاب میں کہیں نہیں ہے؛ بل کہ یہ صرف بعض صوفیا کے کلام میں اور کتبِ شیعہ میں لکھی ہوئی ہے، مثلاً ''میزان الحکمة، از محمد الری شہری: ۷/ ۲۰۷، مستدرک الوسائل، از مرزا طبرسی: ۷/ ۳۲۶، شرح الأسماء الحسنی، از ملا ہادی سبزواری: ۱/ ۴۵۸'' میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

مگر یہ یقیناً موضوع، خانہ ساز اور من گھڑت روایت ہے، چناں چہ علامہ عجلونی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ بات کسی (محدث) سے مروی بھی ہے، بس اب حکم کے بارے میں کیا کہنا؟ (علامہ عجلونی کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ کسی محدث سے مروی نہیں ہے، حدیث کی کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے، تو واضح ہے کہ یہ حدیثِ رسول نہیں ہے)۔

نیز بندے کے نزدیک اس حدیثِ ثانی کے موضوع وجعلی ہونے کا ایک درایتی قرینہ ہے اور وہ یہ کہ اس میں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی خالص صوفیانہ اصطلاحات، کلمات وتعبیرات استعمال کی گئی ہیں، جو کہ زمانۂ نبوت میں نہیں تھیں؛ لہٰذا اس روایت کے الفاظ بذات صاف وصریح دلالت کرتے ہیں کہ یہ گھڑی ہوئی اور جھوٹی وبناوٹی ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علم حدیث کی اصطلاحات زمانۂ نبوت نہیں تھیں، اب اگر کوئی بیان کرے کہ حدیث مرفوع میں آیا ہے کہ یہ حدیث صحیح لذاتہ، وہ حدیث حسن ہے، یہ روایت ضعیف ہے اور وہ روایت موضوع ہے۔ تو یہ الفاظ ہی اِس روایت کے موضوع ہونے کے لیے کافی ہیں۔

(إحياء العلوم:٤/ ٣٥٠،المغني عن حمل الأسفار:٤٢٢٥،الطبقات الشافعية الكبرى: ٦/ ٣٧٨، إتحاف السادة المتقين:٩/ ٦٨٤، نسيم الرياض :٢/ ٤٢٨، شرح الشفاء للقاري:١/ ٣٢٦،مشكاة المصابيح: ٥٢٦١، مسند أحمد:١٤٠٣٧، النسائي:٣٩٣٩، المستدرك للحاكم:٢٦٧٦،سنن البيهقي: ١٣٨٣٦، كشف الخفاء:٢/ ١٥٣٢)

۱۱۵- حدیث: ''الغناء رقية الزنا''

''حدیث پاک میں آتا ہے کہ موسیقی کا سننا کانوں کا زنا ہے۔''

(خطباتِ ذوالفقار: ۱۹/ ۱۴۵)

یہ جس روایت کا ترجمہ وترجمانی ہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں ''الغناء رقية الزنا''۔

اس حدیث کی تحقیق یہ ہے:

امام نووی کہتے ہیں کہ اہل زبان کے مشہور ضرب الامثال میں سے ایک مثل ہے۔ امام بیہقی،

امام نووی، امام جزری، امام ملاعلی قاری، علامہ عجلونی رحمہم اللہ و دیگر ائمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ مشہور ومعروف خدارسیدہ بزرگ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ کا کلام ہے، ارشادِ نبوی نہیں ہے۔

(النهاية في غريب الحديث والأثر:٤/٥٨، عمدة القاري:٢٣/٣٦١، مسلم مع شرح النووي: ٢٣٢٣، شعب الإيمان:٨/٥١٠، المصنوع: ٢٠٣، الأسرار المرفوعة:٣١٢، كشف الخفاء:١٨١٤)

لیکن ہاں! تجربات، محسوسات اور سائنسی تحقیقات کے معتبر ذرائع سے یہ بات مسلم اور قرار پا چکی ہے کہ موسیقی یعنی گانا بجانا دیگر اسباب کی طرح زنا کا ایک زبردست سبب ہے، نیز صحیح وصریح احادیث میں گانے کے آلات پر اور گانا گانے وسننے والوں پر عذابِ شدید اور سخت وعید بہ زبانِ رسالت ثابت ہے اور شراحِ حدیث وصلحائے امت نے فرمایا ہے کہ موسیقی کے ممنوع ہونے کی علتوں میں سے ایک علت یہ بھی ہے کہ یہ زنا کا سبب ہے۔

لہٰذا معنی ومطلب سو فی صد صحیح ہے، بالکل بھی خلافِ شرع نہیں ہے؛ بل کہ متعدد باوثوق ذرائع سے مؤکد ومؤید بھی ہے۔ مگر صرف بات یہ ہے کہ اس کا ارشادِ نبوی ہونا ثابت نہیں ہے۔

۱۱۶- حدیث: ”سفید بالوں سے حیا مگر“

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی مبارک آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں رو رہے ہیں؟ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ابھی میرے پاس جبرئیل آئے تھے اور وہ آکر مجھے کہنے لگے: جو بندہ کلمہ پڑھ لیتا ہے اور کلمہ پڑھتے پڑھتے اس کے بال سفید ہو جاتے ہیں، اس بوڑھے کو عذاب دیتے ہوئے اللہ رب العزت کو حیا آتی ہے، اس بات پر رو رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو بوڑھے بندے کو عذاب دیتے ہوئے حیا آتی ہے؛ مگر بوڑھے کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کیوں حیا نہیں آتی؟!“

(خطباتِ ذوالفقار:۱۸/۱۱۷)

تحقیق

کافی جستجو وطلب کے بعد بھی یہ حدیثِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نہیں ملی؛ مگر اِس کا مفہوم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نظر آیا، وہ حدیث یہ ہے:

" عن محمد بن عبد اللّٰه الأنصاري عن مالك بن دينار عن أنس قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: أخبرني جبريل عن اللّٰه تعالىٰ أنه يقول: وعزتي، وجلالي، و وحدانيتي، وفاقة خلقي إليَّ، واستوائي على عرشي، و ارتفاع مكاني إني لأستحيي من عبدي، وأَمَتي يشيبان في الإسلام ثم أعذبهما و رأيت رسول اللّٰه ﷺ يبكي عند ذلك، فقلت: ما يبكيك؟ فقال: بكيت لمن يستحيي اللّٰه منه، و لا يستحيي من اللّٰه عزوجل".

مگر یہ روایت اصولِ حدیث کی رو سے منکر و موضوع ہے؛ کیوں کہ اِس میں ایک راوی محمد بن عبداللہ بن زیاد الانصاری ابوسلمہ ہے، جس کے بارے میں امام عقیلی نے "منكر الحديث"، امام ابن حبان نے "منكر الحديث جداً"، امام ابوالفضل ابن طاہر مقدسی نے "كذاب" کہا ہے، نیز ابن طاہر نے کہا ہے کہ "وله طامات"۔ اِس کی تشریح و توضیح میں امام برہان الدین صاحبِ "الكشف الحثيث" میں لکھتے ہیں: "فقوله:و له طامات، كناية عن الموضوعات؛ فالظاهر أنه يضع لأنه كذاب" (امام طاہر کا یہ قول: "وله طامات" کنایہ ہے موضوع روایات سے، جس کا ظاہری و واضح مطلب یہ ہے کہ یہ شخص حدیثیں گھڑتا ہے؛ کیوں کہ بہت بڑا جھوٹا ہے) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "تقريب" میں لکھتے ہیں کہ "كَذَّبُوْهُ" (حضراتِ ائمہ نے اس کو کاذب بتایا ہے)۔

نیز امام ذہبی رحمہ اللہ نے "الميزان" میں اس سے مروی متعدد موضوع و مکذوب روایات کا ذکر کرتے ہوئے اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے؛ بل کہ اپنی دوسری کتاب: "العلو للعلي الغفار:۵۲" میں اس کو صاف صاف موضوع روایات میں شامل کیا ہے، چناں چہ رقم طراز ہیں:

" أخرجه أبونعيم في الحلية، وعداده في الموضوعات، و هذا الأنصاري ليس بثقة."

(امام ابونعیم نے اس روایت کا ذکر "الحلية" میں کیا ہے، حالاں کہ یہ موضوع روایات میں داخل ہے اور یہ جو انصاری راوی ہے یہ ثقہ نہیں ہے)۔

بات صاف ہوگئی کہ یہ ایک موضوع روایت ہے۔

(الميزان:٦/٢٠٧، الكشف الحثيث:٢٣٦، تهذيب الكمال:٢٥/٤٨١، تقريب التهذيب:٣/٢٦٧)

۱۱۷- حدیث: ''دوسروں کی عورتوں کے ساتھ زنا کروگے تو.....الخ''

''نبی علیہ السلام کی حدیث میں نے پڑھی۔ میں ایک کتاب کا(Reference) دے سکتا ہوں، فرمایا: اگر تم دوسروں کی عورتوں کے ساتھ زنا کروگے، تو دوسرے تمھاری عورتوں کے ساتھ زنا کریں گے۔ حتی کہ تمھاری دیواروں کے ساتھ بھی زنا کریں گے۔'' (خطبات ذوالفقار:۱۹/۲۳۵)

تحقیق

اِس روایت کے دو اجزاء ہیں:

جزوِ اول اور اس پر کلام: ''اگر تم دوسروں کی عورتوں کے ساتھ زنا کروگے، تو دوسرے تمھاری عورتوں کے ساتھ زنا کریں گے۔'' یہ جزءِ اول ہے اور جہاں تک اِس حصے کی بات ہے، تو اس کی بابت عرض ہے کہ اس مفہوم ومعنی کی متعدد روایات متعدد صحابہ سے بیان کی گئی ہیں، مگر کوئی بھی روایت کلام سے خالی نہیں ہے، بعض کی سندوں میں کذاب ووضاع راوی ہیں؛ مگر بعض کی سندوں میں کوئی کذاب راوی تو نہیں ہے تاہم اسبابِ ضعف کی بنا پر یہ روایات ضعیف ہیں، ذیل میں صرف وہ احادیث نقل کرتا ہوں، جو ضعیف ہیں، موضوع نہیں۔

(الف) ''مستدرکِ حاکم :۷۲۵۹'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**عفوا عن نساء الناس تعف نساؤ كم.... اهـ**''۔ امام حاکم رحمہ اللہ حسبِ معمول لکھتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے؛ مگر امام ذہبی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہیں اور جو لکھتے ہیں وہ صرف یہ کہ ''**بل سوید ضعیف**''؛ جس کا مطلب یہ نکلا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام حاکم نے جو اس کو صحیح کہا ہے، ایسا نہیں ہے؛ بل کہ اس میں ایک راوی سوید نامی ہے اور یہ ضعیف ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ باقی راوی معتبر اور قابلِ قبول ہیں سوائے سوید کے اور سوید اگرچہ ضعیف راوی ہے؛ مگر کذاب ووضاع نہیں؛ لہٰذا امام ذہبی رحمہ اللہ کی تحقیق کے پیشِ نظر یہ حدیث موضوع تو نہیں ہوگی، صرف ضعیف ہی قرار دی جائے گی۔

(ب) ''معجم اوسط:۱/۲۴۷'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**عفوا تعف نسائكم.**"

اس کے متعلق علامہ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" قال المنذري: إسناده حسن ، و قال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح غير شيخ الطبراني أحمد غير منسوب ، والظاهر أنه من المكثرين من شيوخه فلذلک لم ینسبه." (فیض القدیر:۳/ ۲۰۰)

(امام منذری کہتے ہیں کہ اس کی اسناد حسن ہے اور امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں، سوائے امام طبرانی کے استاذ: احمد کے، جن کو طبرانی نے بلا کسی نسبت کے ذکر کیا ہے، ظاہر و غالب یہ ہے کہ یہ امام طبرانی کے ان اساتذہ میں سے ہیں، جن سے بکثرت روایات منقول ہیں؛ اسی لیے امام طبرانی نے ان کے ساتھ کوئی نسبت نہیں لگائی ہے۔)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کی جو بات نقل ہوئی ہے، یہ علامہ نے خود اپنی کتاب: ''مجمع الزوائد: ۸/ ۲۵۷'' میں ذکر فرمائی ہے۔

الغرض یہ حدیث حسن درجے کی ہوگی یا کم از کم ضعیف ہوگی۔

بہ ہر حال ان روایات سے حصہ اول کا معنی کہ (اگر تم دوسروں کی عورتوں کے ساتھ زنا کروگے، تو دوسرے تمھاری عورتوں کے ساتھ زنا کریں گے)؛ ثابت و صحیح ہے۔

جزئے ثانی اور اس پر کلام: اب رہی بات جزئے ثانی کی کہ (حتی کہ تمھاری دیواروں کے ساتھ بھی زنا کریں گے) تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اس مفہوم و مطلب کی ایک روایت امام دیلمی رحمہ اللہ نے اپنی ''مسند'' میں اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''جامع صغیر'' میں امام ابن النجار کے حوالے سے ذکر کی ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں: ''مَنْ زنىٰ زُني به و لو بِحيطان دارِه''۔ (الدیلمي:۵۷۱۷،الجامع الصغیر:۸۷۲۳)

امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''الجامع الصغیر'' میں اس کے صحیح ہونے کی جانب اشارہ دیا ہے اور علامہ مناوی رحمہ اللہ نے اس پر مکمل سکوت فرمایا ہے، اس طرز سے بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ یہ روایت واقعی ثابت اور صحیح ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ

امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''جامع صغیر'' میں اس کی بابت اگرچہ ''صح'' لکھا ہے؛ لیکن امام سیوطی رحمہ اللہ نے یہ روایت جن کے حوالے سے ذکر کی ہے، وہ ہیں امام ابن النجار۔ اور خود امام ابن النجار نے اس حدیث کی سند کے متعلق کیا لکھا ہے، اس کو علامہ طاہر پٹنی نے ''تذکرۃ الموضوعات: ۱۸۰'' میں اور علامہ شوکانی نے ''الفوائد المجموعۃ: ۵۹۱'' میں بیان کیا ہے، چناں چہ لکھتے ہیں کہ امام ابن

النجار نے فرمایا: ”فيه من لايوثق به“ (اس میں ایک راوی ایسا ہے، جو غیر ثقہ و غیر مقبول ہے)۔

اور امام ابن عراق ”تنزيه الشريعة: ۲/۲۳۰“ میں بتاتے ہیں کہ اس راوی کا نام قاسم بن ابراہیم ملطی ہے۔

اس راوی کی بابت امام دارقطنی ”كذاب“ فرماتے ہیں۔ امام ابن الجوزی، خطیب بغدادی کا قول نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ”كان مشهورًا بوضع الحديث“ اور امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أتى بطامّة لاتطاق“ (ناقابلِ برداشت مصیبت لے کر آتا ہے) پھر امام ذہبی نے اِس کی ایسی ہی چند روایات بڑی برداشت کے بعد بیان فرمائی ہیں۔

(الميزان: ٥/٤٤٦، الضعفاء و المتروكون: ٣/١٣)

الغرض امام ابن النجار، علامہ طاہر پٹنی اور علامہ شوکانی کی بات مانیں، تو بھی اس کو صحیح نہیں کہہ سکتے؛ بل کہ ضعیف کہنا ہوگا اور اگر حافظ ابن عراق کی بات مانیں، تو پھر اس کو حدیثِ ضعیف بھی نہیں کہہ سکتے؛ بل کہ اس کو موضوع و مکذوب کہا جائے گا۔

راقم کہتا ہے کہ: حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ”جامع صغیر“ میں تو لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، مگر اپنی دوسری کتاب: ”ذيل الموضوعات“ جس کو ”الزيادات على الموضوعات“ بھی کہتے ہیں، اس میں از خود اِس کے خلاف بات کہی ہے اور اِس حدیث کو ضعیف ہی نہیں؛ بل کہ امام ابن عراق کی طرح موضوع تسلیم کیا ہے اور اُن کی یہی ثانی الذکر بات صحیح ہے اور صحیح ہونے کی دو وجہیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کتاب ”الزيادات“ بطور خاص موضوع روایات کی تحقیق ہی کے لیے لکھی ہے، جب کہ ”جامع صغیر“ اس مقصد کے لیے نہیں لکھی ہے۔ اب ظاہر ہے موقعِ تخصص میں جو بات کہی جاتی ہے، وہ زیادہ اہم و قابلِ قبول ہوتی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ دیگر حضراتِ محدثین کی تحقیق بھی اِسی کی مؤید و موافق ہے۔

بہ ہر حال حافظ سیوطی رحمہ اللہ ”الزيادات: ۵۳۱“ میں یہ روایت ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ”قال ابن النجار: فيه من لا يوثق به . قلت: وهو القاسم الملطي ؛ كذاب“۔ نیز اسی راوی کے متعلق ”الزيادات: ۱۶۴“ پر حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ”والقاسم الملطي كان كذاباً يضع الحديث“۔

خلاصۂ کلام

(الف) الغرض ”عفوا تعف نسائكم“ تو ثابت ہے: مگر ”مَنْ زنٰى زُني به و لو بِحِيطان

دارِہ'' ثابت نہیں ہے اور جب ثابت ہی نہیں، تو اس پر یہ بحث کرنا ''حیطان'' سے اُس کا حقیقی معنی مراد ہے یا مجاز، یہ فضول ہے اور درست نہیں ہے۔

(ب) لیکن ہاں یہ مفہوم ظاہر و ثابت ہے کہ دوسروں کی عورتوں کو عزت دو گے، تو تمھاری عورتوں کو بھی دوسرے عزت دیں گے، اگر شہوت کی نظر سے تم دوسروں پر نظر ڈالو گے، تو دوسرے تمھارے گھر پر ایسی ہی نگاہ ڈالیں، یہ مطلب جزءِ اول سے ظاہر ہو رہا ہے۔

موقع کی مناسبت سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے حکیمانہ اشعار بھی ملاحظہ کر لیے جائیں، چناں چہ حضرت فرماتے ہیں:

عفوا تعف نسائكم في المحرم وتجنبوا ما لا يليق بمسلم

إن الزنا دين فبإن أقرضته كان الزنا من أهل بيتك فاعلم

يا هاتكا حرم الرجال و قاطعا سبل المودة عشت غير مكرم

لو كنت حرا من سلالة ماجد ما كنت هتاكا لحرمة مسلم

من يزن به و لو بجداره إن كنت يا هذا لبيبًا فاعلم

(ديوان الإمام الشافعي: ۱۰۳)

۱۱۸- حدیث: طالب علم کے سوال پر چار افراد کی مغفرت

''جس طالب علم نے اپنے استاد سے دین کا سوال پوچھا، حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ اس سوال کے پوچھنے پر اللہ تعالیٰ چار بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں:

(۱) سوال پوچھنے والے کی مغفرت کر دی جاتی ہے......

(۲) جو استاذ اس سوال کا جواب دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس جواب دینے والے کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

(۳) جو آس پاس میں بیٹھے سوال و جواب کو سن رہے ہوتے ہیں......ان کی بھی اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیتے ہیں۔

(۴) ایک آدمی وہاں موجود نہیں تھا، لیکن اس استاد اور طالب علم والے عمل سے محبت کرتا تھا، ان پر وہ خرچ کرتا تھا، ان کی دل میں محبت رکھتا تھا، حدیثِ پاک میں آیا

ہے کہ سوال پوچھنے والے اور جواب دینے والے سے محبت رکھنے والے بندے کی بھی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتے ہیں۔" (خطباتِ ذوالفقار: ۲۰/۲۰۳)

تحقیق

راقم کہتا ہے کہ یہ ترجمانی ہے، اُس حدیث کی جو امام ابونعیم رحمہ اللہ نے "حلية الأولياء" میں اپنی سند سے نقل کی ہے اور جو حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں:

" قال رسول الله ﷺ: العلم خزائن ومفتاحها السؤال ، فاسئلوا يرحمكم الله ، فإنه يؤجر فيه أربعة : السائل ، والمعلم ، والمستمع ، والمجيب لهم (بعض نسخوں میں ہے: "والمحب لهم")۔"

امام ابونعیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "هذا حديث غريب من هذا الوجه لم نكتبه إلا بهذا الإسناد." (یہ حدیث بایں سند حدیثِ غریب ہے، ہمیں اسی سند سے ملی، سو لکھ دی)۔

(حلية الأولياء: ۳/۱۹۲)

حافظ عراقی رحمہ اللہ "المغني عن حمل الأسفار: ۳۷" میں لکھتے ہیں کہ "رواه أبونعيم من حديث علي مرفوعاً بإسناد ضعيف"۔ "كشف الخفاء: ۲/۳۷" میں علامہ عجلونی رحمہ اللہ نے جو کلام کیا ہے، اس کا بھی یہی مفہوم نکلتا ہے کہ علامہ عجلونی کے نزدیک بھی اس کی سند ضعیف ہے؛ لہٰذا اِن حضرات کی تحقیق کے بموجب یہ حدیث ضعیف کہلائے گی، موضوع نہیں۔

مگر اِن کے علاوہ امام ابن الجوزی، امام ذہبی اور امام ابن حجر رحمہم اللہ؛ ایسے حضرات محدثین کی رائے کے مطابق یہ موضوع وخود ساختہ ہے، چناں چہ اس حدیث کے ایک راوی: داود بن سلیمان جرجانی کے ترجمے میں امام ذہبی اور امام ابن حجر رقم طراز ہیں کہ "كَذَّبه يحيى بن معين" (امام یحییٰ بن معین نے اس کو کاذب بتایا ہے) اور امام ابن الجوزی لکھتے ہیں: "قال يحيىٰ بن معين: كذاب" (امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: کذاب وجھوٹا ہے)۔ امام ذہبی اپنی تحقیق ذکر کرتے ہیں -- جس کی تصدیق حافظ ابن حجر کے قلم نے بھی کی ہے -- کہ "شيخ كذاب ، له نسخة موضوعة على علي الرضا ، رواها علي بن محمد بن مهرويه القزويني الصدوق" (یہ جھوٹا بوڑھا ہے، حضرت علی بن موسی الرضا کے نام پر ایک من گھڑت وجعلی نسخہ بنا رکھا تھا، جس نسخے کی روایت قابلِ اعتماد راوی علی بن محمد بن مہرویہ سے ماثور ہے)۔ پھر امام ذہبی اور امام عسقلانی رحمہما اللہ؛ دونوں نے اس

سے مروی متعدد موضوع وخودساختہ روایات کا ذکر فرمایا ہے۔

اس روایت کی صرف یہی ایک سند ہے، جیسا کہ حافظ ابونعیم کی تحقیق سابق میں گزری؛ لہٰذا یہ حدیث از روئے تحقیق موضوع ومکذوب اور جھوٹی وبناوٹی کہلائے گی۔ واللہ اعلم!!

(میزان الاعتدال:۱۲/۳، لسان المیزان:۳۹۷/۳، الضعفاء والمتروکون:۱۱۴۵)

۱۱۹- حدیث: حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی دعوت کا قصہ

ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عثمان کے گھر کی طرف تشریف لے جارہے تھے، تو حضرت عثمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور آپ کے قدموں کی تعداد گن رہے تھے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب منہ موڑ کر یہ معاملہ دیکھا، تو مسکرا کر پوچھا: اے عثمان! کیا کررہے ہو؟ حضرت عثمان نے جواب دیا: یارسول اللہ! میں آپ کے قدم گن رہا ہوں؛ تاکہ میں اتنے غلام آزاد کروں۔ دعوت ختم ہونے کے بعد حضرت عثمان نے ایسا ہی کیا اور اتنے ہی غلام آزاد کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس دعوت سے متاثر ہوئے اور گھر آکر حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے اس دعوت کا ذکر کیا۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا: علی! اگر تم چاہتے ہو؛ تو ٹھیک ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو بلاؤ اور میں دعوت کے لیے کچھ پکالوں۔ حضرت علی کے جانے کے بعد حضرت فاطمہ نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہوگئیں اور دعا مانگنے لگیں: اے اللہ! تیری بندی فاطمہ نے تیرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی دعوت کی ہے، تیری بندی کا صرف اور صرف تجھ پر بھروسہ ہے؛ لہٰذا اے میرے مالک وخالق! آج تو فاطمہ کی لاج رکھ لے اور اس دعوت کے لیے کھانوں کا انتظام عالم غیب سے فرما۔ سیدہ فاطمہ نے یہ دعا مانگ کے ہانڈیوں کو چولہے پر رکھ دیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے تمام ہانڈیاں رنگ برنگ کے کھانوں سے بھری پڑی تھیں۔ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے آئے، تو حضرت فاطمہ نے ہانڈیوں سے ڈھکن اٹھا کر کھانا ڈالنا شروع کردیا۔ اصحابِ رسول کھانے کی خوشبو سے حیران رہ گئے۔ جب صحابہ نے کھانا کھالیا، تو کھانوں کی لذت نے مزید حیران کردیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حیران دیکھ کر فرمایا: حیران ہورہے ہو، تمھیں معلوم ہے کھانا کہاں سے آیا؟ تمام صحابہ نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ نے یہ کھانا تم لوگوں کے لیے جنت سے منگوا کر دعوت کی ہے۔

اس کے بعد حضرت فاطمہ پھر سربسجود ہوگئیں اور اس طرح دعا مانگنے لگیں: اے میرے مالک!

حضرت عثمان نے تیرے محبوب کے ہر ہر قدم کے بدلے ایک غلام آزاد کیا ہے۔فاطمہ کے پاس اتنی استطاعت نہیں کہ وہ غلام آزاد کرے ،اے میرے رب !تو نے پہلے بھی میری لاج رکھی اور جنت سے کھانا بھیج دیا،اب تیرے محبوب ﷺ جتنے قدم چل کر میرے گھر آئے ،اتنے ہی سرکارِ دو عالم ﷺ کے امتی جہنم کی آگ سے آزاد فرمادے۔

ادھر سیدہ فاطمہ اس دعا سے فارغ ہوئیں ،ادھر جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر بارگاہِ خیر الانام میں حاضر ہوگئے اور بشارت سنانے لگے: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہر قدم کے بدلے ایک ہزار گنہ گار امتیوں کو بخش دیا اور جہنم سے آزادی عطا کردی۔

(جامع المعجزات: ۲۵۷، بحوالہ ''صحابۂ کرام کا عشقِ رسول''، مصنفہ محمد اکرم رضوی: ۵۲)

تحقیق

حدیث وسیرت کی معتبر و مستند کتابوں میں کہیں نہیں ہے، حتی کہ جو کتابیں احادیثِ موضوعہ کی تحقیق میں لکھی گئی ہیں، ان میں بھی اس کا وجود نہیں ہے؛ بل کہ اس کا وجود محمد الواعظ الرہاوی کی کتاب: ''جامع المعجزات'' کے تین طویل صفحات: ۶۴-۶۶ پر ہی نظر آیا ہے۔صاحبِ کتاب کون ہے؟ کیا قابلیت ہے؟ اس کا علم تو نہیں ہو پایا؛ مگر اِس کتاب میں نبیِ اکرم ﷺ کی جانب منسوب کرکے جس قدر معجزات بیان کیے گئے ہیں، ان کا وجود اہلِ سنت والجماعت کی مستند کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملتا اور ایسے ایسے معجزات اُس کتاب میں مذکور ہیں، جو موضوع اور من گھڑت ہیں۔

بہ ہر حال اِس روایت کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ کتبِ حدیث وسیرت میں اس کا ذکر ہے۔ بظاہر شیعی روایت اور من گھڑت وخود ساختہ ہی محسوس ہوتی ہے۔اور جو موازنہ ومقابلہ حضرت عثمان غنی اور حضرت فاطمہ کے عمل کے درمیان دکھایا گیا ہے وہ خود دلیل ہے کہ کسی شیعی نے گھڑی ہے۔ واللہ اعلم

۱۲۰- حدیث: حضرت جبرئیل علیہ السلام کی عمر

مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ مجھے خود پتا، تو نہیں کہ میری کتنی عمر ہے؛ مگر ایک بات اچھی طرح یاد ہے اور وہ یہ کہ میں ایک ستارہ دیکھتا تھا، جو ۷۰۰۰۰/۷۲۰۰۰۰ سال میں ایک بار نظر آتا تھا۔ اُس ستارے کو میں نے البتہ ۲۰۰۰ مرتبہ دیکھا ہے۔ان کے اس کہنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ستارہ کوئی اور نہیں، میں ہی ہوں۔

تحقیق

حدیث کی مستند قدیم وجدیداور چھوٹی وبڑی کتابوں میں کہیں نہیں ملی اور سیرتِ نبویہ پر جو مرکزی وبنیادی کتابیں ہیں، اُن میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے؛ بل کہ اس کا وجود مشہور ومعروف سیرت نگار مصنف حضرت علامہ علی بن برہان الدین حلبی کی کتاب ''السيرة الحلبية:۱/٦٦'' ہی میں نظر آتا ہے اوراس روایت کو علامہ حلبی نے کہاں سے اخذ فرمایا اُس کا پتا از خود دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''رأيت في كتاب التشريفات في الخصائص و المعجزات ، لم أقف على اسم مؤلفه عن أبي هريرة ﷺ :أن رسول الله ﷺ سأل جبريل، فقال: يا جبريل! كم عمرت من السنين ؟ فقال: يا رسول الله! لست أعلم ، غير أن في الحجاب الرابع نجماً يطلع في كل سبعين ألف سنة مرة ، رأيته اثنين و سبعين ألف مرة ، فقال: يا جبريل ! و عزة ربي جل جلاله ، أنا ذالك الكوكب''.

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت ''**كتاب التشريفات في الخصائص والمعجزات**'' نامی غیر معلوم کتاب میں ہے اوراس کے لکھنے والے کا علم خود علامہ حلبی رحمہ اللہ کو بھی نہیں ہو پایا۔

نیز علامہ حلبی رحمہ اللہ نے نقل کرنے کے ساتھ اس کے غلط وباطل ہونے کی طرف اپنے اندازِ تحریر سے صاف اشارہ دیا ہے، چناں چہ پہلے تو اُس غیر معلوم مؤلف کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے روایت نقل کرتے ہیں اور پھر آخر میں یہ لکھتے ہیں کہ ''**رواه البخاري ، هذا كلامه**'' (اس حدیث کی روایت بخاری نے کی ہے، یہ اُس کا کلام ہے)۔

ظاہر ہے جو اہلِ علم علمائے کبار کے مدارکِ علم سے اوراُن کے اندازِ بیان سے واقف ہیں، وہ خود سمجھ جائیں گے کہ بخاری جیسی عظیم ہستی کا حوالہ دینے کے بہ جائے ایک غیر معلوم مؤلف کی کتاب کا حوالہ دینا اور وہ بھی اپنے عدمِ علم کے اظہار کے ساتھ اور پھر آخر میں صاف وصریح طور پر ''**هذا كلامه**'' لکھنا اسی بات کی غمازی کرتا ہے کہ خود علامہ حلبی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے۔

بہ ہر صورت یہ ایک بے اصل و بے سند روایت ہے۔

۱۲۱- حدیث: نبی اکرم ﷺ کا معجزہ اور کافر ولید کا قصہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

براہِ کرم اس حدیث کی تخریج مطلوب ہے:

مکہ معظمہ میں ایک کافر ولید نامی رہتا تھا، اس کا ایک سونے کا بت تھا، جس کی وہ پوجا کرتا تھا۔ ایک دن اس بت میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ بولنے لگا اور ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا اور کہنے لگا کہ لوگو! ان کی ہرگز تصدیق نہ کرنا۔ یہ سب سن کر ولید بڑا خوش ہوا اور لوگوں سے کہنے لگا: مبارک باد، مبارک باد، آج میرا معبود بولنے لگا ہے، اس نے کہا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کا رسول نہیں ہے، یہ سن کر لوگ جب اس کے گھر آئے، تو واقعی وہ یہ جملے دہرا رہا تھا۔ وہ لوگ بھی نہایت خوش ہوئے اور اگلے دن اسی کے گھر ایک اجتماع عام کا اعلان کر دیا؛ تاکہ باقی سب بھی وہی جملے سنیں۔ جب بڑا اجتماع ہوا، تو ان سب نے ہمارے پیارے آقا ﷺ کو بھی دعوت دی؛ تاکہ وہ بھی اس کی بکواس کو سن جائیں۔ جب آپ تشریف لائے، تو وہ بت بول اٹھا:

> ''اے مکہ والو! خوب جان لو کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول، ان کا ہر ارشاد سچا ہے اور ان کا دین برحق ہے، تم اور تمھارے بت جھوٹے، گمراہ اور گمراہ کرنے والے ہیں، اگر تم اس سچے رسول پر ایمان نہ لاوگے، تو جہنم میں جاؤگے، بس عقلمندی سے کام لو اور اس سچے رسول کی غلامی اختیار کر لو۔''

ولید بت کا یہ وعظ سن کر بڑا گھبرایا اور اپنے معبود کو پکڑ کر زمین پر دے مارا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

حضور ﷺ فاتحانہ طور پر واپس ہوئے، تو راستے میں ایک گھوڑے کا سوار جو سبز پوش تھا، حضور سے ملا، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی، جس سے خون بہہ رہا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا: تم کون ہو؟ وہ بولا: حضور! میں جن ہوں اور آپ کا غلام ہوں اور مسلمان ہوں، جبلِ طور پر رہتا ہوں، میرا نام مہین بن العبر ہے، میں کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر گیا ہوا تھا، آج گھر واپس آیا، تو میرے گھر والے رو رہے تھے، میں نے وجہ دریافت کی، تو معلوم ہوا کہ ایک کافر جن جس کا نام ''مسفر'' تھا، وہ مکہ میں آ کر ولید کے بت میں گھس کر آپ کے خلاف بکواس کر گیا ہے اور آج پھر وہ آ رہا تھا کہ آپ کے خلاف بکواس کرے۔ یا رسول اللہ! مجھے بہت غصہ آیا، میں تلوار لیے اس کے پیچھے دوڑا اور اسے راستے میں ہی قتل کر دیا اور پھر

میں ولید کے بت میں گھس گیا اور آج جو تقریر کی وہ میں نے ہی کی تھی۔ میرے کریم آقا!

حضور ﷺ نے جب یہ سنا، تو آپ نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور غلام جن کے لیے دعا بھی فرمائی۔

یہ واقعہ ''جامع المعجزات: ۷'' پر ہے۔ (محمد انصر)

تحقیق

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محترم! آپ نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس کا ہندوستانی نسخہ میرے پاس موجود ہے، یہ واقعہ ۶ - ۸ طویل صفحات پر پھیلا ہوا اور اس میں جتنی باتیں آپ نے نقل کی ہیں، اس سے بھی مزید باتیں نقل کی گئی ہیں۔ جیسا کہ - اگر آپ نے واقعی اصل کتاب دیکھی ہے، تو - آپ کو معلوم ہوگا۔

بہ ہر حال جس طرح یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے، اُس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ مشہور و معروف واقعہ ہوا ہے؛ مگر عجیب بات ہے کہ ایسا مشہور واقعہ حدیث، سیرت اور تاریخ کی مستند و معتمد کتابوں میں کہیں نہیں ملتا ہے۔ جو کتابیں بطور خاص نبیِ اکرم ﷺ کے معجزات کے ذکر پر مشتمل ہیں، اُن میں بھی اس کا ذکر نظر نہیں آیا، حتی کہ جن کتابوں میں من گھڑت احادیث و روایات جمع کر کے اُن کا من گھڑت و خود ساختہ ہونا بیان کیا گیا ہے، اُن میں بھی کہیں نہیں ملتا۔

راقم کو یہ روایت صرف محمد الواعظ الرہاوی نامی کسی غیر معلوم شخص کی غیر معتبر کتاب: ''جامع المعجزات'' ہی میں ملی اور میرے علم میں یہ محمد الواعظ رہاوی مجہول الحال والمقام شخص ہے، میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا؛ لیکن اُس کی مذکورہ بالا کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شیعی و رافضی ہوگا۔

اور رہی بات ''جامع المعجزات'' کتاب کی، تو اُس میں آپ کو نبیِ اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے ایسے ایسے معجزات ملیں گے، جو معتبر و مستند کتابوں میں کہیں نہیں ہیں اور اس میں موجود اکثر و بیشتر باتیں بے سند و بے اصل ہیں۔

بہ ہر حال بندے کی تحقیق و معلومات کے اعتبار سے یہ واقعہ ایک بے اصل و بے سند اور من گھڑت و خود ساختہ ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کی جانب منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم!!

آپ دوسرے حضراتِ محدثین و علمائے دین سے بھی معلوم کر لیں۔ اگر آپ کو اِس سے بھی زیادہ مزید تحقیق مل جائے، تو بندے کو بھی مطلع فرما دیں۔ بندہ آپ کا ممنون و مشکور ہوگا۔

۱۲۲- حدیث: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے موقع کی چند نصیحتیں

جو روایات قدیم زمانے سے چلی آرہی ہیں، ان ہی میں سے ایک مشہور روایت وہ بھی ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی محبوب بیٹی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا تو رخصتی کے موقع پر نصیحتیں فرمائیں، بعض اُس کی تعداد سات بتاتے ہیں اور بعض گیارہ اور بعض اس سے اور زیادہ۔ اور جو بھی ہیں وہ یہ ہیں:

> ''بیٹی! جب علی کے گھر میں داخل ہو، تو بسم اللہ پڑھو، صحن میں جا کر کرسی پر بیٹھو، بھنے ہوئے دھان بکھیر لینا، علی سے کہنا کہ وہ تمھارے دونوں پاؤں دھو کر اس کا پانی گھر کے چاروں طرف چھڑک دے، بغیر تیل لگائے مت نہانا، سرمہ لگاتی رہنا، خوشبو کا استعمال کرتی رہنا، کھار کھٹاس مت کھانا، علی کے سامنے نگاہیں نیچی رکھنا اور جب بھی بات کرنا ہو تو مسکرا کر کرنا، ایک ہی جگہ پورا ہفتہ مت گزارنا۔''

تحقیق

بہت تلاش و جستجو کرلی، مگر حدیث و سیرت کی کتابوں میں نصیحتوں والی یہ روایت کہیں نہیں ملی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سوانح حیات بڑی ہی مختصر ہے اور اس پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں بھی نہیں ملی اور جو موضوع و من گھڑت روایات ہیں، اُن میں بھی نہیں ملی۔ اگر یہ ثابت ہوتیں، تو کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ہوتا۔

محدثِ عصر حضرت مولانا یونس صاحب رحمہ اللہ سے بھی یہی سوال کیا گیا، تو آپ نے جواب دیا:

> ''سراج الہدایہ کے متعلق تحقیق نہیں ہے اور یہ روایت بے اصل ہے، اس کا کچھ مضمون ایک روایت میں وارد ہے، مگر ابن حبان نے اسے بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے۔'' (الیواقیت الغالیہ: ۲/ ۱۸۷)

۱۲۳- حدیث: دو بوڑھی عورتوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخانہ برتاو

دو واقعات اکثر و بیشتر واعظین و مقررین کی زبانی سننے کو ملتے رہتے ہیں اور دونوں مشہورِ زمانہ ہیں:

ایک واقعہ یہ ہے:

جو عورت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے مبارک سر پر کوڑا ڈالتی تھی، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے

ساتھ کیا معاملہ کیا تھا، وہ اکیلی عورت تھی، جب وہ بیمار ہوئی، تو پورے مکے میں سے اس کی تیمار داری کے لیے کوئی بھی نہیں پہنچا تھا؛ اس لیے کہ اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ گھر میں کوئی مرد نہیں تھا، صرف ایک بیٹی تھی، اس کا علاج کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا، جب اس نے دو چار دن کوڑا کرکٹ نہ پھینکا، تو اللہ کے محبوب ﷺ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ پتہ چلا کہ وہ چند دنوں سے بیمار ہے اور وہ گھر پر ہی ہے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام اس بڑھیا کے دروازے پر آتے ہیں۔ دستک دیتے ہیں، اس کی بیٹی بھاگی ہوئی آتی ہے، دروازے کے سوراخ سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھ کر گھبرا جاتی ہے، ماں کو جا کر بتاتی ہے، امی وہ جس کے سر پر آپ روزانہ مٹی ڈالتی تھیں، وہ آج ہمارے دروازے پر کھڑا ہے، لگتا ہے کہ وہ آج کہیں ہمیں جان سے ہی نہ مار دے، وہ عورت بھی سن کر گھبرا گئی۔

نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے دوسری مرتبہ پھر دروازہ کھٹکھٹایا، ماں نے کہا: بیٹی! دروازہ کھول دو۔ جب دروازہ کھولا، تو بچی نے پوچھا: جی آپ کیسے ہمارے دروازے پر آئے؟ اللہ کے محبوب ﷺ پوچھتے ہیں کہ آپ کی امی ٹھیک ہیں؟ کیا ان کی صحت اچھی ہے؟ میں اس لیے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں کہ اگر مریضہ کو کسی چیز کی ضرورت ہو، تو میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

اس عورت کے دل پر چوٹ لگی کہ بھرے شہر میں سے کسی نے مجھے آکر پوچھا تک نہیں اور جس کے ساتھ میں ایسا سلوک کرتی تھی، وہ مجھے دوائی لے کر آئے ہیں۔ چناں چہ وہ کہنے لگی: جی آپ نے تو میرا دل جیت لیا ہے، بس پہلے کلمہ پڑھا کر مجھے مسلمان بنا دیجیے۔ (خطباتِ ذوالفقار: ۱۵/۱۱۹)

دوسرا واقعہ یہ ہے:

ایک عورت جو مکے کے باہر رہتی تھی، ایک دن خریداری کرنے مکہ آتی ہے، اس کو بتایا جاتا ہے کہ یہاں ایک شاعر ساحر رہتا ہے، جو اپنی باتیں سنا کر لوگوں کو اپنا بنا لیتا ہے اور لوگ اس کی باتوں میں آکر اپنا دین چھوڑ دیتے ہیں، تم اس کی بات نہ سننا۔ وہ عورت چوکنی ہو کر خریداری کرتی ہے اور پھر اپنی بھاری بھرکم گٹھری اٹھا کر مکہ سے باہر نکلنے کو ہوتی ہے کہ وہاں سے نبی اکرم ﷺ کا گزر ہوتا ہے۔ آپ اس کی تکلیف و پریشانی کو دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں، تو میں یہ گٹھری اٹھا لوں اور آپ کے گھر تک پہنچا دوں۔ وہ عورت مان جاتی ہے اور سرکارِ مدینہ وہ گٹھری اٹھا لیتے ہیں۔ جب اس عورت کو اس کے گھر تک پہنچا دیتے ہیں، تو وہ کہتی ہے کہ تم اچھے و بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو، میری تمھیں نصیحت ہے کہ یہاں ایک شخص ہے، جو نبی ہونے

کا دعوی کرتا ہے، وہ جادوگر ہے ، اس سے بچ کر رہنا۔آپ ﷺ اس کی پوری بات سنتے ہیں اور فرماتے ہیں: اماں جان! وہ شخص میں ہی ہوں، جس کے بارے میں لوگ ایسا ویسا کہتے ہیں۔ وہ عورت حیران ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ جس کے اخلاق اتنے بلند اور اچھے ہیں، اس کا دین بھی بہت بلند اور اچھا ہی ہوگا۔ اے خدا کے پیغمبر! مجھے بھی آپ اپنے دین میں داخل کر لیجیے۔ اس طرح یہ خاتون آپ ﷺ پر ایمان لے آتی ہے۔

تحقیق

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ جس طرح سید الانبیاء ہیں، اسی طرح آپ کے اخلاق بھی سید الاخلاق ہیں اور جیسے آپ کی ذات عالی بے نظیر ولا ثانی ہے، اسی طرح آپ کی صفت عالی بھی بے نظیر ولا ثانی ہے اور احادیثِ نبویہ میں اپنوں وغیروں، دوستوں ودشمنوں، حتی کہ انسانون اور جانوروں کے ساتھ آپ کا حسنِ سلوک جو منقول ہے، ایک انصاف پسند وغیر متعصب شخص کی ہدایت کے لیے وہی کافی، شافی، وافی ہے۔ حضور ﷺ کی شانِ عالی میں کسی کو اپنی طرف سے گھڑ کر، بنا کر مزید کچھ جتانے وبتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے؛ لہٰذا یہ جو دو واقعات آج کل سنائے جاتے ہیں، حدیث کی مستند کتابوں میں ان کا ذکر تک نہیں ہے؛ بل کہ جو من گھڑت روایات کی نقاب کشائی کے لیے کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں بھی ان دو قصوں کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ یہ نئے من گھڑت، جھوٹے واقعات میں سے ہیں؛ اس لئے ان کا نقل کرنا جائز نہیں۔

۱۲۴- حدیث: مجھے بچوں کی پانچ عادتیں بہت پسند ہیں۔

مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے بچوں کی پانچ عادتیں بہت پسند ہیں:

(۱) وہ رو کر مانگتے ہیں اور اپنی بات منوا لیتے ہیں۔

(۲) وہ مٹی سے کھیلتے ہیں اور غرور وتکبر خاک میں ملا دیتے ہیں۔

(۳) جو مل جائے کھا لیتے ہیں، زیادہ جمع یا ذخیرہ کرنے کی ہوس نہیں رکھتے۔

(۴) لڑتے ہیں، جھگڑتے ہیں اور پھر صلح کر لیتے ہیں یعنی دل میں حسد، بغض اور کینہ نہیں رکھتے۔

(۵) مٹی کے گھر بناتے ہیں، کھیل کر گرا دیتے ہیں، یعنی وہ یہ بتاتے ہیں یہ دنیا باقی رہنے والی نہیں؛ بل کہ ختم ہو جانے والی ہے۔

تحقیق

نعمت اللہ جزائری نام کے شیعی شخص کی ایک مشہور کتاب ہے، جس کا نام ''زهر الربيع'' ہے، اس کے حوالے سے ایک شیعی مصنف، محمد حسین حسینی ظہرانی نے کسی سید ہاشم حداد کی تاریخ بنام ''الروح المجرد'' لکھی ہے، اُسی ''الروح المجرد:۵۹۶'' پر سید حداد کا قول نقل کیا ہے:

''وكان يقول: لشد ما يفرحني كلام رسول الله ﷺ و آله هذا، فهو يبهجني، ويبعث في السرور كلما تذكّرته، فقد قال: إني أحب من الصبيان خمسة خصال: الأول: أنهم الباكون، الثاني: على التراب يجتمعون، الثالث: يختصمون من غير حقد، الرابع: لا يدخرون لغد، الخامس: يعمرون ثم يخربون.''

اس کے علاوہ حدیث کی مستند و معتمد قدیم وجدید کتابوں میں کہیں بھی نہیں، حتیٰ کہ اُن کتابوں میں بھی نہیں، جن میں بے اصل اور من گھڑت روایات جمع کی گئی ہیں اور جہاں ہے، وہاں اس کی کوئی سند ہی نہیں ہے اور اگر ہوتی بھی، تو چوں کہ اہلِ سنت والجماعت کی مستند کتابوں میں نہ ہونے کی وجہ اِس قابل نہیں کہ اس کی تحقیق کی جائے۔

الغرض یہ ایک بے اصل اور من گھڑت حدیث ہے۔

۱۲۵- حدیث: ایک دیہاتی کا طواف میں دعا کرنے کا قصہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج کل ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ سید الانبیاء نبیٔ اکرم ﷺ طواف فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی کو اپنے آگے طواف کرتے ہوئے پایا، جس کی زبان پر یا کریم! یا کریم! کی صدا تھی، حضور ﷺ نے بھی پیچھے سے یا کریم! پڑھنا شروع کردیا۔ وہ اعرابی رکنِ یمانی کی طرف جاتا تو پڑھتا: یا کریم! سرکارِ دو عالم ﷺ بھی پیچھے سے پڑھتے: یا کریم! وہ اعرابی جس سمت رخ کرتا اور پڑھتا: یا کریم! سرکار بھی اس کی آواز سے آواز ملاتے ہوئے یا کریم! پڑھتے۔ اعرابی نے تاج دارِ کائنات ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے روشن چہرے والے! اے حسین قد والے! اللہ کی قسم اگر آپ کا چہرہ اتنا روشن اور عمدہ قد نہ ہوتا، تو آپ کی شکایت اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ضرور کرتا کہ آپ مذاق

اڑاتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ کیا تو اپنے نبی کو پہچانتا ہے؟ عرض کیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم ایمان کیسے لائے؟ عرض کیا: بن دیکھے ان کی نبوت و رسالت کو تسلیم کیا اور بغیر ملاقات کے میں نے ان کی رسالت کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مبارک ہو، میں دنیا میں تیرا نبی ہوں اور آخرت میں شفاعت کروں گا۔ وہ حضور ﷺ کے قدموں پر گرا اور بوسے دینے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ وہ معاملہ نہ کرو، جو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اللہ نے مجھے متکبر و جابر بنا کر نہیں بھیجا؛ بل کہ اللہ نے مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اتنے میں جبرئیل آئے اور عرض کیا کہ اللہ جل جلالہ نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور فرماتا ہے: اس اعرابی کو بتا دیں کہ ہم اس کا حساب لیں گے، اعرابی نے کہا: یارسول اللہ! کیا اللہ میرا حساب لے گا؟ فرمایا: ہاں اگر وہ چاہے، تو حساب لے گا۔ عرض کیا کہ اگر وہ میرا حساب لے گا، تو کس بات پر حساب لے گا؟ اس نے کہا کہ اگر وہ میرے گناہوں کا حساب لے گا، تو میں اس کی بخشش کا حساب لوں گا کہ میرے گناہ زیادہ ہیں، یا تیری بخشش؟ اور اگر وہ میری نافرمانیوں کا حساب لے گا، تو میں اس کی معافی کا حساب لوں گا۔ حضور ﷺ سب سننے کے بعد اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر جبرئیل آئے، عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ رونا کم کریں، آپ کے رونے نے فرشتوں کی تسبیح و تحمید بھلادی ہے۔ اپنے امتی کو کہیں: نہ وہ ہمارا حساب لے، نہ ہم اس کا حساب لیں گے اور اس کو خوش خبری سنا دیں کہ یہ جنت میں آپ کا ساتھی ہوگا۔ (کتاب: مسند احمد)

کیا عقل نے سمجھا ہے؟ کیا عشق نے جانا ہے؟ ☆ ان خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

حضرت! اس روایت کی تحقیق و حقیقت سے مطلع فرمادیں۔ (محمد افضل)

تحقیق

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جو تحریر بھیجی ہے، اس میں ''مسند احمد'' کا حوالہ ہے؛ مگر یہ روایت مسند احمد میں تو کیا حدیث کی کسی بھی مستند و معتمد کتاب میں کہیں نہیں ملی اور غالبًا ہوگی بھی نہیں اور ویسے اس روایت کی تعبیر اور مضمون پڑھنے کے بعد ذوقِ حدیث کہتا ہے کہ یہ من گھڑت، خود ساختہ اور جھوٹی و بناوٹی ہے، جو کسی ناسمجھ نے بڑی سمجھ داری سے گھڑی ہے اور یہ جو حوالہ ''مسند احمد'' کا ہے یہ بھی من گھڑت ہے۔ جس طرح زمانۂ قدیم میں لوگ حدیث کا متن اور سندیں گھڑتے تھے، اسی طرح آج کل گھڑنے والے حدیث کا متن اور کتابوں کا حوالہ گھڑ دیتے ہیں اور جو کتابیں علمائے دین و اہلِ اسلام کے درمیان

معروف ومشہور اور مستند ہیں ان کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

اِس روایت کی نسبت سے آپ کو مزید مفید کلام سے واقف کرا دیتا ہوں؛ تاکہ بات خوب اچھی طرح نکھر کر صحیح ذہن نشیں ہو جائے۔ ملاحظہ ہو

(۱) اس روایت کی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''شعب الإيمان:۲۶۲'' پر نقل فرمائی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال أعرابي: يا رسول الله! من يحاسب الخلق يوم القيامة؟ قال: الله، قال: الله، نجونا ورب الكعبة. قال: وكيف أعرابي؟ قال: لأن الكريم إذا قدر عفا."

اُس کے بعد آگے مزید اور ایک طریق نقل کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ خود تحریر فرماتے ہیں:

" تفرد به محمد بن زكريا الغلابي عن عبيد الله بن محمد بن عائشة، والغلابي متروك."

حافظ سخاوی رحمہ اللہ ''المقاصدالحسنة:۳۱۶'' پر مزید تحریر فرماتے ہیں کہ ''**و الغلابي متروك، و يشبه أن يكون موضوعاً، ولكنه مشهور، يعني عن الزهاد ونحوهم، و أنا أبرأ من عهدته.**''

اس کا مطلب یہ نکلا کہ اس روایت کو موضوع کہنا زیادہ مناسب و بہتر ہے؛ اس لیے کہ اس کے راوی کا حال بہت ہی برا ہے، چناں چہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کو ''الثقات'' میں ''**يعتبر بحديثه إذا روى عن ثقة**''۔ مگر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے صاف فرمایا کہ ''**يضع الحديث**'' اور ذہبی، ابن حجر کا کلام بھی دارقطنی رحمہ اللہ کی رائے کو ترجیح دیتا ہے، نیز حافظ ابن عراق رحمہ اللہ نے ''تنزيه الشريعة'' میں، امام برہان الدین حلبی نے ''الكشف الحثيث'' میں وضاعین و کذابین کی فہرست میں اس کو شامل فرمایا ہے۔ نیز ''الموضوعات'' میں ابن الجوزی نے، ''ميزان الاعتدال'' میں حافظ ذہبی نے، ''لسان الميزان'' میں حافظ ابن حجر نے، ''اللآلي المصنوعة'' میں حافظ سیوطی نے اور دیگر حضراتِ محدثین نے اس کی مرویات پر ''مِنْ كِذْبِه'' کا حکم لگا کر اس کی بے شمار مرویات کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (ميزان الاعتدال:۶/۱۵۱، الكشف الحثيث:۲۲۹)

الغرض یہ روایت بھی موضوع وقریب بہ موضوع ٹھیری۔ اگر زیرِ بحث حدیثِ اعرابی کسی بھی درجے میں ثابت ہوتی، تو یہ حضراتِ محدثین اُس کو ضرور نقل فرماتے؛ مگر انھوں نے نقل نہیں فرمایا، جس

سے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ جدید من گھڑت روایات میں سے ہے۔

(۲) امام غزالی رحمہ اللہ نے ''إحیاء العلوم:۴/۱۴۶'' پر ''کتاب الخوف والرجاء'' میں لکھا ہے:

''و في الحديث الطويل لأنس: أن الأعرابي قال: يا رسول اللّٰه ! من يلي حساب الخلق؟ فقال: اللّٰه تبارك و تعالى. قال: هو بنفسه؟ قال: نعم . فتبسم الأعرابي ، فقال ﷺ: مم ضحكت يا أعرابي ؟ فقال: إن الكريم إذا قدر عفا ، و إذا حاسب سامح . فقال النبي ﷺ: صدق الأعرابي ، ألا لا كريم أكرم من اللّٰه تعالى ، هو أكرم الأكرمين ، ثم قال: فقه الأعرابي.''

حافظ عراقی رحمہ اللہ اس کی تحقیق میں فرماتے ہیں: ''لم أجد له أصلا''۔ حافظ سبکی رحمہ اللہ نے ''أحاديث الإحياء التي لا أصل لها'' میں اس کو نقل کر کے بے اصل و بے سند قرار دیا ہے۔

(المغني عن حمل الأسفار: ۳۸۱۹، الطبقات الشافعية الكبرى: ۶/۳۶۴)

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ حدیثِ اعرابی موضوع اور بے اصل روایت ہے، تاہم حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک ضعیف مرسل روایت میں مختصراً ایک اعرابی کا قصہ نقل ہوا ہے، چناں چہ امام ابن ابی الدنیا ''حسن الظن بالله: ۲۵'' میں نقل فرماتے ہیں:

'' أتى أعرابي النبي ﷺ فقال: يا رسول اللّٰه ! من يحاسب الخلق يوم القيامة ؟ قال: اللّٰه عزوجل. قال: أفلحت و رب الكعبة . إذا يترك حقه ، و ربما قال: إذا لا يأخذ حقه.''

حاصلِ کلام

محترم! اس سلسلے میں تلاش و جستجو کے بعد جس قدر روایات مل سکیں اور جو تحقیق نصیب ہو سکی، وہ آپ کے روبرو پیش کر دی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اعرابی کے مذکورہ بالا قصے والی حدیث بے اصل و بے سند ہے؛ مگر ایک ضعیف و مرسل روایت سے اتنا اشارہ تو ملتا ہے، اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہے۔ یہ اور بات کہ معتبر سند سے ثابت نہیں اور جو ضعیف حدیث سے ثابت ہے، وہ اصولِ حدیث کی رو سے محدثین کے نزدیک مفیدِ ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا واجب و لازم ہے کہ اس واقعے کو نبیِ اکرم ﷺ کی جانب

منسوب کرکے ہرگز بیان نہ کیا جائے۔

اس سلسلے میں آپ دیگر حضراتِ علما سے اور بالخصوص علم حدیث سے مزاولت رکھنے والے حضراتِ محدثین سے رجوع فرمالیں اور مزید کوئی تحقیق معلوم ہو جائے، تو راقم کو بھی مطلع فرمادیں۔

۱۲۶- حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دو بچوں کا قصہ

ربیع الاول والثانی کے مہینوں میں، سیرت کے جلسوں میں چند جاہل مقرروں کی طرف سے بارہا یہ واقعہ سننے میں آیا اور آتا رہتا ہے:

> ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی دعوت کے لیے بکری ذبح کی ہے، اُن کے دونوں بچے ذبح کا منظر دیکھ رہے تھے، بعد میں بڑے نے چھوٹے سے کہا کہ آؤ ہم بھی ذبح کرتے ہیں، بڑے نے چھوٹے کو لٹا کر بکری کی طرح ذبح کردیا اور پھر گھبراہٹ ودہشت کے مارے وہ بچہ مکان کے اوپر بھاگا اور چھت سے گر گیا اور مر گیا، چوں کہ اسی دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تشریف لانے والے تھے، دعوت کے انتظام میں کہیں کوئی فرق نہ آجائے؛ اس لیے ان بچوں کو نہلانے ودفنانے میں لگنے کے بجائے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دونوں بچوں کو ایک چٹائی میں لپیٹا اور ایک کونے میں لٹادیا۔ مہمان آگئے اور کھانے میں مصروف ہوگئے؛ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا شروع نہیں فرمایا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جابر تمہارے دونوں بچے کہاں؟ بلاؤ! میں ان کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔ حضرت جابر نے پہلے بہت ٹال مٹول کیا؛ مگر آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار پر ساری حقیقت بیان کردی۔ آپ بہت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ جاؤ اور کہو کہ تمھیں محبوبِ خدا یاد کررہے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ تشریف لے جاتے ہیں اور چٹائی کے پاس کھڑے ہو کر عرض کرتے، تو وہ دونوں بچے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

تحقیق

صحیح بخاری ودیگر کتبِ حدیث میں غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا واقعہ

مذکور ہے اور اسی واقعے میں کھینچ تان کر یہ کچھ لوگ جھوٹی و من گھڑت باتیں بڑھا لیتے ہیں، جن میں سے ایک بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دو بچوں کی بھی ہے۔ ذیل میں صرف ''فتاویٰ محمودیہ'' کے حوالے سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کرتا ہوں، چناں چہ حضرت رقم فرماتے ہیں:

''یہ روایت اتنی ثابت ہے: غزوۂ خندق کے وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نقاہت اور کمزوری کا اثر دیکھا، بے تاب ہو کر گھر آئے، بکری کا بچہ ذبح کیا، بیوی کو کھانا پکانے کے لیے کہا اور خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا کھانا ہے؟ بتلایا کہ بکری کا بچہ ہے، تھوڑے جو ہیں، ان کی روٹی ہے، ارشاد فرمایا: یہ تو بہت ہے اور ایک بڑے مجمع کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے، برکت کے لیے گوشت کی ہانڈی میں اور روٹی کے آٹے میں لعاب دہن ڈالا، کچھ پڑھ کر دم کیا اور دس دس آدمیوں کا حلقہ بنا کر روٹی اور گوشت کھلایا، یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے، گوشت بھی ہانڈی میں باقی رہا، روٹی بھی تنور میں پکتی رہی۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔

لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حال یہ ہے کہ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے، یہ اس وقت کم عمر تھے، ان کی نو بہنیں تھیں، بعض کی شادی ہو گئی تھی اور اکثر کی نہیں ہوئی تھی، انھوں نے ایک عمر رسیدہ پرانی بیوہ عورت سے نکاح کر لیا تھا؛ تاکہ وہ ان کی سب بہنوں کی تربیت کرے اور گھر کا انتظام کرے، اس وقت ان کے خود کوئی بچہ نہیں تھا۔ ان کی طرف دو بچوں کی نسبت کرنا اور اس قصے کو اس طرح رنگ دے کر بیان کرنا غلط ہے، بے بنیاد ہے۔ جو شخص ایسی بات بیان کرتا ہے، اس سے دریافت کیا جائے کہ یہ حدیثِ شریف کی کون سی کتاب میں ہے؟ اردو کے بعض غلط سلط رسالوں میں اس قسم کی بے بنیاد باتیں ہیں جو بے سند ہیں۔ ہرگز ہرگز قابلِ اعتماد نہیں۔''
(فتاوی محمودیہ: ۴/۵۲-۵۳)

۱۲۷- حدیث: نبی اکرم ﷺ کا نعلین پہن کر سدرۃ المنتہی تشریف لے جانا

کم علم خطبا کے خطبات میں اور نعت خوانوں کے نعتیہ کلام میں ایک روایت بڑے اہتمام سے سنائی جاتی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ شب معراج میں عروج فرمایا، تو اُس وقت آپ نعلین پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے سوچا کہ قرآن میں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ ''وادیٔ طویٰ'' میں تشریف لائے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اے موسیٰ! اپنے جوتے اتار دو۔ یہ سوچ کر آپ ﷺ نے بھی اپنے جوتے اتارنے کا ارادہ فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! اپنے نعلین مت اتارو، بے شک تمھارے قدموں کے جوتوں سمیت آنے سے آسمان مشرف ہوگا اور برکت حاصل کر کے دوسروں پر فخر کرے گا۔
اِس کے بعد آپ ﷺ عرش پر چڑھ گئے، اس حال میں کہ آپ کے پاوں میں نعلین تھے۔

تحقیق

گھڑنے والے اس واقعے کے ساتھ بہت ساری باتیں کچھ گھٹا بڑھا کر بیان کرتے رہتے ہیں، عموماً شعراء، جو خیالاتی واختراعی طبیعت کے حامل ہیں اور وہ خطبا جو علم صحیح اور فہم صحیح سے قصداً عاری بنے ہوئے ہیں، یہ لوگ بکثرت اس قسم کا واقعہ بیان کرتے رہتے ہیں۔ حالاں کہ حضراتِ محدثین وائمۂ محققین نے اس کو بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے۔ چناں چہ

(۱) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ ''الآثار المرفوعة: ۳۹'' پر لکھتے ہیں کہ امام مقری مالکی، علامہ رضی الدین قزوینی اور امام زرقانی رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ قصہ موضوع ومن گھڑت ہے اور معراج کے بیان کو لے کر جتنی کثیر روایات آئی ہیں، اُن میں کہیں ثابت نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح ''غاية المقال في مايتعلق بالنعال: ۴۷'' پر آپ رقم طراز ہیں کہ: قصۂ اسراء تقریباً چالیس صحابہ سے مختصر ومطول منقول ہے:

> ''و ليس في حديث منهم أنه ﷺ كان في تلك الليلة في رجله نعل، و إنما ذلک شيء وقع في نظم بعض القصاص الجهلة.''
>
> (ان صحابہ کی کسی روایت میں نہیں کہ اُس رات آپ ﷺ کے قدمِ مبارک میں نعل مبارک تھے، یہ تو صرف وہ بات ہے جو بعض جاہل واعظوں وقصہ نگاروں کے کلام میں آئی ہے۔)

نیز آگے وہ روایت نقل کرتے ہیں، جس میں عرش پر چڑھنے کی بات آئی ہے اور پھر امام مقری

رحمۃ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

" وما ذكر في السؤال السابق من أنه رقى العرش بنعله ، فقاتل الله من وضعه ، ما أعدم حياء ه وآدابه ، و ما أجرأه على اختلاق الكذب على سيد المتأدبين."

(سابقہ سوال میں نبی اکرم ﷺ کے نعلین کے ساتھ عرش پر چڑھنے کا ذکر آیا ہے، اللہ اس کو گھڑنے والے کو تباہ کرے، تعجب ہے کہ گھڑنے والا کس قدر بے حیا اور بے ادب ہے اور ادب واخلاق برداروں کے سردار کے نام یہ جھوٹ گھڑنے میں وہ کس قدر جری ہے۔)

(۳) اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ کے علمی وفقہی مجموعے "احکامِ شریعت" میں درج ہے:

"**سوال**: (ز) حضورِ اقدس ﷺ کا شبِ معراج عرش الٰہی پر نعلین مبارک سمیت تشریف لے جانا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: (ز) یہ محض جھوٹ اور موضوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم"

(احکامِ شریعت: ۱۴۳-۱۴۶)

۱۲۸- حدیث: سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ساتھ چھوڑنا

نبی اکرم ﷺ شبِ معراج میں جب مقامِ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچے، تو حضرت جبرئیل رک گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے جبریل! کیا اس مقام میں آکر ایک دوست اپنے دوست کو چھوڑ دیتا ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا: یارسول اللہ! میں اس سے آگے نہیں جاسکتا؛ کیوں کہ اگر میں ایک قدم بھی آگے بڑھایا، تو تجلیاتِ نور کی وجہ سے جل جاوں گا۔

ایک نعت بڑی مشہور ہے، جس کا مطلع ہے:

نامِ احمد ہے وہ نام ہے جو اگر بے ارادہ بھی منہ سے نکل جائے گا

اسی نعت کا ایک شعر یہ بھی ہے:

سدرۃ المنتہیٰ پر جو پہنچے نبی سر جھکا کر یہ جبریل کہنے لگے
اے حبیبِ خدا! بس سوا آپ کے اس کے آگے جو جائے گا جل جائے گا

تحقیق

اس روایت کے متعلق حضراتِ محققین و ماہرینِ حدیث کے اقوال ملاحظہ ہوں:

(۱) امام قسطلانی رحمہ اللہ اس معنی کی دو روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ صاحب ''شفاء الصدور'' نے یہ نقل کیا ہے اور اس کی ساری ذمے داری خود ان ہی پر ہے۔

(المواهب:۳/۸۶)

(۲) علامہ زرقانی رحمہ اللہ ''شرح المواهب'' میں فرماتے ہیں:

" قال الشامي بعد نقل كلام المصنف هذا: و هو كذب بلا شك."

(مصنف کا کلام نقل کرنے کے بعد امام شامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بلا شک وشبہ سراسر جھوٹ ہے۔) (شرح المواهب اللدنية:۸/۲۰۰)

(۳) ملا علی قاری رحمہ اللہ دو روایتیں نقل کرتے ہیں، جن میں یہ روایت بھی ہے اور فرماتے ہیں:

" فهاتان و نحوهما هي التي لم تثبت."

(یہ دو اور اسی طرح کی روایات وہ ہیں، جو ثابت نہیں ہیں۔)

(مرقاة المفاتيح:۳/۴۱۶)

حضراتِ محدثینِ عظام کی صراحت کے بعد یہی کہا جائے گا کہ یہ موضوع و من گھڑت ہے، اس لیے اس جیسی روایات کو بیان کرنا اور وہ بھی موضوع و بے اصل ہونے کی تصریح کئے بغیر کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

۱۲۹- حدیث: سدرۃ المنتہی کے پاس درود شریف کا لینا دینا

سرورِ کائنات ﷺ سدرۃ المنتہی کے پاس جب تشریف لے گئے، تو دربارِ الٰہی میں عرض کیا: ''**التحيات لله و الصلوات والطيبات**''۔ اِس کے جواب میں اللہ رب العزت نے فرمایا: ''**السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته**''۔ وہاں جتنے بھی مقرب فرشتے موجود تھے سبھی نے کہا: ''**السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين**''۔

اسی واقعے کو بعض اس طرح بھی سناتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے جواب کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''**السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين**''۔ وہاں بھی جب کوئی نہیں تھا، آپ ﷺ نے اپنی امت کو یاد رکھا اور صرف اپنے لیے سلامتی کی درخواست نہیں فرمائی؛ بل کہ اپنے ساتھ اپنی

امت کو بھی شامل فرمالیا۔

تحقیق

بیس سے زائد صحابہ سے صحیح وحسن اور ضعیف روایات میں معراج کا واقعہ کہیں مختصر کہیں طویل مروی ہے، مگر کسی میں بھی اس واقعہ کا نشان تک نہیں ملا۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود کو آپ ﷺ نے جو تشہد سکھ لایا، اس میں بھی اس واقعے کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو درود وسلام کا طریقہ سکھ لایا، اُن میں بھی اس کا پتا نہیں ملا اور جہاں اِس قصے کا ذکر ہے، وہاں اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی گئی ہے اور بلا سند محض کسی کے ذکر کر دینا ثبوتِ حدیث کی کوئی دلیل قطعاً نہیں ہے۔

۱۳۰- لال دستر خوان کے فضائل

(۱) سرخ رنگ کے دستر خوان پر کھانا سنت ہے۔ (۲) سرخ دستر خوان پر مہمانوں کو کھلانا سنت ہے۔ (۳) سرخ دستر خوان پر کھانا حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی سنت ہے۔ (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو دستر خوان اترا تھا، وہ لال تھا۔ (۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ لال دستر خوان پر کھاتے تھے۔ (۶) جو ہمیشہ لال دستر خوان پر کھائے گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اُسے جنتی لباس پہنا کر جنت میں لے جائیں گے۔ (۷) جو لال دستر خوان پر کھائے گا؛ اس کو ایک عمرہ اور ایک ہزار انسانوں کو کھلانے کا ثواب ملے گا۔ (۸) جو لال دستر خوان پر کھائے گا؛ اسے ہر لقمے پر سو نیکی ملتی ہے۔ (۹) لال دستر خوان پر کھانا بڑا ثواب ہے اور کھلانے والے کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (۱۰) لال دستر خوان پر کھانے سے ہر دانے پر ہزار نیکیاں ملتی ہیں۔

سرخ دستر خوان پر کھانے کی یہ فضیلتیں ''فلاحِ دین ودنیا'' نام کی ایک کتاب میں خواجہ عثمان ہارون کے ملفوظات میں نقل کی گئی ہیں، کیا یہ فضائل صحیح اور حدیثوں سے ثابت ہیں؟ (نا معلوم شخص)

تحقیق

سورۃ المائدۃ کی آیتِ کریمہ: (۱۱-۱۵) میں دستر خوان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اُس کی تفسیر میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روح المعانی، تفسیر قرطبی، درِ منثور، کشاف، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر، بیضاوی وغیرہ کتب میں نقل کیا گیا ہے کہ جو دستر خوان اُس وقت اتارا گیا، وہ سرخ رنگ کا تھا، چناں چہ ''سفرۃ حمراء'' کی تعبیر ملتی ہے۔

اس کے علاوہ احادیثِ صحیحہ میں آپ ﷺ کا دسترخوان پر کھانا منقول ہے؛ مگر آپ نے جو فضائل والی روایت بھیجی ہے، وہ میں نے کہیں نہیں پڑھی، اتنے فضائل والی بات اگر ثابت ہوتی؛ تو ضرور اس کا تذکرہ کتبِ حدیث میں، یا کم سے کم مفسرین، صوفیائے صالحین سے ضرور ثابت ہوتا؛ مگر کہیں بھی بندے نے اس کا ہلکا سا بھی ذکر نہیں پڑھا۔ آپ کی کرم نوازی کے صدقے آج ہی اس قسم کی روایت کو دیکھنا نصیب ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ راقم علمِ حدیث کے مبارک وخصوصی مشغلے سے وابستہ ہے اور حدیثِ نبوی کا جو علم وذوق نصیب ہوا ہے، اُس کی روشنی میں بندے کو یہ روایت موضوع ومن گھڑت نظر آتی ہے۔ (آپ دیگر حضراتِ علما سے اِس کی تحقیق فرمالیں؛ اگر اس روایت کی کوئی اصل آپ کو مل جائے؛ تو بندے کو ضرور آگاہ فرمادیں، کرم ہوگا)

۱۳۱- حدیث: وصالِ نبی کے بعد دس چیزوں کے لیے جبریلؑ کا دنیا میں آنا

بیان کیا جارہا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام غزوۂ موتہ کے زمانے میں نبی ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے، تو آپ نے اُن سے پوچھا کہ اے جبریل! کیا آپ میرے بعد بھی نازل ہوتے رہیں گے؟ حضرت جبریل نے فرمایا کہ ہاں یارسول اللہ! میں دنیا میں دس مرتبہ دس چیزوں کو اٹھا کر لے جانے کے لیے نازل ہوتا رہوں گا۔

آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ دس چیزیں کیا ہیں؟ حضرت جبریل نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ: زمین سے برکت اٹھانے کے لیے۔ دوسری مرتبہ: لوگوں کے دلوں سے نرمی اٹھانے کے لیے۔ تیسری مرتبہ: رشتہ داروں کے دلوں سے ہمدردی اٹھانے کے لیے۔ چوتھی مرتبہ: حاکموں اور امرا سے عدل وانصاف اٹھانے کے لیے۔ پانچویں مرتبہ: عورتوں سے شرم وحیاء اٹھانے کے لیے۔ چھٹی مرتبہ: غریبوں اور فقیروں کے دلوں سے صبر اٹھا کر لے جانے کے لیے۔ ساتویں مرتبہ: علما کے دلوں سے زہد وتقوی لے جانے کے لیے۔ آٹھویں مرتبہ: مال داروں کے پاس سے سخاوت اٹھالے جانے کے لیے۔ نویں مرتبہ: قرآن اٹھانے کے لیے اور دسویں وآخری مرتبہ: ایمان اٹھانے کے لیے۔

تحقیق

مذکورہ بالا اردو کلام، دراصل ایک عربی عبارت کا ترجمہ ہے، جو کہ یہ ہے:

”روي أن جبريل عليه السلام نزل على النبي ﷺ في مرض موته فقال: يا جبريل! هل تنزل من بعدي؟ فقال: نعم ، أنزل عشر مرات أرفع العشر جواهر من الأرض. قال: يا جبريل! وما ترفع منها؟ قال: الأول: أرفع البركة من الأرض ، الثاني: أرفع المحبة من قلوب الخلق ، الثالث: أرفع الشفقة من قلوب الأقارب ، الرابع: أرفع العدل من الأمراء ، الخامس: أرفع الحياء من النساء ، السادس: أرفع الصبر من الفقراء ، السابع: أرفع الورع و الزهد من العلماء ، الثامن: أرفع السخاء من الأغنياء ، التاسع: أرفع القرآن ، العاشر: أرفع الايمان.“

یہ روایت ”نورالأبصار في مناقب آل بيت النبي المختار: ۱۰۷“ میں ہے؛ لیکن اُس میں غزوۂ تبوک کی جگہ مرضِ وفات کے زمانے میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ مگر جو بھی ہے اولاً: تو بے سند نقل کی گئی ہے۔ ثانیاً: حدیث کی دوسری مستند و معتمد کتابوں میں کہیں نہیں ملی۔ ثالثاً: ”نور الأبصار“ وہ کتاب ہے، جس میں موضوع روایات خاص طور پر شیعہ کی خودساختہ مرویات بکثرت نقل کی گئی ہیں۔ رابعاً: ایک محدث کا ذوقِ حدیث بتائے دیتا ہے کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۲- حدیث: حضور ﷺ سے حضرت علی ؓ کے دس سوالات

حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے بات کرتا، تو ایک درہم صدقہ کردیا کرتا تھا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے دس مسائل دریافت کیے، آپ ﷺ نے مجھے ان میں سے ہر ایک کا جواب عنایت فرمایا۔ میں نے پوچھا:

(۱) یارسول اللّٰہ ! ما الوفاء ؟ وفا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: توحید یعنی اقرار وحدانیت اور ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دینا وفا ہے۔

(۲) یارسول اللّٰہ ! ماالفساد؟ فساد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کفر وشرک فساد ہے۔

(۳) یا رسول اللّٰہ ! ما الحق؟ حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام، قرآن اور ولایت جب وہ تجھے عطا کی جائے۔

(۴) یا رسول اللّٰہ ! ما الحیلة ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ترکِ حیلہ یعنی اسباب ترک کرنا ہی

حیلہ ہے۔

(۵) یا رسول اللّٰہ ! ما عَلَيَّ؟ میرے ذمہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔

(۶) یا رسول اللّٰہ ! کیف أدعو اللّٰہ؟ میں اللہ سے کس طرح دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خلوص اور یقین کے ساتھ۔

(۷) یا رسول اللّٰہ ! ماذا أسئل اللّٰہ؟ میں اللہ سے کیا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عافیت یعنی دوزخ و دنیاوی آفات سے عافیت۔

(۸) یا رسول اللّٰہ ! ما أصنع لنجاۃ نفسي؟ میں اپنے نفس کی نجات کے لیے کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حلال کھاو اور سچ بولو۔

(۹) یا رسول اللّٰہ ! ما السرور؟ خوشی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔

(۱۰) یا رسول اللّٰہ ! ما الراحۃ؟ راحت کیا ہے؟ راحت اللہ کی زیارت ہے۔

جب میں نے یہ دس سوالات کر لیے اور اللہ کے نبی ﷺ کی جانب سے مجھے سبھی کے جوابات مل گئے، تو اس حکم کو منسوخ کرنے والی آیت نازل ہوئی۔

مولانا! تفسیر مظہری کے حوالے سے یہ روایت مجھے معلوم ہوئی، اس پر نظر کرم فرمائیں۔ (عبدالباقی)

تحقیق

مولانا محترم! صحیح ہے کہ یہ روایت ''تفسیرِ مظہری، جلد:۹'' میں ''تفسیرِ مدارک'' کے حوالے سے نقل ہوئی ہے۔ یہ دس سوالات والی بات کا حوالہ تفسیرِ کشاف میں بھی ہے۔ ذیل میں آپ کی اس تحریر کا جواب مفصل و باحوالہ پیش کرتا ہوں؛ مگر یہ میری تحقیق ہے، دیگر حضراتِ علما سے بھی تحقیق کروالیں اور صحیح بات کا مکمل علم رکھیں۔ اگر آپ کو میری تحقیق سے زائد کوئی بھی مفید بات مل جائے، تو براہِ کرم مجھے بھی اطلاع کردیں۔ اب ذیل کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

تحریر میں دو باتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ جب نبی کریم ﷺ سے بات کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کی جو آیت نازل ہوئی، تو اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ سے بات کرنا پڑا، تو آپ کو دینار یا درہم کا صدقہ کرنا پڑا۔ جیسا کہ ''مستدرکِ حاکم'' کی ''کتاب التفسیر'' میں مروی ہے اور یہ روایت مقبول ہے۔

اسی طرح جس آیت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ہے، وہ آیت منسوخ ہوگئی، یہ بھی صحیح ہے، جیسا

کہ تفاسیرِ قرآن میں صحیح وثابت اور منقول ومروی ہے؛ لہٰذا اتنی بات تو صحیح وثابت ہے۔

(۲) رہی دس سوالات وجوابات والی بات، تو سب سے پہلے اس کی عربی عبارت ملاحظہ کریں، امام ابوالبرکات نسفی رحمۃ اللہ کے الفاظ ہیں:

"سئلت رسول الله ﷺ عشر مسائل ، فأجابني عنها ، قلت: يا رسول الله ! ما الوفاء؟ قال: التوحيد ، و شهادة أن لا إله إلا الله ، قلت: يا رسول الله ! ماالفساد؟ قال: الكفر و الشرك بالله ، قلت: يا رسول الله ! و ما الحق؟ قال: الإسلام والقرآن والولاية إذا انتهت إليک ، قلت: يا رسول الله ! وما الحيلة ؟ قال: ترک الحيلة ، قلت: يا رسول الله ! ما علي؟ قال: طاعة الله و طاعة رسوله ، قلت: وكيف أدعو الله تعالى؟ قال: بالصدق و اليقين ، قلت: وماذا أسئل الله ؟ قال: العافية ، قلت: وما أصنع لنجاة نفسي؟ قال: كل حلالا ، و قل صدقا ، قلت: وما السرور؟ قال: الجنة ، قلت: وما الراحة ؟ قال: لقاء الله ، فلما فرغت منها نسختها."

(مدارك التنزيل:٣/ ٤٥٠-٤٥١)

"تفسیرِ کشاف" میں ہے:

"قال الكلبي: تصدق به في عشر كلمات، سألهن رسول الله ﷺ."

اور وہ دس کلمات وہی دس سوالات ہیں، جو امام نسفی رحمۃ اللہ کی کتاب "**مدارک التنزیل**" کے حوالے سے اوپر نقل ہوئے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ کتبِ حدیث میں کہیں یہ روایت نہیں ہے۔ صرف تفسیر کی کچھ کتابوں میں ہے اور جن کتابوں میں ہے؛ ایک تو ان میں بے اصل اور موضوع روایات بکثرت بیان کی گئیں ہیں۔ دوسرے اس روایت کی سند وہاں بھی نہیں ہے؛ لہٰذا اسی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل اور بے سند ہے، تاہم اس روایت کے سلسلے میں حضراتِ محدثین کی تصریح یہ ہے:

(۱) حافظ زیلعی رحمۃ اللہ کی "**الکشاف**" کی تخریج، جو سعودی عربیہ کی "**وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة و الإرشاد**" کی طبع کردہ ہے، اس کی "جلد: ۳/ ۴۳۱" میں ہے: "**قال الكلبي: لم أجده**"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حافظ زیلعی، امام کلبی کی تصریح اپنے اتفاق کے

ساتھ نقل کر رہے ہیں۔ (بتا دوں کہ امام کلبی کی طرف منسوب یہ بات صرف اسی مطبوع نسخے میں ملی، دوسرے نسخوں میں نہیں ہے۔)

(۲) اس کے علاوہ شیخ عادل احمد عبدالموجود اور شیخ علی محمد معوض کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ طبع کردہ ''الکشاف:۶/ ۶۸'' کے حاشیے میں ہے کہ ''قال الحافظ :لم أجده''، جب کہ یوسف علی بدیوی کی تحقیق کے ساتھ ''دارالکلم الطیب، بیروت'' سے طبع کردہ ''مدارک التنزیل:۳/۴۵۱'' کے حاشیے میں ہے: ''قال ابن حجر :لم أجده، حاشیة الکشاف:۴/۴۹۴''۔

بہ ہر حال حافظ سے مراد حافظ زیلعی ہوں یا حافظ ابن حجر ہوں، اتنی بات تو معلوم ہوگئی کہ ان جلیل القدر ائمہ حدیث کو کہ یہ حدیث اور اس کی سند نہیں ملی۔

نیز حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، جن کو بیہقیٔ وقت کہا جاتا ہے، انھوں نے بھی حدیث کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا؛ بل کہ صرف امام نسفی کی ''مدارک التنزیل'' سے نقل فرمایا، جب کہ حضرت اپنی تفسیر میں روایت نقل کرنے میں عموماً کتبِ حدیث ہی کا حوالہ دیتے ہیں؛ لٰہذا یہاں حدیث کی کتاب کا حوالہ نہ دینا، بذاتِ خود بتاتا ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کو بھی یہ روایت حفاظِ حدیث کی طرح کہیں نہیں ملی۔

الغرض دس سوالات والی یہ روایت بے اصل و بے سند ہے۔

بہ لحاظِ درایت حدیث پر کلام

اسنادی پہلو سے کلام ہونے کے بعد ذرا الفاظِ روایت پر غور کریں:

(الف) تیسرے سوال کے جواب میں آپ ﷺ کا جواب نقل ہوا کہ ''الإسلام، والقرآن، والولایة إذا انتهت إلیک'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح اسلام اور قرآن برحق ہے، اسی طرح ولایت، امامت اور امارت وہی حق ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملے۔

(ب) پھر چوتھا سوال وجواب: ''مالحیلة ؟ قال :ترک الحیلة'' جو نقل ہوا، وہ بھی قابلِ غور ہے، خصوصاً آپ کی تحریر میں اس کی جو تشریح مذکور ہے، اُس کے ہوتے ہوئے۔ چناں چہ آپ کی تحریر میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے: ''ترکِ اسباب''، اس کو اگر مانیں؛ تو بظاہر صوفیا کا کلام لگتا ہے؛ لیکن اگر آپ کی پیش کردہ تحریر کو نہ لیں؛ بل کہ صرف روایت اور عربی متن کو قبول کریں، تو شیعی نقطۂ نظر کی رو سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جب ''الولایة إذا انتهت إلیک'' فرمایا، تو حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے فوراً - یہ سوچ کر کہ مجھے یہ حق کیسے ملے گا اور اس سے پہلے جن کے پاس یہ ولایت رہے گی مجھے ان سے لینے نہ لینے میں کیا رول ادا کرنا چاہیے - سوال کیا کہ "ما الحیلة ؟" اور آپ ﷺ نے فرمایا: "ترک الحیلة"۔

گویا اس طرح بیان کرنے والا یہ بتانا چاہتا ہے کہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت وخلافت برحق ہے، اس سے پہلے کے خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق پر نہیں ہے۔ اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بہادر و شیرِ خدا ہیں، آپ نے حق پر ہوتے ہوئے خلافت کے لیے کوئی کوشش کیوں نہیں؟ تو اس اعتراض واشکال کے دفعیے کی خاطر روایت کا بانی قبل از وقت ہی ذہنوں میں یہ بٹھا دینا چاہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس لیے کوشش نہیں فرمائی، کیوں کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: "ترک الحیلة"۔

محترم صاحب! روایت کے الفاظ ومتن پر، تاریخِ اسلام اور شیعی کارستانیوں پر نظر رکھنے سے یہ مطلب بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔

الغرض آپ کی تحقیق طلب یہ روایت مذکورہ بے اصل و بے سند ہونے کے ساتھ ساتھ درایتاً آثارِ وضع کے ظاہر ہونے کی وجہ سے موضوع اور من گھڑت معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

۱۳۳ - حدیث: یا ابن آدم ! ما أنصفتني

حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: "یا ابن آدم! ما أنصفتني" (اے ابن آدم! تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا) وہ کیوں؟ اس لیے کہ اے ابن آدم! شیطان تمھارا دشمن تھا، میں نے تمھارے دشمن کو جنت سے جو تمھارا گھر تھا، دھتکار باہر نکال دیا؛ لیکن یہ شیطان میرا دشمن ہے، تم اسے میرے گھر یعنی اپنے دل سے کیوں نہیں نکالتے۔ (خطباتِ ذوالفقار: ۹/۹۵)

تحقیق

(الف) کتبِ حدیث میں یہ روایت کہیں نہیں ملی، البتہ امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ کی کتاب: "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" اس روایت کا اصل مرکز ہے اور ان ہی کے حوالے سے حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے "الدر المنثور" میں "سورة العبس" کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

(ب) حافظ ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ "حلية الأولياء" میں یہ حدیثِ قدسی دو جگہ ذکر کی ہے:
(۱) جلد: ۴/ ۲۷ پر وہب بن منبہ کے طریق سے۔ (۲) جلد: ۱۰/ ۳۹۹ پر محمد بن کعب قرظی کے طریق

سے ؛مگر دونوں نے یہ روایت نبیٔ اکرم ﷺ سے نقل نہیں فرمائی ہے؛ بل کہ وہب بن منبہ کے الفاظ ہیں: ''قرأت في بعض الكتب''۔ جب کہ محمد بن کعب کے الفاظ ہیں: ''قرأت في التورة أو قال: في صحف إبراهيم الخليل''۔

یہ دونوں راوی تابعین ہیں اور یہ روایت نہ تو مرفوعاً مروی ہے، نہ موقوفاً اور نہ ہی مرسلاً ؛ بل کہ دونوں حضرات نے یہ روایت جن کتابوں سے نقل کی ہے، وہ سنداً نا قابلِ قبول ہیں ؛ اس لیے اس روایت کو اہلِ کتاب کی روایات یعنی اسرائیلی روایات میں سے ہی قرار دیا جائے گا۔ صاف وصریح طور پر اس کو ''حدیثِ قدسی'' کہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اصولِ حدیث کی رو سے صحیح نہیں ہے؛ بل کہ حضراتِ علما کے بیان کردہ اصول کے مطابق اس کو اسرائیلی روایت کہہ کر بیان کرنا ہی درست ہے۔

(ج) اس کے علاوہ روایت کا جو متن دونوں تابعین کے حوالے سے مروی ہے، اس کو دیکھتے ہی ایک عالمِ حدیث صاف گواہی دے گا کہ کسی نیک بندے کے اپنے الفاظ وکلمات ہیں، جن کو رب کی طرف منسوب کر کے ان کتابوں میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ چناں چہ ذیل میں عربی متن نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

متنِ اول:

''عن وهب قال: قرأت في بعض الكتب ، فوجدت الله تعالى يقول: يا ابن آدم ! ما أنصفتني ، تذكرني وتنساني ، و تدعوني وتفر مني ، خيري إليک نازل ، و شرک إلي صاعد ، ولا يزال ملک كريم قد نزل إليک من أجلک ، و لايزال ملک كريم قد صعد إلي منک بعمل قبيح . يا ابن آدم ! إن أحب ما تكون إلي ، و أقرب ما تكون مني إذا كنت راضياً بما قسمت لک ، و أبغض ما تكون إلي ، و أبعد ما تكون مني إذا كنت ساخطاً لاهياً عما قسمت لک . يا ابن آدم ! أطعني في ما أمرتک ، و لا تعلمني بما يصلحک ، إني عالم بخلقي ، أنا أكرم من أكرمني ، و أهين من هان عليه أمري ، ولست بناظر في حق عبدي حتى ينظر عبدي في حقي''.

متنِ ثانی:

''عن محمد بن كعب القرظي قال: قرأت في التورة ، أو قال: في

صحف إبراهيم الخليل، فوجدت فيها يقول الله : يا ابن آدم ! ما أنصفتني ، خلقتک ولم تک شيئاً ، وجعلتک بشراً سوياً ، خلقتک من سلالة من طين ، فجعلتک نطفة في قرار مكين ، ثم خلقتک النطفة علقة ، فخلقت العلقة مضغة ، فخلقت المضغة عظاما ، فكسوت العظام لحماً ، ثم أنشأتک خلقاً آخر. يا ابن آدم هل يقدر علي ذلک غيري ؟ ثم خففت ثقلک علی أمک حتی لا تتبرم بک ، و لا تتأذى ، ثم أوحيت إلى الأمعاء أن اتسعي ، و إلى الجوارح أن تفرقي فاتسعت الأمعاء من بعد ضيقها ، و تفرقت الجوارح من بعد شبكها. ثم أوحيت إلى الملک المؤكل بالأرحام ، أن يخرجک من بطن أمک فاستخلصک على ريشة من جناحه ، فاطلعت عليک . فإذا أنت خلق ضعيف لس لک سن يقطع ، و لا ضرس يطحن فاستخلصت لک في صدر أمک عرقاً يدر لبناً بارداً في الصيف حارا في الشتاء، واستخلصته لک من بين جلد ولحم ودم وعروق ، ثم قذفت لک في قلب والدک الرحمة وفي قلب أمک الحنن ؛ فهما يكدان عليک ، ويجهدان و يربيانک و يغذيانک ، ولا ينامان حتى ينومانک . يا ابن آدم ! فعلت ذلک بک لا لشيء استأهلت به مني ، و لا لحاجة استعنت بک علي قضائها. يا ابن آدم ! فلما قطع سنک ، وطحن ضرسک أطعمتک فاكهة الصيف في أوانها ، وفاكهة الشتاء في أوانها، فلما أن عرفت أني ربک عصيتني ، فادعني فإني قريب مجيب ، واستغفرني فإني غفور رحيم ".

(د)دونوں متن ماقبل میں نقل ہوئے؛مگراُن میں بھی وہ بات نہیں ہے جو"خطبات"میں ہے کہ"وہ کیوں؟اس لیے کہ اے ابن آدم!شیطان تمھارا دشمن تھا، میں نے تمھارے دشمن کو جنت سے جوتمھارا گھر تھا دھتکار باہر نکال دیا؛لیکن یہ شیطان میرا دشمن ہے،تم اسے میرے گھر یعنی اپنے دل سے کیوں نہیں نکالتے"۔

(ہ)اس کا معنی تو شرعاً صحیح ہے؛مگر سنداً حدیثِ نبوی یا حدیثِ ربانی کی حیثیت سے اس کے ثبوت کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔

مختلف جماعتوں میں پھیلی ہوئی
موضوع روایات کی نشان دہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۳۴- یعفور گدھے کے قصہ والی رویت

''جب خیبر فتح ہوا اور مالِ غنیمت آیا، تو اس میں ایک گدھا بھی تھا اور وہ آگے آ کر زبانِ حال سے عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میں نسلی گدھا ہوں۔ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ عرض کرنے لگا: میرے باپ دادے پر انبیا علیہم السلام نے سواری کی ہے، میں اپنی نسل کا آخری ہوں اور آپ نبوت میں آخری ہیں، آپ مجھے اپنے پاس رکھ لیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اور آپ ﷺ نے اسے اپنے حصے میں لے لیا اور آپ اُس پر سواری فرماتے تھے۔ کبھی کوئی ساتھی پاس نہ ہوتا اور کسی صحابی کو بلانا مقصود ہوتا، تو آپ فرماتے: یعفور! جاؤ ابوبکر کو بلا کر لاو۔ تو وہ بھاگا بھاگا جاتا اور جا کر دروازے پر ٹکر پڑتی، تو وہ پریشان ہوتے کہ یہ کیا ہوگیا۔ دیکھتے تو یعفور کھڑا ہوا ہے۔ سمجھ جاتے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلایا ہے۔ جس دن آپ کا انتقال ہوا اُس دن یعفور کا رونا دیکھنے والا تھا۔ وہ بے قرار ہو کر کبھی ادھر بھاگتا، کبھی ادھر بھاگتا حتی کہ اُسے چین نہ آیا اور ایک کنوئیں میں چھلانگ لگا کر جان دے دی۔''

(بیاناتِ مولانا طارق جمیل صاحب: ۴/۴۹)

تحقیق

یہ روایت سابقہ زمانے کی طرح اس زمانے میں بھی بکثرت سنائی جاتی ہے؛ اس لیے تفصیل سے اس پر ائمہ حدیث کی تحقیق پیش کرتا ہوں:

اس روایت کی سند میں ایک راوی ہے، جس کا نام ابوجعفر محمد بن یزید بیان گیا ہے، اس کے متعلق ائمہ کے اقوال یہ ہیں:

(۱) امام ابن حبان رحمہ اللہ ''المجروحين'' میں اس راوی کا تذکرہ کرتے ہوئے اِس روایت کو ذکر کرتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں: ''هذا حديث لا أصل له ، و إسناده ليس بشيء ،

ولا يجوز الاحتجاج بهذا الشيخ.''(یہ ایک بے اصل حدیث ہے اور اس کی سند بالکل بھی لائقِ اعتبار نہیں اور اس راوی سے استدلال کرنا جائز نہیں)

(۲) امام ابن الجوزی رحمہ اللہ ''الموضوعات'' میں یہ روایت مکمل نقل کرتے ہیں، اور نہایت غضب ناک ہوکر جو تحریر فرماتے ہے، ذرا دل کو سنبھال کر، گوشِ ہوش کھول کر پڑھنے کی ضرورت ہے، امام ابن الجوزی رقم فرماتے ہیں: ''هٰذا حديث موضوع ، فلعن الله واضعه ، فإنه لم يقصد إلا القدح في الإسلام ، و الاستهزاء به'' (یہ من گھڑت حدیث ہے، اللہ اِس روایت کے گھڑنے والے پر لعنت برسائے؛ اس لیے کہ ظالم نے اسلام میں صرف عیب لگانے اور اس کا مزاق اڑانے کا ارادہ کیا ہے)

(۳) امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو باطل قرار دیا ہے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ ''میزان الاعتدال'' میں رقم فرماتے ہیں کہ'' ذكر ابن أبي حاتم أنه روى عن أبي حذيفة هذا الخبر الباطل'' (امام ابن بی حاتم نے ذکر فرمایا کہ محمد بن مزید نے ابوحذیفہ نامی راوی کے حوالے سے یہ باطل حدیث روایت کی ہے)

(۴) امام ذہبی رحمہ اللہ ''میزان الاعتدال'' اور ''تلخیص الموضوعات'' دونوں میں اور امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''لسان المیزان'' میں اِس روایت کو ذکر کرتے ہیں، حضراتِ محدثین کے اقوال نقل کرتے ہیں اور مکمل سکوت قائم رکھتے ہوئے اس حدیثِ یعفور کو '' خَبَرٌ بَاطِلٌ '' اور خود ساختہ روایت قرار دیتے ہیں۔

(۵) علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ''الفوائد'' میں اور علامہ ابن عراق نے ''تنزیہ الشریعۃ'' میں اِس کو موضوع بتایا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ علامہ ابن عراق رحمہ اللہ مزید مفید کلام تحریر کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

علامہ سیوطی نے ''كتاب المعجزات'' اور ''الخصائص الكبرى'' میں ابن عساکر کی تخریج کا حوالہ دیتے ہوئے یہ روایت ذکر کی ہے، جب کہ ان کا کہنا ہے کہ ان کتابوں کو انھوں نے موضوع احادیث سے پاک وصاف رکھا ہے، اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کو اِس راوی کے متعلق ابن الجوزی اور ابن حبان کے کلام کا پتا نہیں چلا، یا یہ کہ ان کے نزدیک اس حدیث کا غیر موضوع ہونا محقق وثابت ہوگیا اور اس وجہ سے اِن دو اماموں پر سیوطی نے کوئی پکڑ نہیں کی۔

راقم کہتا ہے کہ: ابن عراق کے اس کلام سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے

اِس روایت کو ثابت مانا ہے؛ کیوں کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اِس لیے کہ

(الف) حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے "**الخصائص الکبری**" کے مقدمے میں اگر چہ یہ تصریح کی ہے کہ وہ اِس کتاب میں موضوع احادیث نہیں لائیں گے، مگر آپ اپنی شرط پر قائم نہ رہ سکے اور "**الخصائص**" میں متعدد موضوع روایات نقل کر بیٹھے۔ (جیسا کہ "**الخصائص**" کی تحقیق رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں) اور ایسا امام سیوطی رحمہ اللہ سے اس کتاب میں بھی ہوا ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہوا ہے۔ (جیسا کہ حافظ سیوطی کی تحریرات پر نظر رکھنے والے حضرات خوب واقف ہیں)

(ب) حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی اور ایک کتاب ہے، جو خاص موضوع احادیث کی تحقیق میں تحریر کردہ ہے، جس کا نام "**اللآلي المصنوعة**" ہے، اِس کتاب کے مقدمے میں امام سیوطی لکھتے ہیں: امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "**الموضوعات**" میں متعدد ایسی روایات کو موضوع بتا دیا ہے، جو موضوع نہیں ہیں، ایسے وقت میں نے ان پر تعقب کیا ہے اور اپنی تحقیق ذکر کر دی ہے۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ جس روایت پر حافظ سیوطی کا کلام نہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ روایت حافظ سیوطی کے نزدیک بھی اسی طرح موضوع ہے، جیسے امام ابن الجوزی کے نزدیک موضوع ہے۔

اب یہاں اِس زیرِ بحث حدیثِ یعفور کو موضوع قرار دینے کے سلسلے میں حافظ سیوطی یہ نہیں کہ صرف خاموش ہیں؛ بل کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کرتے ہیں اور صاف لکھتے ہیں کہ "موضوع" (جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے)

بہ ہر حال اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ "**الخصائص**" میں اس موضوع روایت کو ذکر کرنے میں امام سیوطی رحمہ اللہ سے سہو و چوک ہوگئی، جیسا کہ بہت ساری موضوع احادیث نقل کرنے میں ہوئی ہے؛ لہٰذا اس روایت کو کسی کتاب میں بغیر تصریح و وضاحت کے نقل کر دینے سے یہ حدیث ثابت نہیں کہلائے گی اور خاص طور پر تو اس وقت جب کہ خود علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "**اللآلي المصنوعة**" میں صاف "موضوع" قرار دیا ہے۔ نیز بطورِ خاص اُس وقت جب کہ دیگر بڑے بڑے ائمۂ حدیث کی تحقیق کے مطابق بھی یہ موضوع و من گھڑت ہے۔

حاصل تحقیق

الغرض امام ابن حبان، امام ابن ابی حاتم، امام ابن الجوزی، امام ذہبی، امام عسقلانی، حافظ سیوطی،

علامہ شوکانی، علامہ ابن عراق؛ ان حضراتِ محدثینِ عظام کی تحقیق کے مطابق یہ ایک جھوٹی، بناوٹی اور گھڑی ہوئی روایت ہے اور امام کبیر، رئیس المحدثین امام ابن الجوزی کے علمِ عمیق اور فہمِ دقیق کی رو سے یہ ایسی روایت ہے، جس کو بلا نکیر بیان کرنا، گویا دینِ اسلام میں عیب و کیڑے نکالنا اور اس کے ساتھ تمسخر واستہزا کرنا ہے۔

(الموضوعات للجوزي:۲/۲۷،المجروحين لابن حبان: ۲/ ۳۰۸ -۳۰۹، ميزان الاعتدال: ۶/ ۳۳۰،تلخيص الموضوعات:۸۸، لسان الميزان : ۷/ ۴۹۹،الفوائد للشوكاني:۱۰۰۷، تنزيه الشريعة: ۱/ ۳۲۶،اللآلي المصنوعة :۱/ ۲۷۶)

۱۳۵- حدیث: نبیِ اکرم ﷺ کی حاضری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولیمے میں

”رات کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی، انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضورِ اکرم ﷺ سفید گھوڑے پر سوار ہیں، سبز پوشاک ہے، آپ ﷺ تیزی سے نکل رہے ہیں، تو انھوں نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی: یا رسول اللہ! آپ سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے، بیٹھنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج جو عثمان نے اللہ کے نام پر صدقہ کیا، وہ قبول ہو گیا ہے اور اللہ نے اس کی ایک جنت کی حور سے شادی کی ہے، اس کے ولیمے میں سارے جنتیوں کو بلایا ہے، میں بھی اس کے ولیمے میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں۔“

(بیانات مولانا طارق جمیل صاحب:۱/۱۷۳)

تحقیق

یہ ایک طویل قصے کا ایک حصہ ہے، جسے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ”الموضوعات:۲/۸۶“ میں اس طرح نقل کیا ہے:

”رأيتُ رسول الله ﷺ في منامي على بِرذون أبلق ، فَدَنَوْتُ منه و عليه عمامة من نور معتجراً بها ، وفي رجليه نعلان خضراوان ، شراكهما من لؤلؤ رطب ، بِكَفِّهِ قضيب من قُضبان الجنة أخضر ينثني فسلم علي فردت عليه ، و قلت: يا رسول الله ! قد اشتد شوقي إليك ، فأين أنت ؟ فبادر فقال: إن عثمان بن عفان أصبح عروساً في

الجنة ، و قد دُعيت إلى عرسه".

پورا قصہ امام محبّ الدین طبری نے تاریخ نگاروں کا حوالہ دیتے ہوئے "الریاض النضرة: ۳/۳۹" میں جو نقل کیا ہے، وہ ان ہی کی زبانی ملاحظہ کیا جائے، چناں چہ لکھتے ہیں:

"قحط الناس في زمان أبي بكر، فقال أبوبكر: لا تُمسون حتى يفرجَ اللّٰه عنكم . فلمّا كان من الغد جاء البشير إليه قال: قدمت لعثمانَ ألف راحلةً براً وطعاماً ، قال: فغدا التجار على عثمان ، فَقَرَعُوا عليه البابَ ، فخرج إليهم و عليه ملاء ة قد خالف بين طرفيها على عاتقه ، فقال لهم : ما تريدون؟ قالوا: قد بلغنا أنه قدم لک ألف راحلة برًا و طعاماً ، بِعْنَا حتى نوسعَ به على فقراء المدينة ، فقال لهم عثمان: ادخلوا . فدخلوا فاذا ألف وقرٍ قد صُبَّ في دار عثمان ، فقال لهم: كم تربحوني على شرائي من الشام ؟ قالوا: العشرة اثني عشرة. قال: زادوني ، قالوا: العشرة أربعة عشرة ، قال : قَدْ زادوني قالوا: العشرة خمسة عشر، قال: قد زادوني ، قالوا: من زادک و نحن تجار المدينة ؟ زادني بكل درهم عشرة ، عندكم زيادة ؟ قالوا: لا ، قال : فأشهدكم معشر التجار! أنها صدقة على فقراء المدينة . قال عبد اللّٰه: فبت ليلتي فإذا أنا برسول اللّٰه ﷺ في منافي و هو على برذون أشهب يستعجل وعليه حلة من نور ، و بيده قضيب من نور ، وعليه نعلان شِراكهما من نور ، فقلت له : بأبي أنت و أمي يا رسول اللّٰه ! لقد طَالَ شوقي إليک ، فقال ﷺ : إني مبادر لأن عثمان تصدق بألف راحلة ، وإن اللّٰه تعالى قد قَبِلَهَا منه ، و زَوَّجَه بها عروساً في الجنة ، و أنا ذاهب إلى عرس عثمان".

اس اثرِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا حکم

اس حکایت وروایت کا مصدرِ اصلی، امام ابوالفتح ازدی (متوفی ۳۷۴ھ) کی "کتاب الضعفاء" ہے، اسی کے حوالے سے امام ابن الجوزی اور دیگر حضرات نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث واثر کے راویوں

میں ایک راوی ابراہیم بن منقوش ہے۔ جس کے متعلق حضرات ائمہ محدثین کے اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ کے بقول امام ازدی نے اِس راوی کی اِس روایت کو نقل کرنے کے بعد از خود تحریر فرمایا ہے کہ ''**إبراهيم بن منقوش يضع الحديث وضعاً**'' (ابراہیم بن منقوش حدیثیں واقعی گھڑتا تھا)

(۲) امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) ''**الموضوعات**:۲/۸۵'' میں اور ''**الضعفاء والمتروكين**:۱/۵۴'' میں لکھتے ہیں کہ ''**يروي عن أصحاب ميمون بن مهران ، قال الأزدي: يضع الحديث**''۔

(۳) شیخ الاسلام امام ذہبی رحمۃ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) ''میزان الاعتدال:۱/۱۹۳'' میں لکھتے ہیں کہ ''**إبراهيم بن منقوش الزبيدي ، روى عن أصحاب ميمون بن مهران ، قال الأزدي: كان يضع الحديث**''۔

(۴) امام سِبط ابن العجمی رحمۃ اللہ کی مشہور کتاب: ''الکشف الحثیث'' جس میں صرف ایسے راویوں کی نشان دہی کی گئی ہے، جو باتفاقِ محدثین کذاب اور وضاع قرار دیے گئے ہیں، اسی کتاب کے ص:۴۰ پر علامہ نے ابراہیم بن مقوش کو بھی ذکر کرکے تصریح فرمادی کہ یہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث گھڑنے اور جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔

(۵) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) ''لسان المیزان:۱/۳۶۸'' میں اس تحقیق کو مکمل نقل کرتے ہیں پھر یہی زیرِ کلام حکایت نقل کرکے اس کے موضوع ومکذوب ہونے کا اقرار فرماتے ہیں۔

(۶) حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) ''اللآلی المصنوعہ:۱/۳۱۸'' میں یہ حکایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ''**قال الأزدي: إبراهيم كان يضع الحديث**''۔

(۷) محدثِ عظیم علامہ ابن عراق (متوفی ۹۶۳ھ) اپنی کتاب ''تنزیہ الشریعہ:۱/۳۵۰'' کی فصل اول میں اِس کو ذکر کرتے ہیں اور اس فصل میں اسی حدیث کو ذکر کرتے ہیں، جس کو امام ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہو اور اُن کی تحقیق سے کسی ایک محدث نے بھی اختلاف نہ کیا ہو۔ جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب میں صاف تصریح فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ علامہ ابن عراق کے علم وتحقیق کے معیار پر یہ اثرِ ابن عباس جملہ محدثین کے نزدیک موضوع اور من گھڑت ہے، جس کو ابراہیم بن منقوش نامی شخص نے گھڑا ہے۔

(۸)علامہ محمد بن علی شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) ’’الفوائد المجموعہ:۳۰۲‘‘ میں یہ اثرِ ابن عباس مکمل نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ’’رواه الأزدي ، و قال: في اسناده ابراهيم بن منقوش الزبيدي، و كان يضع الحديث‘‘۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ ایک ہزار سے علماء حدیث بیان کرتے آرہے ہیں کہ یہ موضوع ہے، موضوع ہے، موضوع ہے۔

خلاصۂ کلام

حاصلِ کلام زیرِ بحث اِس روایت کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن منقوش زبیدی ہے جو تمام حضراتِ محدثین کے نزدیک وضاع وکذاب یعنی حدیثیں گھڑنے اور جھوٹی روایات بنانے والا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری معتبر سند سے اور معتبر روایت سے اِس روایت کا معنیٰ ومفہوم بھی ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا یہ حدیث من گھڑت وموضوع ٹھیری۔

۱۳۶-حدیث: نبی رحمت ﷺ کی رحمت میں حضرت جبریل علیہ السلام کا حصہ

’’بیاناتِ مولانا طارق جمیل صاحب:۶/ ۲۶۶‘‘ میں بیان کیا گیا ہے:

’’آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: اللہ نے میرے بارے میں کہا کہ میں رحمۃ للعالمین ہوں، تو عالم میں تو آسمان بھی آگیا۔ تجھے میری رحمت میں سے کیا ملا؟ تو کہنے لگے: مجھے ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں اللہ مجھے دوزخ میں نہ ڈال دے؛ لیکن آپ کے طفیل اللہ نے میری تعریف آپ کے قرآن میں کی۔ اب مجھے بھی تسلی ہوگئی کہ اللہ مجھے پکڑ سے بچالے گا۔‘‘

’’خطباتِ ذوالفقار:۶/ ۲۴۹، ۷/ ۷۱‘‘ میں بیان کیا گیا ہے:

’’نبی علیہ الصلاۃ السلام نے ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا؟ اے جبرئیل! کیا تجھے بھی میری رحمۃ اللعالمینی سے حصہ ملا ہے؟ عرض کیا: اے اللہ کے نبی! جی ہاں! مجھے بھی آپ کی رحمۃ اللعالمینی سے حصہ ملا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہ کیسے؟ عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! جب آپ دنیا میں تشریف لائے تھے، اس وقت میں اپنے انجام کے بارے میں ڈرا کرتا تھا۔ میرے سامنے کئی نیک لوگوں کے انجام

برے ہوئے۔ میں نے شیطان کا بھی انجام دیکھا تھا، جس کی وجہ سے میں بھی ڈرتا تھا کہ پتہ نہیں میرا انجام کیا ہوگا؛ لیکن جب آپ تشریف لائے، تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر ایک آیت اتاردی: ﴿انه لقول رسول كريم ذی قوة عند ذی العرش مكين مطاع ثم امين﴾ یہ آیت چوں کہ میرے بارے میں ہے اور اس سے مجھے اپنے اچھے انجام کا پتہ چل گیا؛ اس لیے میرے دل پر جو غم سوار رہتا تھا، آپ کی رحمۃ اللعالمینی کے صدقے مجھے اب اس غم سے نجات نصیب ہوگئی ہے۔“

تحقیق

یہ ترجمانی ہے اُس روایت کی، جو فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ کی تفسیر ”بحر العلوم: ۲/ ۲۲۵“ میں نقل ہوئی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں:

” إن النبي ﷺ قال لجبريل عليه السلام: هل أصابك من هذه الرحمة شيء ؟ قال: نعم، كنت أخشى العاقبة فأمنت لثناء الله تعالى علي في القرآن بقوله ﴿ذی قوة عند ذی العرش مكين﴾.“

بعینہٖ یہی روایت فقیہ ابو اللیث ہی کے حوالے سے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”**الشفاء بتعريف حقوق المصطفى**“ میں صرف نقل کی ہے۔

اسی طرح مشہور محقق مفسرِ عظیم علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی قاضی عیاض کے حوالے سے یہ روایت ”روح المعانی“ میں نقل کی ہے؛ مگر ذکر کرنے کے بعد علی الفور تحریر فرمایا ہے:

”إذا صح هذا الحديث لزم القول بشمول العالمين للملائكة عليهم السلام إلا أن الجلال السيوطي ذكر في” تزئين الأرائك “ أنه لم يوقف له على إسناد.“

(اگر یہ روایت ثابت ہو جائے، تو یہ ماننا پڑے گا کہ ”العالمین“ عالم ملائکہ کو بھی شامل ہے؛ لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے؛ کیوں کہ امام جلال سیوطی نے اپنی کتاب: ”تزئین الارائک“ میں ذکر کیا ہے کہ ان کو اِس کی کوئی سند معلوم نہ ہو سکی۔)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا اس روایت کو نقل کرنا، پھر امام جلال الدین سیوطی کی تحقیق ذکر کرنا اور اس پر مکمل سکوت فرمانا، یہ دلیل ہے کہ جس طرح احادیث کے وسیع ذخیرہ پر نظر رکھنے والے امام و محدث حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کو اس روایت کی اصل نہیں ملی، علامہ آلوسی کو بھی نہیں اور ان دونوں

حضرات کے علم وتحقیق میں یہ ایک بے اصل روایت ہے۔

راقم کہتا ہے: علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے بقول جس طرح امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق ''تزئین الأرائک'' میں ہے، اسی طرح حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی ایک دوسری کتاب ''مناهل الصفا في تخريج أحاديث الشفاء'' میں بھی یہی تحقیق تحریر فرمائی ہے، چناں چہ لکھتے ہیں: ''لم أجده'' (مجھے یہ حدیث کہیں نہیں ملی)۔

اسی طرح اپنی اور ایک مشہور تالیف: ''الحاوي للفتاوى'' میں رقم فرماتے ہیں کہ ''إن هذا الحديث لم يوقف له على إسناد'' (اس حدیث کی کوئی سند معلوم نہ ہوسکی)۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ کے علاوہ محدثِ کبیر علامہ شیخ شہاب الدین خفاجی مصری رحمہ اللہ ''نسیم الریاض'' میں لکھتے ہیں: ''هذا لم يوجد في شيء من كتب الحديث'' (یہ روایت حدیث کی کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے)۔

احادیث پر وسیع نظر رکھنے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تک کو اِس حدیث کی سند کہیں نہیں ملی، اسی طرح محدث عظیم علامہ خفاجی مصری رحمہ اللہ کو بھی یہ روایت کتبِ حدیث میں کہیں نہیں ملی اور دوسری طرف علامہ آلوسی رحمہ اللہ اِس تحقیق سے متفق ہیں۔

ایک اصول کا ذکر

جب کوئی حافظِ حدیث کسی روایت کی تحقیق میں ''لم أجده ، لا أعرفه ، لم يوجد في كتب الحديث'' وغیرہ جملے کہے اور اس پر دیگر حفاظ حدیث میں سے کسی کی طرف سے کوئی تعقب نہ ہو، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ روایت بے اصل اور موضوع ہے۔ چناں چہ محدثِ کبیر اور جلیل القدر عالم دین شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ''المصنوع'' کے مقدمے میں حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ جلال الدین سیوطی، حافظ علائی اور علامہ ابن عراق کی تحریرات پہلے نقل کرتے ہیں، پھر لکھتے ہیں کہ ''ونحو هذه العبارات إذا صدر من أحد الحفاظ المعروفين ، ولم يتعقبه أحد كفى للحكم على ذالك الحديث بالوضع.'' (ایسی تعبیرات اگر کسی مشہور ومعروف حافظِ حدیث نے کہی اور کسی نے اس پر تعقب نہیں کیا، تو یہ بات اُس حدیث کو موضوع بتانے کے لیے کافی وشافی ہے)۔

اور یہاں صرف خاموشی ہی نہیں؛ بل کہ علامہ آلوسی، علامہ خفاجی مصری، حافظ جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ؛ یہ تینوں حضرات کی تحریرات ایک دوسرے کی تائید وتصدیق میں ہیں؛ اس سے معلوم ہوا کہ ان

تینوں ائمۂ دین کے نزدیک اِس روایت کا حدیثِ رسول ہونا ثابت نہیں ہے اور اتنی بات اِس حدیث کو موضوع وجعلی قرار دینے کے لیے کافی ہے؛ لہٰذا حدیث موضوع وخود ساختہ ہے۔

خلاصۂ کلام

الغرض: اولاً تو حدیث کی کسی بھی معتبر کتاب میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔
ثانیاً: فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ کی تفسیر میں ہے اور وہ بھی بلا سند۔
ثالثاً: دیگر کتبِ تفسیر کی طرح خاص طور پر تفسیر سمر قندی میں تو بہت ساری موضوع روایات درج ہیں۔
رابعاً: حضرات محدثین عظام کی تحقیق وتصریح کے مطابق اس کی کوئی اصل کہیں نہیں ہے۔
لہٰذا یہ سارے دلائل وقرائن گواہی دیتے ہیں کہ یہ حدیث ایک بے اصل وموضوع اور کسی کی وضع کردہ ومن گھڑت ہے۔

(الشفاء مع شرح القاري:۱/۴۵،روح المعاني:۱۷/۱۰۵ ، مناهل الصفاء:۳۱، الحاوي للفتاوى: ۲/۱۴۱،نسيم الرياض:۱/۱۷۸،مقدمة المصنوع:۲۵)

۱۳۷- حدیث: ایک یتیم بچے کے قصے والی روایت

''بیانات مولانا طارق جمیل صاحب:۵/۱۰۴،۶/۲۲۵'' میں بیان کیا گیا ہے:

''بخاری میں ہے: صحابی بشیر فرماتے ہیں: میں اپنی ماں کے ساتھ ہجرت کر کے آیا، والدہ کا انتقال ہوگیا، اکیلا معصوم بچہ، باپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں چلے گئے، وہ وہاں شہید ہوگئے، جب لشکر واپس آیا، تو فرماتے ہیں: میں اپنے باپ کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر ایک چٹان پر بیٹھ گیا کہ یہاں سے لشکر گزرے گا، تو باہر نکل کر اپنے باپ کا استقبال کروں گا، تو اسے کیا خبر کہ باپ کے ساتھ کیا ہو چکا، جب سارا لشکر گزر گیا اور باپ کو نہیں دیکھا، وہ تو شہید ہو گئے تھے۔ تو چٹان سے اترا اور دوڑتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوگئے، آپ بھی کھڑے ہوگئے، پوچھا: یارسول اللہ! میرے باپ نے کیا کیا؟ تو حضرت بشیر فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف منہ پھیر لیا، میں رویا اور سامنے آیا، تو میں نے پھر کہا: یارسول اللہ! میرے باپ کا کیا بنا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں

پانی بھر آیا اور آپ رونے لگے، میں آپ ﷺ کی ٹانگوں سے لپٹا اور رویا اور میں نے کہا کہ یارسولِ اکرم! میری ماں رہی اور نہ باپ رہا یا رسولِ اکرم!؛ یہ حقوق العباد ظاہر ہوگئے، آج کی ہماری سوچ کے مطابق، یہاں سے صاحبِ شریعت ﷺ نے حضرت بشیر کو اٹھالیا اور سینے سے لگالیا اور ارشاد فرمایا: یا بشیر! أما ترضی أن تکون عائشة أمک، وأنا أبوک (اوکما قال)(بشیر کیا تو اس پر راضی ہے کہ اللہ کا رسول تیرا باپ بن جائے اور حضرت عائشہ تیری ماں بن جائے؟) تو حضرت بشیر فرمانے لگے: یارسولِ اکرم! میں راضی ہوں، میری مراد پوری ہوگئی۔''

یہی واقعہ ''خطبات ذوالفقار: ۷/ ۶۷-۶۸'' پر کچھ اس طرح سے مذکور ہے:

''مشہور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام عید کے دن گھر سے مسجد کی طرف تشریف لانے لگے، راستے میں آپ ﷺ نے کچھ بچوں کو کھیلتے دیکھا۔ انھوں نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بچوں نے سلام عرض کیا، تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب ارشاد فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ آگے تشریف لے گئے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے آگے چل کر دیکھا، تو ایک بچے کو خاموشی کے ساتھ اُداس بیٹھے دیکھا، آپ ﷺ اس کے قریب رک گئے، آپ ﷺ نے اُس بچے سے پوچھا، تمھیں کیا ہوا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ تم اُداس اور پریشان نظر آرہے ہو؟ اس نے رو کر کہا: اے اللہ کے محبوب! میں یتیم مدینہ ہوں، میرے سر پر باپ کا سایہ نہیں ہے، جو میرے لیے کپڑے لا دیتا، میری امی مجھے نہلا کر نئے کپڑے پہنا دیتی؛ اس لیے میں اداس بیٹھا ہوں۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ تم میرے ساتھ آؤ۔

آپ ﷺ اسے لے کر واپس اپنے گھر تشریف لائے اور سیدہ عائشہ صدیقہ سے فرمایا: حمیرا! انھوں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسول الله!'' (اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں)، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس بچے کو نہلا دو۔ چناں چہ اسے نہلا دیا گیا۔ اتنے میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی چادر کے دو ٹکڑے کیے۔ کپڑے کا ایک ٹکڑا اسے تہبند کی طرح باندھ دیا گیا اور دوسرا اس کے بدن پر لپیٹ دیا گیا۔ پھر اس کے سر پر تیل لگا کر کنگھی کی گئی۔ حتی کہ جب وہ بچہ تیار ہوگیا اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ چلنے لگا، تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نیچے بیٹھ گئے اور اس بچے کو

فرمایا: آج تو پیدل چل کر مسجد میں نہیں جائے گا؛ بل کہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر جائے گا۔

نبی علیہ السلام نے اس یتیم بچے کو اپنے کندھوں پر سوار کرلیا اور اسی حالت میں اس گلی میں تشریف لائے، جس میں بچے کھیل رہے تھے۔ جب انھوں نے یہ معاملہ دیکھا، تو وہ رو کر کہنے لگے کہ اے کاش! ہم بھی یتیم ہوتے اور آج ہمیں بھی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے کندھوں پر سوار ہونے کا شرف نصیب ہوتا۔

نبی علیہ السلام جب مسجد میں تشریف لائے، تو آپ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے، تو وہ بچہ نیچے بیٹھ گیا۔ نبی علیہ السلام نے اسے اشارہ کرکے فرمایا کہ تم آج زمین پر نہیں بیٹھوگے؛ بل کہ میرے ساتھ منبر پر بیٹھوگے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا اور پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو شخص یتیم کی کفالت کرے گا اور محبت و شفقت کی وجہ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرے گا، اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں اتنی نیکیاں لکھ دے گا۔"

اسی واقعہ میں اُس بچے کے سوتیلے باپ کا، گھر سے باہر نکال دیے جانے، پھر حضور ﷺ کو راستے میں بے یار و مددگار ملنے۔ اس کے بعد اس کو لے کر آپ ﷺ کا گھر لانا اور فرمانا کہ آج سے عائشہ تیری ماں، فاطمہ تیری بہن، علی تیرے چچا، حسنین تیرے بھائی ہیں اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر کا اُس بچے کو اپنی کفالت میں لے لینا۔

کچھ لوگ اس طرح کی باتیں بھی بڑھاتے ہوئے سناتے رہتے ہیں؛ مگر حقیقت کیا ہے آگے درج کی جاتی ہے۔

تحقیق

(۱) مولانا طارق جمیل صاحب دامت برکاتہم کے بیان میں "بخاری" کا حوالہ دیا گیا ہے اور یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ جب "بخاری" کہا جائے، تو اس سے مراد امام بخاری کی کتاب "**الصحیح**" مراد ہوتی ہے؛ مگر یہ روایت بخاری میں کہیں نہیں ہے۔

(۲) البتہ امام بخاری نے "التاریخ الکبیر" میں اور ان ہی کی سند سے امام بیہقی نے "**الجامع لشعب الإیمان**" میں ایک روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں "**بشر بن عقربة یقول:**

استشهد أبي مع النبي ﷺ في بعض غزواته ، فَمَرَّ بي النبي ﷺ و أنا أبكي، فقال لي: اسكت أما ترضى أن أكون أباک ، وعائشة أمک ؟ قلت: بلى بأبي أنت و أمي يا رسول الله.''

اس حدیث کی سند کو''شعب الإیمان'' کے تعلیق نگاروتخریج بردار حضرت مولانا مختار احمد ندوی صاحب نے''**لابأس به**''بتایا ہے۔

(التاريخ الكبير:۲/ ۳۰،شعب الإيمان:۱۳/۳۹۶)

(۳) امام ہیثمی رحمہ اللہ ''مجمع الزوائد''میں بحوالہ''مسند بزار''ایک دوسری سند سے یہی حدیث ذکر کرتے ہیں،جس کے کلمات وتعبیرات یہ ہیں:

''قال: لقيت رسول الله ﷺ يوم أحد فقلت: ما فعل أبي؟ قال: استشهد ، رحمة الله عليه ، فبكيت ، فأخذني ، فمسح رأسي، وحملني معه ، وقال: أما ترضى أن أكون أنا أبوک و تكون عائشة أمک.'' (مجمع الزوائد:۱۳۵۱۷)

امام ہیثمی رحمہ اللہ اس حدیث کی سند پر کلام کرتے ہیں اور صرف یہ لکھتے ہیں کہ''**و فيه من لا يعرف**''(اس سند میں غیر معلوم راوی ہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اِس حدیث کے دو طرق ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے والے ہیں؛ لہٰذا حدیث قابلِ قبول ہوگی۔

مذکورہ بالا متونِ حدیث سے جس قدر واقعہ اور جتنی باتیں واضح ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

''حضرت بشر فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کے بعد جب میں نے روتے ہوئے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میرے ابا کا کیا ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: وہ شہید ہوگئے،اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔ یہ سن کر میں رو پڑا،آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا: چپ ہو جاؤ، کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ میں تمہارا باپ ہو جاؤں اور عائشہ تمھاری ماں ہو جائے، میں نے کہا: کیوں نہیں؟! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں،یارسول اللہ!''۔

اس قدر مضمون اور اتنی باتیں تو ثابت مانی جائیں گی؛ لیکن اِس کے علاوہ یہ باتیں جو بیان کی جاتی ہیں:

(الف) ''حضرت بشیر فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے دوسری طرف منہ پھیرلیا، میں رویا اور سامنے آیا، تو میں نے پھر کہا: یارسول اللہ! میرے باپ کا کیا بنا؟ آپ ﷺ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور آپ رونے لگے، میں آپ ﷺ کی ٹانگوں سے لپٹا اور رویا اور میں نے کہا کہ یا رسولِ اکرم! میری ماں رہی اور نہ باپ رہا۔''

(ب) مشہور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام عید کے دن گھر سے مسجد کی طرف تشریف لانے لگے، راستے میں آپ ﷺ نے کچھ بچوں کو کھیلتے دیکھا۔ انھوں نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بچوں نے سلام عرض کیا، تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب ارشاد فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ آگے تشریف لے گئے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے آگے چل کر دیکھا، تو ایک بچے کو خاموش کے ساتھ اُداس بیٹھے دیکھا، آپ ﷺ اس کے قریب رک گئے، آپ ﷺ نے اُس بچے سے پوچھا، تمھیں کیا ہوا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ تم اداس اور پریشان نظر آرہے ہو؟ اس نے روکر کہا: اے اللہ کے محبوب! میں یتیم مدینہ ہوں، میرے سر پر باپ کا سایہ نہیں ہے، جو میرے لیے کپڑے لا دیتا، میری امی مجھے نہلا کر نئے کپڑے پہنا دیتی، اس لیے میں اداس بیٹھا ہوں۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ تم میرے ساتھ آو۔

(ج) آپ ﷺ اسے لے کر واپس اپنے گھر تشریف لائے اور سیدہ عائشہ صدیقہ سے فرمایا: حمیرا! انھوں نے عرض کیا: **لبیک یارسول اللہ!** (اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں)، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس بچے کو نہلا دو۔ چناں چہ اسے نہلا دیا گیا۔ اتنے میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی چادر کے دو ٹکڑے کیے۔ کپڑے کا ایک ٹکڑا اسے تہبند کی طرح باندھ دیا گیا اور دوسرا اس کے بدن پر لپیٹ دیا گیا۔ پھر اس کے سر پر تیل لگا کر کنگھی کی گئی؛ حتی کہ جب وہ بچہ تیار ہو گیا اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ چلنے لگا، تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نیچے بیٹھ گئے اور اس بچے کو فرمایا: آج تو پیدل چل کر مسجد میں نہیں جائے گا؛ بل کہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر جائے گا۔

(د) نبی علیہ السلام نے اس یتیم بچے کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اسی حالت میں اس گلی میں تشریف لائے، جس میں بچے کھیل رہے تھے۔ جب انھوں نے یہ معاملہ دیکھا، تو وہ رو کر کہنے لگے کہ اے کاش! ہم بھی یتیم ہوتے اور آج ہمیں بھی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے کندھوں پر سوار ہونے کا شرف نصیب ہوتا۔

(ہ) نبی علیہ السلام جب مسجد میں تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے منبر پر بیٹھ گئے، تو وہ بچہ نیچے

بیٹھ گیا۔ نبی علیہ السلام نے اسے اشارہ کر کے فرمایا کہ تم آج زمین پر نہیں بیٹھو گے؛ بل کہ میرے ساتھ منبر پر بیٹھو گے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا اور پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو شخص یتیم کی کفالت کرے گا اور محبت وشفقت کی وجہ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرے گا، اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں اتنی نیکیاں لکھ دے گا۔"

یہ ساری باتیں ثابت شدہ روایت میں بڑھا دی گئی ہیں اور اس واقعے میں اِن باتوں کے جوڑنے پر دلالت کرنے والی کوئی روایت نہیں ملی۔ نیز جو روایتِ ثابتہ اوپر نقل ہوئی ہے، اس سے بھی ان باتوں پر روشنی نہیں پڑتی؛ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یہ ساری باتیں حدیث پر سرزد ہونے والی زیادتیاں ہیں، جو زورِ بیان اور جوشِ تقریر کا نتیجہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۳۸- حدیث: ایک دیہاتی صحابی کے پچیس سوالات

"ایک شخص آ کر عرض کرتا ہے: یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں میری عزت سب سے زیادہ ہو جائے، کون نہیں چاہتا کہ اس کی عزت ہو، اس کا مقام ہو۔" **یا رسول الله أريد أن أكون أكرم الناس** "(یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں میری عزت ہو جائے، سب سے زیادہ ہو جائے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "**لا تشكُ من أمرك شيئا إلى الخلق تكن أكرم الناس**" (تو سوال کرنا چھوڑ دے، مخلوق کو بتانا چھوڑ دے کہ میری کیا ضرورت ہے، اللہ کے سوا کسی کو نہ بتا کہ تیری حاجت ہے، اللہ تجھے سب سے زیادہ عزت دے گا)۔ اس نے کہا: **یارسول الله أُريد أن يوسَّع علي رزقي** (میں چاہتا ہوں میرا رزق زیادہ ہو جائے)۔ میں نیچے پہاڑ میں رہتا ہوں، ادھر زندگی کا کاروبار نہیں۔ میں چاہتا ہوں میرا رزق زیادہ ہو جائے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: **ادم على الطهارة يوسع عليك رزقك** (تو باوضو رہنا شروع کر دے؛ اللہ تعالیٰ تیرا رزق بڑھا دے گا، کتنا آسان کام؟) اس نے کہا: **یا رسول الله أريد أن أكون أقوى الناس** (میں چاہتا ہوں سب سے زیادہ طاقتور بن جاؤں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **توكل على الله تكن أقوى الناس** (تو توکل سیکھ لے، سب سے بڑا طاقتور بن جائے گا)۔ اس نے کہا: **یارسول الله**

أرید أن أکون أعلم الناس (میں چاہتا ہوں، سب سے زیادہ علم والا بن جاؤں) آپ ﷺ نے فرمایا: اتق اللہ تکن أعلم الناس (تو تقویٰ اختیار کر لے؛ سب سے بڑا عالم بن جائے گا)۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ أرید أن أکون أخص الناس (میں چاہتا ہوں میری خصوصیت قائم ہو جائے) یہ خصوصی آدمی ہے، خواص ہے۔ یا رسول اللہ! میں خواص بن جاؤں۔ خصوصی آدمی بن جاؤں اللہ کے دربار میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أکثر من ذکر اللّٰہ تکن أخص الناس (اللہ کا ذکر کثرت سے کر، اللہ تجھے اپنے دربار میں خصوصیت عطا فرمائے گا)۔ اس نے کہا: یا رسول اللّٰہ أرید أن تستجاب دعوتي (میں چاہتا ہوں میری دعائیں قبول ہوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اجتنب من أکل الحرام تستجب دعوتک (تو حرام کھانا چھوڑ دے، اللہ تیری ہر دعا قبول کرے گا)۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ أرید أن یکمل إیماني (یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں میرا ایمان سب سے بلند، کامل ہو جائے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حسن خلقک یکمل إیمانک (اپنے اخلاق اچھے کر لے؛ تیرا ایمان مکمل ہو جائے گا)۔"

(بیانات مولانا طارق جمیل صاحب: ۱/۱۵۴، آؤ جنت پکارتی: ۲۸۲، ۳۹۶)

حدیث:

یہ ایک طویل روایت کے چند اجزا کی ترجمانی ہے اور یہ روایت حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی "جامع الأحادیث: ۳۷۶۴۰" میں اور علامہ علی متقی رحمہ اللہ کی "کنز العمال: ۴۴۱۵۴" میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی روایت کہہ کر نقل کی گئی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"جاء رجلٌ إلی النبي ﷺ، فقال: إني سائلک عمّا في الدنیا و الآخرۃ، فقال: سَلْ عمّا بَدَالک، (۱) قال: یا نبيَّ اللّٰہ! أُحِبُّ أن أکون أعلم الناس، قال: اِتَّقِ اللّٰہ تَکُنْ أعلمَ الناس، (۲) فقال: أُحِبُّ أن أکون أغنی الناس، قال: کُنْ قَنِعاً تکُن أغنی الناس، (۳) قال: أُحِبُّ أن أکونَ خیرَ الناس، قال: خیرُ الناس مَنْ ینفَع الناسَ، فَکُنْ نافعاً لھم، (۴) فقال: أُحِبُّ أن أکون أعدلَ الناس، قال: أَحْبِبْ لِلنَّاس ما تُحِبُّ لنفسک تکُن أعدلَ الناس، (۵) قال: أُحِبُّ أن أکونَ أخصَّ

الناسِ إلى اللّٰه تعالى ، قال: أَكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰه تكن أَخصَّ العبادِ إلى اللّٰه تعالى ، (٦) قال: أُحِبُّ أن أكونَ من المُحْسنين ، قال: اُعْبدِ اللّٰه كأنَّک تَراهُ ، فَإنْ لم تكن تراه فإنه يَراک ، (٧) أُحِبُّ أن يكمل إيماني، قال: حَسِّنْ خُلُقَکَ يَكْمُلْ اِيْمانُک ، (٨) أُحِبُّ أن أكون من المُطِيْعِين ، قال: أَدِّ فرائضَ اللّٰه تكن مُطِيعاً ، (٩) أُحِبُّ أن ألقى اللّٰه نَقِيّاً من الذنوب ، قال : اِغْتَسِل من الجنابة مُتَطَهِّراً تلقى اللّٰهَ يومَ القيامة وما عليک ذَنْبٌ ، (١٠) أُحِبُّ أن أُحْشَرَ يوم القيامة في النُّور، قال: لا تظلِم أحداً تحشَر يوم القيامة في النور ، (١١)قال: أُحِبُّ أن يرحمني ربِّي، قال: ارحم نفسَک و ارحمْ خلْقَ اللّٰه يرحمک اللّٰه . (١٢) قال: أحب أن تَقِلَّ ذُنوبي ، قال: استغفرِ اللّٰه تقل ذنوبُک ، (١٣) قال: أُحِبُّ أن أكون أكرمَ الناس ، قال: لا تشكون اللّٰه إلى الخلق تكن أكرمَ الناس ، (١٤) قال: أُحِبُّ أن يُوَسَّعَ عَلَيَّ في الرزق، قال: دُمْ على الطَّهارةِ يُوَسَّعْ عليک في الرزق ، (١٥) قال: أُحِبُّ أن أكون مِنْ أَحِبَّاء اللّٰهِ و رسولِه ، قال: أَحْبِبْ ما أحب اللّٰهُ و رسولُه ، وأَبْغِضْ ما أبغض اللّٰه و رسوله ، (١٦) قال : أُحِبُّ أن أكون آمِنًا مِنْ سخطِ اللّٰه ، قال:لا تغضَبْ على أحدٍ تأمَنْ مِنْ غضبِ اللّٰه و رسوله ، (١٧) قال: أُحِبُّ أن تستجاب دعوتي، قال : اجتنبِ الحرامَ تُسْتَجَبْ دَعْوَتُک ، (١٨)قال: أُحِبُّ أن لا يفضحني اللّٰه على رؤوس الأشهاد قال: احفظْ فرجَک كيلا تفضح على رؤوس الأشهاد ، (١٩) قال: أُحِبُّ أن يستر اللّٰه على عيوبي ، قال: اُسْتُرْ عُيُوبَ اِخْوَانک يستر اللّٰه عليک عيوبَک ، (٢٠) قال: ما الذي يمحُو عنّي الخطايَا؟ قال:الدموعُ والخضوعُ و الأمراضُ ، (٢١)قال: أيُّ حسنةٍ أفضلُ عند اللّٰه ؟ قال: حُسْنُ الخلق، و التواضعُ ، والصبرُ على البَلِيَّة ، و الرضاءُ بالقضاء ، (٢٢) قال: أيُّ سَيِّئَةٍ أعظم عند اللّٰه ؟ قال: سوءُ الخلق و الشُّحُّ المُطاعُ ، (٢٣) قال:ما الذي يُسْكِنُ غضبَ الرحمٰن ؟

قال :اِخْفاءُ الصدقةِ ، وصلةُ الرحم ، (۲۴) قال: ما الذي يُطْفِئ نارَ جهنَّمَ ؟ قال: الصومُ."

تحقیق بہ لحاظِ روایت کلام

روایت مع الفاظ با حوالہ اوپر نقل کر دی گئی ہے، اب اس کی سند و درجے پر درجِ ذیل سطور میں کلام پیش کرتا ہوں:

(۱) حدیث کی مستند و معتمد، مشہور و متداول کتابوں میں کہیں نہیں ہے؛ بل کہ مواعظ و خطبات کی مشہور کتابوں میں موجود بے شمار موضوع روایات میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا؛ حتی کہ موضوع احادیث کی تحقیق میں لکھی گئی کتابیں بھی اِس حدیث کے نام و نشان سے تک خالی ہیں۔

بعض اشتہارات و تحریرات میں یہ زیرِ نظر ہوا کہ اِس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی "مسند" میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی روایات میں نقل کیا ہے؛ مگر راقم نے "مسند احمد" کے متعدد نسخوں کی ورق گردانی ممکنہ حد تک کی؛ لیکن کسی بھی نسخے میں یہ روایت نہیں ملی۔ صرف "مسند احمد" ہی میں نہیں؛ بل کہ امام احمد کی دیگر کتابوں میں بھی طویل تلاش و جستجو کے بعد بھی تا دمِ تحریر کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں ملا۔

(۲) اِس حدیث کا وجود امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب "جامع الاحادیث" میں ہی ملتا ہے اور ان ہی کے حوالے سے شیخ علی متقی رحمہ اللہ نے "کنز العمال" میں نقل کیا ہے اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے نہ اس کی کوئی سند ذکر کی ہے اور نہ ہی کسی محدث و کتابِ حدیث کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی اس روایت پر کسی بھی قسم کا حکم لگایا ہے؛ بل کہ یہ کہہ کر روایت نقل کی ہے:

"وَجَدْتُ بِخَطِّ الشيخ شمس الدين بن القماح في مجموع له عن أبي العباس المستغفري قال: قصدتُ مصرَ أريدُ طلبَ العلم من الإمام أبي حامد المصري ، وَ اَلْتَمَسْتُ منه حديثَ خالدٍ بن الوليد رضي الله عنه فَأَمَرَنِي بِصَوْمِ سنةٍ ، ثم عَاودتُه في ذلک ، فأخبرني بإسناده عن مشائخه إلى خالد بن الوليد قال....اهـ"

(شیخ سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ شمس الدین بن القماح کی تحریر دیکھی، جس میں ابو العباس مستغفری سے مروی ہے کہ میں امام ابو حامد مصری کے پاس علم حاصل کرنے کے ارادے سے مصر پہنچا اور ان سے درخواست کی کہ خالد بن الولید

کی حدیث سنائیں، تو انھوں نے مجھے ایک سال روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر میں جب اسی مسئلے میں ان سے رجوع ہوا، تو انھوں نے اپنی سند اپنے مشائخ سے لے کر حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تک پہنچائی اور پھر یہ حدیث سنائی کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:..... الخ۔)

امام سیوطی رحمہ اللہ کی اِس تحریر میں چند امور نہایت ہی قابلِ غور و لائقِ بحث و نظر ہیں:

امرِ اول یہ ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے یہ روایت بہ طریقِ ''وِجادۃ'' نقل کی ہے، جو اخذِ حدیث کے کمزور طریقوں میں سے ایک ہے اور علم حدیث کی اصطلاح میں ''وجادہ'' یہ ہے کہ کسی طالب کو کوئی ایسی کتاب کہیں سے مل گئی، جس کا کاتب کوئی معلوم محدث ہو اور وہ طالبِ علم یہ کہہ کر روایت کرے کہ فلاں محدث کی فلاں کتاب میں فلاں روایت میں نے دیکھی، تو اِس طرح حدیث بیان کرنے کو ''وجادہ'' کہتے ہیں۔ (دیکھو: ''علوم الحدیث'' کی کتابیں)

امرِ دوم یہ ہے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا کہ انھوں نے یہ روایت شیخ ابن القماح کی ایک کتاب میں دیکھی ہے، تو اِس کے متعلق عرض ہے کہ شیخ ابن القمّاح، جن کا نام محمد بن احمد ہے اور جن کی تاریخِ ولادت ۶۵۶ھ اور تاریخِ وفات ۷۴۱ھ ہے، قاہرہ کے قاضی اور علم حدیث و فقہ کے قوی الحفظ عالم تھے، بکثرت عبادت و تلاوت میں مشغول رہنے والے صلحاء و صوفیاء میں سے تھے۔ اِن کی تعریف و مدح کرتے ہوئے حافظ عبد الرحیم اسنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''كان رجلاً عالماً ، فاضلاً ، فقيهاً ، محفظاً ، حافظاً لتواريخ المصريين ، ذكيّاً ، إلا أن نقله يزيد على تصرفه ، وكان سريع الحفظ بعيد النسيان، مواظباً على النظر و التحصيل ، كثير التلاوة ، سريعاً متودّداً.''

حافظ سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''صاحب التصانيف المجوّدة''۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وله مجاميع كثيرة مشتملة على فوائد غزيرة....وكان شيخنا سراج الدين البلقيني يحدث عنه بصحيح مسلم ، و يفتخر به على أقرانه كالعراقي وابن الملقن ، ثم ظهر أنه إنما سمع منه من صحيح مسلم شيئاً يسيراً ، فعاد يحدث به عن ابن عبد الهاد.''

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”ولكنه كان ينسب إليه التساهل في الأحكام فيما يقال فكان القاضي بدر الدين ابن جماعة ، يمنعه من إثبات كتب الأوقاف.“

اِن کی سوانحِ حیات اور محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں شیخ شمس الدین ابن القماح کے تعلق سے جو بات ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ کہ آپ بڑے علماء وصلحاء میں سے تھے، متعدد ومفید تصانیف کے مصنف تھے؛ مگر شدتِ تساہل کا بھی شکار تھے، جس کی بنا پر امام ابن جماعہ نے ان پر نکیر فرمائی ہے۔

(الطبقات الشافعية الكبرى للسبكي:۹/۹۲،الطبقات الشافعية:۲/۱۷۳،الوافي بالوفيات: ۲/۱۰۵، الدرر الكامنة: ۳/۳۰٤)

بہ ہرصورت زیرِ بحث حدیث شیخ ابن القماح کی کس کتاب میں ہے، اس کا حوالہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے نہیں دیا؛ تاکہ معلوم کیا جاتا کہ اس کی سند کیا ہے؟ بعد ازاں فیصلہ کیا جاتا کہ حدیث کس درجے کی ہے؟ خصوصاً حوالے وسند کی ضرورت اُس وقت مزید بڑھ جاتی ہے، جب کہ صاحبِ کتاب صاحبِ اتقان محدث نہ ہو، تساہل کا شکار ہو اور خاص طور پر تو اس وقت جب کہ اُن کی بیان کردہ روایت نہ دوسرے مشہور محدثین سے مروی ہو اور نہ ہی متداول ومعروف کتبِ حدیث میں مذکور ہو۔

امر سوم یہ ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی تحریر میں ایک مشہور ومعروف محدث یعنی ابو العباس مستغفری راوی کا نام آیا ہے، اِن کا نام جعفر بن محمد ہے، ان کا سن ولادت ۳۵۰ھ اور سن وفات: ۴۳۲ھ ہے، عظیم محدثین اور مصنفین میں سے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ مشہور واعظین ومبلغین میں سے ہیں۔ ان کا وصف وحال جو محدثین نے بیان کیا ہے اور جس سے ان کی مرویات کا حال بھی معلوم ہو جائے گا اور بطورِ خاص زیرِ بحث حدیث کا درجہ بھی معلوم ہو جائے گا، وہ وصف وحال نقل کر دیتا ہوں۔ چناں چہ

(۱) امام ابوسعد عبدالکریم سمعانی رحمہ اللہ اپنی بے نظیر کتاب ”الأنساب:۱۱/۲۹۷“ میں اور امام ابن الاثیر رحمہ اللہ ”اللباب تهذيب الأنساب:۳/۲۰۹“ میں رقم طراز ہیں:

”كان فقيهاً فاضلاً و محدثاً مكثرا صدوقاً يرجع إلى فهم و معرفة و إتقان ، جمع الجموع ، وصنف التصانيف ، و أحسن فيها.“

(ماہر فقیہ تھے، کثیر الروایہ اور معتبر محدث تھے، فہم ومعرفت اور علمی پختگی میں مرجع الانام تھے، متعدد علوم کے جامع تھے، متعدد تصنیفات تحریر فرمائی ہیں اور ان میں بہترین مواد جمع فرمایا ہے۔)

(۲) امام ذہبی رحمہ اللہ ''سیر أعلام النبلاء: ۱۷/ ۵۶۴'' میں لکھتے ہیں: ''الإما م الحافظ المجود المصنف''۔

(۳) میزان الاعتدال، لسان المیزان، تہذیب الکمال اور دیگر کتبِ جرح وتعدیل میں راویوں کی جرح وتوثیق کے تعلق سے ان کے اقوال کو بھی مرجع بنایا گیا ہے۔

جس سے ظاہر ہے کہ امام مستغفری فقیہ وحافظ حدیث اور صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں اور صرف یہ نہیں کہ صدوق وثقہ ہیں؛ بل کہ امامِ جرح وتعدیل تسلیم کیے گئے ہیں اور ویسے بہت مشہور ومعروف محدث ہیں۔

لیکن ایک طرف اگرچہ ثقہ محدثین ومصنفین میں سے ہیں؛ مگر ایک طرف مشہور واعظین ومبلغین میں سے ہیں اور آپ نے اپنی جو تصنیفات پیش کی ہیں، ان میں بہت ساری موضوع ومکذوب روایتیں بکثرت نقل کردی ہیں؛ چناں چہ

(۱) امام ذہبی رحمہ اللہ ''تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۳۲۴'' میں لکھتے ہیں: ''كان صدوقاً في نفسه لكنه يروي الموضوعات في الأبواب ولا يوهيها''۔

(۲) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ''طبقات الحفاظ: ۴۲۴'' میں لکھتے ہیں: ''كان صدوقاً غير أنه يروي الموضوعات في الأبواب ولا يوهيها.''

(۳) علامہ جعفر کتانی رحمہ اللہ نے ''الرسالة المستطرفة: ۵۱'' میں اِن کی چند کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: یہ علاقہٴ نسف کے خطیب تھے؛ لكنه يروي الموضوعات من غير تبيين كفعل غير واحد من المحدثين''۔

(۴) امام ابن عماد شہاب الدین حنبلی رحمہ اللہ ''شذرات الذہب: ۵/ ۱۵۷'' میں حافظ ابن ناصر الدین رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''كان حافظاً، مصنفاً، ثقة، مبرزاً على أقرانه؛ لكنه يروي الموضوعات من غير تبيين''۔

(۵) راقم کہتا ہے کہ امام مستغفری رحمہ اللہ کی متعدد تصنیفات ہیں: دلائل النبوة، كتاب الطب النبوي، كتاب معرفة الصحابة وغیرہ۔ بندے کے پاس امام مستغفری کی کتاب: ''فضائل القرآن، مطبوع دار ابن حزم'' ہے۔ صرف اس ایک کتاب میں موضوع روایات تقریباً ۳۵/ یا اس سے زائد ہیں۔ اب باقی کتابوں کا حال بھی یقیناً ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ امام ذہبی، سیوطی، کتانی اور ابن ناصر الدین رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔

اِن اقوال کا حاصل یہی ہے کہ امام مستغفری رحمۃ اللہ بذاتِ خود ثقہ و معتبر محدث و امام ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اپنی تصنیفات وخطبات میں متعدد ابوابِ علم میں بہت ساری موضوع روایات بھی بیان کردیتے تھے؛ لہٰذا آپ کے حوالے سے یا آپ کی تصنیف میں کوئی حدیث آجائے، تو جب تک دیگر محدثین سے اور اصولِ حدیث کی روشنی میں اِس کا ثبوت فراہم نہیں ہوجاتا، اُس وقت تک اُس کو ثابت نہیں کہا جائے گا۔

تحقیق بلحاظِ اصول درایت

اب تک جو کلام کیا گیا، وہ سند اور راویانِ حدیث سے متعلق تھا۔ اب آگے متن سے متعلق درایۃً کلام پیش کرتا ہوں؛ تا کہ اس پہلو سے بھی معلوم ہوجائے کہ اِس کا کیا درجہ ہے؟ لہٰذا عرض ہے:

(۱) ایک اہم ترین اصول یہ ہے کہ جلیل القدر وعظیم المرتبت حضراتِ محدثین نے احادیثِ نبویہ کو متنوع طرز و مختلف اسلوب پر اپنی اپنی کتابوں میں جمع فرمایا ہے۔ جیسے: ''جامع، سنن، مسند، مستدرک، مستخرج، مصنف، موطا، معجم وغیرہ کتبِ مشہورہ۔ نیز عقائد واحکام، مسائل وفضائل، احوالِ گزشتہ و پیش آمدہ، مبدأ و معاد اور دیگر ابوابِ علم میں سے ہر باب سے متعلق ایسی کوئی حدیث نہیں، جو آپ ﷺ سے ثابت ہو اور محدثین نے ذکر نہ کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی بات آپ ﷺ کی جانب منسوب کر کے بیان کی جاوے اور وہ اِن مشہور ومتنوع کتبِ حدیث میں کہیں نہ ہو، تو یہ بھی ایک مضبوط دلیل ہے کہ وہ بے اصل، غیر ثابت اور غیر صحیح ہے۔

اِس اصول کی تصریح متعدد محققین نے کی ہے۔ مثلاً خود حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ، جو اس زیرِ بحث روایت کے ناقل ہیں، وہ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ کا یہ محققانہ قول اپنی تشریح کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

> ”ما أحسن قولَ القائل: إذا رأيت الحديث يُباين المعقول ، أو يخالف المنقول ، أو يناقض الأصول ، فاعلم أنه موضوع. قال: و معنى مناقضته للأصول أن يكون خارجًا عن دواوين الإسلام من المسانيد ، والكتب المشهورة.“
>
> (کتنی بہترین اور پیاری بات کہی ہے کہنے والے نے کہ جب تم ایک روایت کو عقل کے خلاف، نقل کے منافی اور اصول سے خارج پاؤ، تو یقین رکھو کہ وہ موضوع

ہے۔ یہاں اصول سے خارج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت ، اسلام کی عظیم کتابوں: مثلاً مسانید اور کتبِ مشہورہ میں نہ ہو۔)

(اليواقيت والدرر: ١٣٨/١ ،تدريب الراوي: ٢٧٧/١، كشف المغيث :٢٢٨)

اور اسی اصول کی بنیاد پر حضراتِ محدثینِ عظام نے بعض احادیث کو بے اصل وغیر ثابت قرار دیا ہے۔ مثلاً: ''أمرت أن أحكم بالظواهر، و الله يتولى السرائر '' یہ حدیثِ مرفوع کی حیثیت سے فقہا وقاضیوں کے درمیان کافی مشہور ہے؛ مگر چوں کہ اس کا حدیثِ رسول ہونا کتبِ روایات اور محدثین سے ثابت نہیں ؛اس لیے حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے ''المقاصد الحسنہ :۱۷۸'' میں اس کو موضوع و بے اصل قرار دیتے ہوئے اس کی جو وجہ رقم فرمائی ہے، وہ یہ کہ ''لا وجود له في كتب الحديث المشهورة ، و لا الأجزاء المنثورة'' (اس حدیث کا وجود نہ تو حدیث کی مشہور کتابوں میں ہے اور نہ ہی معروف حدیثی رسالوں میں ہے)۔

اور یہاں چوں کہ یہ زیرِ بحث روایت حدیث کی کسی بھی معتبر کتاب میں نہیں ہے اور نہ ہی کسی معتبر محدث سے معتبر طریقے سے مروی ومنقول ہے؛ لہٰذا اس اصول کی رو سے یہ بے اصل و بے سند قرار پاتی ہے، جیسا کہ واضح ہے۔

(۲) دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ حدیث حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ ،مشہور ومعروف، جلیل القدر وعظیم الشان صحابیٔ رسول ہیں، جو اسلام کے جرنیل اور ''سیف اللہ'' کے وصفِ عالی سے موصوف ہیں، آپ کی زندگی تقریباً پوری کی پوری غزوات ومعرکوں میں ہی گزری، مستقل وباقاعدہ احادیثِ نبویہ کی تعلیم کے لیے آپ کو فرصت ہی نہیں مل پائی، یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے بے حد کم روایات منقول ہیں اور غالباً ۲۰ سے زائد نہیں ہوں گی، جیسا کہ مسانید ومستخرجات کے مطالعہ سے واضح ہے؛ اور آپ کی مرویات کا احاطہ کرنا محقق حفاظِ حدیث کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ لہٰذا تحقیق یہ ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے مروی روایات میں اِس زیرِ بحث روایت کا نام ونشان تک کتبِ حدیث میں کہیں بھی نہیں ملتا۔

یہ بھی ایک مضبوط قرینہ ہے کہ یہ حدیثِ رسول نہیں ہے اور نہ ہی حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۳) سند کی مذکورہ بالا حقیقت سے قطعِ نظر اس روایت کے کلمات وتعبیرات کو سرسری طور پر پڑھنے

سے ہی محدثانہ ذوق کہتا ہے کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہوگی، خصوصاً:

"أحب أن ألقى الله نقياً من الذنوب ، قال : اغتسل من الجنابة متطهراً تلقى الله يوم القيامة وما عليك ذنب"." قال: ما الذي يمحو عني الخطايا؟ قال: الدموع و الخضوع و الأمراض"." قال: أي حسنة أفضل عند الله ؟ قال: حسن الخلق، و التواضع ، والصبر على البلية ، و الرضاء بالقضاء "

جملے پڑھنے کے بعد تو دل یہی کہتا ہے کہ یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث مبارک نہیں ہے؛ بل کہ یہ جملے حضرات صلحاء وصوفیاء کے ملفوظات کی طرح نظر آتے ہیں (اور یہ بات تحریر میں بتائی و سمجھائی نہیں جاسکتی، یہ تو صرف وہی محسوس کریں گے؛ جو علمِ حدیث سے مزاولت وممارست رکھنے کی بنا پر مخصوص ذوقِ حدیث سے بہرہ ور ہوتے ہیں)۔ واللہ اعلم !!

مُلاحظہ :راقم نے بہت پہلے یہ بات لکھ دی تھی اور مزید تحقیق میں مصروف ہوگیا۔ الحمد اللہ !! دورانِ تحقیق امام مستغفری کی تصنیف ''فضائل القرآن'' کے تحقیق وتعلیق نگار: ڈاکٹر احمد بن فارس سلوم کی تحریر بھی مل گئی، جو بندے کی تائید کرتی ہے، چناں چہ استاذ احمد اسی روایت کو ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

" هذا الحديث بهذا السياق باطل لا أصل له ، ولو لم يكن فيه إلا ركاكة لفظه لكفىٰ."

(۴) اس کے علاوہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی تحریر میں یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ امام مستغفری مصر تشریف لے گئے اور وہاں ابو حامد نامی محدث سے یہ حدیث سنی ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے:

ایک تو اس لیے کہ ابو حامد مصری مجہول ہیں، کون ہیں، کیا ہیں؟؟ کچھ پتہ نہیں اور نہ ہی امام مستغفری کے اساتذہ میں ان کا نام وتذکرہ ملتا ہے۔

دوسرے امام مستغفری کی سوانحِ حیات میں وضاحت سے محدثین نے بیان کیا ہے کہ امام مستغفری نے اپنے ہی علاقے میں رہ کر حدیث کا علم حاصل فرمایا ہے، انھوں نے عراق، شام اور حجاز کا سفر نہیں کیا؛ جس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ آپ مصر بھی تشریف نہیں لے گئے ہوں گے؛ ورنہ امام سمعانی، امام ذہبی، امام ابن عماد، حافظ سیوطی اور ان کے علاوہ جتنے بھی محدثین نے اِن کا تذکرہ فرمایا، اُس میں مصر کی جانب سفر کرنے کا بھی ضرور ذکر کرتے۔

مُلاحظہ : بندے کی اِس بات کی بھی تائید الحمد للہ! استاذ احمد بن فارس کی تحریر سے ہوگئی،

چناں چہ احمد بن فارس ''فضائل القرآن'' کے مقدمے (ص:۱۷) پر لکھتے ہیں: ''وأما ما ذکر من أن أبا العباس دخل مصر، فهذا أمر باطل لایصح''۔ نیز اسی کتاب میں آگے: (ص:۳۷) پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''فإنه ما دخل مصرَ ، و لا عرف أباحامد هذا الذي لا يعرف بغير هذا الخبر''۔

خلاصة المرام وحاصل کلام

اس ساری تحقیق اور بحث ونظر کے بعد جوامور عیاں ہوتے ہیں، وہ یہ:

(۱) یہ روایت، حدیث کی مشہور ومتدوال اور مستند ومعتمد کتابوں میں نہیں ہے۔

(۲) جس کتاب میں ہے یعنی جامع الاحادیث، وہ ایسی کتاب ہے جس میں متعدد موضوع روایات ہیں، مطلقاً بلا تحقیق اِس کتاب کی روایات کو قبول کرنا بالکل صحیح نہیں۔

(۳) امام سیوطی رحمہ اللہ نے شیخ ابن القماح کی جس کتاب میں یہ روایت دیکھی ہے، اُس کتاب کا پتانہ خود سیوطی نے دیا ہے اور نہ ہی دوسرے محدثین سے مل پایا ہے۔

(۴) ابن القماح سے لے کر امام مستغفری تک اور امام مستغفری سے لے کر حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تک کون راوی ہیں اور کس درجے کے ہیں؟ سب کا جواب صرف لاعلمی ہے اور کچھ نہیں۔

(۵) جوراوی معلوم ہیں یعنی امام مستغفری ان کا حال بھی روایتِ حدیث کے باب میں یہ ہے کہ بکثرت موضوع اور بے اصل احادیث اِن سے منقول ہیں۔

(۶) روایت کے جوالفاظ نقل ہوئے ہیں، احادیثِ نبویہ کے مختصر وجامع اسلوبِ عام سے میل نہیں کھاتے؛ بل کہ لفظی رکاکت کھلی آنکھوں اصحابِ علمِ حدیث کو نظر آتی ہے۔

(۷) تاریخی اور فنی لحاظ سے بھی اس روایت کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا؛ بل کہ عدمِ ثبوت صحیح وراجح ہے۔

لہٰذا اِس تحقیق کی روشنی میں یہی فیصلہ کرنا صحیح ہے کہ

''متعدد سوالات پر مشتمل، حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی جانے والی یہ حدیث، بے اصل و بے سند ہے اور کسی کی خود ساختہ ووضع کردہ ہے۔
واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم''

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

۱۳۹- حدیث: وفاتِ رسول ﷺ کے موقع پر امت کا غم اور جبریل وملک الموت کی آمد والی روایت

''بیانات مولانا طارق جمیل صاحب: ۶/ ۶۰'' میں درج ہے:

''اے میرے بھائیو! جواتنی وفا کر گیا کہ موت پر بھی امت کو یاد کیا، موت کا پیغام آیا، عزرائیل علیہ السلام نے دستک دی، جبریل علیہ السلام اندر آتے ہیں۔ یارسول اللہ! عزرائیل اندر آجائیں؟ اجازت ہوتو آجائیں؟ کہا: آجائیں، اندر آئے۔ یارسول اللہ! جب سے مجھے موت کا کام ملا، میں نے کسی سے اجازت نہیں لی۔ نہ آئندہ کسی سے لوں گا۔ آپ کے بارے میں آپ کے رب کا ارشاد تھا کہ میرا حبیب اجازت دے تو اندر جانا، نہیں تو واپس چلے آنا۔ یارسول اللہ! جب سے مجھے موت کا کام ملا، اللہ تعالی نے کسی کو اختیار نہیں دیا اور نہ آئندہ کسی کو دے گا۔ آپ ﷺ کے بارے میں آپ کے رب کا ارشاد ہے کہ آپ کو اختیار ہے: عِشْ مَاشِئْتَ۔ جب تک آپ زندہ رہنا چاہیں، آپ رہ سکتے ہیں۔ اور چلنا چاہیں تو اللہ بھی آپ ﷺ کی ملاقات چاہتے ہیں۔ اب آپ جو فرمائیں ویسے کروں۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ! میرے رب سے پوچھ کے آؤ کہ میرے بعد میری امت کے ساتھ کیا کرے گا.... جبرئیل علیہ السلام واپس گئے، جواب لے کے آئے: یارسول اللہ! اللہ کہہ رہا ہے کہ آپ ﷺ کی امت کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ ساتھ لیں گے۔ کہا: بس اب میری آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں ہیں۔ اے اللہ! اب مجھے اپنے پاس بلا اور میری امت کا نگہبان بن جا۔ جبرئیل علیہ السلام رونے لگے: یارسول اللہ! اگر آج آپ نے موت کو پسند کرلیا ہے، تو میرا بھی آج دنیا میں آخری دن ہے، آج کے بعد وحی کا زمانہ ختم ہوگا۔''

تحقیق

یہ حکایت بڑی دل گیر تصویر اور دل گداز تعبیر میں جو سنائی جاتی ہے، یہ دراصل ترجمانی ہے اُس طویل روایت کی جس کو حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے امام ابونعیم رحمہ اللہ نے ''حلیۃ الأولیاء: ۴/ ۷۳-۷۹'' کے بڑے بڑے صفحات پر درج کیا ہے۔ اِس میں سے صرف اُن حصوں کو نقل کرتا ہوں، جن کی ترجمانی مولانا طارق جمیل صاحب نے اپنے مذکورہ بیان میں کی

ہے، چناں چہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”فلما كان يوم الاثنين اشتد به الوجع ، و أوحى الله تعالى إلى ملک الموت عليه السلام أن اهبط إلى حبيبي وصفيي محمد في أحسن صورة ، و ارفق به في قبض روحه ، فهبط ملک الموت عليه السلام ، فوقف بالباب شبه أعرابي .... فدخل ملک الموت على رسول الله ﷺ ، فقال رسول الله ﷺ: يا ملک الموت! جئتني زائراً أم قابضاً ؟ قال: جئتک زائراً و قابضاً ، و أمرني الله عزوجل أن لا أدخل عليک إلا بإذنک ، و لا أقبض روحک إلا بإذنک ، فان أذنت و إلا رجعت إلى ربي.......... فبشرني يا جبريل؟ قال جبريل: يا حبيبي عم تسألني ؟ قال: أسئلک عن غمي وهمي مَنْ لقراء القرآن من بعدي؟ من لصوام رمضان من بعدي ؟ من لحجاج بيت الله الحرام من بعدي ؟ من لأمتي المصطفاة من بعدي؟ قال: أبشر يا حبيب الله ! فإن الله عز و جل يقول: قد حرمت الجنة على جميع الأنبياء والأمم حتى تدخلها أنت و أمتک يا محمد! قال : الآن طابت نفسي ، أُدن يا ملک الموت فَانْتَهِ إلى ما أمرت............ وهي [فاطمة] تقول: يا أبتاه! الآن انقطع عنا جبريل ، وكان جبريل يأتينا بالوحي من السماء“.

اس کی سند میں عبدالمنعم بن ادریس نامی ایک راوی ہے، جو اپنے باپ: ادریس سے روایت کرتا ہے۔ اِس کے متعلق بھی اور اس سے مروی اس مخصوص روایت کے بارے میں حضراتِ ائمہ محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

(۱) امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے اس روایت کے تعلق سے جو کچھ لکھا ہے، اس کا مفہوم یہی ہے کہ یہ حدیث روایتاً بھی جھوٹی ہے اور درایتاً بھی جھوٹی ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

”هذا حديث موضوع محال، كافأ الله من وضعه ، وفتح من شين الشريعة بمثل هذا التخليط البارد ، والكلام الذي لا يليق بالرسول ولا بالصحابة.“

(یہ گھڑی ہوئی حدیث ہے، حدیثِ نبی ہو ہی نہیں سکتی، اللہ اس کو دیکھ لیں گے، جس نے یہ حدیث گھڑی، ایسی سر دخلط آمیز باتیں کہہ کر جو باتیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے لائق نہیں ہیں، شریعت کو عیب دار بنانے کی کوشش کی ہے۔)

(۲) امام ذہبی رحمہ اللہ ''میزان الاعتدال'' میں لکھتے ہیں:

"مشهور قصاص، ليس يعتمد عليه، تركه غير واحد، و أفصح أحمد بن حنبل رحمہ اللہ، فقال: كان يكذب على وهب بن منبه، وقال البخاري: ذاهب الحديث."

(مشہور قصہ گو واعظ ہے، جو اس قدر غیر معتمد وغیر مقبول ہے کہ سارے ہی محدثین نے اس سے روایت لینا ترک کر دیا؛ بل کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تو صاف صاف فرمادیا کہ یہ وہب بن منبہ کے نام پر کذب بیانی کرتا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ''ذاهب الحديث'' ہے۔)

نیز لکھتے ہیں:

''قال ابن حبان: يضع الحديث على أبيه وعلى غيره.'' (امام ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اپنے باپ اور دوسروں کے نام پر حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔)

یہ لکھنے کے بعد امام ذہبی نے اس کی دو موضوع روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک زیر بحث روایت بھی ہے۔ چناں چہ امام ذہبی فرماتے ہیں:

''هذا من موضوعات الحلية.'' (یہ حدیث، ''حلیۃ الاولیاء'' کے موضوع روایات میں سے ایک ہے۔)

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''لسان المیز ان'' میں ذکر کرتے ہیں کہ امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ''الكذاب الخبيث'' (ایک نمبر کا جھوٹا اور خبیث ہے۔) امام فلاس نے: ''متروک''، امام ابوزرعہ نے ''واهي الحديث''، امام ابواحمد حاکم رحمہم اللہ نے ''ذاهب الحديث'' کہا ہے۔

(۴) امام نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی رحمہ اللہ ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۸/ ۶۰۵'' میں رقم طراز ہیں:

”راوه الطبراني ، و فيه عبد المنعم بن إدريس، و هو كذاب وضاع.“ (طبرانی کی روایت ہے اور اس کی سند میں عبد المنعم بن ادریس ہے، جو کہ بہت جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا ہے۔)

(۵) امام سیوطی رحمۃ اللہ ”اللآلی المصنوعۃ“ میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: ”موضوع، آفته عبد المنعم“ (موضوع ہے، اس کی آفت عبد المنعم ہے)۔

(۶) علامہ ابن عراق کنانی رحمۃ اللہ نے ”تنزیہ الشریعۃ“ میں اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ نے ”الفوائد المجموعۃ“ میں اور دیگر محدثین نے بھی صاف صاف لفظوں میں اس راوی کو جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا اور اس روایت کو موضوع و من گھڑت ٹھیرایا ہے۔

(۷) علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ نے ”تذکرۃ الموضوعات“ میں اور علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ نے ”الآثار المرفوعۃ“ میں؛ ان دونوں ائمہ حدیث نے بھی عبد المنعم بن ادریس کو کذاب و وضاع ہی تسلیم کیا ہے۔

اس تحقیق سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ نہیں ہے، بل کہ عبد المنعم بن ادریس کی گھڑی ہوئی ہے۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہے کہ پچھلے ۱۲/صدیوں سے ائمہ حدیث اس راوی کو کذاب اور اس کی روایات کو من گھڑت و خود ساختہ بتاتے آرہے ہیں اور اس میں کسی نے اختلاف بھی نہیں کیا ہے؛ لہٰذا ایسے متفق علیہ کذاب و وضاع راوی کی حدیثوں کو ان کے کذب و وضع کو بتائے بغیر بیان کرنا اور وہ بھی عوام الناس کے سامنے یقیناً جائز نہیں ہے۔

(ميزان الاعتدال: ۴/۴۱۹، لسان الميزان: ۵/۲۷۹، ترتيب الموضوعات: ۸۰، اللآلي المصنوعة: ۱/۲۸۲، الموضوعات: ۲/۳۶، تنزيه الشريعة: ۱/۳۳۱، الفوائد المجموعة: ۲۸۷، تذكرة الموضوعات: ۴۸، الآثار المرفوعة: ۴۰)

۱۴۰- حدیث: نبی اکرم ﷺ کو چاند کا کہانیاں اور لوریاں سنانا

”حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یا رسول اللہ! مجھے آپ ﷺ کے بچپن میں پتہ چل گیا تھا، آپ کی بڑی شان ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیسے؟ کہا: آپ ﷺ چارپائی پہ لیٹے ہوئے تھے، جیسے بچہ یوں ہاتھ مارتا ہے، پاوں مارتا ہے، ٹانگیں چلاتا ہے، ہاتھ چلاتا ہے اور اوپر چودھویں کا چاند تھا، کبھی ہاتھ مارتے مارتے آپ کا ہاتھ اوپر جاتا، تو آپ ﷺ کے ہاتھ کے ساتھ چاند بھی یوں ہو جاتا تھا، پھر آپ

ﷺ یوں کرتے تھے، چاند یوں ہو جاتا تھا، آپ ﷺ کی حرکت سے چاند حرکت کر رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: ''کان القمر ینازغني، و یحاکیني، ویمنعني من البکاء'' چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا، میرا دل لگاتا تھا، مجھے کہانیاں سناتا تھا۔''

(بیانات: ٦/٤١، آو جنت پکارتی ہے: ۳۹۳)

تحقیق

یہ جس حدیث کی ترجمانی ہے، وہ حدیث یہ ہے:

''عن العباس بن عبدالمطلب قال: قلت: یا رسول اللّٰه ! دعاني إلی الدخول في دینک أمارة لنبوتک ، رأیتک في المهد تناغي القمر، و تشیر إلیه بإصبعک ، فحیث أشرت إلیه مَالَ ، قال: إني کنت أحدثه و یحدثني ، و یلهیني عن البکاء ، و أسمع وجبته حین یسجد تحت العرش.''

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوۃ :۲/۴۱'' میں اپنی سند سے بیان کیا ہے اور حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے بیہقی، خطیب بغدادی اور ابن عساکر اور علامہ صابونی کے حوالے سے یہی روایت ''الخصائص الکبری: ۱/۹۱'' میں نقل کی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اس کی سند پر کلام کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''تفرد به هذا الحلبي بإسناده ، وهو مجهول.'' (اس روایت کے متن اور سند میں یہ حلبی متفرد ہے اور ویسے یہ مجہول ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مجہول الحال ہے؛ مگر امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے اس کی مرویات کا جائزہ لیا اور پھر اس کے حال سے آگاہ کیا کہ اس کی مرویات موضوع و باطل ہیں، جو بذاتِ خود دلالت کرتی ہیں کہ یہ کذاب ہے اور امام ابو حاتم کی اس تحقیق سے امام ابن الجوزی، امام ذہبی اور امام ابن حجر عسقلانی متفق ہیں؛ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

احمد بن ابراہیم حلبی، جو علی بن عاصم اور ہیثم بن جمیل سے روایت کرتا ہے اور جس سے احمد بن شیبان روایت کرتے ہیں، کسی امام و محدث سے اِس راوی کی توثیق مروی نہیں ہے، البتہ ''الجرح والتعدیل: ۱/۴۰'' میں امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کا بیان ہے:

''سألت أبي عنه ، و عرضت علیه حدیثه ، فقال: لا أعرفه ، و

أحاديثه باطلة موضوعة كلها ، ليس لها أصول يدل حديثه علي أنه كذاب."

(میں اپنے والد [امام ابوحاتم مراد ہیں] سے اس کے بارے میں پوچھا اور آپ کے سامنے اس کی حدیثیں بیان کیں، تو آپ نے فرمایا: میں اسے نہیں جانتا، تاہم اس کے تمام احادیث باطل اور موضوع ہیں، سب کی سب بے اصل ہیں، اس کی مرویات خود بتاتی ہیں کہ یہ کذاب ہے۔)

امام ابوحاتم رحمہ اللہ کی اسی تحقیق ورائے کو امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "**كتاب الضعفاء والمتروكين**:۱/۶۴" میں نقل کیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تینوں کتابوں میں اسی قول کو اختیار کیا ہے: چناں چہ "میزان الاعتدال:۱/۲۱۲" اور "المغنی:۱/۵۷" میں لکھتے ہیں: "**قال أبو حاتم: أحاديثه تدل علي أنه كذاب**" اور اپنی تیسری کتاب: "**ديوان الضعفاء والمتروكين**:۲" میں لکھتے ہیں: "**كذاب**"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "لسان المیزان:۱/۳۹۶" میں اس راوی کے حوالے سے جو کلام کیا ہے، اس سے بھی ظاہر یہی ہوتا ہے کہ حافظ عسقلانی، امام ابوحاتم اور امام ذہبی رحمہم اللہ کے قول سے متفق ہیں۔

اس تحقیق سے عیاں ہوگیا کہ اس حکایت کی سند میں جو راوی ہے، وہ کذاب ہے اور ایسے شخص کی روایت جھوٹی و من گھڑت کہلاتی ہے۔ اِس کے علاوہ اس روایت میں یہ متفرد و تنہا ہے اور جن حضرات کا نام اِس راوی نے لیا ہے، اُن حضرات سے یہ روایت اُن کے دیگر تلامذہ سے بھی منقول نہیں ملی۔

نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جو یہ قول نقل کیا گیا ہے:

دعاني إلى الدخول في دينك أمارة لنبوتك ، رأيتك في المهد تناغي القمر، و تشير إليه بإصبعك ، فحيث أشرت إليه مَالَ."

یہ بھی قابلِ غور ہے؛ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب گھوارے میں رہنے کی عمر میں تھے، اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو یا تین سال ہی بڑے تھے اور آپ بھی "**صبي**": نہایت کم سن اور نادان و نافہم بچے تھے اور اس قدر نادان تھے کہ بچپن میں کھو گئے تھے، آپ کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اگر مل گئے، تو وہ بیت اللہ پر کپڑا چڑھائیں گی، پھر کئی دنوں بعد آپ مل گئے۔ جیسا کہ "**أسد الغابة**:۳/۱۶۳"، "**الإصابة في تمييز الصحابة**:۴/۳۰" اور دیگر کتابوں میں درج ہے؛

لہٰذا اس عمر میں اور اس حال میں جو بچہ ہو، اس کا رات کی اندھیریوں میں مذکورہ بالا امور پر نظر کرنا اور اسے اور محفوظ رکھنا؛ بظاہر بعید معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال جب اس کی سند میں ایک کذاب راوی ہے، تو یہ روایت موضوع اور مکذوب ہی قرار پاتی ہے۔

۱٤۱- حدیث: اللہ تعالیٰ کا انسان سے شکوہ

''حدیث میں آتا ہے: ''**يا ابن آدم! إذا أذنبت ذنبا ، فلا تنظر إلى صغره انظر إلى من عصيته.**'' (میرے بندے! جب تو کوئی گناہ کرتا ہے، یہ نہ دیکھا کر کہ چھوٹا ہے کہ بڑا ہے، یہ دیکھا کر کہ نافرمانی کس کی ہو رہی ہے۔)''

(بیانات مولانا طارق جمیل صاحب: ۱/۳۱۷، ۶/۴۷۹)

تحقیق

(۱) مذکورہ کلمات و تعبیرات والی کوئی حدیث کتبِ حدیث میں اور خاص طور پر احادیثِ قدسیہ پر تصنیف کردہ کتابوں میں کہیں نہیں ملی، حتی کہ موضوع روایات پر لکھی گئی قدیم وجدید تحریرات میں بھی نہیں۔

(۲) البتہ اس مفہوم کو بتانے والی چند تعبیرات پر مشتمل کچھ مرفوع روایات منقول ہیں، لیکن وہ بھی موضوع قرار دی گئی ہیں، جن کی تحقیق امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ''**العلل المتناهية في الأحاديث الواهية**'' میں کر دی ہے اور امام ابن الجوزی کی تحقیق پر امام ذہبی رحمہ اللہ نے مہر تصدیق لگا دی ہے۔ ذیل میں یہی تحقیق کچھ تفصیل و توضیح کے ساتھ درج کرتا ہوں، چناں چہ اس سلسلے میں تین روایات نقل ہوئی ہیں:

(۱) روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''**قال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم: **لا تنظر إلى صغر الخطيئة ، انظر من عصيت**''۔ اِس کی سند میں ایک راوی ہے غالب بن عبید اللہ۔ اس کے متعلق ائمہ محققین کی جروحات یہ ہیں: امام ابن معین: ''**ليس بثقة ، منكر الحديث**''، امام ابن المدینی: ''**كان ضعيفاً ، ليس بشيء**''، امام حاکم: ''**ساقط الحديث**''، امام ابو حاتم: ''**متروك الحديث ، منكر الحديث**'' امام دارقطنی: ''**متروك**''۔

(ميزان الاعتدال: ۵/۳۹۹، لسان الميزان: ۶/۲۹۸)

اس کے تذکرے میں امام ابن حبان، امام عقیلی، امام ابن عدی، امام ذہبی اور امام ابن حجر رحمہم اللہ نے اس سے مروی بے حد منکر و متروک اور موضوع روایات تک کا ذکر کیا ہے؛ اسی لیے امام ذہبی نے

''تلخیص العلل''میں اِس کو''واہی راوی''قرار دیا ہے۔ (تلخیص العلل: ٢٧٦)

(۲) روایتِ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ، جس کے الفاظ یہ ہیں:''**سمعت النبي ﷺ يقول: لا تنظروا إلى صغر الذنوب ، و لكن انظروا على من جرأتم**''۔اس روایت کا ایک راوی محمد بن اسحاق عکاشی ہے،امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ''منکر الحدیث''ہے۔امام ابن معین فرماتے ہیں کہ''کذاب''ہے۔امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ''**كان يضع الحديث**''(یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا)۔امام ذہبی نے اس کی کچھ موضوع و باطل روایات بھی''میزان''میں نقل کی ہیں۔

(میزان الاعتدال:٦/٦٣،تقريب التهذيب:٣/٣١٣)

(۳) روایتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ، جس کے الفاظ یہ ہیں:''**كان من مواعظ النبي ﷺ :لا تنظر إلى صغر الخطيئة و لكن انظر إلى عظمة من تعصي**''۔اس روایت کا ایک راوی ہے سلیمان بن عمرو ابوداود نخعی، یہ تو مشہورِ زمانہ کذاب اور جھوٹوں کا باپ ہے۔صرف تین ائمہ کا قول نقل کرتا ہوں، چناں چہ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں''**لست أشك في وضعه الحديث**''(مجھے پورا یقین ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا)۔امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''**أجمعوا على أنه يضع الحديث**''(تمام محدثین کا اجماع ہے کہ یہ شخص حدیث گھڑتا تھا)۔امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں''**لا يحل لأحد أن يروي عنه**''(اس کے حوالے سے روایت کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں)۔ (ميزان الاعتدال:٣/٣٠٥، لسان الميزان:٤/١٦٣)

ان روایات کو نقل کرنے اور ان کو موضوع و باطل قرار دینے کے بعد امام ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''**هذه الأحاديث ليست من كلام رسول الله ﷺ**''۔

(یہ احادیث نبیٔ اکرم ﷺ کے ارشادات نہیں ہیں۔)

(العلل المتناهية:٢/٢٧٦)

امام ابن الجوزی، امام ذہبی، امام ابن حجر عسقلانی کی تحقیق نے صاف واضح کر دیا کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے اور اس کو''حدیث''کہنا صحیح نہیں ہے۔

ہاں! البتہ یہ ایک جلیل القدر تابعی، امام ربانی بلال بن سعد رحمہ اللہ کا ملفوظ عالی ہے، جو معتبر سند سے منقول ہے، چناں چہ امام ابن الجوزی نے''العلل''میں ، امام ذہبی رحمہما اللہ نے''**سير أعلام النبلاء**''میں تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''**سمعت بلال بن سعد**

يقول: لا تنظر إلى صغر الخطيئة، ولكن انظر من عصيت"۔

(العلل المتناهية:٢/٢٧٦، سير أعلام النبلاء:٥/٩١)

١٤٢- حدیث: يا ابن آدم! اطلبني تجدني....اھ۔

"بیانات مولانا طارق جمیل صاحب:۶/۵۷" میں ایک روایت بیان کی گئی ہے:

"یہ حضورِ اکرم ﷺ اللہ کی تعریف فرمارہے ہیں:"**يا ابن آدم! اطلبني تجدني، إن وجدتني وجدت كل شيء، وإن فاتني فاتك كل شيء، وأنا خيرلك من كل شيء.**"(میرے بندے! میری طلب میں نکل، اگر میری طلب کرے گا؛ تو میرا وعدہ ہے میں تجھے ملوں گا اور میں تجھے ملا، تو تجھے سب کچھ ملا اور تجھے میں نہ ملا، تجھے کچھ نہ ملا۔)"

اسی طرح "خطباتِ فقیر:۲۶/۱۷۰" میں درج ہے:

"**يَا ابْنَ آدَمَ! أُطْلُبْنِي تَجِدْنِي، إِنْ وَجَدْتَنِي وَجَدْتَ كُلَّ شَيْءٍ، إِنْ فَاتَنِي فَاتَ كُلَّ شَيْءٍ، وَأَنَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ.**" (اے آدم کے بیٹے! تو مجھے طلب کر تو مجھے پالے گا، اگر تو نے مجھے پالیا، تو نے ہر چیز کو پالیا اور اگر تو نے مجھے پانے سے محرومی حاصل کر لی، تو ہر چیز سے محروم ہوگیا اور میں تمھارے لیے ہر چیز سے زیادہ بہتر ہوں۔)"

تحقیق

(۱) حدیث کی کسی معتبر کتاب میں حتی کہ موضوع روایات کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ تفسیر اور وعظ و نصیحت کی کتابوں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے؛ مگر آخری جملہ اس طرح ہے:"**وأنا أحب إليك من كل شيء**"۔

(۲) علمِ حدیث کے معتمد و مستند حضراتِ علما نے اس کا ذکر اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے؛ مگر کسی نے بھی آپ ﷺ کی جانب منسوب نہیں کیا؛ بل کہ بعض ائمہ نے اس کو اسرائیلی روایت کہہ کر ذکر کیا ہے، جیسا کہ امام ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں تحریر کرتے ہیں:"**و في حديث اسرائيلي**" اور جیسے امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:"**وقد ورد في بعض الكتب الإلهية.**"

(فتاوى ابن تيمية :٨/٣٣، تفسير ابن كثير:٧/٤٢٦)

(۳) لیکن اِس زیرِ بحث روایت کا مفہوم ایک دوسری معتبر حدیثِ قدسی سے ثابت ہے، جیسا کہ امام ابن کثیر اس روایت سے پہلے امام احمد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی ایک حدیث ذکر کر کے اِس جانب اشارہ دیتے ہیں، چناں چہ حدیث میں ہے:

”عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : قال الله: يا ابن آدم ! تفرغ لعبادتي أملأ صدرک غنى، و أسد فقرک، و إلا تفعل ملأت صدرک شغلاً و لم أسدک فقراً“.

(تفسير ابن كثير:٧/٤٢٦)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بے اصل اور غیر ثابت ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح و ثابت نہیں ہے۔ البتہ اِس مفہوم پر قریب قریب دلالت کرنے والی جو روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ قابلِ اعتبار و لائقِ قبول ہے؛ لہٰذا صحیح و ثابت روایت ہی پر اکتفاء کرنا اور غیر ثابت سے احتراز لازم ہے۔

۱۴۳- حدیث: حسنِ نبوی، رات کی اندھیری اور سوئی چمکنے والی روایتِ عائشہ

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں کپڑا سی رہی تھی، سوئی ہاتھ سے گر گئی، گھر میں چراغ تو ہے نہیں، ڈھونڈ رہی ہوں، تو اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے، آپ کے چہرے کے نور سے سوئی چمکنے لگی۔“

(آو جنت پکارتی ہے:۳۲۴)

تحقیق

امام و حافظ ابو القاسم علی بن الحسن شافعی عرف حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ (ولادت ۴۹۹ھ، وفات ۵۷۱ھ) نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ”تاریخ دمشق:۳/۳۱۰“ میں ”باب صفة خلقه و معرفة خلقه“ میں اپنی طویل سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر فرمائی ہے اور یہ روایت صرف اِن ہی سے مروی ہے اور ان ہی کے حوالے و استناد پر دیگر محدثین نے بھی آگے نقل کیا ہے، مثلاً امام دیلمی رحمہ اللہ نے ”مسند الفردوس: ۳۵۴۹۲“ میں، حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ”الخصائص الکبری: ۱/ ۱۰۷“ میں، امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی رحمہ اللہ ”سبل الہدی والرشاد:۲/ ۵۷“ میں نقل فرمائی ہے۔

سب سے پہلے ذیل میں یہ روایت اصل کتاب یعنی ”تاریخِ دمشق“ سے نقل کرتا ہوں، چناں چہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ عَائشةَ ﷺ قالت: اسْتَعَرْتُ من حفصةَ بنتِ رَواحَةَ إبرةً كُنْتُ أخِيطُ بهَا ثوبَ رسولِ اللّٰه ﷺ، فسقطَتْ مِنّي الإبْرةُ، فطلبتُها فلَم أقدِر عليْها، فدخل رسولُ اللّٰه ﷺ، فَتَبَيَّنَتِ الإبرةُ مِنْ شُعاعِ نُورِ وجْهِه، فَضَحِكْتُ، فقال: يا حميراء! لم ضحِكْتِ؟ قلتُ: كَان كَيتَ وكيت، فَنَادٰى بأعلى صوته: يا عائشة! الويلُ ثُمَّ الويلُ – ثلاثاً – لِمَنْ حَرَّمَ النظرَ إلى هذا الوجْهِ، مَا مِنْ مُؤمنٍ و لا كافرٍ اِلَّا وَ يَشْتَهِيْ أَن يَنْظُر إلٰى وَجْهِي."

(حضرت عائشہ ﷺ فرماتی ہیں: میں نے حفصہ بنت رواحہ کے پاس سے ایک سوئی عاریت پر لے رکھی تھی اوراس میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سیتی تھی، ایک بار میرے ہاتھ سے وہ سوئی کہیں گرگئی، میں ڈھونڈتی رہی؛ مگر ملی نہیں، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، تو آپ کے چہرے کے نور کی شعاع کی بدولت وہ سوئی چمکنے لگی، میرے چہرے پر ہنسی آگئی، آپ ﷺ نے پوچھا: اے حمیراء! کیوں ہنس رہی ہو؟ میں نے بتایا: ایسا ایسا ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنی زوردار آواز میں تین مرتبہ فرمایا: ہلاکت ہے، ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس نے اس چہرے کو دیکھنا حرام سمجھا، ہر ایک مومن اور ہر ایک کافر کی خواہش رہتی ہے کہ وہ میرے چہرے کو دیکھے۔)

روایتاً حدیث پر کلام

اِس روایت کا ماخذ ابن عساکر کی "تاریخ دمشق" ہے اوراس میں حافظ ابن عساکر نے اپنی جو سند بیان کی ہے، اس میں ایک راوی ہے جس کا نام مسعدہ بن بکر فرغانی ہے، جو یہ حدیث محمد بن احمد بن ابی عون کے حوالے سے سناتا ہے اور اِس سند کے علاوہ دوسری کوئی سند نہیں ملی، نہ تو خود امام ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں کہیں نقل فرمائی ہے اور نہ ہی سیوطی، دیلمی، صالحی دمشقی ودیگر حضرات نے ذکر فرمائی ہے۔

اِس ابوسعید مسعدہ بن بکر فرغانی کی توثیق وتعدیل میں ایک لفظ بھی حضراتِ محدثین سے منقول نہیں ہے، صرف جرح ہی جرح منقول ہے اور جو جرح ہے، وہ ملاحظہ کیجیے:

(۱) امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"مسعدة بن بكر الفرغاني عن محمد بن أحمد أبي عون بخبر كذِب"

(مسعدہ بن بکر فرغانی نے محمد بن احمد ابی عون کے حوالے سے ایک جھوٹی حدیث بیان کی ہے۔)

(میزان الاعتدال: ٦/٤٩٧)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مجھے وہ جھوٹی روایت نہیں ملی [جس کی طرف ذہبی نے اشارہ کیا ہے، یاسین]؛ مگر ایک دوسری روایت ملی، چناں چہ امام دارقطنی ''غرائب مالک'' میں لکھتے ہیں:

''حدثنا أبوسعيد مسعدة بن بكربن يوسف الفرغاني قدم حاجًّا، حدثنا الحسن بن سفيان حدثنا أبو مصعب عن مالك عن نافع عن ابن عمر رفعه: مثل المنافق مثل الشاة العائرة، الحديث. قال الدار قطني: هذا باطل بهذا الإسناد، والحسن و أبو مصعب ثقتان.''

(لسان الميزان: ٨/ ٤٠)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے جو سند ذکر کی ہے اس میں حضرت نافع اور حضرت مالک ہیں، جو بالاتفاق ائمہ ثقات میں سے ہیں اور حسن بن سفیان اور ابومصعب بھی ثقہ ہیں، جیسا کہ خود دارِ قطنی نے واضح ذکر کردیا ہے۔ اب ایک ہی راوی بچا اور وہ ہے: ابوسعید مسعدہ فرغانی۔ امام دارقطنی نے اسی کی وجہ سے یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث بایں سند باطل ہے۔

فائدہ: قابلِ غور ہے کہ امام دارِ قطنی نے ابن عمر کی جو مرفوع روایت نقل کی ہے، یہ ''صحیح مسلم: ٧٢٢٠'' میں، ''سنن نسائی: ٥٠٣٧'' میں اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی مروی ہے اور بالکل صحیح حدیث ہے؛ اب امام دارِ قطنی نے اس روایت کو جو باطل کہا ہے، صاف ظاہر ہے کہ دارِ قطنی کا یہ فیصلہ متن سے متعلق نہیں؛ بل کہ سند میں موجود نہایت ہی غیر معتبر و مردود راوی ہی کے پیشِ نظر ہے، جیسا کہ خود صاف لکھتے ہیں کہ ''هذا باطل بهذا الإسناد''۔

اور محدثینِ عظام کسی روایت کے متعلق ''باطل'' تبھی کہتے ہیں، جب کہ اس کا راوی وضاع و کذاب ہو، یا وہ روایت اصولِ اسلام کے صریح منافی و معارض ہو، (جیسا کہ علمِ حدیث سے واقف اہلِ علم پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔)

اور یہاں یہ روایت منافی و معارض بھی نہیں ہے؛ بل کہ مسلم اور نسائی کی صحیح حدیث ہے؛ لہٰذا یہ طے ہو جاتا ہے کہ امام دارِ قطنی کے نزدیک بھی مسعدہ بن بکر فرغانی نام کا یہ راوی کذاب و وضاع ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''لسان المیزان'' میں امام دارقطنی کا کلام اور امام ذہبی رحمہ اللہ کی تحقیق لفظ بہ لفظ نقل کی ہے اور اس پر مکمل سکوت فرمایا ہے اور تردید یا تنقید کا ایک حرف بھی

نہیں لکھا، جس کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی اِن دونوں ائمہ کی تحقیق سے متفق ہیں اور اُن کے نزدیک بھی یہ راوی وضاع و کذاب ہی ہے۔

(۴) امام ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی رحمہ اللہ نے ''تنزیہ الشریعہ'' کے مقدمے میں کذاب و وضاع راویوں کی فہرست لکھی، جس میں اس راوی کا بھی نام لیا ہے اور بعینہٖ امام ذہبی رحمہ اللہ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

(تنزيه الشريعة:١/١١٧)

الغرض امام دارقطنی، امام ذہبی، امام ابن حجر عسقلانی اور امام ابن عراق رحمہم اللہ کی تحقیق یہی ہے کہ ابوسعید مسعدہ بن بکر فرغانی حدیثیں گھڑنے اور من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والوں میں سے ہے۔

درایتاً حدیث پر کلام

سند کے علاوہ متنِ حدیث کا بھی جائزہ لیا جائے اور اصولِ حدیث کے میزان پر اس کو تولا جائے تو اس پر آثارِ وضع صاف نظر آتے ہیں، مثلاً:

پہلا قرینہ: اِس روایت کے موضوع ہونے کا ایک قرینہ یہ ہے کہ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لقب ''یا حمیراء'' مذکور ہے اور محدثینِ عظام نے روایات کی تلاش و تحقیق اور اسانید کے جائزہ و تنقید کے بعد یہ تصریح فرمائی ہے کہ جس روایت میں ''یا حمیراء'' آئے، وہ عام طور پر موضوعات ہی میں سے ہوتی ہے۔ چناں چہ

(۱) امام سلطان بن علی عرف ملا علی قاری رحمہ اللہ مشہورِ زمانہ کتاب: ''مرقاۃ المفاتیح:۶/۱۷۸'' میں رقم فرماتے ہیں:

> **" قال ابن حجر: نُقِلَ عن الإمام جمال الدين بن يوسف المزني أنه قال: كل حديث فيه "يا حميراء" فهو موضوع . والله تعالى أعلم! هذه المقالة لا تصح على عمومها ؛ لأن مجرد اشتمال الحديث على "يا حميراء" لا يَدُلُّ على الوضع . نعم إن وجد معه أسباب أخر تدل على الوضع يحكم به و إلا فلا ، و لعل مراده كل حديث مصدر بـ "يا حميراء" و قد تتبعوا تلك الأحاديث فوجدها موضوعة . ونظيره ما قال السمناني: ومن الأحاديث الموضوعة التي تروى في تسميتها يا حميراء ."**

(ابن حجر نے فرمایا رحمہ اللہ کہ امام جمال الدین بن یوسف مزنی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہر وہ حدیث جس میں ''یا حمیراء'' آیا ہو، وہ موضوع ہے۔[ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ] یہ بات علی العموم صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ محض اس لفظ کا آجانا حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں ہے؛ لیکن ہاں! اگر وضعِ حدیث پر دلالت کرنے والے اسباب ہوں، تو حدیث کو موضوع ہی گردانا جائے گا، نہیں تو نہیں۔ غالباً امام جمال الدین رحمہ اللہ کی مراد یہ ہوگی کہ ہر وہ حدیث، جس میں ''یا حمیراء'' آیا ہے، ان کی تحقیق وتلاش کے بعد انھوں نے اس کو موضوع ہی پایا ہوگا۔ امام جمال الدین کی طرح یہ بات امام سمنانی رحمہ اللہ سے مروی ہے، چناں چہ انھوں نے فرمایا کہ موضوع احادیث میں وہ حدیثیں بھی داخل ہیں، جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام ''یا حمیراء'' بیان کیا جاتا ہے۔)

(۲) امام جمال الدین مزنی اور حافظ سمنانی کی جو تحقیق ملا علی قاری نے بیان فرمائی ہے کہ وہی بات حافظ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی بیان فرمائی ہے، چناں چہ امام ابن القیم رقم طراز ہیں کہ ''كل حديث فيه "ياحميراء" أو ذكر "حميراء"، فهو كذب مختلق'' (ہر وہ روایت جس میں ''یا حمیراء'' یا صرف ''حمیراء'' کا ذکر ہو، وہ جھوٹی اور خود ساختہ روایت ہے)۔

(المنار المنيف: ٦٠)

اس استقرائی قاعدے سے شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے تین روایات کو مستثنیٰ کیا ہے، جن کا ذکر ''المنار المنيف'' کی تعلیق میں ہے، اُن تین روایات میں یہ روایتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں ہے۔

ان جلیل القدر ائمۂ محققین کا تصریح فرمانا اور علامہ شیخ ابو غدہ رحمہ اللہ کا اِس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو مستثنیٰ روایات میں شامل نہ کرنا، ایک ظاہری قرینہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک ''یا حمیراء'' والی یہ روایت من گھڑت وموضوع روایات میں سے ایک ہے۔

دوسرا قرینہ: اس روایت میں نقل ہوا ہے کہ ''ما من مؤمن و لا كافر إلا ويشتهي أن ينظر إلى وجهي'' (کوی بھی مومن اور کوئی بھی کافر ہو؛ ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ میرے چہرے کو دیکھے۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار وزیارت کی تمنا ہر مومنِ صادق کے دل میں موجزن رہتی ہے؛ مگر اس روایت میں مومن کے ساتھ کافر کو ذکر کرنا محلِ نظر ہے؛ اس لیے کہ یہ جملہ،

یا جملۂ خبریہ ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، یا پھر اس کو حکماً جملۂ انشائیہ مانا جائے۔ انشائیہ ماننے کی صورت میں یہی ماننا پڑے گا کہ اس میں کافر کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ زیارتِ نبوی کی تمنا اپنے دل میں رکھے۔

ظاہر ہے کہ یہ معنی مراد لینا صحیح نہیں؛ کیوں کہ زیارتِ نبوی ایک عظیم سعادت وعبادت ہے اور کافر شرعاً اس کا اہل نہیں؛ اس لیے اس کو حکم دینا، اصولِ شرعی کی رو سے صحیح نہیں۔

اس جملے کی دوسری صورت جملۂ خبریہ کی ہے، جس میں بڑی تاکید سے یہ خبر دی گئی ہے کہ جو بھی کافر ہے، اس کو نبی اکرم ﷺ کے دیدار کی تمنا ہوتی ہی ہے۔ تاریخ ومشاہدہ گواہ ہیں کہ یہ تمنا کفار کے دلوں میں ہوتی نہیں۔

تیسرا قرینہ: امام ابن عساکر کی نقل کردہ اس حدیث کی سند میں مسعدہ بن بکر فرغانی نے اپنی جو سند ذکر کی ہے، وہ یہ ہے: **أنبأنا محمد بن أحمد بن أبي عون، أنبأنا عمار بن الحسن ، أنبأنا سلمة بن الفضل بن عبد الله عن محمد بن اسحاق بن يسار...اهـ**

اس میں امام المغازی والسیرۃ: حضرت محمد بن اسحاق (متوفی ۱۵۱ھ) کا ذکر ہے اور آپ کی تصنیف ''**السيرة النبويه لابن إسحاق**'' علمِ سیرت کا سب سے پہلا اور بنیادی مآخذ ہے۔ جس میں آپ ﷺ کے مغازی وحالات کے ساتھ آپ کے شمائل وصفات کا بھی بیان موجود ہے؛ لیکن اس زیرِ بحث روایت کا ذکر خود ان کی کتاب میں بھی موجود نہیں ہے۔

اسی طرح امام ابن ہشام (متوفی ۱۸۳ھ) کی کتاب: ''**السيرة النبوية**'' جو دراصل ابن اسحاق کی کتاب کی تنقیح وتہذیب ہے، جس میں مزید افادات وحواشی ہیں؛ اس میں بھی اس حدیثِ عائشہ کا ذکر نہیں ہے۔

اسی طرح امام سہیلی (متوفی ۵۸۱ھ) کی کتاب: ''**الروض الأنف**'' جو کہ امام ابن اسحاق اور امام ابن ہشام ہی کی سیرت پر افادات واضافات کا مجموعہ ہے، اس میں بھی یہ حدیثِ عائشہ نہیں ہے۔

ایسے ہی امام ابن سید الناس (متوفی ۷۳۴) کی کتاب: ''**عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير**'' میں اس روایت کو آنا چاہیے؛ اس لیے کہ یہ بھی ''سیرت ابن اسحاق'' اور ''سیرت ابن ہشام'' کو سامنے رکھ کر مزید فوائد وثمرات کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

مگر عجیب بات ہے کہ ابن ہشام سے مروی حدیث عائشہ خود ان کی کتاب میں بھی نہیں اور نہ ان کی اقتداء واتباع میں لکھی جانے والی کتابوں میں کہیں ہے۔ یہ بھی ایک واضح قرینہ ہے کہ اِس حدیثِ عائشہ کی کوئی سند نہیں ہے، سوائے ابن عساکر کی ذکر کردہ سند کے اور اس میں ایک متہم وکذاب راوی

موجود ہے، جس کی بیان کردہ روایات باطل اور جھوٹی قرار دی گئیں ہیں۔

حاصلِ کلام

نبیٔ اکرم ﷺ جس طرح سید الانبیاء اور خاتم المرسلین ہیں اور جس طرح آپ کی خصوصیات وکمالات لاثانی ہیں، اسی طرح آفتابِ عالم ﷺ کا حسن وجمال بھی لاثانی اور سردارِ حسن وجمال ہے۔ آپ کے معجزانہ حسن کا بیان مشہور روایات اور احادیثِ صحیحہ سے صحیح وثابت ہے اور شمائلِ نبویہ وسیرت نبویہ کی قدیم وجدید کتابوں میں الحمد اللہ یہ احادیث منقول ہیں اور آپ ﷺ کے نورانی حسن وجمال کو جاننے ومحسوس کرنے کے لیے یہی معتبر حدیثیں کافی وشافی ہیں۔

کسی من گھڑت اور بے اصل روایت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے؛ لہٰذا زیرِ بحث یہ حدیث عائشہ اگر ضعیف بھی ہوتی؛ تو دیگر بے شمار احادیث کی تائید وتقویت کی بنا پر یقیناً مقبول ومعتبر ہوتی؛ مگر کیا کریں کہ یہ حدیث ضعیف نہیں ہے؛ بل کہ مسعد بن بکر فرغانی کی وجہ سے امام دارقطنی کے بقول ''بَاطِلٌ'' کہی جائے گی؛ یا پھر امام ذہبی، امام ابن حجر عسقلانی اور امام ابن عراق کنانی کے بقول ''خَبَرٌ کَذِبٌ''، یعنی جھوٹی وبناوٹی کہلائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

۱٤٤- حدیث: کیا اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم ﷺ کی نمازہ جنازہ پڑھی؟

متعدد افراد نے پوچھا کہ: کیا اللہ نے ہمارے نبی ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے؟ اور پھر یہ بھی بتایا کہ حضرت مولانا محمد طارق جمیل صاحب نے اپنے ایک بیان میں یہ بات کہی ہے اور یہ بیان ویڈیو (Video) کی شکل میں انٹرنیٹ (Internet) پر موجود ہے اور عوام الناس مولانا کے حوالے سے یہ بات بڑے زور شور سے پھیلا رہے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ بتائیں۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ میں نے مولانا کا بیان بار بار سنا، تقریر میں مولانا کہہ رہے ہیں:

''صحابہ نے پوچھا: آپ ﷺ کو قبر میں کون اتارے گا؟ کہنے لگے کہ اہلِ بیت مجھے قبر میں اتاریں گے۔ پھر پوچھا: یارسول اللہ! آپ کا جنازہ کون پڑھے گا؟ تو اس پر آپ رونے لگے اور صحابہ بھی رونے لگے۔ ہمارے نبی ﷺ کا جنازہ ایسے نہیں ہوا جیسے ہمارے ہوتے ہیں: ایک امام، پیچھے مقتدی۔ کیسے ہوا؟ ابھی بتا رہا ہوں۔ فرمایا کہ جب تم مجھے کفن دے دو، تو تم سب مجھے تنہا چھوڑ کے باہر نکل جانا، سب سے پہلے

میرا اللہ میرا جنازہ پڑھے گا، پھر اس کے بعد جبریل، میکائیل اور اسرافیل اور ملک الموت اور عرش کے فرشتے میرا جنازہ پڑھیں گے۔ پھر اس کے بعد ساتوں آسمان کے فرشتے میرا جنازہ پڑھیں گے۔ پھر اس کے بعد تم مرد آنا اور میری چارپائی کے پاس کھڑے ہو جانا.....الخ‘‘

اس ویڈیو کلپ (Video Clip) میں مولانا نے اِس حدیث کا نہ حوالہ دیا اور نہ ہی اُس کا درجہ بیان فرمایا۔ بس آپ بڑے دل نشیں لب و لہجے میں بیان فرمارہے ہیں اور سننے والا مجمع عش عش کر رہا ہے اور سامعین وحاضرین ’’اللہ اکبر‘‘ کی صدا بلند کر رہے ہیں۔

یہ ہے روایت کا ذکر، سنانے اور سننے کے حالات واثرات کا ذکر۔ اب ذرا اصولِ تحقیق کی روشنی میں اس روایت کا جائزہ پیش کرتا ہوں، ملاحظہ کیا جائے:

تحقیق

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ’’معجم کبیر: ۳/۶۰، رقم: ۲۶۷۶‘‘ میں اور ان ہی کے حوالے سے امام ابو نعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے ’’حلیۃ الاولیاء: ۴/۷۳‘‘ میں وہب بن منبہ کے تذکرے میں ایک طویل ترین روایت نقل کی ہے، جس میں یہ مروی ہے:

" فقال علي رضي الله عنه : يا رسول الله ! إذا أنت قُبِضْتَ فَمَن يغسلک ؟ وفيم نكفنک ؟ ومن يصلي عليک؟ ومن يُدْخل القبرَ؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم : يا علي؟ أما الغُسل فاغسلني أنت و الفضل بن عباس يصُبُّ عليک الماء ، و جبريل ثالثكما ، فإذا أنتم فرغتم من غسلي ، فَكَفِّنُوني في ثلاثة أثواب جدد ، و جبريل يأتي بحنوط من الجنة ، فإذا أنتم وضعتموني على السرير فضعوني في المسجد ، و اخرُجوا عني فإن أول من يصلي عَلَيَّ الربُّ من فوق عرشه ، ثم جبريل عليه السلام ثم ميكائيل ثم إسرافيل عليهما السلام ، ثم الملائكة زمراً زمراً ، ثم ادخلوا فقوموا صفوفاً لا يتقدم علي أحد..........فغسله علي بن أبي طالب و ابن عباس يصب عليه الماء و جبريل عليه السلام معهما ، و كفن بثلاثة أثواب جدد ، وحمل على سرير ، ثم أدخلوه المسجد و وضعوه في المسجد ، وخرج الناس عنه ، فأول من صلى عليه الرب

تعالى من فوق عرشه ، ثم جبريل ثم ميكائيل ثم إسرافيل ، ثم الملائكة زمراً زمراً ."

عبدالمنعم بن ادریس ایک جھوٹا راوی ہے

یہ ہے وہ روایت جس میں اللہ تعالیٰ کا نبیٔ اکرم ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھنا نقل کیا گیا ہے؛ مگر یہ روایت موضوع ومکذوب یعنی جھوٹی وبناوٹی ہے اور سوفی صد باطل ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالمنعم بن ادریس یمانی ہے، جس کے متعلق محدثینِ عظام کے اقوال یہ ہیں:

امام ابوداود اور امام نسائی رحمہما اللہ نے فرمایا: "ليس بثقة"۔ امام دارِ قطنی نے فرمایا: "هو وأبوه متروكان"۔ امام بخاری نے فرمایا: "ذاهب الحديث"۔ امام احمد فرماتے ہیں: "عبد المنعم بن إدريس يكذب على وهب بن منبه"۔ امام ابن حبان نے فرمایا: "يضع الحديث على أبيه وعلى غيره من الثقات ، لا يحل الاحتجاج به ولا الرواية عنه"۔ امام ذہبی "المغنی فی الضعفاء: ۲/۱۷" میں لکھتے ہیں: "عبد المنعم بن إدريس ، تركوه ، وقال أحمد كان يكذب على وهب"۔ امام برذعی لکھتے ہیں کہ امام ابوزرعہ نے فرمایا: "واهي الحديث"۔ امام ابواحمد الحاکم رحمہم اللہ نے فرمایا: "ذاهب الحديث"۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حافظ عبدالخالق بن منصور نے امام جرح وتعدیل حضرت یحیٰ بن معین رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا: "الكذاب الخبيث" (بہت بڑا جھوٹا اور بہت بڑا خبیث ہے)۔

الغرض حضراتِ محدثین کے اِن اقوال کا موازنہ کرنے کے بعد حافظ عسقلانی رحمہ اللہ حتمی فیصلہ تحریر کرتے ہیں کہ: "مشهور قصاص ، ليس يعتمد عليه ، تركه غير واحد" (مشہورِ زمانہ واعظ اور غیر معتبر ہے، اکثر وبیشتر محدثین کے نزدیک متروک ہے)۔

(الضعفاء والمتروكون للنسائي : ١٦٦، الضعفاء والمتروكون للدارقطني:٢٨٦،الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي : ١٥٤/٢،التاريخ الكبير: ٤١/٦، كتاب المجروحين:١٤٣/٢، لسان الميزان: ٢٨٠/٥)

حدیث کے موضوع ہونے پر ائمۂ حدیث کی تصریحات

اس سے معلوم ہوا کہ عبدالمنعم بن ادریس وضاع وکذاب اور جھوٹا وخبیث راوی ہے۔ اب ایسا

راوی جس سند میں آجائے، وہ سند فاسد اور روایت موضوع ومکذوب ہوتی ہے؛ لہٰذا اوپر ذکر کردہ روایت بھی اس راوی کی بنا پر موضوع ومکذوب کہلائے گی؛ اور بطور خاص اس روایت کا موضوع ومن گھڑت ہونا ائمہ محدثین تقریباً ۱۳صدیوں سے بتاتے چلے آرہے ہیں۔آگے صدی وار حضرات محدثین کے اقوال ان ہی کی زبانی مع حوالہ ذیل میں نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

(۱) امام المحدثین امام بزار رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۲ھ) نے فرمایا کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ چناں چہ شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''التلخیص الحبیر:۲۵۱/'' میں لکھتے ہیں: ''**رواه الطبراني من حديث جابر و ابن عباس، وفي إسناده عبد المنعم بن إدريس هو كذاب، وقد قال البزار: إنه موضوع**''۔

اورامام ابن الملقن رحمہ اللہ ''البدر المنیر:۲۷۷/۵'' میں امام ابن دِحْیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: امام بزار اور امام طبری رحمہما اللہ نے ایک طویل حدیث میں یہ بات نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''**أول من يصلي عليّ ربُّ العزة**''، مجھے اس حدیث کو سنانا ناپسند ہے؛ کیوں کہ امام بزار رحمہ اللہ نے اپنی کتاب: ''العِلَل'' میں فرمایا ہے کہ یہ موضوع ہے۔علامہ ابن الملقن کی عبارت ہے:

"قال ابن دحية في " تنويره": حكى البزار و الطبري أنه عليه السلام قال:" أول من يصلي عليّ ربُّ العزة " في حديث طويل ، كرهتُ أن أذكره ؛ لأن البزار قال في " عِلَلِه ": إنه موضوع".

(۲) امام ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۳۰ھ) کی کتاب: ''حلیۃ الاولیاء'' جو دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان سے ۱۴۰۹ھ موافق ۱۹۸۸ء میں طبع ہوئی ہے، اس میں یہ روایت موجود ہے اور ص:۳۰۷ کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے کہ ''**في ج بين السطرين ، تحت اسم عبد المنعم كذاب وضاع**''۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک جزو میں اس جگہ عبدالمنعم کے بعد بین السطور ہے اور اس میں اِس راوی کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ یہ کذاب اور وضاع ہے۔

بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حافظ ابونعیم نے ازخود اس راوی کو وضاع اور اس کی اِس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔واللہ اعلم

(۳) امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) ''الموضوعات:۳۰۶/۲'' میں رقم طراز ہیں:

"هذا حديث موضوع محال، كافأه الله من وضعه ، وفتح من شين

الشريعة بمثل هذاالتخليط البارد، والكلام الذي لا يليق بالرسول ولابالصحابة ، والمتهم به عبدالمنعم بن إدريس.“

(یہ ایک من گھڑت حدیث ہے، حدیثِ نبوی ہو ہی نہیں سکتی، اللہ اس سے انتقام لے لیں گے جس نے ایسی بے تکی گری پڑی باتوں کے ذریعہ شریعتِ مطہرہ بدنما بنانے کی کوشش کی ہے اور ایسی باتیں نہ شانِ رسول کے موافق ہیں اور نہ شانِ صحابہ کے اور ایسی من گھڑت باتوں سے متہم یہ عبدالمنعم بن ادریس راوی ہے۔)

(۴) شیخ الاسلام امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) ”تلخيص الموضوعات:۸۹“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”هذا من موضوعات الحلية“ (یہ ”حلیۃ الاولیاء“ کی موضوع روایات میں سے ایک ہے)۔ اور ”میزان الاعتدال:۴/ ۴۱۹“ میں بھی اس کو موضوع مانا ہے۔

(۵) امام کبیر حافظ ابن المُلقِّن رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۴ھ) ”البدرالمنیر :۵/ ۷۴۷“ میں لکھتے ہیں کہ ”كرهت أن أذكره ؛ لأن البزار قال في ”علله“: إنه موضوع“۔

(۶) حافظ زین الدین امام عبدالرحیم عراقی رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۶ھ) نے بھی ”المغنی عن حمل الاسفار، ص: ۱۲۱۸، رقم: ۴۴۰۷“ اس روایت کو موضوع اور اس سے ملتی دیگر روایات کا حوالہ دیتے ہوئے ان روایات کے منکر الحدیث اور کذاب راویوں پر کلام کرتے ہوئے اس حدیثِ عبدالمنعم کو موضوعات میں شمار فرمایا ہے۔

(۷) امام عظیم حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۷ھ) نے ”مجمع الزوائد: ۸/ ۶۰۵، رقم: ۱۴۲۵۳“ میں عبدالمنعم کو کذاب اور وضاع قرار دیتے ہوئے اس روایت کو موضوع ٹھیرایا ہے۔

(۸) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) نے ”لسان المیزان: ۵/ ۲۸۰“ میں اس روایت کا حوالہ دیا اور اس کو موضوع تسلیم کیا ہے، جیسا کہ اوپر ”التلخيص الحبير“ میں اِس کو موضوع گردانا ہے۔

(۹) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) ”اللآلی المصنوعہ: ۱/ ۲۸۲“ میں عبدالمنعم سے مروی یہ پوری روایت نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ”موضوع ، آفته عبد المنعم“۔

(۱۰) امام ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی رحمہ اللہ (متوفی ۹۶۳ھ) اپنی لاجواب کتاب: ”تنزیہ الشریعۃ: ۱/ ۳۳۱“ میں امام ابونعیم کی ”حلیۃ الاولیاء“ سے یہ روایت مکمل نقل کرتے ہیں اور اس کو ”فصل اول“ میں ذکر کرتے ہیں اور امام ابن عراق اِس فصل میں ایسی موضوع حدیث لاتے ہیں، جو

امام ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے اور پھر سبھی محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہو، کسی نے بھی ابن الجوزی سے اختلاف نہ کیا ہو، چنانچہ اپنی اسی کتاب کے ''مقدمے، ص:۱۹'' میں لکھتے ہیں کہ ''وجعلتُ كلَّ ترجمةٍ غيرَ كتاب المناقب في ثلاثة فصول، الأول: فيْما حكَم ابن الجوزي بوضعه، و لم يُخَالَفْ فيه''۔

اس سے معلوم ہوا کہ محدثِ اعظم امام ابن عراق کے علم وتحقیق کے مطابق اس حدیث کو موضوع قرار دینے کے مسئلے میں سارے محدثین متفق ہیں، کسی بھی محدث نے امام ابن الجوزی سے اختلاف نہیں کیا ہے۔

(۱۱) محدثِ کبیر علامہ شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے ''الفوائد المجموعہ:۷ ۲۸'' میں اس کو موضوعات میں شمار فرمایا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں: ''رواه ابونعيم عن ابن عباس مرفوعاً مطولاً في نحو ثلاث ورق، و هو موضوع، آفته من عبد المنعم بن ادريس بن سنان''۔

(۱۲) امام الہند حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۴ھ) ''الآثار المرفوعہ:۳۸'' میں عنوان اور تمہید لکھتے ہیں کہ ''ذِكْرُ بعضِ القصص المشهورة، و لِنذْكر ههنا بعضَ القصصِ التي أكثر وُعَّاظُ زمانِنَا ذِكْرَها في مجالسهم الوعظيّة، وظَنُّوها أموراً ثابتةً مع كونها مختلَقةً موضوعةً.'' (بعض مشہور مشہور قصوں کا ذکر، اب ہم یہاں بعض ایسے قصوں کا ذکر ضرور کریں گے، جن کو ہمارے زمانے کے واعظین اپنی مجالس وعظ میں بکثرت سناتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قصے ثابت ہیں؛ حالاں کہ یہ جھوٹے اور گھڑے ہوئے قصے ہیں)۔

اس کے بعد علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کچھ قصے نقل کرتے ہیں، ان ہی میں یہ واقعہ ہے جس کا راوی عبدالمنعم ہے، نقل کرتے ہیں اور پھر مکمل دو صفحوں میں حضراتِ ائمہ حدیث کے اقوال ذکر کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ یہ حدیثِ عبدالمنعم جھوٹی و بناوٹی ہے۔

دوسری روایت اور دوسری سند

''مستدرکِ حاکم:۳/۶۰'' میں ایک دوسرے طریق سے روایت آئی ہے، جس میں ''فإن أول من يصلي علي خليلي، وحبيبي جبريل.... اهـ'' ہے؛ مگر اس کی سند میں ایک راوی سلام بن سلیمان الطّویل ہے، جس کو سلام بن سلم، سلام بن سلیم بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ''روى أحاديث منكرة''، ابن معین رحمہ اللہ نے کہا: ''له أحاديث

منكرة ، ليس بشيء ، ضعيف لا يكتب حديثه ''امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا: ''ضعيف الحديث تركوه'' اورامام ابن خراش رحمہ اللہ نے کہا: '' متروک ، کذاب''۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''قال أبونعيم في الحلية في ترجمة الشعبي: سلام بن سليم الخراساني متروک بالاتفاق''۔ (تهذيب الكمال:۱۲/۲۷۷،تهذيب التهذيب:۳/۱۹۱)

اس کے علاوہ سلام بن سلیمان مدائنی، عبدالملک بن عبدالرحمٰن شامی اور حسن عرنی راوی ہیں، جو کہ متکلم ومختلف فیہ ہیں۔ نیز اس کی کوئی متابع وشاہد روایت بھی نہیں ہے؛ اسی لیے حضراتِ محدثین کے نزدیک یہ روایت نہایت ہی ضعیف ہے۔

''البدر المنير'' کے حاشیہ نگار حضراتِ اہل علم، اسامہ بن احمد، ابومحمد عبداللہ بن سلیمان، ابوصفیہ مجدی بن السید بن امین، ابوعبداللہ محیی الدین بن جمال الدین؛ یہ حضرات اس روایت پر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ''قال الذهبي رحمہ اللہ في تلخيصه: بل كذبه الفلاس....وهذا شأن الموضوع يكون كل رواته ثقات سوى واحد، فلو استحيى الحاكم لما أورد مثل هذا''۔

(البدر المنير:۵/۲۷۹، ميزان الاعتدال:۴/۴۰۲)

الغرض یہ روایت بھی بلحاظِ سند متروک ومنکر ہونے اور بلحاظِ متن نصوصِ شرع کے خلاف ہونے کی بنا پر اس قابل ہی نہیں کہ اس کو ذکر کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالمنعم کی روایت کو ذکر کرنا، جس طرح محدثین نے جائز نہیں سمجھا، اسی طرح ''مستدرکِ حاکم'' کی اس روایت کو ذکر کرنا بھی جائز نہیں سمجھا۔

زیرِ بحث حدیث اصولِ شرع کے میزان پر

یہاں تک جو کچھ کلام ہوا، وہ بلحاظِ سند تھا اور معلوم ہوگیا کہ سند کے لحاظ سے یہ حدیث منکر ومتروک اور موضوع ومکذوب ہے؛ تاہم اگر یہ حدیث ضعیف ہوتی، تو بھی مردود ومتروک ہوتی، جس کی وجہ یہ ہے کہ حضراتِ علماء نے نمازِ جنازہ کے مشروع کیے جانے کے دو مرکزی مقاصد-جن کے اردگرد دیگر مقاصد گھومتے ہیں- بیان فرمائے ہیں:

پہلا مقصد:

میت کے حق میں سفارش اور دعائے مغفرت کرنا، نمازِ جنازہ کے مشروع ہونے کی غرض وحکمت ہے۔ چناں چہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عبارت ہے:

''وإنما شُرعت الصلوةُ على الميت لأن اجتماع أمة من المؤمنين

شافعين للميت له أثر بليغ في نزول الرحمة عليه.''

اس حکیمانہ عبارت کی جامع ومختصر شرح کرتے ہوئے شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:

''نمازِ جنازہ میت کے لیے اجتماعی دعا کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے؛ کیوں کہ مومنین کے ایک گروہ کا اکٹھا ہوکر میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا عجیب تاثیر رکھتا ہے۔ میت پر رحمتِ الٰہی کے نزول میں دیر نہیں لگتی۔ یعنی انفرادی دعا کی بہ نسبت اجتماعی دعا میں قبولیت کی شان زیادہ ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ مع رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/۶۷۶)

اسی طرح حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہ رقم فرماتے ہیں:

''صلاۃِ جنازہ اپنے لیے دعا نہیں؛ بل کہ اور کے لیے ہے یعنی از قسم شفاعت ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں تکثر اور تعدد زیادہ کارگر ہے؛ اس لیے جنازے کی دعائیں پڑھنے میں سب شریک ہوتے ہیں۔''

(المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ: ۱۳۳)

اگر ''**أوّل من يصلّي علي الربّ**'' یعنی ''اللہ تعالیٰ کا نمازِ جنازہ پڑھنا'' اِس مقصد کے لیے مانا جائے، تو یقیناً یہ معنی ومطلب لینا اصولِ شرع کے خلاف اور کفر وزندقہ ہے؛ کیوں کہ اس میں تنقیصِ باری تعالیٰ لازم آتی ہے، اس طرح کہ اس میں معبود کو عابد اور بے نیاز کو محتاج دکھانا۔ نیز غفار پروردگار کو عفو ودرگزر کا طلب گار ٹھیرانا اور سائلوں وطالبوں کی صف میں لاکھڑا کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی بلاشک وشبہ اصولِ اسلام کے منافی ہے اور دینِ اسلام میں اس معنی ومطلب کی زرہ برابر کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لہٰذا اس معنی کو مراد لینے کی صورت میں یہ روایتِ عبدالمنعم قطعی طور سے مردود اور جھوٹی قرار دی جائے گی؛ کیوں کہ ایسی اسلام مخالف بات ہمارے نبیٔ اکرم ﷺ کی ہو ہی نہیں سکتی۔

دوسرا مقصد:

ایک مقصد میت کی تعظیم وتکریم بجالانا ہے، کیوں کہ نمازِ جنازہ حضراتِ انبیاء ورسل پر بھی پڑھی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ حضراتِ انبیاء معصوم ومقدس ہیں، لہٰذا ان کے حق میں نماز جنازہ کو تعظیم وتکریم کی ایک مخصوص صورت قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح وہ حضراتِ صحابۂ عظام جن کو دنیا ہی میں جنتی ہونے کی خوش خبری سنادی گئی، ان کی نمازِ جنازہ بھی ظاہر ہے کہ برائے تعظیم وتکریم ہوگی۔ اسی طرح راہِ خدا میں شہید

ہونے والا خوش نصیب بندہ جس کو غسل نہ دینے اور خون آلود کپڑوں میں دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس پر بھی نماز جنازہ پڑھنا اس کی تعظیم وتکریم کے لیے ہے، چناں چہ حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم، شہید پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے مسئلے میں اختلاف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''استغفار نمازِ جنازہ کا ضمنی فائدہ ہے، اصل مقصدمیت کی تعظیم ہے، چناں چہ انبیاء کی بھی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، جب کہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور شہداء احترام کے زیادہ مستحق ہیں، پس ان کی بھی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے۔'' (تحفۃ الالمعی: ۳/۴۴۴)

اب اگر ''أوّل من یصلّي علي الربُّ''، یعنی ''اللہ تعالیٰ کا نمازِ جنازہ پڑھنا''، تعظیم کے لیے مانا جائے اور کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا نماز پڑھنا برائے سفارش وشفاعت نہیں ہے؛ بل کہ اللہ کی جانب سے نبیٔ اکرم ﷺ کی تعظیم کی ایک صورت ہے، جو اللہ نے اختیار فرمائی ہے، تو یہ مفہوم ومعنی بھی مراد لینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ نمازِ جنازہ کی حقیقت جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے خلاف ہے، اسی طرح نمازِ جنازہ کی یہ صورت بھی اللہ تعالیٰ کی عالی شان صفت کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بات تو صحیح ودرست ہے کہ اللہ تعالیٰ شکور ہیں اور اپنے نیک وصالح بندوں کی تکریم فرماتے ہیں؛ مگر وہ تعظیم خداوندی ذاتِ الٰہی کے مانند اعلیٰ وارفع ہوگی، ایسی نہیں ہوگی، جیسے ایک غلام دست بستہ ہیئت میں کھڑے اپنی بڑے کی تعظیم کرتا ہے۔ احکم الحاکمین اپنے بندوں کی تعظیم اپنی رضا کی عنایت، اجرِ عظیم کی کثرت اور فضل واحسان کی شاہی فراوانی کی صورت میں کریں گے؛ لہٰذا احکم الحاکمین، رب العالمین کی تعظیم کو بندوں کی جیسی عاجزانہ وسائلانہ صورت والی باور کرنا یقیناً رب عظیم کی شان رفیع کے منافی اور اسلامی نصوص کے معارض ہے۔

فلاحظہ: باقی رہی یہ بات کہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب ''صلاۃ'' کی نسبت کی جائے، تو اس وقت اس کے معنی رحمت نازل کرنے کے ہوتے ہیں، وہ البتہ صحیح وثابت ہے؛ مگر یہاں جو بیان کیا گیا ہے اور جو اس روایت میں آیا ہے، یہ معنی یہاں مراد ہرگز نہیں ہے۔

حاصل وخلاصۂ تحقیق

الغرض اللہ تعالیٰ کا نبیٔ اکرم ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھنے والی روایت سنداً بھی موضوع ہے؛ کیوں کہ اس کا ایک راوی وضاع وکذاب ہے اور متناً بھی موضوع ہے؛ کیوں کہ اس کا متن اصولِ حدیث اور اصولِ شرع؛ دونوں کے خلاف ہے؛ لہٰذا ایسی روایت کو سنانا اور سن کر خاموش رہنا جائز نہیں ہے، بل کہ واجب وضروری ہے کہ بتا دیا جائے کہ یہ موضوع ومن گھڑت ہے، جھوٹی وبناوٹی ہے۔

۱۴۵- حدیث: کیلا کھانے کا سنت طریقہ

''موز'' جسے اردو میں ''کیلا'' اور انگریزی میں ''Banana'' کہتے ہیں، اس کے تعلق سے من گھڑت باتیں بنانے والوں نے ایک بات یہ گھڑی ہے کہ موز کھانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جڑ کی طرف سے چھیلا جائے، اُس طرف سے نہ چھیلا جائے جہاں پہلے ہی سے کچھ حصہ چھلا ہوا نظر آتا ہے، اس پھل کو کھانے کا سنت طریقہ یہی ہے، جو نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے۔

اور یہ بات تبلیغی ودعوتی جماعتوں سے جڑے ہوئے افراد کے مابین خوب رائج ومشہور ہے، اس لیے اس کے متعلق ذیل میں تحقیقی کلام پیش کرتا ہوں۔

کیلا، جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ ﴿سورۂ واقعہ﴾ میں اصحابِ یمین جنتیوں کا اور جنت کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَطَلْحٍ مَنْضُوْدٍ﴾؛ یہاں ''طلح'' سے مراد جمہورِ مفسرین کے نزدیک ''کیلا اور اس کا درخت'' ہے۔ چناں چہ

امام طبری ''تفسیر طبری: ۲۲/۳۱۰'' میں لکھتے ہیں کہ ''**و أما أهل التأويل من الصحابة والتابعين فإنهم يقولون: إنه الموز**'' (مفسرین صحابہ وتابعین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موز ہے) پھر اس کے بعد متعدد صحابہ تابعین کے اقوال مع اسانیدِ معتبرہ نقل فرمائے ہیں۔

امام ابن حاتم اپنی تفسیر میں، امام ابن کثیر اپنی تفسیر القرآن میں، امام سیوطی رحمہ اللہ ''**الدر المنثور**'' میں اور دیگر حضراتِ مفسرین تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ، حضرت مجاہد، حضرت قسامہ بن زہیر، حضرت قتادہ، حضرت حسن بصری، حضرت ابوحزرہ اور حضرت امام ابن زید اور جمہور مفسرین یہی فرماتے ہیں کہ ﴿وَطَلْحٍ مَنْضُوْدٍ﴾ سے مراد کیلا ہے۔

(تفسير ابن أبي حاتم: ۱۰/۳۳۰، تفسير ابن كثير: ۱۳/۳٦٤، الدر المنثور: ۱٤/۱۹۲، روح المعاني: ۲۷/۱٤۰)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''بخاری شریف'' میں ﴿سورۂ واقعہ﴾ کی تفسیر میں صرف اسی قول کو اختیار فرمایا ہے، جس سے اس قول کی صحت وپختگی ظاہر وباہر ہے۔ اسی طرح امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''تفسیر جلالین'' میں، حضرت شیخ الہند نے اپنے ترجمہ قرآن میں، حضرت تھانوی نے ''بیان القرآن''

میں حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ اور حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ نے ''معارف القرآن'' میں، شیخ عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ نے ''تفسیر حقانی'' میں اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کیلا جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے اور بے شمار پھلوں میں سے بطورِ خاص کلامِ ربانی میں اس کا مذکور ہونا، اس پھل کی عظمت و برتری کی واضح دلیل ہے یہ اور بات ہے کہ جنت کے پھلوں اور دنیا کے پھلوں کی لذت وحلاوت میں زمین و آسمان کا فرق؛ بل کہ ناقابلِ تصور فرق ہے۔

حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے قصے میں کیلے کا ذکر

﴿سورۂ اعراف﴾ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ جب دونوں حضرات نے ممنوع درخت سے کھالیا، تو بدن کے سارے کپڑے اتر گئے اور دونوں جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنا بدن چھپانے لگے، ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ﴾۔

﴿ورق الجنة﴾ کی تعیین وتخصیص نہ قرآن میں آئی ہے اور نہ حدیثِ صحیح میں۔ البتہ حضراتِ مفسرین نے قرائن ودلائل کی روشنی میں اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں تین اقوال مروی ہیں:

(۱) اس سے مراد زیتون کے درخت پتے ہیں۔

(۲) انجیر کے درخت کے پتے مراد ہیں۔

(۳) کیلے کے درخت کے پتے مراد ہیں۔

جیسا کہ علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ نے ''البحر المحیط: ۴/۲۸۱'' میں، امام نسفی رحمۃ اللہ نے ''مدارک التنزیل: ۱/۵۶۱'' میں، امام ابن القیم رحمۃ اللہ نے ''زاد المسیر: ۳/۱۸۱'' میں، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ نے ''روح المعاني: ۸/۱۰۱'' میں ذکر فرمایا ہے۔

اس سے بھی کیلے کی فضیلت ومنقبت ثابت مانی جاسکتی ہے، جب کہ اِس کا جنتی پھل ہونا صحیح ومشہور قول کی بنیاد پر معتبر ومقبول ہے، نیز اس کے پتوں کی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی کو دیکھ کر؛ بل کہ دنیا ہی میں اس درخت کا تنا جس طرح اپنے پتوں میں مستور رہتا ہے، اسے دیکھ کر یہ بات مراد لینا صحیح ہے کہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام نے اس کو اختیار فرمایا ہوگا اور اپنے بدن کو چھپانے کے لیے اس

کو استعمال فرمایا ہوگا۔

بہ ہر حال یہ بات بھی اس پھل کی ایک وجہ فضیلت مانی جاسکتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں کیلے کا ذکر

﴿سورہ صافات﴾ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ جب مچھلی کے پیٹ سے نکال کر آپ کو خشکی پر لایا گیا، تو آپ کی خاطر ایک درخت اگا دیا گیا، جس سے آپ کو بڑی راحت و منفعت ملی، چناں چہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاَنۡۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّنۡ يَّقۡطِيۡنٍ﴾۔ راجح قول کے مطابق اس سے "قَرْعٌ" یعنی کدو مراد ہے۔ تاہم علامہ زمخشری، علامہ قرطبی، قاضی ابو سعود اور علامہ آلوسی رحمہم اللہ نے بعض علماء کا ایک قول یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ اس سے مراد کیلے کا درخت ہے۔ ان حضرات مفسرین کے الفاظ ہیں: "**و قيل: شجرة اليقطين هي شجرة الموز تغطى بورقها، و استظل بأغصانها، و أفطر على ثمارها**"۔

(الكشاف:٥/ ٢٣٠،تفسير أبي السعود: ٤/ ٥٥٠،تفسير القرطبي:١٨/ ١٠١، روح المعاني:٢٣/ ١٤٦)

اس سے بھی کیلے کی یہ فضیلت ثابت مانی جاسکتی ہے کہ اس معجزاتی قصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر نبی کی خاطر موز کے درخت کو معجزانہ طور پر پیدا کیا، جس سے حضرت یونس علیہ السلام نے خوب نفع حاصل فرمایا، اس کے پتوں سے کپڑے و لباس کا، اس کی ٹہنیوں اور شاخوں سے سایہ اور چھت کا اور اس کے پھلوں سے کھانے کا فائدہ اٹھایا۔

ایک وجہ فضیلت

امام ابن العربی رحمہ اللہ "**أحكام القرآن:٣/ ٨٥**" میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن نوح نے فرمایا: میں نے امام مالک بن انس کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنیا کے پھلوں میں کوئی ایسا پھل نہیں، جو جنت کے پھلوں کے مشابہ ہو سوائے کیلے کے۔ ابن العربی کے الفاظ یہ ہیں: "**ليس في الدنيا مِنْ ثَمار ما يشبه ثمار الجنة إلا الموز ؛ لأن الله يقول: ﴿أكلها دائم﴾ و أنت تجد الموز في الصيف و الشتاء**"۔

اللہ تعالیٰ نے جنتی درختوں کے پھل و سایہ کی یہ جو خوبی ذکر فرمائی کہ وہ ہمیشہ رہیں گے، اسی پر دنیا کے پھل دار و سایہ دار درختوں کو امام مالک رحمہ اللہ نے قیاس فرمایا، تو آپ نے پایا کہ موز کا درخت ایک ایسا درخت ہے، جس کا پھل بھی تقریباً ہر زمانے میں، ہر موسم میں پایا جاتا ہے۔ دیگر پھلوں کا یہ

حال نہیں ؛ کیوں کہ وہ خاص علاقوں، خاص موسموں تک محدود ہوتے ہیں اور ویسے ﴿طلح﴾ کی تفسیرِ مشہور کی بنا پر جب کیلے کا جنتی پھلوں میں ہونا معلوم ہے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے یہ فرمادیا کہ دنیا کے پھلوں میں کوئی پھل جنتی پھلوں سے قریبی مشابہت رکھتا ہے، تو یہ موز ہے۔

راقم السطور کہتا ہے کہ مجتہدِ اعظم امام مالک رحمہ اللہ کی اسی دقیقہ رسی و نکتہ سنجی پر تفریع کرتے ہوئے ہم ''ناریل'' [Coconut] کو بھی بآسانی جنتی پھلوں کی اِس خوبی کا مصداق ٹھیرا سکتے ہیں؛ کیوں کہ اس کا درخت بھی سایہ دار ہوتا ہے اور یہ پھل بھی گرمی و سردی ہر موسم میں دستیاب رہتا ہے، جس کا مشاہدہ ہمارے علاقوں میں ہسپتالوں، پارکوں اور شاہ راہوں پر ہوتا رہتا ہے۔

کیلا کھانے کا کوئی طریقۂ مسنون منقول نہیں

الغرض کیلا ایک مشہور و معروف پھل ہے، جس کو قدیم و جدید ہر انسان جانتا ہے اور نزولِ قرآن کے موقع پر بھی لوگ اس سے واقف تھے؛ مگر عجیب بات ہے کہ کتبِ تفسیر میں کہیں بھی حتی کہ جہاں جہاں ذکر ہے، وہاں وہاں بھی کیلا کھانے کا کوئی طریقہ نقل نہیں ہوا، نہ نبوی طریقہ اور نہ صحابہ والا طریقہ اور نہ صلحاء اور عام انسانوں کا طریقہ؛ کوئی طریقہ کہیں منقول نہیں ملتا اور کتبِ تفسیر میں اس کا طریقہ منقول نہ ہونا، بہت بڑی دلیل ہے کہ موز کھانے کا کوئی سنت طریقہ ثابت نہیں ہے؛ بہت بڑی دلیل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کتبِ تفسیر میں بعض مفسرین ہر قسم کی روایت ذکر کردیتے ہیں، حتی کہ موضوع و من گھڑت بھی۔ اب تفسیر کی قدیم و جدید کتابوں میں جس کا ذکر نہ ملتا ہو، تو یہ امر عدمِ ثبوت کی مضبوط دلیل بنے گا۔

اسی طرح احادیث کی مشہور و معروف کتابوں میں کھانے، پینے کی سنتیں اور علاج و معالجے کی حدیثیں موجود ہیں اور محدثینِ عظام نے اِن ابواب کی ہر ایک سنت کو محفوظ نقل فرمادیا ہے۔ ان میں بھی موز کھانے کی سنت کہیں منقول نہیں ہے۔

سیرتِ نبویہ پر لکھی گئی مشہور کتابوں میں سے ایک ''زاد المعاد'' ہے، جس میں بطورِ خاص ایک طویل تحریر اُن پھلوں کے ذکر پر بھی مشتمل ہے، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا، یا پسند فرمایا ہے۔ اس میں کہیں بھی کیلے کا ذکر نہیں ہے۔

اسی طرح امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی رحمہ اللہ (متوفی: ۹۴۲ھ) نے ''**سبل الهدی والرشاد في سیرة خیر العباد**'' کے نام سے سیرتِ نبوی پر جامع کتاب تصنیف فرمائی ہے، جو مشہور ہے اور جس میں ہر قسم کی روایت ذکر فرمائی ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھانے پینے کی سنتوں کا ذکر اور آپ

کے ماکولات ومشروبات کا مفصل ذکر موجود ہے، جو صفحہ: ۲۵۸ سے لے کر ص: ۳۸۹ تک تقریباً ۱۳۰ سے زائد طویل طویل صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اِس باب میں اور اس کتاب کے دیگر ابواب میں بھی کہیں موز کھانے کا ذکر تک نہیں ہے۔

اسی طرح موضوع ومن گھڑت روایات کی تحقیق میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے بیشتر کتابوں کی ورق گردانی کر کے دیکھ لی، ان میں بھی موز کھانے اور اس کے مسنون طریقہ کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔

فقہاء کی فقہی کتابوں اور صلحاء کی ملفوظات میں سے بیشتر کتابوں میں خوب تلاش کر کے اور اپنے اساتذۂ عظام سے، علم وتحقیق کے ذوق آشنا علماء سے حتی کہ اپنے دیگر متعدد رفقاء وطلباء سے بھی معلوم کیا اور اِس سنت کا سراغ جاننا چاہا؛ مگر ہر طرف سے لاعلمی کا جواب ہی موصول ہوا اور جواب بھی جس انداز سے ملا کہ اس سے یقین ہوگیا کہ بزرگوں اور ساتھیوں نے بھی کہیں نہیں پڑھا اور کسی معتبر عالم دین سے نہیں سنا۔

اس غلطی کی قابلِ احتمال بنیاد

بہ ہر حال ثبوت وعدمِ ثبوت کی مذکورہ بالا تحقیق سے ہٹ کر جب جاننے کی کوشش کی کہ آخر اس غلطی وقصور کی کیا وجہ اور بنیاد ہوسکتی ہے؟ تو اس کا بھی کوئی سراغ مل نہیں پایا، البتہ احقر نے اس پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا:

قصورِ استعداد اور ناقص صلاحیت رکھنے والوں، محنت ومطالعہ، مذاکرہ ومجاہدہ کر کے نہ پڑھنے والوں میں سے متعدد لوگوں کی ایسی فاحش وشدید غلطیاں دکھائی پڑتی ہیں، جن کو دیکھ کر علم وعلماء تڑپ اٹھتے ہیں، مثلاً:

حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ نے بارہا سنایا کہ ایک مولانا کہنے والے صاحب جن کو آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہے اور بنگلور میں جانے پہچانے صاحبِ علم ہیں، وہ ایک دن آ کر مجھ سے قرآنِ مجید سے متعلق ایک عجیب وغریب مسئلہ پوچھ رہے تھے، جو میں نے کہیں نہیں پڑھا۔ میں نے کہا: یہ آپ نے کہاں پڑھا؟ اس پر انھوں نے کہا کہ میں نے یہ مسئلہ ''ہدایہ'' کی ''کتاب القرآن'' میں پڑھا ہے۔ میں حیران ہوگیا کہ ''ہدایہ'' میں ''کتاب القرآن'' کہاں ہے؛ کیوں کہ ''کتاب القرآن'' نہ ہدایہ میں ہے، نہ اُس کے حاشیہ میں ہے۔

خیر! میرے پاس کتاب رکھی ہوئی تھی، میں نے ان کو دی اور پوچھا کہ آپ دیکھیں اور بتائیں کہ کہاں لکھا ہے۔ وہ مولانا ''ہدایہ'' لے کر صفحات اِدھر اُدھر اُلٹ پلٹ کرنے لگے اور کافی محنت کے بعد ایک جگہ ٹھیرے اور بغور پڑھنے لگے۔ میں نے سوچا کہ دیکھوں تو صحیح وہ کیا ہے، تو دیکھا کہ وہ صاحبِ ''كتاب الحج'' کے ''بابُ القِرَان'' میں دیکھ رہے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ پھر کافی دیر بعد وہ کہنے لگے کہ مفتی صاحب! قرآن سے متعلق وہ مسئلہ یہیں پڑھا تھا، اب نہیں مل رہا ہے۔

راقم اس پر قیاس کرتے ہوئے کہتا ہے: ہوسکتا ہے کہ کسی کم علم وکم فہم نے دیکھا ہوگا کہ ''تفسیرِ جلالین'' میں ''﴿ وطلح ﴾ شجر الموز﴿ منضود﴾ بالحمل من أسفله إلى أعلاه'' لکھا ہوا ہے۔ تو اپنی کج فہمی سے یہ سمجھ بیٹھا ہوگا کہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہاں موز کھانے کا مسنون طریقہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ موز کو جانبِ اسفل سے جانبِ اعلیٰ کی طرف چھیلا جائے۔ اس طرح سنایا ہوگا اور بات بنتے بنتے یہاں تک پہونچ گئی کہ اس کو سنت قرار دیا جانے لگا۔

حالاں کہ اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ مطلب نہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ نے مراد لیا ہے اور نہ کسی اور نے؛ بل کہ یہ معنیٰ ومفہوم مراد لینا قطعاً غلط ہے؛ اس لیے کہ اس عبارت کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں موز کا درخت اپنی جڑ سے لے کر اوپر تک تہ بر تہ ہوگا اور خوب ہرا ابھرا اور موزوں سے لدا ہوگا۔ اس عبارت سے سیوطیؒ نے جنت کے درخت کی نوعیت کو بیان کیا ہے، کیلا کھانے کی سنیت کو نہیں۔

حاصل کلام

الغرض کیلے کو نیچے جڑ کی جانب سے چھیل کر کھانے کو مسنون طریقہ بتانا صحیح نہیں ہے؛ بل کہ سفید جھوٹ ہے اور اس پر از خود عمل کرنا اور دوسروں کو عمل کی دعوت دینا شریعت میں ایک بدعت جاری کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے؛ لہٰذا سلیقے وتہذیب کے جس طریقے پر چاہے موز کو چھیل کر کھایا جاسکتا ہے۔

۱٤٦- حدیث: کھڑے ہوکر کنگھا کرنے سے آدمی قرض دار ہو جاتا ہے

مولانا! ہمارے علاقے میں ایک واعظ صاحب، جو دعوت وتبلیغ سے جڑے ہوئے ہیں، انھوں نے سنایا کہ حدیث میں ہے کہ کھڑے ہوکر کنگھا کرنے سے آدمی قرض دار ہو جاتا ہے اور اس کا فقر بڑھ جاتا ہے؛ اس لیے کھڑے ہوکر کنگھا نہیں کرنا چاہیے؛ بل کہ بیٹھ کر کرنا چاہیے، اسی میں خیر ہے۔ کیا یہ حدیث ہے؟ (عبداللہ، آرٹی نگر)

تحقیق

یہ بات اُس حدیث کا ترجمہ ہے، جس کو محدثین نے موضوع و مکذوب قرار دیا ہے۔ چناں چہ امام ابن الجوزی نے ''الموضوعات: ۳/ ۲۲۸'' پر مستقل ایک باب قائم فرمایا ہے، جس کا نام ''باب ذم الامتشاط قائماً'' ہے، اس میں حضرت عائشہ ؓ کے حوالے سے حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مَنِ امْتَشَطَ قَائِماً رَكِبَهُ الدَّيْنُ'' (جو کھڑے ہو کر کنگھا کرے اس پر قرض سوار ہو جائے گا)۔

اس حدیث کی سند میں دو راوی ہیں:

(۱) احمد بن عبداللہ ہروی۔ (۲) وہب بن وہب ابوالبختری۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''هما كذابان، وضاعان للحديث'' (یہ دونوں سب سے بڑے جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے ہیں۔)

جو پہلا راوی احمد بن عبد اللہ ہروی ہے، جو جُوَیباری کی نسبت سے مشہور ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''الجويباري ممن يضرب به المثل بكذبه.'' (جھوٹ اور جھوٹوں کے لیے اس کا نام ضرب المثل ہے)۔ (الكشف الحثيث: ٤٦)

اور جو دوسرا راوی ابوالبختری ہے اس کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''كان يضع الحديث وضعاً فيما نرى'' (ہمارے علم کی حد تک یہ واقعی حدیثیں گھڑتا تھا)۔

یہ دونوں چوں کہ جھوٹ بولنے اور حدیثیں گھڑنے میں مشہور اور جھوٹ کے گرو گھنٹال ہیں، اس لیے صرف ان ہی اقوال پر اکتفاء کرتا ہوں۔

الغرض جس طرح اس کو امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے موضوع و من گھڑت اور جھوٹی و بناوٹی روایت قرار دیا ہے، اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''تلخیص الموضوعات: ۲۶۷'' میں، امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''اللآلی المصنوعہ: ۲/ ۲۶۸'' میں علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے ''تنزیہ الشریعہ: ۲/ ۲۶۹'' میں، علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ''الفوائد المجموعہ: ۱۷۵'' میں، علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے ''تذکرۃ الموضوعات: ۱٦٠'' میں موضوع قرار دیا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث موضوع و من گھڑت ہے؛ لہٰذا اُس پر عمل کرنا اور اس کی بنیاد پر کسی عمل کو سنت کہنا یہ جائز نہیں ہے؛ بل کہ بہت ہی بڑی غلطی اور سنگین جرم ہے۔

۱٤۷- حدیث: جماعت میں ایک نماز پر سات لاکھ نماز کا ثواب

میرے بعض رفقاء- جو ہماری تبلیغی جماعت میں وقت لگائے ہوئے ہیں اور اس سے ابھی بھی مربوط و وابستہ ہیں اور اہلِ صلاح و اہلِ فکر علماء میں سے ہیں، انھوں نے کہا کہ ہم نے ہمارے بعض تبلیغی ساتھیوں اور امیر صاحبان سے ایک حدیث سنی ہے اور سنتے رہتے ہیں کہ جماعت میں نکل کر پڑھی جانے والی ایک نماز پر ساتھ لاکھ مقبول نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث اس طرح بھی سنائی جاتی ہے کہ گشت کرنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے، اس پر یہ ثواب ملتا ہے۔

پھر پوچھا کہ کیا اس طرح کی کوئی حدیث ہے؟ اور کیا اس طرح بیان کر سکتے ہیں؟

راقم نے جواب میں صرف یہی کہا ہے کہ اس سلسلے میں تفصیلی سوال و جواب، پھر اعتراض اور اس کا جواب مستقل ایک رسالے میں شائع و ذائع ہو چکا ہے اور یہ رسالہ فقیہِ کبیر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کے فتاوی: ''احسن الفتاوی:۹'' میں موجود ہے۔ تفصیل و تحقیق کے لیے اُس کا مطالعہ کریں۔ تاہم اس وقت اس تحریر میں اس کا خلاصہ عرض کر دیتا ہوں:

پہلی بات:

خاص اِس فضیلت کا ذکر اِس مخصوص طریقۂ دعوت پر منحصر کرنا، ظاہر ہے کہ سراسر غلط و باطل ہے۔

دوسری بات:

کسی بھی صحیح و حسن حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے؛ بل کہ صرف ایک ضعیف حدیث میں اس ثواب کا ذکر ملتا ہے اور یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں موجود ہے۔ (تاہم فضیلت کے ثبوت کے لیے صحیح و حسن ہونا ہی کوئی ضروری نہیں؛ بل کہ ضعیف حدیث سے فضیلت ثابت ہو سکتی ہے)۔

تیسری بات:

لیکن اِس فضیلت کے ثبوت کے قائل بعض حضراتِ علماء، جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس میں ''**في سبيل الله**'' کا لفظ ہے اور عرفِ عام میں چوں کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں عموم مانا گیا ہے؛ اس لیے یہ حضراتِ علماء کہتے ہیں کہ جماعت میں نکل کر، یا بطورِ خاص گشت کرنے کے بعد پڑھی جانے والی نماز کے لیے یہ فضیلت ثابت مانی جا سکتی ہے۔

لیکن پھر بھی انحصار کرنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں ہر وہ جماعت آ جاتی ہے، جو خدمتِ دین میں مشغول و مصروف ہے؛ لہٰذا وہ مسلمان جو حلال روزی کی فکر میں سفر در سفر کرتے ہیں،

اسی طرح وہ خوش نصیب، جو حج وعمرے کے سفر کی ہزار مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح وہ فکر مند اہلِ ایمان جو غریبوں ومظلوموں کی امداد کے لیے تگ ودو کرتے ہیں؛ وہ سب بھی اپنے اسفار میں رہتے ہوئے عبادت کریں، تو اُن کو یہ ثواب یقیناً ملے گا۔

بالخصوص وہ مشائخ وصلحاء، جو انسانوں کے دلوں کی اصلاح کی فکر میں شہر در شہر، ملک در ملک سفر کرتے ہیں، وہ تو یقیناً اِس فضیلت کے حق دار ہیں اور بالخصوص وہ علماء وطلبہ جو علمِ دین کی تعلیم وتعلم میں لگے ہوئے ہیں اور مخلصانہ خدمات میں مصروف ہیں، وہ سب سے پہلے اِس فضیلت کے حق دار ہیں اور ''فی سبیل اللہ'' میں ان کو شامل کرنا واجب وضروری ہے اور اُن کو ''فی سبیل اللہ'' یعنی ''اللہ کے راستے'' سے خارج کرنا سرکارِ دوعالم کے صریح ارشاد وفتوے کے خلاف ہے۔ چناں چہ ''مشکاۃ'' کی ''کتاب العلم'' میں ترمذی اور دارمی کے حوالے سے حسن حدیث موجود ہے، جس میں نبیِ اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ'' (جو علم کی طلب میں نکلا ہوا ہے، وہ واپس لوٹ آنے تک ''اللہ کے راستے'' میں ہے)۔

یہاں اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے صاف صاف فرمادیا کہ دینی علم کی طلب کا راستہ اللہ کا راستہ ہے اور جو لگے ہوئے ہیں، وہ اللہ کے راستے میں لگے ہوئے ہیں۔

چوتھی بات:

مذکورہ بالا کلام اس وقت صحیح ہے، جب کہ ابن ماجہ کی حدیثِ ضعیف میں موجود ''فی سبیل اللہ'' کو عموم پر محمول کیا جائے؛ اور ہر دینی محنت اور ہر دینی جماعت مراد لی جائے؛ لیکن ''فی سبیل اللہ'' کا مفہوم جو کہ ''قتال فی سبیل اللہ'' ہے، اگر متعین ہو جائے؛ تو اُس فضیلت کو ''خصوص'' پر ہی محمول کرنا لازم ہے۔ ''عموم'' مراد لینا صحیح نہیں ہے اور یہاں ابن ماجہ کی حدیث ''فی سبیل اللہ'' کو خاص ''قتال فی سبیل اللہ'' ہی پر منحصر کرنا بہ چند اسباب ووجوہ ضروری ہے۔

(۱) قرآن وحدیث میں ''فی سبیل اللہ'' کو خاص معنی اور عام معنی؛ دونوں ہی میں استعمال کیا گیا ہے؛ لیکن ''قتال فی سبیل اللہ'' میں چوں کہ مال اور جان؛ دونوں ہی خدا کے نام پر قربان کرنے کے لیے حاضر ہوا جاتا ہے؛ اس لیے عام طور پر کثرت کے ساتھ، اہتمام کے ساتھ، معمولی نیکیوں پر بڑے بڑے اونچے اونچے فضائل صرف ''قتال فی سبیل اللہ'' کے لیے وارد ہوئے ہیں؛ اسی لیے راجح قول یہ ہے کہ اس عموم کی وجہ سے ''فی سبیل اللہ'' میں سب سے پہلے معنی خاص ہی مراد لیا جائے (الا یہ کہ کوئی قرینہ عام معنی مراد لینے کے لیے موجود ہو)۔

(۲) ابن ماجہ کی جس حدیث سے فضیلت مانی جاتی ہے، اُس میں "مَنْ غَزٰی بِنَفْسِهٖ" والا صاف وصریح جملہ موجود ہے، جو عام معنیٰ مراد لینے سے مانع اور صرف خاص معنیٰ کا داعی ومتقاضی ہے۔

(۳) خاص معنیٰ مراد لینے پر خود حدیث ہی دلالت کرتی ہے، اس طور پر کہ جو مخصوص اور عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ وہ مخصوص "فی سبیل اللہ" کے لیے ہوگی؛ کیوں کہ عام طرقِ خیر کے فضائل ومناقب کے رہتے ہوئے بطورِ خاص "فی سبیل اللہ" کہنا معنیٰ خاص ہی کے لیے ہوگا، نہ کہ معنیٰ عام کے لیے۔

بہر حال اس صورت میں جب کہ خاص معنیٰ یعنی قتال فی سبیل اللہ مراد ہونا متعین وصحیح ہے، تو حدیث نبوی کو صرف اسی کے ساتھ مختص رکھا جائے گا اور سات لاکھ نمازوں کا ثواب بھی صرف اسی قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص ہوگا؛ اس کے علاوہ کسی کے لیے بھی یہ فضیلت نہیں مانی جائے گی؛ نہ دعوت وتبلیغ کے لیے، نہ تعلیم وتعلم کے لیے، نہ تزکیہ واصلاح کے لیے اور نہ کسی دوسرے "فی سبیل اللہ" کے لیے۔

اور عام معنیٰ مراد لینے کی صورت میں یہ مخصوص فضیلت "فی سبیل اللہ" کی تمام شکلوں کے لیے ثابت ہوگی۔ اُن میں سے کسی ایک کو خاص کرنا اور دوسرے کی نفی کرنا کسی کے لئے بھی صحیح نہ ہوگا۔

مُلاحظہ: جب ہر "فی سبیل اللہ" کے اپنے اپنے فضائل ومناقب ہیں اور صحیح احادیث وآثار سے ثابت ہیں، تو صرف صحیح وثابت ہی پر اکتفاء کرنا چاہیے اور غیر صحیح وغیر ثابت فضائل کو سنانے سے احتراز کرنا لازم وضروری ہے۔

۱۴۸- حدیث: دین کی راہ میں آپ ﷺ کا پتھر کھانا

السلام علیکم مفتی صاحب!

عام طور سے دعوت وتبلیغ والے بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اتنے پتھر مارے جاتے کہ آپ پتھروں میں چھپ جاتے، حضرت جبریل علیہ السلام آتے اور آپ ﷺ کو پتھروں سے باہر نکالتے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام اپنے پر آپ ﷺ کے اوپر ملتے، جس کی وجہ سے آپ کے زخم فوراً اچھے ہو جاتے۔ آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھتے کہ میرا کیا کام ہے؟ حضرت جبریل فرماتے کہ لوگوں کو دعوت دیجیے۔

یہ حدیث ابھی تک نہیں ملی، اگر آپ کے علم میں ہو؛ تو مع حوالہ ارسال فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔ (ابراہم قاسمی، عبداللہ خان قاسمی)

جواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم صاحبان!

سفر طائف کے دنوں میں اہل طائف نے آپ ﷺ کو جو تکالیف پہنچائیں وہ دن سب سے زیادہ تکلف دہ دن تھے، جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کے اوپر احد کے دن سے بھی زیادہ سخت ترین دن گزرا ہے؟ تو آپ نے اسی سفر طائف کے دن کا واقعہ سنایا۔ جس میں آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت جبریل پہاڑوں کے نظام پر مقرر فرشتے کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اس فرشتے نے آپ سے پوچھا کہ اگر آپ اجازت دیں، تو میں دونوں پہاڑوں کو ان اہلِ طائف کے اوپر ملا دوں۔

اسی واقعہ کے سلسلے میں داعی کبیر، عالم جلیل حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ نے ''حیاۃ الصحابہ'' میں بیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' سے اور ''البدایۃ والنہایۃ'' کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ ظالم اہلِ طائف نے اپنے علاقے کے غنڈوں اور بدمعاشوں کو راستے کے دو طرف کھڑا کر دیا تھا، جو آپ ﷺ پر پتھر برساتے تھے اور جہاں جہاں آپ کا قدم پڑتا یہ وہاں وہاں یہ پتھر پھینکتے تھے، جس کی وجہ سے آپ لہولہان ہو گئے تھے۔

اس کے علاوہ کوئی دوسرا واقعہ ایسا نہیں ملتا جس میں آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے ہوں۔ اسی ایک واقعہ کو بیان کرنے والے اس طرح بیان کر دیتے گویا اس طرح معمولاً ہوتا رہتا تھا اور حضرت جبریل آپ کے زخم اپنے پروں کے ذریعہ ٹھیک کر دیتے تھے۔ اگر ایسی صورت ہوتی تو کتب حدیث وسیرت میں یہ بات ضرور منقول ہوتی مگر کہیں نہیں ہے۔ اور حضور ﷺ اپنے صحابہ میں سے کسی کو اس کے بارے میں بتایا ہوتا، یا خود صحابہ یہ عظیم حادثہ ضرور بیان فرماتے مگر اس طرح کسی صحابی سے منقول نہیں ہے۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ جس طرح ہمارے نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا ہے اسی طرح بعض لوگ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی طرف بھی منسوب کر کے بیان کرتے ہیں، مگر یہ بھی کسی معتبر حدیث سے ثابت نہیں ملی۔ واللہ اعلم

(البخاري: ٣٢٣١؛ مسلم: ٤٧٥٤؛ حياة الصحابة: ١/ ٨٢٣-١٣٣)

۱۴۹- حدیث: حضور ﷺ، جبریل علیہ السلام اور قرآن سے افضل مگر

ایک اجتماع کے موقع پر ایک عالم صاحب نے یہ حدیث بیان کی تھی کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ میں افضل ہوں، یا آپ؟ نبی کریم ﷺ نے کہا کہ میں افضل ہوں؛ اس لیے کہ آپ میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا: قرآن افضل ہے یا آپ؟ نبی کریم ﷺ نے کہا کہ میں افضل ہوں؛ اس لیے کہ قرآنِ مجید مجھ پر نازل ہوا۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ دین افضل ہے یا آپ؟ تو نبیٔ کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ دین افضل ہے؛ اس لیے کہ اللہ نے نبیوں کو پِٹتے دیکھا؛ مگر دین کو مِٹتے دیکھنا پسند نہیں کیا۔

مفتی صاحب! میرا آپ سے سوال ہے کہ کیا ایسی کوئی حدیث ہے؟ (پٹھان)

تحقیق

محترم! آپ کے سوال کا جواب یہ رہا:

(۱) راقم نے یہ حدیث کہیں نہیں پڑھی اور نہ کسی سے کبھی سنی، یہ صرف آپ نے سنایا کہ آپ نے تبلیغی اجتماع کے موقع پر ایک عالم سے اس طرح کی حدیث سنی ہے۔

(۲) کتبِ احادیث کے علاوہ، عقائد وکلام کے مباحث میں مخلوقات کے درمیان تفضیل کی بحث ملتی ہے، مثلاً حضرات انبیاء کی تفضیل دیگر مخلوقات پر، حضراتِ صحابہ کی تفضیل غیر صحابی پر، کعبہ افضل ہے یا روضۂ مقدس؟ وغیرہ وغیرہ

اِن مباحث میں بھی بندے کے علم کی حد تک یہ روایت کہیں نہیں ہے۔

(۳) حضراتِ محدثین وعلمائے دین نے ''فضائل قرآن'' کے عنوان پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جیسے ''فضائل القرآن لابن ابی شیبۃ''، ''فضائل القرآن للنسائی''، ''فضائل القرآن للفریابی''، ''فضائل القرآن للقاسم بن سلام''، ''فضائل القرآن لابن کثیر''، ''فضائل القرآن لابن الضریس''، ''فضائل القرآن وتلاوتہ للرازی''، ''فضائل القرآن للمستغفری''۔

ان کتابوں میں بھی کہیں نہیں ملی؛ حتی کہ امام مستغفری رحمہ اللہ کی ''فضائل القرآن'' میں متعدد موضوع وبے اصل روایات منقول ہیں؛ مگر اُس میں نہیں ہے۔

ان میں سے کسی میں بھی نہ ہونا، اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ یہ حدیثِ رسول نہیں ہے۔ باقی رہی

بات تبلیغی جماعت کے کسی عالم صاحب کا بیان کر دینا، حدیث کے ثابت ہونے کی دلیل نہیں ہے اور ویسے بھی اس میں بہت ساری موضوع و من گھڑت روایات پھیلی ہوئی ہیں؛ اس لیے آپ پہلے تحقیق کرلیں اور ان ہی عالم صاحب سے معلوم کریں، جن سے آپ نے سنا ہے اور جب تک حدیث ہونا ثابت نہ ہو جائے؛ آپ بھی ہرگز بیان نہ کریں۔

محترم ! دیگر حضراتِ علماء و محدثین سے رجوع فرمالیں، اگر اس کے علاوہ مزید کوئی تحقیقی بات موصول ہو، تو بندے کو مطلع فرمادیں۔

۱۵۰- حدیث: ایک غریب صحابی کی شادی اور جماعت میں نکلنے کا قصہ

مولانا طارق جمیل صاحب کا ایک بیان جو کہ ویڈیو کی شکل میں محفوظ اور انٹرنیٹ پر شائع و ذائع ہے۔ اُس میں مولانا بیان کرتے ہیں:

''ایک صحابی آتے ہیں، حضرت سعد سلیمی، یارسول اللہ! **أيمنعني سوادي ودمامة وجهي من دخول الجنة؟** میرا کالا رنگ مجھے جنت سے روک دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں کیا بات؟ اگر تو ایمان والا ہے، تو تجھے کون جنت سے روک سکتا ہے؟ فرمایا: پھر بات یہ ہے کہ میں غریب آدمی ہوں، میرا رنگ کالا ہے، میں بدصورت ہوں؛ لیکن میں بنو سلیم کے اشراف میں سے ہوں- بنو سلیم ایک قبیلہ تھا- اب بات یہ ہے کہ مجھے کوئی لڑکی نہیں دیتا، میرے کالے رنگ کی وجہ سے، میری غربت کی وجہ سے، آپ ﷺ نے فرمایا: **أحضر اليوم عمر بن وهب الثقفي؟** آج عمر بن وہب آئے ہیں؟

یہ مدینے کے چودری تھے، بڑے مال دار تھے، بیٹی اُن کی بڑی خوب صورت تھی کہا گیا، آج مجلس میں موجود نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ عمرو سے کہو، اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دے دے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جا کر دروازے پر پہنچے، سلام کیا، کون سے بڑے گھر ہوتے تھے، ایک کمرہ ہوتا تھا، چھوٹا سا صحن ہوتا تھا، دروازے پر دستک دی، باہر نکلے، کیا بھائی ! کیا ہوا؟ ''**أنا قاصد رسول الله**'' میں اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں، اپنے لیے تیرے پاس تیری بیٹی کے ساتھ شادی کا پیغام لایا

ہوں۔ انھیں یقین نہیں آیا، بظاہر کہنے لگے: بھاگ جا، کہاں کی بات کرتا ہے۔ وہ تو بے چارہ پہلے ہی غریب تھا، غم کھایا ہوا، وہ ڈر کے مارے وہاں سے پیچھے ہٹا، بیٹی خوب صورت، حسن و جمال میں مشہور اور میرے بھائیو! مال میں مشہور بیٹی کے کان میں باپ کی اور سعد کی آواز پڑی، بیٹی سے پیچھے سے آواز دی: ''يا أباه النجاة ، النجاة قبل أن يفتحه الوحي'' اے ابا جان! یہ سوچ لو، کیا کر رہے ہو؟ تم نبی ﷺ کی بات کو ٹھکرا رہے ہو، ہلاک ہو جاؤ گے، میں تیار ہوں۔ نبی ﷺ کے حکم کے سامنے میں کالے گورے کو نہیں دیکھ رہی، میں نبی ﷺ کے حکم کو دیکھ رہی ہوں، جاؤ، میں تیار ہوں اور کہہ دو میں شادی کروں گی۔ دوڑے بھاگے، پیچھے گئے، آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، جب دیکھا عمرو آئے ہیں: ''أنت الذي رددت أمر رسول الله ﷺ''، تو نے اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو ٹھکرایا ہے۔ کہنے لگے: میرے ماں باپ قربان ہوں، یا رسول اللہ! خطا ہوئی، معاف فرمائیے، حکم کیجیے! کیا حکم ہے؟ فرمایا: اس سے شادی کراؤ۔ عرض کیا: آپ ﷺ نکاح پڑھیں، آپ ﷺ نے نکاح پڑھا، چار سو درہم مقرر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: سعد جاؤ، لڑکی کو لے کر آؤ۔ کوئی برات تو ہوتی نہیں تھی۔

میرے بھائیو! ہائے کتنے لاکھوں کروڑوں روپے، صرف اس پر آج مسلمان کے خرچ ہو رہے ہیں؟!! بڑے بڑے سفر کرنے والے، جب شادی کا وقت آتا ہے، کہتے ہیں: کیا کریں؟ برادری سے مجبور ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کی شادی کی اور شام کو حضرت ام ایمن کو بلایا، کہا: ام ایمن! جاؤ، میری بیٹی کو حضرت علی کے گھر چھوڑ کر آ جاؤ۔

فرمایا: سعد! جاؤ بیوی کو لے کر آؤ، یا رسول اللہ! میرے پاس تو ایک دمڑی بھی نہیں ہے، میں چار سو کہاں سے پیدا کروں اور اس کو لے کر آؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا چلو، گھبرانے کی ضرورت نہیں، جاؤ، علی رضی اللہ عنہ کے پاس، عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اور عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے پاس؛ ان سے کہو کہ تمھیں دو دو سو درہم دے دیں، پھر تیرے پاس چھ سو درہم ہو جائیں گے، چار سو درہم سے مہر ادا ہو جائے گا اور دو سو سے اور کوئی اپنا کام کر لینا، نہ گھر، نہ در، کوئی کپڑا سی لینا۔

تو فرمانے لگے: بہت ہی اچھا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انھوں نے خوش ہو کر دو دوسو درہم سے بھی زیادہ دیا، کتنا زیادہ، بس اتنے لفظ زیادہ آتے ہیں، "وما زاد"۔ دو دوسو اور اس سے زیادہ، اب کتنا زیادہ دیا؟ یہ معلوم نہیں، بہر حال چھ سو سے زیادہ ہو گیا، ہزار ہو گیا، نو سو ہو گیا۔

اب سعد بڑے خوش، کیوں بھائی! ایک نوجوان جو بڑی خوب صورت لڑکی سے نکاح کرنے والا ہو، اس کے جذبات کو کوئی سمجھ سکتا ہے، سوائے اس کے جس پر یہ خود گزری ہو، کیا خیال ہے؟

آپ کا کیا جذبہ ہوگا، سعد کا کیا جذبہ ہوگا اور بڑی خوشی سے کہنے لگے، لڑکی لینے تو بعد میں جاوں گا، پہلے کچھ بازار سے سودا تو خرید لوں، چار سو تو مہر میں گیا، باقی کیا کروں، انھوں نے کہا کہ کوئی چارپائی، تو خرید لوں گا، کوئی کپڑا تو خرید لوں گا، کوئی کھانے پینے کا سامان ہی خرید لوں گا؛ تاکہ کچھ میرا کام چل سکے، گھر کی شکل بن سکے۔ جب بازار میں داخل ہوئے اور پیسے پکڑے بازار میں قدم رکھا، کان میں آواز پڑی، "**يا خيل الله ! اركبي ، وإلى ثواب الله ارغبي ، النفير، النفير يا خيل الله ! اركبي ، وإلى ثواب الله ارغبي**" اے اللہ کے سوارو! اللہ کے راستے کی پکار ہے نکلو۔"

(یہ بیان ویڈیو (Video) سے سن کر من وعن نقل کیا گیا ہے۔)

تحقیق

یہ ترجمانی ہے اُس روایت کی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کی گئی ہے، روایت تو بہت ہی طویل ہے، مگر مولانا نے جتنے حصے کی ترجمانی کی ہے، بس اتنے ہی حصے کی عربی عبارت نقل کرتا ہوں، چناں چہ امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ "الکامل" میں محمد بن عمر بن صالح کلاعی کے تذکرے میں ذکر کرتے ہیں:

" أتى رجل رسول الله ﷺ فسلّم عليه ، و قال: يا رسول الله ! أيمنع سوادي ودمامة وجهي من دخول الجنة ، قال: لا، والذي نفسي بيده ما اتقيب ربک ، و آمنت بما جاء به رسول الله ﷺ ، قال:

والذي أكرمک بالنبوة لقد شهدت أن لا اله إلا اللّٰه وحده لا شريک له ، و أن محمدا عبده و رسوله ، و الإقراء بما جاء به من عند اللّٰه من قبل أن أجلس معک هذا المجلس بثمانية أشهر، فقال رسول اللّٰه: لک ما للقوم ، و عليک ما عليهم و أنت أخوهم ، قال: و لقد خطبت إلى عامة من بحضرتک ، و من لقيني معک ، فردني لسوادي ، و دمامة وجهي ، و إني لفي حسب من قومي بني سليم معروف الآباء ، و لكن غلب علي سواد أخوالي الموالي ، فقال رسول الله ﷺ: هل شهد المجلس اليوم عمرو بن وهب . و كان رجلاً من ثقيف قريب العهد بالإسلام ، وكانت فيه صعوبة ، قالوا: لا، قال: تعرف منزله ؟ قال: نعم ، قال: فاذهب فاقرع الباب قرعاً رقيقاً ثم سلّم ، فإذا دخلت فقل : زوَّجني رسول اللّٰه ﷺ فتاتكم . وكانت له ابنة عاتقة ، وكان لها حظ من جمال وعقل ، فلما أتى الباب فرحوا وسمعوا لغة عربية ، فلما رأوا سواده و دمامة وجهه انقبضوا عنه ، فقال: إن رسول اللّٰه ﷺ زوجني فتاتكم ، فردوا عليه ردًا قبيحاً ، فخرج الرجل وخرجت الفتاة من خدرها ، وقالت: يا فتى! ارجع ، فإن كان رسول اللّٰه زوجنيک ، فقد رضيت لنفسي ما رضي اللّٰه و رسوله ، و أنت بعلي ، و أنا زوجَتُک ، فمضى حتى أتى رسول اللّٰه ﷺ فأخبره ، و قالت الفتاة لأبيه : يا أبتاه ، النجاة ، قبل أن يفضحک الوحي ، فإن يكن رسول اللّٰه زوجنيه فقد رضيت ما رضي الله لي و رسوله . فخرج الشيخ حتى أتى رسول الله ﷺ و هو من أدنى القوم مجلساً ، فقال: أنت الذي رددت على رسول اللّٰه ما رددت ، قال: قد فعلت ، فاستغفر اللّٰه ، وظننا أنه كاذب فقد زوجناها إياه ، فنعوذ باللّٰه من سخط اللّٰه ، و سخط رسوله ، فقال رسول اللّٰه ﷺ : اذهب إلى صاحبتک فادخل بها ، قال: والذي بعثک بالحق ما أجد شيئاً

حتى أسأل إخواني ، فقال رسول الله ﷺ: مهر امرأتك على ثلاثة من المؤمنين ، اذهب إلى عثمان بن عفان فخذ منه مائتي درهم . فأعطاه و زاده ، و اذهب إلى علي بن أبي طالب ، فخذ منه مائتي درهم . فأعطاه وزاده . و اذهب إلى عبد الرحمن بن عوف فخذ منه مائتي درهم . فأعطاه و زاده . قال: و علم أنها ليست بسنة جارية و لا فريضة مفروضة فمن شاء فليتزوج على القليل و الكثير ، فبينا هو في السوق و معه ما يشتريه لزوجته فرح قريرة عيناه ينظر ما يجهزها به إذ سمع صوتاً ينادي: يا خيل الله ! اركبي و أبشري فنظر نظرة إلى السماء ، ثم قال: اللهم إله السماء ، و إله الأرض ، و رب محمد لأجعلن هذه الدراهم اليوم فيما يحبه الله و رسوله ، و المؤمنون...اهـ"

(الكامل في ضعفاء الرجال: ٧/ ٤٣١)

اس روایت کی سند میں دو راوی ہیں:

(۱) سوید بن سعید انباری: امام مسلم، امام ابن ماجہ اور امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے ان سے روایت لی ہے، فی نفسہٖ ثقہ وصدوق ہیں؛ مگر آخری عمر میں نابینا ہونے کی وجہ سے تلقینِ فاحش کا شکار ہوگئے تھے، نیز بکثرت تدلیس بھی کرتے تھے۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**كان قد عمي فتلقن ما ليس من حديثه**"۔ امام صالح بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**صدوق إلا أنه كان قد عمي فكان يلقن أحاديث ليست من حديثه**"۔ امام حاکم ابو احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**عمي في آخر عمره فربما لقن ما ليس من حديثه**"۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**كان صدوقا وكان يدلس و يكثر ذلك**"۔

تلقینِ فاحش کی مثال میں ایک واقعہ "تہذیب الکمال" میں منقول ہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ سوید بن سعید بطریق ابن ابی الرجال: "**من قال في ديننا برأيه فاقتلوه**" یہ حدیث روایت کرتے ہیں، تو ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**سويد ينبغي أن نبدأ به فيقتل**" (بہتر ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور وہ قتل کر دیا جائے)۔ امام ابو زرعہ رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ وہ تو یہ روایت اسحاق بن نجیح (مشہور زمانہ واضع حدیث) کے طریق سے بیان کرتے ہیں، تو امام ابو زرعہ

نے فرمایا کہ ہاں یہ اسحاق بن نجیح ہی کی روایت ہے جسے یہ سوید بطریق ابن ابی الرجال بیان کرتے ہیں، ممکن ہے کسی نے سوید کو حقیقت بتائی ہو اور انھوں نے رجوع کرلیا ہو۔

ایسی تلقینِ فاحش کی جرح جس راوی پر لگائی گئی ہو اور اس کی مرویات میں تمیز دشوار ہو، نیز اس کی متابعت وتقویت میں کوئی دوسرا راوی بھی نہ ہو، تو اس کی حدیث محدثین کے نزدیک نہایت ہی ضعیف ومتروک قرار دی جاتی ہے۔

(الکامل: ٤/٤٩٦، میزان الاعتدال: ٣/٣٤٥، تهذيب الكمال: ١٢/٢٤٧)

(۲) محمد بن عمر بن صالح کلاعی: امام ابن حبان رحمہ اللہ "المجروحین" میں لکھتے ہیں: "**شيخ يروي عن أهل البصرة، منكر الحديث جدًا، روى عنه سويد بن سعيد الكلاعي، أستحب ترك الاحتجاج بحديثه إذا انفرد**"۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ "الکامل" میں فرماتے ہیں کہ "**منكر الحديث عن ثقات الناس**"۔ منکر الحدیث محدثین کے نزدیک وہ راوی ہوتا ہے، جس کی اکثر وبیشتر روایات دوسرے راویوں سے الگ ہو اور اس کی موافقت میں دوسرا کوئی اُس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ جیسا کہ اصولِ حدیث کی کتابوں میں درج ہے۔

(المجروحين: ٢/ ٣٠٤، ٢/ ٢٩١، الكامل: ٧/ ٤٣١، ميزان الاعتدال: ٦/ ٢٧٧، ميزان الاعتدال: ٦/ ٢٧٧، الكامل في الضعفاء: ٧/ ٤٣١)

الغرض اس راوی کی وجہ سے حدیث ضعیف کہلائے گی؛ مگر اول الذکر راوی (جو کہ تلقینِ فاحش کا شکار ہیں) کی وجہ سے شدید ضعیف ہوجائے گی۔ خصوصاً اُس وقت جب کہ روایت کے دونوں درجوں میں دونوں ہی متفرد و تنہا ہوں، کوئی دوسرا ثقہ راوی؛ حتیٰ کہ ضعیف راوی اُس روایت میں اُن کے ساتھ شریکِ بیان نہ ہو۔

حدیث کے موضوع ہونے پر حضرات محدثین کی تصریح

اصولِ حدیث کی رو سے بلحاظِ سند اِس روایت کو بظاہر شدید ضعیف کہا جائے گا، مگر حضرات ائمۂ حدیث اور محقق ماہرینِ فن کے سامنے کچھ ایسے آثار وقرائن قائم ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے محققین راوی اور روایت پر ظاہر کے برخلاف حکم لگاتے ہیں، جیسا کہ مقدمۂ مسلم کے بعض ضعیف وکمزور راویوں کے سلسلے میں امام نووی رحمہ اللہ نے جگہ جگہ وضاحت وصراحت فرمائی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ حدیث شدید ضعیف ہے مگر محقق محدثین نے دیگر قرائن کی روشنی میں اس کو صاف صاف موضوع قرار دیا ہے؛ لہٰذا واجب وضروری ہے کہ جس طرح دیگر فنون میں ماہرین کی اتباع

امر معقول اور ضروری ہے، اسی طرح یہاں بھی علم حدیث کے سلسلے میں ہم پر لازم ہے کہ ہم محقق ماہرینِ فن حدیث کی بات کو فیصل وحکم تسلیم کریں۔

الغرض جن محدثین نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے، ان کا نام وکلام درج ذیل ہے، ملاحظہ ہو:

(۱) محمد بن عمر کلاعی کے تذکرے میں "لسان المیزان" میں درج ہے کہ "**قال الحاكم: روى عن الحسن و قتادة حديثاً موضوعاً ، روى عنه سويد بن سعيد**" (امام حاکم فرماتے ہیں کہ اِس راوی نے حضرت حسن اور حضرت قتادہ سے ایک موضوع حدیث بیان کی ہے، جسے سوید بن سعید اُس کے حوالے سے نقل کی ہے)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ اسی روایت کا ابتدائی حصہ اور امام حاکم کی یہ تصریح نقل کرتے ہیں اور تنقید وتعاقب کا ایک حرف بھی نہیں لکھتے، جو قرینہ ہے کہ حافظ عسقلانی، امام حاکم کے اِس فیصلے سے راضی ہیں اور امام حاکم رحمۃ اللہ کی اُن کے نزدیک بھی یہ ایک موضوع وخود ساختہ حدیث ہے۔

(۲) حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ احادیثِ موضوعہ کے موضوع پر تحریر فرمودہ اپنی کتاب میں اس کو درج کرتے ہیں، جو کہ قرینہ ہے کہ اُن کے نزدیک یہ روایت موضوعات میں سے ہے، آپ کے الفاظ یہ ہیں: "**أيمنع سويقتي و دمامتي دخول الجنة ، قال: لا ما اتقيت الله ؛ فيه محمد بن عمر الكلاعي ، هو منكر الحديث.**" (کتاب تذکرة الموضوعات:۳۸)

(۳) حافظ ابن عراق کنانی رحمۃ اللہ نے "تنزیہ الشریعۃ" کے مقدمے میں احادیث گھڑنے والوں اور من گھڑت احادیث کی روایت کرنے والوں کی ایک فہرست درج کی ہے، جس میں آپ رقم طراز ہیں: "**محمد بن عمر بن صالح الكلاعي ، قال الحاكم: روى عن الحسن و قتادة حديثاً موضوعاً**"۔

اِس راوی کا نام لینا اور پھر امام حاکم رحمۃ اللہ کی تحقیق نقل کرنا؛ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حافظ ابن عراق رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی محمد بن عمر کے طریق سے یہ جو زیر بحث روایت آئی ہے، وہ موضوع حدیث ہے۔

(لسان الميزان:۷/۴۰۲،التذكرة لطاهر المقدسي: ۳۵۴،تنزيه الشريعة:۱۱۱)

روایت درایت کی روشنی میں

اب تک جو کچھ کلام ہوا، وہ روایت کی سند سے متعلق تھا؛ لیکن ذرا متنِ روایت پر غور کیا جائے، تو کئی باتیں منکر نظر آتی ہیں، مثلاً

(الف) احادیثِ معتبرہ سے یہ امر ثابت اور واضح ہے کہ آپ ﷺ دوسروں کے ذاتی حالات

اور نجی معاملات میں دخیل نہیں بنتے تھے، بل کہ آپ دوسروں کو اُن کے ذاتی امور میں آزاد چھوڑ دیتے اور کبھی کوئی بات ارشاد فرماتے تھے تو وہ مشورے، رائے اور نصیحت کے طور پر فرماتے، حاکمانہ طور پر ہرگز ہرگز نہیں۔

اب یہاں ایک لڑکی اور اس کے ذمہ داروں کی رضا اور غبت جانے بغیر شادی کر دینا اور وہ بھی اِس پس منظر میں کہ لڑکے کو کوئی لڑکی دینے آمادہ نہیں تھا؛ پھر ذمہ دار کے قبول نہ کرنے پر آپ ﷺ کا ناراض ہونا، یہ بات آپ ﷺ کے مزاج، تعلیمات اور پوری زندگی کے اسوۂ حسنہ کے پیش نظر بعید ہے۔

(ب) مہر کے سلسلے میں اتنی تکثیر اور تشدید کہ چھ سو درہم مختلف صحابہ سے طلب کرانا، حالاں کہ صرف دو سو درہم ہی سے لڑکا صاحب نصاب یعنی مال دار بن گیا، پھر مزید دو سو درہم سے بھی بدرجہ اولی مال بن گیا، اس کے باوجود دراہم کو طلب کروانا یا صحابہ کے ذمہ کرنا، اور بطور خاص نکاح کے موقع پر جب کہ نکاح کی بات آسانی کی ہدایات آپ ﷺ سے صاف وصریح منقول بھی اور اس پر آپ کا عمل بھی ہے۔

الغرض عام تعلیمات وہدایات سے الگ وجدا باتیں نقل کرنے کی بنا پر محمد بن عمر کلاعی اور اس کی روایات کو "منکر الحدیث" اور "المناکیر" قرار دیا ہے۔

بہ ہر حال اصولِ حدیث اور محدثین کی تصریح کی بنا پر یہ حدیث غیر ثابت اور موضوع ہے۔

۱۵۱- حدیث: کیا ایک عورت چار مردوں کو جہنم میں لے جائے گی؟

خطباء، عوام الناس اور تبلیغی جماعت میں ایک روایت مشہور ہے، وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> "جب قیامت کے روز گناہ گار عورت کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہوگا، تو وہ اللہ سے عرض کرے گی کہ اے مالک! میرے باپ، میرے بھائی، میرے شوہر اور میرے بیٹے کے بارے میں بھی جہنم کا فیصلہ سنا دیجیے؛ کیوں کہ ان کی ذمے داری تھی کہ مجھے ہدایت کا راستہ دکھاتے، اللہ کے راستے میں لگاتے؛ مگر انھوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ اُس کی اِس بات کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اِس عورت کے ساتھ ان چاروں کو بھی منھ کے بل، بال گھسیٹتے ہوئے جہنم میں لے جا کر پھینک دو۔"

تحقیق

عام طور پر یہ روایت اس وقت بیان کی جاتی ہے جب ''عورت کی بے پردگی پر مردوں کی پکڑ'' کے موضوع پر یا ''عورتوں کو تبلیغ میں لے جانے کی اہمیت'' کے موضوع پر کچھ کہا اور سنایا جاتا ہے۔ ذیل میں اسی روایت کا چند پہلوؤں سے جائزہ اور پھر اُس پر کلام ملاحظہ ہو:

پہلا پہلو: حدیث کی معتبر و مستند کتابوں میں اِس مضمون و مفہوم کی کوئی روایت تلاشِ بسیار کے بعد بھی تا حال کہیں نہیں ملی۔

دوسرا پہلو: اس میں جو بات بیان کی گئی ہے، اُس کا مطلب بظاہر یہی نکلتا ہے کہ عورت کی کوتاہی و تقصیر کی اصل ذمے دار وہ خود نہیں ہے؛ بل کہ اُس کے ذمے دار چار مرد ہیں:

(۱) باپ۔ (۲) بھائی۔ (۳) شوہر۔ (۴) بیٹا۔

یہ چاروں اگرچہ نیک کام کرنے اور ہدایت کا راستہ بتانے والے ہوں، مگر ان کی بیٹی، یا بہن، یا بیوی، یا ماں اگر گناہ کرے گی تو اس کی سزا ان مردوں کو بھی ملے گی اور جہنم میں جانا پڑے گا۔

اِس مفہوم و مطلب کی صورت میں یہی نہیں کہ یہ روایت غیر ثابت و بے اصل کہلائے گی؛ بل کہ سراسر باطل اور قرآن و حدیث کی تصریحات کے مخالف ہوگی، چناں چہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾[سورۂ اسراء]

(جو شخص (دنیا میں سیدھی) راہ پر چلتا ہے، تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے چلتا ہے اور جو شخص بے راہی اختیار کرتا ہے، وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لیے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔)

سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی ہے:

﴿ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾[سورۂ انعام]

(جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے، وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اٹھاوے گا [بل کہ سب اپنی اپنی بھگتیں گے])۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں کہ عدالتِ الٰہیہ

میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، وہاں ایک کے گناہ میں دوسرا ہرگز نہیں پکڑا جاسکتا، اسی آیت سے استدلال فرما کر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ولد الزنا پر والدین کے جرم کا کوئی اثر نہیں ہوگا، یہ حدیث حاکم بہ سندِ صحیح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

(معارف القرآن:۳/۵۱۰-۵۱۱)

قرآنِ مجید کی اِن دو آیتوں کے علاوہ ﴿سورۂ تحریم﴾ میں اللہ تعالیٰ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی کافر بیویوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو اہلِ جہنم میں داخل فرمایا ہے؛ مگر ان کے کفر و شرک اور فسق و فجور کی پاداش میں ایک الزام و تحقیر کا ایک لفظ بھی حضراتِ انبیاء کے حق میں استعمال نہیں فرمایا؛ بل کہ اِس احتمال کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا کہ اور فرمادیا کہ یہ دونوں جلیل القدر پیغمبر ہمارے خاص و مقرب بندوں میں سے ہیں اور دونوں ہی صلاح و فلاح والے ہیں، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ﴾ [سورۂ تحریم]

اس سے ظاہر و باہر ہوگیا کہ زیرِ بحث روایت ثابت نہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کے معارض اور قانونِ اسلامی کے خلاف ہے؛ لہٰذا اِس کو کسی بھی طرح کسی کے لیے بھی بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسرا پہلو: اگر اِس کلام کی تاویل میں کوئی یہ کہے کہ اسلام میں مردوں کو گھر والوں کا نگراں و ذمے دار بنایا گیا ہے؛ لہٰذا مردوں کے ماتحت رہنے والوں کی بدعملی کے ذمے دار وہ خود ہوں گے۔

تو یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے ماتحتوں و متعلقین کی تعلیم و تربیت کے باب میں تنہا مرد ہی ذمے دار نہیں ہیں؛ بل کہ عورتیں بھی برابر کی شریک اور ذمے دار ہیں، چناں چہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث صحیح میں صاف صاف مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا ، وَ وَلَدِهٖ ، وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ'' (عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور بچوں کی نگران و ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن کے بارے میں بھی سوال یعنی حساب وکتاب ہوگا۔) (البخاري:٢٥٥٤،مسلم:٤٨٢٨)

لہٰذا جس طرح عورت کی تعلیم و تربیت میں اگر اُس کے ذمے دار مرد کمی و کوتاہی کریں گے؛ تو ان کی پکڑ کی جائے گی، اسی طرح اگر مردوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی خیر خواہی کی ذمے دار خواتین اگر کوتاہی و غفلت برتیں گیں، تو ان کی بھی برابر پکڑ ہوگی۔

چوتھا پہلو: امام بیہقی رحمہ اللہ کی ''شعب الایمان:۸۶۶۶'' میں اوران ہی کے حوالے سے ''مشکاۃ المصابیح'' کے ''باب الولي في النكاح واستئذان المرأة '' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اسْمَهُ ، وَ أَدِّبْهُ ، فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ ، فَإِنْ بَلَغَ وَ لَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْماً فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلٰى أَبِيْهِ.''

(جس کے یہاں اولاد پیدا ہو، تو اُس کو چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے اوراس کی صحیح پرورش کرے۔ پھر جب وہ بالغ ہوجائے، تو شادی کردے؛ کیوں کہ اگر یہ اولاد بالغ ہوئی اوراُس نے اُن کی شادی نہیں کی اور اِس اولاد نے کوئی گناہ کرلیا، تو اس کے گناہ کا وبال اس کے باپ پر ہوگا۔)

اسی طرح ''شعب الایمان:۸۶۷۰'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ '' فِيْ التَّوْرَاةِ مَكْتُوْبٌ مَنْ بَلَغَتْ اِبْنَتُهُ اِثْنَتِيْ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمْ يُزَوِّجْهَا فَأَصَابَتْ اِثْماً فَاِثْمُ ذٰلِکَ عَلَيْهِ'' (تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس کی بیٹی بارہ برس کی ہوگئی [بالغ ہوگئی] اور باپ نے اس کی شادی نہیں کی اوراُس لڑکی نے [جنسی] گناہ کرلیا، تو اس کا گناہ [وبال] اس کے باپ پر ہوگا)۔

ان دو روایات کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو صحیح تعلیم وتربیت نہیں دی گئی اوران کی تربیت میں والدین نے مجرمانہ حد تک کوتاہی برتی، تو اِس اولاد کی برائیوں کا وبال والدین کو بھی چکھنا پڑے گا، اولاد کو تو ارتکابِ جرم کی وجہ سے اوراس کے والدین کو اولاد کی صحیح تربیت کرنے میں کوتاہی برتنے کی وجہ سے۔

پانچواں پہلو: ''تفسیر ابن جریر طبری:۷/۳۲-۳۳'' میں، ''تفسیر ابن ابی حاتم، رقم:۵۳۳۵'' میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے معتبر سند کے ساتھ منقول ہے کہ: قیامت کے دن حساب ہوگا تو بندے کا ہاتھ پکڑ کر یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لاکے کھڑا کردیا جائے گا، اورایک ندا لگانے والا فرشتہ تمام اولین وآخرین لوگوں کے سامنے ندا لگائے گا کہ: یہ فلاں بن فلاں ہے، اس پر جس کسی کا حق ہے وہ آئے اوراپنا حق وصول کرلے، یہ سنتے ہی عورت چاہے گی کہ کسی طرح اس کا حق نکل آئے چاہے باپ پر ہو، یا بھائی پر ہو، یا شوہر پر ہو، الخ

عربی عبارت یہ ہے:

''قال عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ : يؤخذ بيد العبد و الأمة يوم القيامة فينادي مناد على رؤوس الأولين و الآخرين : هذا فلان بن فلان ، من

كان له حق فليأت الى حقه . فتفرح المرأة أن يذوب لها الحق على أبيها أو على أخيها ، أو على زوجها ؛ اهـ“

”ایک عورت چار مردوں کو جہنم میں لے جائے گی“ والا کلام سنانے والے شاید اس روایت کو بنیاد بنائیں۔ مگر چند امور قابل غور ہیں:

امر اول : ایک عورت اور چار مردوں کی تخصیص صحیح نہیں، اس لئے کہ جس طرح عورت کا ذکر ہے اسی طرح ایک روایت میں مرد کا بھی ذکر ہے کہ: فرشتے کے اس اعلان کو سن کر مرد بھی چاہے گا کہ اس کا حق باپ پر، یا بیٹے پر، یا بیوی پر، یا بہن پر نکل آئے۔ چنانچہ امام طبری کی روایت کے الفاظ ہیں:

”فيفرح —والله — المرءُ أن يدور له الحق على والده ، أو ولده ، أو زوجته ، أو أخته فيأخذه منه و ان كان صغيراً ، اهـ“

لیجیے جس طرح عورت کا ذکر ہے اسی طرح مرد کا بھی ذکر ہے۔

امر دوم : تخصیص اس لیے بھی صحیح نہیں؛ کیوں کہ روایت میں مرد اور عورت دونوں کے حساب وکتاب کا ذکر ہے، چنانچہ امام طبری کی روایت میں الفاظ ہیں: ”يؤخذ بيد العبد و الأمة “ اور امام ابن ابی حاتم کی روایت کے الفاظ ہیں: ”يؤتى بالعبد و الأمة “۔

امر سوم : یہ تو روایتاً تخصیص نہ کرنے پر قرائن ہیں۔ تخصیص کے صحیح نہ ہونے پر سب سے بڑی دلیل درایت اور نصوص شرع ہیں، چنانچہ آخرت میں جس طرح عورت کو مردوں سے اپنا حق وصول کرنے کا حق ملے گا اسی طرح مرد کو بھی عورتوں سے اپنا حق وصول کرنے کا حق ملے گا۔ حقیقی انصاف کے دن صرف عورت کے ساتھ اور مرد کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی۔ بلکہ مرد ہو یا عورت ہر ایک کے لئے یہ اعلان ہوگا (سابقہ سطور میں چند روایت جو نقل کی گئیں وہ اس کی واضح دلیل ہیں)۔

امر چہارم : آخرت کے امور سے متعلق ہونے کی بنا پر کوئی اس موقوف حدیث کو حکماً مرفوع خیال نہ کرے، اس لئے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ ارشاد ازقبیل سماع من النبی ﷺ سے نہیں ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ ازقبیل الاستنباط من الآيات بطريق التدبر فيها ہو، چنانچہ روایت میں تصریح ہے ”ثم قرأ ابن مسعود ﴿فَلَآ أَنسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٖ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ﴾“۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ ہیں: ”ومصداق ذلك في كتاب الله“۔

حاصل کلام

خلاصہ یہ کہ ”ایک عورت چار مردوں کو جہنم میں لے جائے گی“ والی بات جس طرح کی تخصیص

وتعیین کے تاثرِ ظاہر کے ساتھ بیانات، اخبارات واشتہارات میں نقل کی جاتی ہے اس طرح آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اس طرح کی تخصیص کرنا نصوص شرع میں تغیر وتبدل کا باعث ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔اور اس طرح بیان کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ دیکھیے بات ثابت اور صاف ہے کہ جو کوئی کسی کے دینی و دنیاوی حقوق میں کوتاہی کرے گا وہ شخص اِس حق تلفی کی وجہ سے آخرت میں غضب الٰہی کا شکار ہوگا، اب حق تلفی کا یہ ظلم عورت پر باپ و بیٹا، شوہر و بھائی یا دوسرے ذمہ دار مرد کریں یا عورتیں کریں، تخصیص کسی کی بھی نہیں؛ اسی طرح مرد پر ظلم ماں، بیوی، بیٹی، بہن کرے یا دوسری ذمہ دار خواتین کریں سبھی کی پکڑ ہوگی، تخصیص کسی کی بھی نہیں ہے۔اسی بات کو بیان کرنے والے اگر تمثیلاً بیان کریں تو علماء کو کسی قسم کا شبہ واشکال نہ ہووے گا، مگر جب بیان کرنے والوں نے تخصیص وتعیین پر زور دے کر بیان کیا اور یہ تاثر دیا کہ یہ بات عورت ہی کے ساتھ خاص ہے تو علماء کو اشکال وشبہ ہوا، بل کہ یہ ایک منکر ہوا جس پر حضرات علماء کو نکیر کرنی پڑی، چنانچہ متعدد علماء عرب وعجم نے اسی وجہ سے اس پر نکیر کی ہے اور اس طرح کی روایت کو خلاف شرع اور باطل قرار دیا ہے۔

۱۵۲- حدیث: علماء کی زیارت، نبی کی زیارت کی طرح ہے

مقررین اور مبلغین کے درمیان حدیث کے نام سے ایک بات بڑی مشہور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے علماء کی زیارت کی، اُس نے گویا میری زیارت کی اور جو علماء سے مصافحہ کرتا ہے، گویا وہ مجھ سے مصافحہ کرتا ہے اور جو علماء کی صحبت میں رہتا ہے، گویا وہ میری صحبت میں رہتا ہے اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جو میری صحبت میں دنیا کے اندر رہتا، وہ قیامت کے دن بھی میرے ساتھ میری رفاقت میں رہے گا۔

اسی کو بعض اوقات اختصار کے ساتھ اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جو علماء کی زیارت کرتا ہے، وہ اس خوش نصیب کی طرح ہے، جو نبیوں کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

تحقیق

یہ دراصل اُن روایات کی ترجمانی ہے، جنھیں حضراتِ محققینِ محدثین نے موضوع ومن گھڑت مرویات میں شمار کیا ہے، چناں چہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ''ذیل الموضوعات: ۱۵۸'' میں تین روایات نقل کی ہیں:

(۱) حضرت انس ﷺ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے:

"من زار عالمًا فكمن زارني ، ومن صافح عالمًا فكمن صافحني ،
ومن جالس عالماً فكمن جالسني ، و من جالسني في الدنيا أجلسه
الله تعالى معي غداً في الجنة".

حافظ ذہبی رحمہ اللہ "ميزان الاعتدال:۶/۲۹۲" میں محمد بن غانم کے ترجمے میں یہی روایت نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "لا يدرى من هو في سند مظلم"۔ حافظ ابن عراق رحمہ اللہ "تنزيه الشريعة:۱/۳۱۱" پر لکھتے ہیں کہ امام ابن النجار نے حضرت انس ﷺ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے، ایسے قصے میں جو واضح طور پر گھڑا گیا ہے۔

بہر حال امام ابن النجار، حافظ ذہبی، حافظ سیوطی اور حافظ ابن عراق کنانی رحمہم اللہ کی تحقیق کے بموجب یہ من گھڑت روایت ہے۔

(۲) "مسند فردوس دیلمی" کے حوالے حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے حضرت انس ﷺ کی ایک دوسری سند سے روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "إن لله عزوجل مدينة تحت العرش من مسك أذفر ، على بابها ملک ينادي كل يوم : ألا من زار العلماء فقد زار الأنبياء ، ومن زار الأنبياء فقد زار الرب عزوجل ، ومن زار الرب فله الجنة"

(ذيل الموضوعات:١٥٩)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ کے بقول اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن سلیمان بلخی ہے، جس پر سرقۂ حدیث کی جرح ہے۔ مگر حافظ ابن عراق رحمہ اللہ کے بقول یہ راوی مختلف فیہ راوی ہے؛ مگر اس سے روایت کرنے والا، جو دوسرا راوی عمران بن سہل نامی ہے، وہ مجہول ہے اور اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "لم أقف له على ترجمة ، فلعل البلاء منه" (میں اس کے حالات سے واقف نہیں اور غالباً یہ مصیبت [حدیث کے موضوع ہونے کی] اسی کی طرف سے ہے) (تنزيه الشريعة:١/٣١١)

(۳) تیسری مرفوع روایت ابونعیم کے حوالے سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے کہ "من زار العلماء فكأنما زارني ، ومن صافح العلماء فكأنما صافحني ، ومن جالس العلماء فكأنما جالسني ، و من جالسني في الدنيا أُجلس إلي يوم القيامة . وفي لفظ: أجلسه ربي معي في الجنة يوم القيامة"۔ (ذيل الموضوعات:١٦٠)

مگر اس میں ایک راوی حفص بن عمر ہے۔ حافظ سیوطی، حافظ بن عراق رحمہما اللہ اور دیگر حضرات کے بقول اس سے مراد حفص بن عمر بن ابی العطاف بن ابی العطاف السہمی المدنی مراد ہے۔ جس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ نے "التاریخ الکبیر: ۲۷۸/۷" میں لکھتے ہیں: "**منكر الحديث رماه يحيى بن يحيى النيسابوري بالكذب**"۔ امام نسائی رحمۃ اللہ نے ضعیف اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ نے "**لا يجوز الاحتجاج به بحال**" کہا ہے، جب کہ امام ابوحاتم رحمۃ اللہ کہتے ہیں: "**منكر الحديث ، يكتب حديثه على الضعف الشديد**"۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ نے بھی "میزان الاعتدال" میں صرف نسائی اور امام بخاری کے قول "**منكر الحديث**" ہی کو نقل کیا ہے۔ جب کہ "مستدرک حاکم" کی تعلیق میں "واہٍ" لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے "تقریب" پر ان کو "ضعیف" اور "التلخیص: ۱۳۴۱" میں "متروک" کہا ہے۔ اسی طرح حافظ سخاوی رحمۃ اللہ نے بھی "متروک" لکھا ہے۔

جس سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ شدید ضعیف راوی ہے۔ جس کی روایت کو صاف صاف موضوع تو نہیں کہا جائے گا؛ بل کہ اس کی روایت کو شدید ضعیف روایت قرار دیا جائے گا۔ چناں چہ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ "مجمع الزوائد: ۱۸۰/۷" پر لکھتے ہیں کہ "**فيه حفص بن عمر بن أبي العطاف وهو ضعيف جداً**"۔ اسی طرح (حدیث، رقم: ۷۹۹۹، اور رقم: ۸۰۰۰) پر لکھتے ہیں کہ "**وهو شديد الضعف**"۔ نیز یہی وہ راوی جس سے "**تعلموا الفرائض فإنها من دينكم**" حدیث مروی ہے، جو ابن ماجہ کی "سنن: ۲۷۱۹" میں، حاکم کی "مستدرک، رقم: ۷۹۴۸" میں، بیہقی کی "سنن کبیری: ۱۲۵۳۷" میں، دار قطنی کی "سنن: ۴۱۰۱" میں موجود ہے؛ مگر کسی نے اس روایت کو موضوع نہیں کہا، حتی کہ ذہبی نے مستدرک کی تعلیقات میں، ابن حجر نے "**التلخيص**" میں صرف اس راوی کے متعلق "واہٍ" اور "متروک" لکھا ہے۔ روایت پر موضوع کا اطلاق نہیں کیا۔ نیز ابن الملقن رحمۃ اللہ نے "**البدر المنير**" میں کتاب الفرائض کی دوسری حدیث کی تحقیق وتخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "**وهو حديث ضعيف ؛لأن في اسناده حفص بن عمربن أبي العطاف المدني**"۔

(تهذيب الكمال: ۷/۳۸-۴۰، التقريب: ۱۴۱۸، ميزان الاعتدال: ۲/۳۲۲، البدر المنير: ۷/۱۸۷)

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ نے "الفوائد المجموعہ: ۳۹" میں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے "المصنوع: ۳۳۵" میں، علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ نے "تذکرۃ الموضوعات: ٦" میں اِس راوی کو "**كذاب**" جو کہا

ہے، یہ بات امام ابو حاتم، امام نسائی، امام ابن حبان، امام ذہبی، امام ابن حجر اور امام ابن الملقن رحمہم اللہ کی تحقیق کے برخلاف ہے؛ کیوں کہ اس کو کسی نے بھی کذاب نہیں کہا، نیز ان ائمہ نے اس کی مرویات پر صرف ضعف کا حکم لگایا ہے، موضوع ومکذوب کا نہیں۔

اس کے برعکس دورِ حاضر کے عربی عالم اور ''ذیل الموضوعات'' کے تحقیق نگار شیخ رامز خالد حاج حسن کے مطابق اِس سند میں حفص بن عمر سے مراد حفص بن عمر بن میمون العدنی ہے۔ اگر ایسا ہے تو بھی اِس روایت کو موضوع اس لیے نہیں کہا جائے گا؛ کیوں کہ یہ بھی صرف ضعیف راوی ہے اور اول الذکر کے بہ نسبت کچھ غنیمت ہی ہے۔ جس پر زیادہ سے زیادہ جو جرح منقول ہے، وہ یہ ہے: **لین الحدیث ، لیس بثقه ،عامة حدیثه غیر محفوظ۔**

(دیکھیے: تقریب: ۱۴۲۰ ،میزان الاعتدال: ۲/۳۲۳ ،تهذیب الکمال: ۷/۴۲)

حاصل تحقیق وخلاصۂ کلام

الغرض اول الذکر روایت کی سند کو امام ذہبی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''سند مُظلم'' قرار دیا ہے اور امام ابن النجار نے اس کے قصہ کو ظاہر الوضع لکھا ہے، جس کی وجہ سے حافظ سیوطی وابن عراق رحمہما اللہ نے بھی اس کو موضوع تسلیم کیا ہے۔ جب کہ ثانی الذکر روایت کی سند میں حافظ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے جس راوی کی وجہ سے موضوع مانا ہے، وہ راوی ایسا نہیں کہ اس کی وجہ سے روایت کو موضوع کہا جائے جیسا کہ حافظ کنانی رَحِمَہُ اللّٰہُ کا بھی یہی کہنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ حافظ کنانی کی رائے میں عمران بن سہل جو کہ مجہول وغیر معلوم راوی ہے، اُس کی بنا پر اس کو موضوع کہا جائے گا اور رہی بات ثالث الذکر روایت کی، تو اوپر بندے نے تحقیق پیش کر دی ہے، جس کی وجہ سے روایت کو شدید ضعیف کہا جائے گا؛ مگر صریح موضوع تو نہیں کہا جائے گا؛ بل کہ دو ضعیف اسانید سے مروی آخر الذکر دو روایات کی بنا پر اصولاً یہ ماننا پڑے گا کہ اس روایت کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور رہے۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ فنی وظاہری تحقیق سے ہٹ کر اِن ائمہ حدیث کے سامنے ایسے دقیق اسباب اور غوامض ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے ایسی روایات کو درجہ موضوع یا اس کے قریب ذکر کرتے ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی کی بھی تحقیق کرتے ہوئے ایک دوسرے کی تقویت وتائید کے لیے محدثین نے کوئی روایت ذکر بھی نہیں کی؛ اس لیے اپنے اِن بڑوں کی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہنا ہی معتدل بات ہوگی کہ بلحاظِ اصولِ حدیث صریح موضوع تو نہیں؛ مگر بموجب

تصریحاتِ محدثین اس قابل بھی نہیں کہ ان روایات کو بغیر بیانِ حقیقت ذکر کیا جائے؛ اس لیے اس قسم کی روایات کا بیان نہ کرنا بہتر و افضل اور مبنی بر احتیاط ہے۔ واللہ اعلم

۱۵۳- حدیث: عالم وطالبِ علم کی برکت سے عذاب کا اٹھالیا جانا

ہماری تبلیغی جماعت کے بے شمار افراد کو علما کی فضیلت کے عنوان پر بیان کرتے ہوئے بارہا سنا ہے کہ: ہمارے بڑے سناتے ہیں کہ حدیث میں نبیِ پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عالمِ دین اور طالبِ علم کا گزر کسی بستی پر سے ہوجاتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے قبرستان سے چالیس دنوں تک عذاب اٹھا لیتے ہیں۔''

یہ دراصل مفہوم ہے اُس روایت کا جس کے الفاظ یہ ہیں:

''إنَّ العالِمَ ، والمُتعَلِّم إذا مَرَّا على قرية ، فإن اللّٰه يرفَعُ الْعَذابَ عن مَقْبرةِ تِلْك الْقَريةِ أرْبَعِينَ يومًا.''

تحقیق

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب: ''شرح العقائدالنسفية'' میں اس روایت کو ذکر کیا ہے؛ مگر حضراتِ محدثینِ عظام کی تحقیق کے مطابق یہ ایک بے اصل و بے سند اور موضوع حدیث ہے۔ چناں چہ

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ ''فرائد القلائد على أحاديث شرح العقائد'' اور ''الموضوعات الصغرىٰ والكبرىٰ''؛ اِن تینوں کتابوں میں اس روایت کی بابت حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی تحقیق تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''لا أصل له'' (اِس کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔)

علامہ عجلونی، قاوقجی اور علامہ کرمی، یہ حضراتِ محدثین بھی حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی اِس تحقیق سے متفق ہیں؛ لہٰذا یہ حدیث بے اصل اور موضوع ہے۔

علامہ عجلونی رحمہ اللہ نے مزید ایک موضوع روایت ذکر کی ہے کہ امام ثعلبی اور بہت سارے مفسرین حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کرتے ہیں:

''إن القوم ليبعث اللّٰهُ عليهم العذابَ حتماً مقضياً ، فيقرأ الصبي من صبيانهم في الكتاب: ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ فيسمعه الله

تعالى ، فيرفع الله عنهم بذلك عذاب أربعين سنة."

(کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ عذاب کا حتمی فیصلہ فرما دیتے ہیں؛ مگر اُن کے بچوں میں سے کوئی بچہ ﴿**الحمد لله رب العالمين**﴾ پڑھنا شروع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سن لیتے ہیں، تو پھر اُن لوگوں سے چالیس سال کے عذاب کو دور کر دیتے ہیں۔)

یہ روایت نقل کر کے علامہ عجلونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" فإنه موضوع كما قاله الحافظ العراقي وغيره ، و قيل : إنه ضعيف."

(یہ موضوع ہے، جیسا کہ حافظ عراقی وغیرہ ائمہ نے کہا ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔)

(فرائد القلائد :١٣، كشف الخفاء: ١/ ٢٤٩، الأسرار المرفوعة:١٤٢، المصنوع :٥٨، اللؤلؤ المرصوع:٥٣، الفوائد الموضوعة : ١٣١)

١٥٤- حدیث: رات کو سونے سے پہلے پانچ کام کرو

ایک صاحب نے ایک پرچہ بھیجا، جس کے سرورق پر عنوان ہے "نقش قدم نبی کے ہیں، جنت کے راستے"۔ اِس عنوان کے نیچے ایک حدیث درج ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"سوتے وقت کے عملیات کے سلسلے میں وہ حدیث بہت مشہور ہے، جو آقا ﷺ نے مولائے علی کرم اللہ وجہہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اے علی! رات کو روزانہ پانچ کام کر کے سویا کرو: (۱) چار ہزار دینار صدقہ دے کر سویا کرو۔ (۲) ایک مرتبہ قرآن شریف پڑھ کر سویا کرو۔ (۳) جنت کی قیمت دے کر سویا کرو۔ (۴) دو لڑنے والوں میں صلح کرا کر سویا کرو۔ (۵) ایک حج کر کے سویا کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! یہ امور تو محال ہیں۔ ہر رات مجھ سے کب ہو پائیں۔ تو میٹھے مدنی آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ

چار مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر سویا کرو، اس کا ثواب چار ہزار دینا صدقہ کرنے کے برابر ہے۔

تین مرتبہ سورۂ اخلاص ﴿قل هو الله احد﴾ پڑھ کر سویا کرو، اس کا ثواب ایک قرآن مجید پڑھنے کے برابر ہے۔

دس مرتبہ استغفار پڑھ کر سویا کرو، اس کا ثواب دولڑنے والوں میں صلح کرانے کے برابر ہوگا۔

دس مرتبہ درود شریف پڑھ کر سویا کرو، جنت کی قیمت ادا ہوگی۔

چار مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھ کر سویا کرو، ایک حج کا ثواب ملے گا۔

اس پر مولائے علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اب تو میں روزانہ یہ اعمال کر کے سویا کروں گا۔

اللہ عزوجل ہمیں بھی اپنے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کی پیاری پیاری سنتوں پر اخلاص کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!''

یہ تھا وہ مکمل پرچہ، جس میں یہ عنوان اور یہ حدیث بالا درج تھی۔ کس نے لکھا؟ کس نے طبع کیا؟ ان میں سے کسی بات کا علم نہیں ہے۔ بس پوچھنے والے نے اس حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کی حقیقت پوچھی کہ یہ حدیث ہے بھی، یا نہیں؟

تحقیق

یہ روایت اور اس کے مطابق عمل ہماری تبلیغی جماعت میں بے حد مشہور ہے؛ مگر حدیث کی کتابوں میں بے حد تلاش وجستجو کرنے کے بعد کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملا؛ حتی کہ موضوعات ومن گھڑت روایات کے تعلق سے جو کتابیں لکھیں گئی ہیں، ان میں بھی اس کا نام ونشان تک نہیں ہے، بظاہر یہ جدید موضوع روایات میں سے ہے۔

اتنا لکھنے کے بعد راقم اپنی تحقیق جاری رکھے رہا، یہاں تک کہ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور، محدثِ عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمہ اللہ کی کتاب: ''نوادر الحدیث: ۱۴۹'' میں حضرت کی تحقیق بھی موصول ہوئی۔ چناں چہ حضرت فرماتے ہیں:

> ''مجھے معلوم نہیں، یہاں بھی گزشتہ سال بہت اشاعت ہوئی، مختصر طور پر تلاش بھی کی اور دوسرے اربابِ علم سے استفسار بھی کیا؛ لیکن کہیں پتہ نہ چلا، اب اگر آپ تحقیق وجستجو فرما کر معلن کا پتہ لگالیں اور پھر اُن سے تحقیق کرلیں، تو ہمیں بھی فائدہ ہوگا۔''

نیز حضرت کا جواب ''الیواقیت الغالیہ: ۱/ ۳۰۵'' میں اس طرح لکھا ہوا کہ ہے:

''حدیثِ مذکور نہ تو پہلے دیکھنا یاد ہے اور نہ بعد میں تلاش کرنے سے ملی، حضرت اقدس مفتی محمود صاحب مدظلہ سے سوال کیا، تو فرمایا کہ میرے پاس بھی یہ سوال کہیں سے آیا تھا، اس حدیث کے متعلق اور باوجود تتبعِ بالغ کے نہیں ملی۔''

اسی طرح مملکتِ سعودی عربیہ میں موجود وقائم علماء ومفتیان گرامی کی کمیٹی: '' **اللجنة الدائمة للبحوث العلمية و الإفتاء** '' کے فتاویٰ میں بھی اسی حدیث کے متعلق ایک فتوی ملا، چنانچہ ''فتاوی اللجنۃ الدائمہ: ۴/۳۶۴، الفتوی، رقم: ۹۶۰۴'' پر شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور شیخ عبدالرزاق عفیفی جیسے علمائے کبار کے نام کی تصریح کے ساتھ یہ تحریر درج ہے:

"هذا الحديث لا أصل له ، بل هو من الموضوعات ، من كذب بعض الشيعة كما نبه على ذلك أئمة الحديث."

اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ بے اصل و بے ثبوت اور من گھڑت وخود ساختہ حدیث ہے؛ بل کہ شیعہ شنیعہ کی اختراعات میں سے ایک ہے؛ اس لیے اس قسم کی روایات کا نقل کرنا جائز نہیں ہے، اِس سے احتراز واجب وضروری ہے۔

الأجزاء الحديثية

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جزء في تحقيق الحديث:
”حَسَنَاتُ عُمَرَ كَحَسَنَةِ أَبِي بَكْرٍ“

”ایک دفعہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آرام فرما رہی تھیں، آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ اُن کے دل میں خیال آیا کہ آسمان پر جتنے ستارے ہیں، اتنی نیکیاں بھی کسی کی ہوں گی؟ انھوں نے یہی سوال نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا کہ کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہوں گی؟۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ہاں! عمر رضی اللہ عنہ کی ہوں گی۔ یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خاموش ہوگئیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے خود پوچھا: عائشہ! تم سوچ رہی ہوگی کہ میرے والد کا نام نہیں لیا۔ کہنے لگیں: جی ہاں! بالکل یہی سوچ رہی تھی۔ فرمایا: عائشہ! اُن کی بات کیا سوچتی ہو، اُن کی تو ”غارِ ثور“ میں گذری ہوئی، ایک رات کی نیکیاں آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ سبحان اللہ!!“

(خطباتِ ذوالفقار: ٦/ ٦٩)

تحقيق

مذکورہ بالا کلام کے مفہوم والی ایک روایت ”مشکاۃ“ شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

”بينا رسول الله ﷺ في حِجري في ليلة ضاحية إذ قلت: يا رسول اللّٰه ! هل يكون لأحد من الحسنات عددُ نُجوم السماء ؟ قال: نعم، عمر. قلت: فأين حسنات أبي بكر؟ قال: إنما جميع حسنات

عمر كحسنةٍ واحدة من حسنات أبي بكر".

(مشكاة: ۱۷۱۱، جامع الأصول: ۸/ ۶۳۲)

صاحبِ "مشکاۃ" نے یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "**رواه رزين**" امام رزین رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے۔

اب مشکاۃ کی شرح وتخریج کرنے والوں کے ذمے تھا کہ وہ یہ بتاتے کہ امام رزین سے ماثور یہ حدیث کس کتاب میں ہے؟ کس سند سے مروی ہے؟ نیز اِس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ مگر حیرت ہے کہ علامہ طیبی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق دہلوی، علامہ ادریس کاندھلوی اور شیخ قطب الدین خان دہلوی رحمہم اللہ میں سے کسی سے بھی اس حدیث کی بابت ایک لفظ تک اِن کی شروحات میں مذکور نہیں ہے۔

اسی طرح مشکاۃ اور اس کی شروحات کی ترتیبِ جدید وتحقیقِ ثانی اور روایاتِ مشکاۃ کی تخریج وتعلیق کرنے والے احباب ہیں، جو خاموشی سے گزر گئے، نہ مذکورہ بالا ضروری سوالات کا جواب دیا اور نہ ہی اپنی لاعلمی وعدمِ واقفیت کا اظہار کیا۔

امام رزین رحمہ اللہ اوران کی کتاب

خیر جو بھی ہو! یہاں اس مقام پر دو سوالات قائم ہوتے ہیں:

(۱) یہ کہ امام رزین رحمہ اللہ کون ہیں؟

(۲) اور یہ کہ صاحبِ مشکاۃ نے اُن کے حوالے سے جو حدیث نقل کی ہے، وہ کس کتاب میں کس سند سے مروی ہے؟

یہ وہ دو اہم سوالات ہیں، جو اگر حل ہو جائیں، تو حدیث کے درجے ومقام کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا؛ لہٰذا

(۱) **پہلے سوال کا جواب** یہ ہے کہ امام رزین بن معاویہ، رہنے والے تو اندلس کے ہیں؛ مگر مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں اس طرح رہتے تھے، جیسے جاراللہ زمخشری رہتے تھے۔ آپ بڑے ہی جلیل القدر اور مشہور ومعروف محدث گزرے ہیں۔ حافظ ابوموسی مدینی اور حافظ ابن عساکر وغیرہ کے استاذ ہیں۔ آپ کے زیادہ حالات تو کہیں مذکور نہیں ملے، البتہ امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "**الإمامُ المحدّث الشهيرُ**" (یہ بڑے مشہور امام ومحدث ہیں)۔ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ان کے متعلق فرمایا کہ "**كان إمامَ المالكين بالحرم**" (حرم میں مالکیہ کے امام تھے)۔

(سير أعلام النبلاء: ۲۰/ ۲۰۴)

(۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ: امام رزین رحمہ اللہ کی ایک ہی تصنیف کا ذکر آتا ہے، جس کا نام "تجريد الصحاح" یا "كتاب التجريد في الجمع بين الصحاح" بیان کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب بڑے طویل عرصے سے غیر دستیاب؛ بل کہ قریب قریب ناپید ہے۔ صرف اس کا ذکر ہی کتابوں میں اور اس کی مرویات کی تخریج کچھ ائمہ سے منقول ہے اور بعض ائمہ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کو دیکھا ہے، پڑھا ہے اور اس کی مرویات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ مثلاً

(۱) ایک تو صاحب مشکوۃ ہیں، جو اپنی کتاب "مشكاة المصابيح" میں کثرت سے اِس کتاب کی مرویات کا ذکر کرتے ہیں اور صراحتاً لکھتے ہیں: "رَوَاهُ رَزِيْنٌ"۔

(۲) دوسرے امام ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ ہیں، جنھوں نے خود اپنی کتاب: "جامع الأصول في أحاديث الرسول" کے مقدمے میں تصریح فرمائی ہے کہ انھوں نے "جامع الأصول" کی تالیف میں امام رزین بن معاویہ کی "تجرید" کو بھی مرکز بنایا ہے۔ نیز یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ کتاب لوگوں کے مابین کافی مشہور ہے اور علماء و فقہاء اس کی مرویات کا ذکر اور اس سے استدلال کرتے ہیں۔

لیکن کتاب کے قابلِ تعریف و لائقِ اعتبار پہلو کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ امام ابن الاثیر رحمہ اللہ یہ بھی رقم فرماتے ہیں:

> "رأيت في كتابه أحاديث كثيرةً لم أجد في الأصول التي قرأتها، وسمعتها، ونقلت منها، وذلک لاختلاف النسخ، و الطرق."
>
> (میں نے ان کی کتاب میں بہت ساری احادیث دیکھی ہیں، جو مجھے اُن اصول [یعنی بخاری، مسلم، موطا، ترمذی، ابوداود، نسائی] میں نہیں ملیں، جن کو میں نے پڑھا اور سماع کیا ہے اور جن سے احادیث نقل کی ہیں۔ میرا واقف نہ ہونا شاید اس کتاب کے نسخوں و سندوں کے اختلاف کے باعث ہوسکتا ہے۔)

(جامع الأصول: ۱/ ۵۰)

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

> "و أما الأحاديث التي وجدتها في كتاب رزين، و لم أجدها في الأصول، فإني كتبتُها نقلًا مِنْ كتبها على حالها في المواضع المختصة بها، وتركتها بغير علامة، وأخليت لذكر اسم من أخرجها

موضعاً ، لعلي اتبع نسخاً أخرى لهذه الأصول، و أعثر عليها ، فأثبت اسم من أخرجها."

(امام رزین کی کتاب کی وہ مرویات جو مجھے حدیث کی کتبِ اصول میں نہیں ملیں، میں نے علی حالہٖ نقل کر دی ہیں اور بغیر کسی علامت و حوالے کے ذکر کر کے وہاں جگہ خالی چھوڑی ہے؛ تاکہ بعد میں اُس محدث کا نام ذکر کروں، جس نے ان روایات کی تخریج اپنی جگہ کی ہے، اگر ایسا ہوا؛ تو میں اُس محدث اور اس کی تخریج کا ضرور ذکر کروں گا؛ یا یہ ہوسکتا ہے کہ مجھے کتبِ اصول کے کوئی نسخے دستیاب ہوں اور وہ احادیث بھی مل جائیں تو میں اس کا بھی ذکر ضرور کروں گا۔)

(جامع الأصول: ۱/۵۵)

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ اپنے وعدے و شرط کے مطابق امام رزین کے حوالے سے بعض روایات ذکر کرنے کے بعد جہاں ان کو کتبِ اصول کے علاوہ دیگر کتابوں اور محدثین کے حوالے سے وہ روایت ملی ہے، اس کا حوالہ ضرور تحریر فرمایا ہے؛ مگر بعض احادیث ایسی بھی ہیں، جن کا ذکر کرنے کے بعد وہاں نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے اور نہ کسی محدث کی جانب منسوب کیا ہے؛ جس سے واضح ہے کہ امام ابن الاثیر جیسے وسیع النظر حافظِ حدیث کو یہ روایات کہیں نہیں ملیں۔

(۳) تیسرے وہ امام، جنھوں نے امام رزین کی کتاب کا مطالعہ کیا، جائزہ لیا؛ پھر اس پر تبصرہ وتنقید بھی کی ہے، وہ ہیں شیخ الاسلام امام ذہبی رحمہ اللہ ۔ چناں چہ امام ذہبی "**سیر أعلام النبلاء**" میں امام رزین کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"قلت: أدخل كتابه زياداتٍ واهيةً ، لو تنزه عنها لأجاد."

(میں کہتا ہوں کہ امام رزین نے اپنی کتاب میں ایسی احادیث داخل کر دی ہیں، جو واہی ہیں؛ اگر یہ کتاب اِن واہی مرویات سے خالی و پاک ہوتیں؛ تو یہ امام رزین کا ایک بڑا ہی شاندار کارِ خیر ہوتا۔)

(سیر أعلام النبلاء: ۲۰/۲۰۵)

(۴) چوتھے امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں، چناں چہ مشہور محدث وفقیہ ملا علی قاری رحمہ اللہ: "مرقاۃ المفاتیح" میں ایک مقام پر امام ابن حجر کا قول و تحقیق نقل کرتے ہیں کہ امام رزین نے اپنی اس کتاب میں موضوع حدیثیں تک ذکر کر دی ہیں، جیسے کہ پندرہ شعبان کی خاص نماز والی حدیث اور

''صلاۃ الرغائب'' والی روایات؛ چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

''رواہ رزین [في كتابه] أي الذي جمع فيه بين الصحاح لكنه لم يوف بذلک فقد ذكر فيه حتى الموضوع كخبر الصلاة ليلة النصف من شعبان، و الرغائب ؛ كذا قاله ابن حجر.''

(مرقاة المفاتيح: ١/٢٨٨)

حاصلِ کلام یہ کہ امام رزین رحمہ اللہ ، بڑے بلند پایہ محدث ہیں اوران کی کتاب ''التجرید'' حضراتِ محدثین کے نزدیک بہت حدتک معتبر وقابلِ قبول ہے؛ مگراسی کے ساتھ کچھ ایسی حدیثیں بھی اِس میں ہیں، جوحدیث کی کتبِ اصول میں نہیں ہیں؛ اگر چہ دوسری کتابوں میں ہیں اورکچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں، جوحدیث کی کسی کتاب میں بھی اور کسی بھی محدث سے حضراتِ محدثین کو دستیاب نہیں ہو سکیں؛ حتیٰ کہ اس میں امام ذہبی رحمہ اللہ کے بقول دوچار حدیثیں نہیں؛ بل کہ ''زیادات واهية'' یعنی بہت ساری نہایت ہی غیر معتبر وناقابلِ قبول احادیث ہیں اوربقول امام ابن حجر کے چند موضوع روایات تک ذکر کردی گئی ہیں۔

یہ ہیں وہ حضراتِ محدثین، جنھوں نے امام رزین رحمہ اللہ کی کتاب ''التجرید'' کامطالعہ وجائزہ لیا اوراپنی رائے وتنقید سے بھی نوازا؛ ہمارے سامنے اصل کتاب، چوں کہ موجودنہیں؛ اس لیے ان حضراتِ محققین کی تحقیق پراعتماد کرتے ہوئے کہاجاسکتاہے کہ امام رزین کی یہ کتاب ''تجرید الصحاح'' قریب قریب مستدرکِ حاکم اورسنن ابن ماجہ کی طرح ہوسکتی ہے۔وجہِ مماثلت یہ ہے کہ جس طرح امام حاکم جیسے عظیم الشان محدث کی کتاب: ''مستدرک حاکم'' جو متداول ومشہورِ زمانہ ہے اور ہزاروں احادیث کی جامع ونہایت ہی مستند ومعتمد کتاب ہے؛ مگراس میں بھی تقریباً ۱۰۰/ حدیثیں ایسی ہیں، جن کومحدثین نے موضوعات میں شامل فرمایا ہے۔اسی طرح امام ابن ماجہ جیسے امام المحدثین کی کتاب ''سنن ابن ماجہ'' مشہور ومعروف اوراس قدر معتبر ہے کہ ''صحاحِ ستہ'' میں اس کوشمار کیا گیا ہے؛ لیکن اس میں بھی بقول حضرات محدثین ۲۰-۲۲/ حدیثیں ایسی ہیں، جوموضوع ہیں؛ لہٰذا مجموعی واکثری اعتبار سے یہ کتابیں معتبر ومستند کہلاتی ہیں اوربعض قلیل موضوع روایات کے پیشِ نظریہ کلیۃً معتبر قرارنہیں دی جا سکتیں؛ بل کہ جس روایت کا جودرجہ ہے، وہ درجہ ضرور کہا اور مانا جائے گا، صحیح ہے توصحیح، ضعیف ہے توضعیف اورمنکر ہے تومنکر؛

اسی طرح یہاں بھی یہ کہنا بجاہے کہ امام رزین بن معاویہ رحمہ اللہ ، بڑے عظیم محدث ہیں اوران

کی کتاب ''تجرید الصحاح'' بڑی حد تک ایک معتبر کتاب ہے اور اسی بنا پر صاحبِ مشکاۃ اور صاحب جامع الاصول حضراتِ محدثین اِس کی مرویات نقل کر رہے ہیں؛ تاہم اِس میں جو حدیث صحیح ہوگی، اسے صحیح اور جو ضعیف ہوگی، اسے ضعیف قرار دیا جائے گا، اسی طرح جو واہی اور نا قابلِ بیان روایت ہوگی، اس کو واہی و نا قابلِ بیان ہی گردانا جائے گا۔ کما ھو ظاہر!

تجرید کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں بھی ہے یا نہیں؟

اس تفصیلی وضاحت کے بعد جاننا چاہیے کہ زیرِ بحث حدیث جو ''مشکاۃ'' اور ''جامع الاصول'' میں امام رزین ہی کے حوالے سے منقول ہے، چوں کہ ان دونوں کتابوں کا مقصد صرف متنِ حدیث بیان کرنا ہے، سند نہیں ہے؛ اس لیے اِن میں اِس حدیث کی سند ذکر نہیں کی گئی ہے اور صاحبِ ''جامع الاصول'' نے اپنے اس التزام و اہتمام کا ذکر فرمایا کہ ''تجرید'' کی جو حدیث، اصول میں ان کو نہیں ملے گی، دوسری کتاب اور دوسرے طریق سے ملے گی، تو اس کو ذکر کریں گے؛ مگر اس حدیث کے تحت انھوں نے دوسری کسی کتاب کا بھی ذکر نہیں فرمایا؛ جس سے معلوم ہوا کہ امام ابن الاثیر کو یہ روایت اور اس کی اسناد کہیں نہیں ملی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر امام ابن الاثیر رحمہ اللہ کو نہیں ملی، تو کیا کسی دوسرے محدث کو یہ حدیث اور اس کی سند ملی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کو بھی نہیں ملی۔ چناں چہ جتنے بھی محدثین اور شراحِ حدیث نے مشکاۃ کی شرح و تحقیق کی ہے، کسی نے بھی اس پر کلام نہیں کیا، جیسا کہ سابق میں ہم نے ذکر کیا ہے؛ بل کہ تعجب ہوگا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''**هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح و المشكاة**'' کے نام سے ''مشکاۃ شریف'' کی تخریج کی ہے، مگر اس روایت کی تخریج میں آپ سے بھی کوئی ایک حرف تک مذکور نہیں، بس ''رواہ رزین'' کہہ دیا اور کچھ نہیں۔

بہر حال تا حال راقم کو اس حدیث کی سند کہیں نہیں ملی۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزید حوالہ جات اور ان پر کلام؟

اس کے بعد آیئے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ زیرِ بحث روایت کا جو معنی و مفہوم ہے، کیا وہ مفہوم کسی دوسری حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے؛ تو وہ حدیث ثابت و معتبر ہے یا وہ بھی غیر معتبر و نا قابلِ قبول ہے؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے مضمون و مفہوم کی چند روایات مذکور ہیں؛ مگر حضراتِ

محدثین کی تحقیق کے مطابق ان میں سے کوئی بھی معتبر ومقبول نہیں؛ بل کہ سبھی مرویات قابلِ رد ہیں۔ ذیل میں یہ روایات مع تحقیق پیش ہیں:

(۱) پہلی روایت:

شیخ البانی نے ''مشکاۃ'' کی تخریج میں حدیثِ عائشہ کے تحت خطیب بغدادی رحمۃ اللہ کی ایک روایت کا حوالہ دیا ہے، جس کا ذکر انھوں نے اپنی ''تاریخ بغداد'' میں ابوالقاسم بُرَیْہ بن محمد کے ترجمہ میں کیا ہے۔اس کا متن مع سند درج ہے:

"أخبرنا أبو الخلال من أصل كتابه ، قال: حدثني أبو القاسم بريه بن محمد بن بريه البغدادي البيّع بجرجان، قال:حدثنا إسماعيل بن محمد الصفار، قال: أخبرنا أحمد بن منصور الرَّمادي، قال: أخبرنا عبد الرزاق بن همام، قال: أخبرنا معمر بن راشد عن الزهري عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت: كانت ليلتي من رسول الله ﷺ ، فلما ضَمَّني ، و إياه الفراشُ نظرت إلى السماء ، فرأيت النجوم مشتبكةً ، فقلت: يا رسول الله ! أفي هذه الدنيا رجل له حسنات بعدد نجوم السماء ؟ فقال: نعم، قلت: من؟ قال: عمر، وإنه لحسنة من حسنات أبيک".

(مشكاة المصابيح مع تخريج الشيخ الألباني:٦٠٥٩، ١٧١١، تاريخ بغداد: ٦٤٣/٧، ٣٥٧٨، اللآلي المصنوعة:١/ ٣٠٤)

یہ حدیث مع سند تو ہے؛مگر موضوع وباطل ہے، چناں چہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ اس حدیث کے راوی ابوالقاسم بریہ بن محمد کے ترجمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ''**سَكن جرجان ، و حدَّث بها عن إسماعيل بن محمد الصفار أحاديث باطلة.**'' (جرجان میں رہتا تھا اوراس نے اسماعیل بن محمد الصفار کی سند سے بہت ساری باطل احادیث بیان کی ہیں۔)

علامہ سیوطی، خطیب بغدادی رحمہما اللہ کی مکمل تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''**قال الخطيب: موضوع، برية حدَّث عن إسماعيل الصفار أحاديث باطلة موضوعة.**''(خطیب نے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور بریہ نے اسماعیل الصفار کے حوالے سے بہت سی باطل وموضوع حدیثیں بیان کی ہیں)۔ (اللآلي المصنوعة :١/٣٠٣)

امام ذہبی رحمۃ اللہ نے ''میزان الاعتدال'' میں اور ان ہی کی عبارت نقل کر کے علامہ برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ نے ''الکشف الحثیث'' میں اِس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کو بربیہ نے گھڑا ہے اور وہ بڑا ہی کذاب وجھوٹا ہے۔

(میزان الاعتدال: ۲/ ۱۵، الکشف الحثیث: ۷۵)

(۲) دوسری روایت

امام ابن الجوزی اور امام سیوطی رحمہا اللہ نے حسن بن عرفہ کے طریق سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت ذکر کی ہے:

''قال رسول الله ﷺ: أتاني جبريل آنفاً ، فقلت: يا جبريل! حدِّثْني بفضائل عمر في السماء ، فقال: يا محمد ! لو حدَّثْتُک بفضائل عمر في السماء مثل ما لبث نوح في قومه ألف سنة إلا خمسين عاماً ما نفدت فضائل عمر، وإن عمر حسنة من حسنات أبي بكر.''

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ جبریل میرے پاس آئے، تو میں نے کہا: اے جبریل! آسمان میں عمر کے جو فضائل و مناقب ہیں، کیا ہیں؟ مجھے بتائیں۔ جبریل نے کہا: اے محمد! آسمان میں عمر کے جو فضائل ہیں، اتنے ہیں اتنے ہیں کہ اگر میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساڑھے نوسو سال کے طویل عرصے تک بیان کرتا رہوں، تب بھی عمر کے فضائل ختم نہ ہوں گے اور عمر تو ابوبکر کی بے شمار نیکیوں میں سے صرف ایک نیکی ہی ہے۔) (الموضوعات: ۲/ ۶۶)

امام ابن الجوزی اور امام ذہبی رحمہا اللہ؛ دونوں حضرات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا ارشاد نقل کرتے کہ حضرۃ الامام نے فرمایا: ''هذا حديث موضوع''۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ ''میزان الاعتدال'' میں لکھتے ہیں: ''وهو باطل''۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ ''لسان المیزان'' میں امام ازدی رحمۃ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''لا أعرفه'' (میں یہ حدیث نہیں جانتا)۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ اِس روایت کے ایک راوی اسماعیل بن عبید البصری کے متعلق امام ابن حبان رحمۃ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''يروي المناكير التي لا يشک أنها موضوعة'' (یہ ایسی ایسی منکر احادیث روایت

کرتا ہے، جن کے موضوع ہونے میں رائی برابر شک نہیں کیا جاسکتا)۔

(الموضوعات :٦٦/٢،ترتيب الموضوعات:٢٣٨، ميزان الاعتدال:١/٣٩٧، لسان الميزان: ١٤٧/٢، اللآلي المصنوعة:١/٣٠٣)

حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہم معنی جملہ مرویات موضوع ہیں

اس مضمون ومفہوم والی جملہ روایات کو نقل کر کے حضراتِ محدثین نے سبھی کو غیر ثابت وموضوع قرار دیا ہے، مثلاً:

(۱) امام سیوطی رحمۃ اللہ ''اللآلی المصنوعۃ'' میں امام حسن بن عرفہ، امام طبرانی اور امام تمام کے حوالے سے حدیثِ عمار بن یاسر اور ابن عساکر کے حوالے سے حدیثِ ابی بن کعب اور حدیثِ زید بن ثابت اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ کے حوالے سے حدیثِ عائشہ؛ یہ سب حدیثیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''**وبالجملة أصحها إسناداً حديث عمار، و مع ذلک قال الذهبي في الميزان: إنه باطل**'' (بلحاظِ اسناد اِن تمام روایات میں کوئی روایت غنیمت قرار دی جاسکتی ہے، تو وہ عمار بن یاسر کی روایت ہے؛ لیکن اس کا حال بھی یہ ہے کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ نے ''میزان الاعتدال'' میں اس کو خبر باطل قرار دیا ہے)۔

(اللآلي المصنوعة:١/٣٠٤)

راقم عرض پرداز ہے کہ سابق میں یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس حدیثِ عمار بن یاسر کو صرف امام ذہبی نے نہیں؛ بل کہ امام احمد بن حنبل، امام ازدی، امام ابن حبان، امام ابن الجوزی، امام ذہبی، امام ابن حجر رحمہم اللہ نے بھی موضوع ہی قرار دیا ہے؛ لہٰذا جب ایک حد تک غنیمت کہی جانے والی روایت کا یہ حال ہے کہ وہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہے، تو باقی وہ روایات جو اِس سے بھی کم تر ہیں، وہ تو بدرجہ اولی موضوع وغیر ثابت قرار دی جائیں گی۔

(۲) امام ابن عراق رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب ''تنزیہ الشریعہ'' کو تین فصلوں پر ترتیب دی ہے اور اِس کے مقدمے میں صاف تصریح کی ہے کہ وہ ''فصلِ اول'' میں ایسی حدیثیں ذکر کریں گے، جو امام ابن الجوزی کے بقول موضوع ہیں اور اس میں کسی نے بھی اُن سے اختلاف نہیں کیا ہے۔

اور پھر آگے اِس حدیثِ عمار بن یاسر کو ''فصل اول'' میں ذکر کیا ہے۔

(تنزيه الشريعة:١/٣٦٢)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ زیر بحث حدیث اور اُس کی ہم معنی کوئی روایت امام ابن عراق کے

نزدیک بھی ثابت نہیں ہے؛ اسی لیے انھوں نے حدیثِ عمار بن یاسر کو فصلِ اول میں ذکر کیا ہے، اگر معمولی سے معمولی درجے میں کسی بھی طور پر یہ حدیث ثابت ہوتی، تو ابن عراق ضرور اس کا ذکر کرتے۔

(۳) صاحبِ ''اسنی المطالب'': شیخ محمد درویش اپنی تحقیق تحریر فرماتے ہیں کہ'' قال ابن الجوزي: **كل حديث فيه أن عمر حسنة من حسنات أبي بكر، فهو موضوع**''(امام ابن الجوزی نے فرمایا کہ جس حدیث میں یہ مضمون آیا ہو کہ حضرت عمر، حضرت ابوبکر کی جملہ نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں، وہ موضوع ہے)۔

(أسنی المطالب: ۳۷۲)

(۴) امام ابن قیم اور علامہ شوکانی کی رائے بھی یہی ہے کہ حدیثِ عمار موضوع ہے اور اس مضمون کی جملہ مرویات موضوعات میں داخل ہیں۔

(دیکھیے: المنار المنيف: ۲۵۴، الفوائد المجموعة: ۱۰۶۰)

الغرض اس تحقیق سے یہ جواب بھی مل گیا کہ ''**حسنات عمر كحسنة أبي بكر**'' کے مفہوم والی کوئی روایت ثابت نہیں ہے؛ بل کہ جتنے آثار مروی ہیں، وہ سب کے سب از روئے تحقیق موضوع وخود ساختہ ہیں۔

ایک طالب علمانہ اشکال

راقم کہتا ہے:

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''**هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح والمشكاة**'' کے حاشیہ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ایک رسالہ بھی مذکور ہے اور یہ رسالہ الگ مستقل بھی مطبوع ہو چکا ہے، جس کا نام ''**أجوبة الحافظ عن أحاديث المصابيح**'' ہے۔ اس رسالے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ امام قزوینی رحمہ اللہ نے مشکاۃ کی تقریباً ۱۸/ احادیث کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ موضوع ہیں۔ اس سوال کے جواب میں حافظ ابن حجر نے مذکورہ تحریر پیش کی تھی۔

تعجب ہے کہ امام قزوینی رحمہ اللہ نے جن احادیث کو موضوعات میں شمار فرمایا ہے، اُن میں یہ حدیثِ عائشہ نہیں ہے۔ نیز ایک طرف امام خطیب تبریزی، امام ابن الاثیر رحمہما اللہ جیسے عظیم محدث ہیں، جو اس حدیث کو نقل کرکے ایک درجے میں قابلِ اعتبار قرار دیتے نظر آتے ہیں، نیز امام قزوینی، علامہ طیبی، حافظ ابن حجر، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق دہلوی اور علامہ ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ جیسے محدثینِ عظام، جنھوں نے مشکاۃ کی تخریج وتشریح کی ہے، ہر حدیث پر اپنی تحقیق بیان کرتے ہیں؛ مگر اس

حدیث کے ثبوت وعدم ثبوت کی بابت ان سے ایک حرف تک مذکور نہیں، اس پر مستزاد اِس حدیث کے لفظ لفظ کی تشریح وتوضیح کرتے نظر آ رہے ہیں، جس سے ایک طالبِ علم کو یہ قوی شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ حدیث محدثین کے نزدیک کسی درجہ میں ثابت ہوگی۔

(۲) اور دوسری طرف وہ علماء ہیں، جو اس کے برخلاف یہ تصریح کرتے ہیں کہ حدیث عمار، حدیث عائشہ اور ان کے ہم مفہوم تمام آثار موضوع وغیر ثابت ہیں۔ جن میں امام احمد، امام ابن حبان، امام ازدی، امام ابن الجوزی، امام خطیب بغدادی، امام ابن قیم، امام ذہبی، امام سیوطی، علامہ ابن عراق، علامہ شوکانی، علامہ درویش، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور شیخ البانی رحمہم اللہ ہیں۔ چناں چہ ان میں سے کسی نے بھی اس سلسلے میں مروی جملہ روایات واحادیث کو ضعیف یا منکر تک تسلیم نہیں کیا؛ بل کہ صاف صاف اِن کو موضوع گردانا ہے۔

یہ ساری تفصیلات زیرِ نظر رکھنے سے ایک طالبِ علم کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ امام رزین رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کردہ خاص روایتِ عائشہ کے متعلق ترجیح کس کو دی جائے؟ اول الذکر علماء کے خاموش رویے کی بنا پر حدیث کے ثابت ہونے کو ترجیح دی جائے یا ثانی الذکر علماء کی تصریحات کی بنا پر غیر ثابت وموضوع ہونے کو؟

مذکورہ اشکال کا حل

اس اشکال کا حل مندرجہ ذیل فنی وعقلی اصول سے ملے گا اور یہ معلوم ہوگا کہ ترجیح کس قول کو حاصل ہے؟:

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ: مانا کہ ”تجرید الصحاح“ ایک معتبر کتاب ہے اور اسی لیے متعدد محدثین اپنی کتابوں میں اس سے نقلِ روایات کرتے ہیں، مگر یہ کتاب ایسی بھی نہیں کہ علی الاطلاق اس کی ہر روایت کو معتبر وثابت مانا جائے؛ اس لیے کہ اس میں نہایت ہی غیر مقبول اور موضوع احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں – جیسا کہ سابق میں گزرا –؛ لہٰذا جب یہ کتاب ایسی حیثیت رکھتی ہے، تو پھر جب تک اس کی روایت اصولِ حدیث کی رو سے ثابت نہ ہوجائے، ظاہر ہے کہ ثابت نہیں مانی جائے گی، چاہے ایسی کتاب سے نقل کرنے والا محدث کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جن محدثین نے اِس حدیثِ عائشہ کی بابت کچھ نہیں کہا، یعنی نہ اثبات میں کوئی لفظ کہا اور نہ نفی میں، تو یہ کہا جائے گا کہ اِن حضرات کو اس کی تحقیق نہیں ہوسکی؛ لہٰذا ان کی خاموشی

کسی حکم کی دلیل نہ ہوگی؛ لیکن جن محدثین نے اِن کے مقابل کچھ کہا اور وہ بھی اول الذکر محدثین کی طرح علمِ حدیث کے ماہر و باکمال ہیں، تو اِن ہی کی بات قبول کی جائے گی- جیسا کہ حدیث کی تصحیح و تضعیف کے اقوال کا علم رکھنے والے اہل علم بخوبی واقف ہیں-؛ لٰہذا اِس اصول کے پیش نظر یہاں بھی دیکھا جائے ،تو ایک طرف امام ابن حجر اور امام قزوینی ،علامہ طیبی ، ملاعلی قاری رحمہم اللہ وغیرہ محدثین ہیں، جن سے مشکاۃ کی حدیثِ عائشہ کے متعلق کچھ بھی منقول نہیں ہے؛ مگر دوسری طرف امام ابن الجوزی، امام خطیب بغدادی ،امام ذہبی ،امام سیوطی ،حافظ ابن عراق کنانی وغیرہ محدثین ہیں، جو اس سلسلے کی کسی بھی حدیث کو ثابت نہیں قرار دیتے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ اگر کوئی حدیث لفظاً موضوع مگر معنیً ثابت قرار پا رہی ہے، تو موضوع روایات کی تحقیق کرنے والے حضراتِ محدثین اُس روایت کو ضرور ذکر کرتے ہیں، جس سے کہ وہ معنی ثابت ہو رہا ہے؛ لٰہذا اس کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی اگر دیکھا جائے ،تو یہ حدیثِ عائشہ غیر ثابت و موضوع ٹھہرتی ہے۔ جیسا کہ سطورِ سابقہ میں مفصل و مدلل تحریر کر دیا گیا ہے کہ اس مضمون کی کوئی حدیث معتبر سند سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی ان کا معنی کسی حدیث سے ثابت ہے۔

حاصل و خلاصہ

اس طویل کلام کا حاصل وہی ہے، جو محدث درویش نے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کر کے ظاہر کیا ہے کہ ’’**قال ابن الجوزي: كل حديث فيه أن عمر حسنة من حسنات أبي بكر، فهو موضوع.**‘‘ (امام ابن الجوزی نے فرمایا کہ جس حدیث میں یہ مضمون آیا ہو کہ حضرت عمر، حضرت ابوبکر کی جملہ نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں، وہ موضوع ہے)۔

(أسنى المطالب:۳۷۲)

هذا ما تحقق لي ، والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأحكم!!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزء في تحقيق الأحاديث المتعلقة بالهائلة الواقعة يوم الجمعة من نصف رمضان

تمہید

امسال (۱۴۳۶ھ) پندرہ رمضان کو جمعہ کا دن آرہا ہے اور آج کل علماء اور پڑھے لکھے افراد کے مابین یہ سوال گردش کررہا ہے کہ

> ''کیا ایسی کوئی حدیث ہے؟ جس میں آپ ﷺ سے یہ بات مروی ہو کہ رمضان کی پندرھویں جمعہ کو ہیبت ناک چنگھاڑ سنائی دے گی؛ اس لیے وہ دن جب آئے، تو گھر کے دروازے، کھڑکیاں؛ حتی کہ سارے سوراخ بند کرلیے جائیں، پھر بھی اگر سنائی دے، تو ایک خاص تسبیح پڑھی جائے؛ اس لیے کہ جو یہ کرے گا نجات پائے گا، نہیں تو نہیں''۔

یہ اور اس قسم کی باتیں پھیل رہی ہیں اور بعض علماء کی طرف سے اس کی بابت کچھ حدیثیں بھی سنائی اور بتائی جارہی ہیں۔

پیش آمدہ سطور میں علم حدیث اور اصولِ حدیث کی روشنی میں اسی بات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

احادیث وروایات

اس سلسلے میں کچھ مرفوع اور مرسل روایات نقل ہوئی ہیں، جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی حدیث چار مختلف اسانید سے مروی ہیں:

حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہ طریقِ اول

(۱) قال رسول الله ﷺ: يكون في رمضان هدة توقظ النائمَ، وتقعد القائمَ، وتخرج العواتقَ من خدورها، وفي شوال همهمةٌ، وفي ذي القعدة تميز القبائل بعضها إلى بعض، و في ذي الحجة تراق الدماء، وفي المحرم أمر عظيم، وهو عند انقطاع ملك هؤلاء، قالوا: يا رسول الله! من هم؟ قال: الذين يكونون في ذلك الزمان.

امام عقیلی رحمہ اللہ نے "الضعفاء الکبیر" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عبدالواحد بن قیس کے بیان میں یہ روایت ذکر فرمائی ہے اور اِس راوی کے متعلق یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ یہ "لا شَيْءَ" ہے، یعنی کسی اعتماد کے قابل نہیں ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبدالواحد بن قیس نا قابلِ احتجاج راوی ہے۔

اس میں اور ایک راوی ہے عنبسہ بن ابی صغیرہ۔ اس حدیث کے باطل وموضوع ہونے کی وجہ یہ راوی ہے، جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے؛ کیوں کہ عبدالواحد بن قیس مختلف الحدیث راوی ہیں اور ایسے غیر معتبر نہیں، جیسا کہ امام عقیلی نے ذکر کیا ہے؛ اسی لیے ذہبی نے عقیلی پر بھی نکیر کی ہے۔

الغرض امام عقیلی اِس روایت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "**ليس لهذا الحديث أصل من حديث ثقة، ولا من وجه يثبت**" (اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ ہی کسی دوسرے ثقہ ومعتبر محدث کی حدیث سے مؤید ہے اور نہ ہی کسی اور اعتبار و وجہ سے ثابت ہے)۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اسی روایت کی بابت صراحتاً لکھ دیا ہے کہ "**ذا موضوع**" (یہ حدیث جعلی و بناوٹی ہے)۔ امام ابن الجوزی، امام ذہبی اور علامہ قاوقجی رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

(الضعفاء الكبير للعقيلي: ١١٦٦، اللآلي المصنوعة:٣٨٦/٢، الموضوعات: ٤٦٢/٣، ترتيب الموضوعات:١٠١٩، اللؤلؤ المرصوع:٢٣٣)

حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہ طریقِ ثانی

امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ نے "**كتاب الفتن**" میں اور ان ہی کے طریق سے امام حاکم رحمہ اللہ نے "مستدرک" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مرفوعاً یہ حدیث ذکر کی ہے:

" تكون آية في شهر رمضان، ثم تظهر عصابةٌ في شوال، ثم معمة

في ذي القعدة ، ثم يسلب الحاج في ذي الحجة ، ثم تنتهک المحارم في المحرم ، ثم يكون صوت في صفر، ثم تنازع القبائل في شهرَيْ ربيع ، ثم العجب كل العجب بين جمادي، و رجب ، ثم ناقة مقتبة خير من دسكرة بغل مائة ألف.''

(المستدرك للحاكم: ٨٥٨٠، كتاب الفتن: ٦٢٨ واللفظ لنعيم)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخین نے اس حدیث کے تمام راویوں سے استدلال کیا ہے سوائے مسلمہ بن علی کے اور یہ حدیث غریب المتن ہے اور مسلمہ نا قابلِ احتجاج راوی ہے۔اس مسلمہ کو امام بخاری رحمہ اللہ نے: ''**منكر الحديث**''، امام نسائی رحمہ اللہ نے: ''**متروک**''، امام دُحیم رحمہ اللہ نے: ''**ليس بشي ء**'' اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''**واہٍ**'' فرمایا ہے۔ نیز امام ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''**مسلمة لم يدرک قتادةَ**'' (مسلمہ کی ملاقات قتادہ سے نہیں ہوئی ہے) اور خود امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''**بينه وبين قتادة رجل**''۔ نیز مسلمہ ایسا راوی ہے، جس نے متعدد موضوع احادیث بکثرت نقل کی ہیں۔

(ميزان الاعتدال: ٤٢٣/٦ ، كتاب الفتن: ٦٢٨،تهذيب التهذيب: ٤٦/١٠)

اور اِس حدیث کی بابت ذہبی رحمہ اللہ نے ''میزان'' میں ''**هذا منكر**'' اور ''مستدرک'' کی تعلیق میں ''**ذا موضوع**'' لکھا ہے۔امام سیوطی ،امام ابن عراق نے بھی امام ذہبی کی تحقیق پر اتفاق کرتے ہوئے اس کو موضوع گردانا ہے۔

(اللآلي المصنوعة: ٣٨٦/٢ ،تنزيه الشريعة: ٣٤٦/٢)

حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہ طریقِ ثالث

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''معجم اوسط'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ایک روایت نقل کی ہے کہ ''**في شهر رمضان الصوت ، و في ذي القعدة تميز القبائل، وفي ذي الحجة يسلب الحاج**''۔

(المعجم الأوسط: ٥١٢)

امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''**لم يرو هذا الحديث عن شهربن حوشب إلا البختري، تفرَّد به نوح بن قيس**''۔

امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی، شہر بن حوشب ہیں اور اِن میں

ضعف ہے۔دوسرا راوی: بختری بن عبدالحمید ہے، یہ کون ہے مجھے نہیں معلوم۔

(مجمع الزوائد:٤ ١٢٣٧٤)

اِس سند میں تین راویوں پر کلام ہوا ہے:

ایک نوح بن قیس ہیں۔امام مزی فرماتے ہیں: بخاری کے علاوہ باقی اصحاب نے ان سے روایت لی ہے۔امام ابوداود نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ان میں تشیع تھا اور یحییٰ نے کبھی ضعیف کہا اور کبھی ثقہ کہا۔امام احمد اور امام ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور امام نسائی نے فرمایا: **لیس به بأس** اور امام ذہبی رحمہم اللہ نے فرمایا "**صالح الحال**" ہیں۔

(میزان الاعتدال:٧/٥٥،تهذيب الكمال: ٣٠/٥٥وغيره)

معلوم ہوا کہ یہ حسن الحدیث اور معتبر راوی ہیں۔

دوسرا راوی: بختری بن عبدالحمید ہے۔یہ مجہول الحال ہیں، جیسا کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ کا قول پہلے گزرا۔

تیسرا راوی، شہر بن حوشب ہیں۔امام شعبہ اور یحییٰ بن سعید اِن سے حدیث نہیں لیتے تھے۔موسی بن ہارون نے "**ضعیف**" اور نسائی نے "**ليس بالقوي**" کہا ہے۔لیکن جمہور علما نے ان کی بڑی تعدیل وتوثیق بھی فرمائی ہے، مثلاً عبدالرحمٰن بن مہدی اور علی ابن المدینی ان سے روایات لیتے تھے اور علی بن المدینی سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیا، توانھوں نے فرمایا کہ ہاں میں ان سے حدیث لیتا ہوں اور عبدالرحمٰن بن مہدی بھی لیتے ہیں۔امام احمد نے "**ليس به بأس**" فرمایا۔امام دارمی فرماتے ہیں کہ امام احمد شہر بن حوشب کی تعریف وتوصیف کرتے تھے۔امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ: شہر "**حسن الحديث**" ہیں۔امام ابن معین سے مروی ہے کہ ثقہ اور ثبت ہیں۔امام عجلی، امام یعقوب بن شیبہ اور یعقوب بن سفیان نے ثقہ قرار دیا ہے۔امام ہرویؒ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ شعبہ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی ان میں کلام کرتا ہو۔

(تهذيب الكمال:١٢/٥٧٨-٥٨٨، تهذيب التهذيب :٤/٢٦٩،رجال صحيح مسلم لابن منجويه : ٨٢)

الغرض یہ بھی معتبر اور حسن الحدیث راوی ٹھیرے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصولِ حدیث کی رو سے اس کے تمام راوی مقبول ہیں، سوائے بختری بن عبدالحمید کے اور یہ مجہول ہے، لہٰذا اِس سند میں کوئی وضاع وکذاب اور متہم راوی تو نہیں ہے، صرف مجہول راوی ہے۔سند کے اس حال کے پیشِ نظر یہ حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بایں سند ضعیف ہوگی، موضوع نہیں۔واللہ اعلم

حدیثِ ابوہریرہ ﷺ بہ طریقِ رابع

یہ حدیث جس طرح حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مرفوعاً نقل کی گئی ہے، اسی طرح موقوفاً بھی مروی ہے، جس کے الفاظ تقریباً وہی ہیں، جو بحوالہ عقیلی پیش کردہ پہلی روایت کے ہیں۔

(كتاب الفتن: ٦٤٥، اللآلي المصنوعة: ٢/ ٣٨٦)

اس موقوف حدیث کی سند میں تین متکلم فیہ راوی ہیں:

(۱) شہر بن حوشب ہیں اور ان پر کلام ابھی قریب میں ذکر ہوا اور بعد تحقیق واضح ہوگیا کہ یہ حسن الحدیث و معتبر راوی ہیں۔

(۲) لیث بن ابی سلیم ہیں: مختلف فیہ راوی ہیں۔ ان کے متعلق کافی طویل و مفصل کلام کتبِ رجال میں مذکور ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر صرف ایک قول؛ مگر سب سے جامع و معتدل نقل کرتا ہوں، جو ان کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "**فيه ضعف يسير من سوء حفظه، كان ذا صلاة، و صيام، وعلم كثير، وبعضهم احتج به**"۔

(الكاشف: ٤٦٩٢)

ان کے خفیف الضعف ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں جائے متابعت و استشہاد میں ان سے روایتیں لی ہیں۔ ابن ماجہ، ابوداود اور ترمذی کے راویوں میں سے ہیں اور امام ترمذی نے امام بخاری کا قول نقل فرمایا ہے کہ یہ صدوق ہیں؛ مگر کبھی وہم کا شکار ہوجاتے ہیں۔

(سنن الترمذي: ١٠٨٢، تهذيب الكمال: ٢٤/ ٢٧٩-٢٨٨)

اس سے معلوم ہوا کہ لیث بن ابی سلیم بہت حد تک صالح للاحتجاج ہیں اور ایسے بھی نہیں کہ ان کی روایات ترک کی جائیں۔

(۳) اسماعیل بن عیاش ہیں: یہ بھی مختلف فیہ راوی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ اپنے حجازی اساتذہ سے روایت کرنے میں خطا و غلطی کر جاتے ہیں؛ مگر شامی اساتذہ سے روایت کرنے میں "أَثْبَتْ" اور "أصح" ہیں اور امام احمد نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ حفظ و یادداشت کے حوالے سے یہ امام وکیع کے مثل ہیں۔ یزید بن ہارون نے فرمایا کہ "**ما رأيت شاميًا ولا عراقيًا أحفظ من إسماعيل بن عياش**"۔ امام ذہبی رحمہ اللہ "**تذكرة الحفاظ**" میں تحریر کرتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کو ضعیف قرار دینے کے باوجود "**قد احتج به**" (ان سے استدلال کیا ہے)۔

اور یہاں اگرچہ کہ اسماعیل، لیث بن ابی سلیم اپنے کوفی استاذ سے روایت کررہے ہیں؛ اس لیے کہا

جا سکتا ہے کہ وہ خطا و غلطی کر رہے ہیں؛ مگر یہ بدرجہ احتمال ہے۔

(الجرح و التعديل للحنظلي:٦/٣٧٤،الكاشف:٤٠٠٠، تذكرة الحفاظ :١٨٦/١، تهذيب الكمال: ١٦٣/٣)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی موضوع اور بے اصل تو نہیں کہی جائے گی؛ مگر ضعیف ضرور ہے۔

حدیثِ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ بہ طریق اول

حافظ طبرانی رحمۃ اللہ کے طریق سے امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے:

" قال رسول الله ﷺ: يكون صوت في شهر رمضان ، قالوا: يا رسول الله ! في أوله أو في وسطه أو في آخره ؟ قال: لا ؛ بل في النصف من رمضان ، إذا كان ليلة النصف من رمضان ليلة الجمعة.....اهـ"

(ماہ رمضان میں ایک زبردست آواز سنائی دے گی۔صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! رمضان کے شروع میں یا درمیان میں یا آخر میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں؛ بل کہ پندرہ رمضان میں، جب کہ پندرہ رمضان کی رات جمعہ کی رات ہوگی۔جب آسمان سے وہ آواز آئے گی،تو ستر ہزار افراد بے ہوش ہو جائیں گے، ستر ہزار گونگے ہو جائیں گے، ستر ہزار اندھے ہو جائیں گے اور ستر ہزار بہرے ہو جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا: آپ کی امت میں سے کون سالم رہے گا؟ تو آپ نے جواب دیا: جو اپنے گھر میں پڑا رہے گا، سجدے و نماز کے ذریعہ پناہ مانگے گا اور اللہ تعالیٰ کی تکبیر زور زور سے کہے گا۔ پھر اس کے بعد ایک دوسری قسم کی آواز آئے گی۔پہلی آواز تو جبریل کی ہوگی، دوسری شیطان کی اور ایک تیسری آواز رمضان ہی میں ہوگی، پھر شوال میں آگ لگنے کی خطرناک آواز ہوگی، ذی قعدہ میں قبیلے اور خاندان جدا جدا ہو جائیں گے، ذی الحجہ اور محرم میں حاجیوں کو لوٹا جائے گا۔ پھر ماہِ محرم کے شروع میں تو میری امت پر ایک مصیبت آئے گی اور آخر محرم میں کشادگی اور فراخی ہوگی۔اس زمانے میں سواری کا کجاوہ ایک لاکھ کے بھاری محل سے زیادہ باعث خیر ہوگا۔)

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سند میں عبدالوہاب نامی راوی ہے،اس کے بارے میں امام عقیلی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ "لیس بشيء"، نیز "متروک الحدیث" بھی لکھا ہے۔امام

ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کان یسرق الحدیث ، لایحتج به'' (حدیثیں چرایا کرتا تھا، نا قابلِ احتجاج ہے)، دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''منکر الحدیث'' ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ ''ترتیب الموضوعات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''هذا باطل ، وفي سنده من يتهم به.'' (یہ حدیث باطل ہے اور اس کی سند میں متہم راوی ہیں)۔

(الموضوعات:۳/۴٦۳،تلخیص الموضوعات:۱۰۲۲)

حدیثِ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ بہ طریق ثانی

نیز امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ یہی روایت غلام خلیل سے بھی مروی ہے اور خود فرماتے ہیں: ''غلامُ خليل كان يضع الحديث'' (غلام خلیل حدیثیں گھڑا کرتا تھا) اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: بہت ہی بڑا جھوٹا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صاف موضوع، باطل اور خود ساختہ روایات میں شمار فرمادیا ہے۔

(الموضوعات:۳/۴٦۳،تلخیص الموضوعات:۱۰۲۳، المنار المنیف: ۲۱۳)

حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

" عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا كانت صيحة في رمضان ، فإنه يكون معممة في شوال ، و تميز القبائل في ذي القعدة ، وتسفک الدماء في ذي الحجة ، و المحرم ، وما المحرم ؟ يقولها ثلاثاً: هيهات هيهات ، يقتل الناس فيها هرجاً هرجاً ، قال: قلنا: وما الصيحة يا رسول الله ! قال: هذه في النصف من رمضان ليلة جمعة ، فتكون هدة توقظ النائم ، وتقعد القائمَ، وتخرج العواتق من خدورهن في ليلة جمعة في سنة كثيرة الزلازل، فإذا صليتم الفجر من يوم الجمعة ؛ فادخلوا بيوتكم و أغلقوا أبوابكم وسدوا كُوَاكُم ، ودَثّروا أنفسكم ، و سدُّوا آذانكم ، فإذا حسستم بالصيحة ، فخرُّوا لِلّٰه سجدا ، وقولوا: سبحان القدوس، سبحان القدوس، ربناالقدوس ؛ فإنه من فعل ذالک نجا، ومن لم يفعل ذلک هلک ."

حافظ نعیم بن حماد نے ''کتاب الفتن'' میں اور ان ہی کے حوالے سے امام شاشی نے اپنی

''مسند'' میں، امام علی متقی نے ''کنز العمال'' میں، امام سیوطی نے ''اللآلی'' اور ''الجامع الکبیر'' میں اور امام ابن عراق رحمہم اللہ نے ''تنزیہ الشریعۃ'' میں یہ حدیثِ ابن مسعود ذکر فرمائی ہے اور اس حدیث میں بھی رمضان میں ہونے والی خطرناک آواز کا اور اُس کے اثر سے ہونے والے آثار کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ سے یہ حکم بھی مذکور ہے کہ پندرہ رمضان کو جمعہ کی فجر پڑھنے کے بعد اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاو، دروازے، کھڑکیاں اور روزن بند کرلو، کمبل، چادر سے خود کو ڈھک لو اور اپنے کان بھی بند کرلو اور اگر چنگھاڑ سنائی دے؛ تو اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑو اور یہ دعا پڑھو: ''**سبحان القدوس، سبحان القدوس، ربنا القدوس**''؛ کیوں کہ جو یہ کرے گا، وہ نجات پائے گا اور جو نہیں کرے گا؛ وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(کتاب الفتن لنعیم :٦٣٨، کنز العمال :٣٩٦٢٧، مسند الشاشي:٧٧٢،الجامع الكبير: ٤٠١١٠، اللآلي :٣٨٧/٢،تنزيه الشريعة:٣٤٥/٢)

اس حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند کا حال انتہائی برا ہے۔ چناں چہ

(۱) ایک راوی **ابو عمر** ہے، امام نعیم نے متعدد مقامات پر ''**الصفار**'' کی قید کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کی توثیق و تعدیل کسی امام سے نہیں ملی؛ البتہ متعدد ائمہ سے جرح منقول ہے، چناں چہ ابن معین نے ''**ضعیف**''، ابو زرعہ نے ''**لین الحدیث**''، ابو حاتم نے ''**لیس بقوي**''، عمر بن علی نے ''**کثیر الخطأ، کثیر الوهم، لیس ممن یروی عنه**'' اور امام بخاری نے تو ''**منکر الحدیث**'' کہا ہے اور امام بخاری رحمہم اللہ کی اصطلاح میں یہ بڑی ہی سخت جرح ہے۔

(تهذيب الكمال : ٢٩٠/٧،ميزان الاعتدال:٣٧١/٢)

(۲) دوسرا راوی: **عبد اللہ ابن لہیعہ** مشہور متکلم و مختلف فیہ راوی ہے۔ متعدد ائمہ نے ضعیف اور نا قابلِ احتجاج کہا ہے، تو متعدد ائمہ نے معتبر بھی قرار دیا ہے: مثلاً امام عبد اللہ بن وہب فرماتے ہیں: ''**کان ابن لهیعة صادقاً**''، نیز یہ بھی ایک موقع پر فرمایا: ''**حدثني الصادق البار – واللّٰہ– عبد اللّٰہ بن لهیعة**''، امام احمد نے فرمایا: ''**من کان مثل ابن لهیعة بمصر في کثرة حدیثه، و ضبطه و إتقانه**'' اور یہ بھی فرمایا: ''**ما کان محدث مصر إلا ابن لهیعة**''، امام سفیان ثوری نے فرمایا: ''**کان عند ابن لهیعة الأصول، وعندنا الفروع**''۔

(ملاحظہ فرمائے :ميزان الاعتدال:١٦٦/٤-١٧٤،تهذيب الكمال :٤٨٧/١٥،وغیرہ)

الغرض یہ مختلف فیہ راوی ہیں۔

(۳) تیسرا راوی: محمد بن ثابت البنانی۔ مشہور متفق علیہ ضعیف راوی ہے۔"ضعیف ، لین ، لیس بشيء ، لیس بقوي ، منكر الحديث ، ساقط" وغیرہ جروحات سے مجروح ہے۔

(تهذيب الكمال: ٥٤٧/٢٤، تهذيب التهذيب: ٥٢٥/٤، ميزان الاعتدال: ٨٥/٦)

(۴) چوتھا راوی: حارث بن عبداللہ اعور۔ مشہور متکلم فیہ راوی ہے۔ جمہور علماء نے اس کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ كذاب، ليس بقوي، واهٍ في الحديث ، غالٍ في التشيع ،وغیرہ جروحات سے مجروح ہے؛ لیکن بعض ائمہ سے ليس به بأس ، ثقة ، أفقه الناس ،وغیرہ الفاظِ تعدیل بھی مروی ہیں اوران ہی کی وجہ سے امام ذہبی "میزان الاعتدال" میں لکھتے ہیں کہ دیگر امور میں چاہے یہ غیر معتبر ہو؛ مگر "أما في الحديث النبوي فلا ، وكان من أوعية العلم"۔ مگر امام ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" میں اس سے اختلاف کیا ہے اور جمہور کی طرح علم حدیث میں بھی اس کو غیر معتبر و نا قابلِ قبول بتایا ہے۔

(تهذيب الكمال: ٢٤٤/٥، ميزان الاعتدال: ١٧٠/٢، تهذيب التهذيب: ٣٣٢/١، وغیرہ کتبِ رجال)

الغرض اس درجے کی واہی سند کی بنا پر یہ حدیث منکر، نا قابل اعتبار اور غیر مقبول قرار پاتی ہے؛ بل کہ عرب کے مشہور عالم اور مفتی شیخ عبد العزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کو باطل اور جھوٹی بتایا ہے، چناں چہ لکھا ہے: "فهذا الحديث لا أساس له من الصحة ، بل هو باطل و كذب."

(مجموع فتاویٰ ابن باز: ٣١٦/٢٢)

حدیثِ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ

(۱)"حدثنا أبو يوسف المقدسي عن عبدالملك بن أبي سليمان عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ قال: في ذي القعدة تجاذب القبائل، وتغادر، فينهب الحاج ، فتكون ملحمة بمنى يكثر فيها القتل، وتسيل فيها الدموع ، حتى تسيل دماء هم على عقبة الجمرة ، و حتى يهرب صاحبهم ، فيأتي بين الركن ، و المقام ، فيبائع و هو كارهٌ ، يقال له: إن أبيت ضربنا عنقك ، يبايعه مثل عدة أهل بدر ، يرضى عنهم ساكن السماء، وساكن الأرض."

(۲)"قال أبو يوسف: فحدثني محمد بن عبد الله عن عمرو بن

شعيب عن أبيه عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما قال: يحج الناس معاً ، و يعرفون معاً على غير إمام فبينما هم بأول بمنى إذ أخذهم كالكلب فثارت القبائل بعضها إلى بعض، و اقتتلوا حتى تسيل العقبة دماً ، فيفزعون إلى خيرهم ، فيأتون وهو ملصق وجهه إلى الكعبة يبكي كأني أنظر إلى دموعه ، فيقولون: هلُمَّ فلنبايعک ، فيقول: ويحكم كم عهد قد نقضتموه، وكم دم قد سفكتموه ، فيبايع كرهاً ، فإذا أدركتموه فبايعوه ، فإنه المهدي في الأرض ، والمهدي في السماء''۔

(المستدرك للحاكم :۲:۸۶۰۲، كتاب الفتن :۶۳۱)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''مستدرکِ حاکم'' کی تعلیق میں پہلی روایت کے متعلق فرمایا کہ ''**سنده ساقط**''، جس سے واضح ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ اس حدیث کے شدید الضعف ہونے کی جانب اشارہ کررہے ہیں؛ لیکن اتنی بڑی جرح یعنی ''**سنده ساقط**'' بظاہر حافظ نعیم بن حماد رحمہ اللہ کے سلسلے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کی جو تحقیق ہے، اُس کے پیشِ نظر کہا ہے؛ اس لیے کہ باقی جتنے راوی ہیں، وہ سب معتبر ومقبول ہیں۔

اور دوسری روایت کے متعلق فرمایا کہ یہاں محمد بن عبداللہ سے مراد، محمد بن عبداللہ مصلوب ہے، جو مشہورِ زمانہ کذاب ہے۔ اگر امام ذہبی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق وہی ہے، تو یہ موضوع حدیث ہے؛ لیکن اگر کوئی اور ہے، تو پھر ضعیف ہوگی جہالت راوی کی وجہ سے اور نعیم بن حماد کی وجہ سے۔

بہر حال اول الذکر حدیث موضوع، ضعیف ہے اور ثانی الذکر حدیث بھی حتمی طور سے موضوع نہیں ہے، تاہم امام ذہبی رحمہ اللہ جیسے عظیم امامِ حدیث کی تحقیق کے موافق محمد بن عبداللہ مصلوب نامی کذاب راوی ہے، تو یہ حدیث موضوع قرار پائے گی۔ واللہ اعلم

الحمد للہ اس روایت کی بابت اس قدر تحریر کے بعد دیکھا کہ ڈاکٹر سعد بن عبداللہ بن عبدالعزیز آل حمید کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (دیکھو: مختصر المستدرك للحاكم:۳۳۹۳)

مرسل روایات

اس سلسلے میں امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ نے ''**کتاب الفتن**'' میں اوران ہی کے حوالے سے

سیوطی رحمہ اللہ نے ''اللآلی'' میں اور ابن عراق رحمہ اللہ نے ''تنزیہ الشریعۃ'' میں چند مراسیل کا بھی ذکر فرمایا ہے، مگر ان میں سے ہر ایک مرسل ضعیف ہے۔ چناں چہ

مرسل مکحول وعبدالوہاب بن بخت

(۱) ''قال رسول الله ﷺ: في السماء آية لليلتين خلتا......وفي شوال المهمة، وفي ذي القعدة المعمعة، و في ذي الحجة النزائل، وفي المحرم، وما المحرم ؟!.''

(۲) ''قال عبد الوهاب بن بخت: وبلغني أن رسول الله ﷺ قال: في رمضان آية في السماء كعمود ساطع، وفي شوال البلاء، و في ذي القعدة الفناء، و في ذي الحجة ينتهب الحاج، المحرَّم، و ما المحرَّم ؟'' (كتاب الفتن:٦٢٦)

امام نعیم رحمہ اللہ نے حضرت مکحول اور حضرت عبدالوہاب بن بخت کی یہ مرسل روایت ابن لہیعہ کے حوالے سے ذکر فرمائی ہیں اور ابن لہیعہ پر کلام سابق میں گزر گیا۔ دوسرے راوی عبدالوہاب بن بخت تابعی ہیں۔ ابن معین، ابو زرعہ، یعقوب بن سفیان اور نسائی نے ثقہ؛ اور ابو حاتم رحمہم اللہ نے ''صالح الحديث، لا بأس به'' فرمایا ہے اور امام آجری رحمہ اللہ نے ابوداود سے ''كان فاضلاً'' کی توثیق نقل کی ہے۔ البتہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''المجروحین'' میں لکھا ہے:

''كان صدوقًا في الرواية إلا أنه كان يخطئ كثيراً، ويهم شديداً، حتى كثر في روايته الأشياء المقلوبة، فبطل الاحتجاج به، كان يحيى بن معين حسن الرأي فيه.''

(المجروحين:٢/ ١٣٠، تهذيب الكمال:١٨/ ٤٩١)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حسن الحدیث راوی ہیں۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی وجہ بظاہر ابن لہیعہ کی بابت اختلاف کے علاوہ دوسری کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی ہے؛ اس لیے یہ ضعیف ہی مانی جائے گی۔

مرسل شہر بن حوشب

'' عن شهر بن حوشب قال: بلغني أن رسول الله ﷺ قال: يكون

في رمضان صوت ، و في شوال مهمة ، وفي ذي القعدة تحارب القبائل ، وفي ذي الحجة ينتهب الحاج ، و في المحرم ينادي منادٍ من السماء: ألا إن صفوة الله من خلقه فلان، فاسمعوا له ، و أطيعوا."

(كتاب الفتن : ٦٣٠)

یہ حدیث بالکل نا قابلِ قبول؛ بل کہ موضوع قرار دی جائے گی؛ اس لیے کہ اس کا ایک راوی عنبسہ بن عبدالرحمٰن القرشی ہے، جو توثیق سے عاری اور "**منكر الحديث، متروك الحديث، ذاهب الحديث ، واهي الحديث ، لاشيء ، كان يضع الحديث**" کی جرحوں سے مجروح ہے۔

(تهذيب الكمال:٢٢/ ٤١٨ ،ميزان الاعتدال:٥/ ٣٦٢)

اِن روایات سے متعلق حضراتِ محدثین کا کلام

زیرِ بحث مسئلے سے متعلق آپ ﷺ سے مروی مرفوع، موقوف اور مرسل احادیث کا تحقیقی جائزہ علمِ حدیث اور اصولِ حدیث کی روشنی میں لینے کے بعد اس سلسلے میں حضراتِ محدثین کا اصولی کلام --- جو انھوں نے ذخیرۂ احادیث کا استقرائی مطالعہ اور جملہ روایات کا تتبع اور تلاش کے بعد بیان کیا ہے--- اسے بھی ملاحظہ کریں:

(۱) ملا علی قاری نے امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا مشہور قول نقل فرمایا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

" ثلاثة كتب ليس لها أصول: المغازي، والملاحم ، والتفسير."

(تین قسم کی کتابیں ایسی [جن میں موجود بیشتر روایات] بے سند و بے اصل ہوتی ہیں: (۱) کتبِ مغازی (۲) کتبِ فتن وملاحم (۳) کتبِ تفسیر۔

اس قول کی تشریح میں خطیب بغدادی رحمۃ اللہ نے کہا کہ یہ بات ہر ایک کتاب سے متعلق نہیں؛ بل کہ خاص ومخصوص کتابوں سے متعلق ہے۔

اِس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے مغازی اور تفسیر کی چند کتب کی نشان دہی فرمائی؛ لیکن جب "فتن وملاحم" کی بات آئی، تو اس طرح فرمایا:

" فأما كتب الملاحم فجميعها بهذه الصفة، وليس يصح في ذكر الملاحم المرتقبة ، والفتن المنتظرة غير أحاديث يسيرة."

(جہاں تک ملاحم پر لکھی گئی کتابوں کی بات ہے، تو عرض ہے کہ یہ ساری کتابیں

اس طرح ہیں [یعنی نا قابلِ اعتبار جیسا کہ امام احمد نے فرمایا]۔ پیش آمدہ ملاحم اور فتن کے تذکرہ کے سلسلے میں بس چندگنی چنی حدیثوں کے علاوہ "لیس یصح" کوئی حدیث صحیح و ثابت نہیں ہے۔)

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی اس تحقیقِ انیق کی رو سے۔ جو کہ عام کتبِ ملاحم و فتن سے متعلق ہے۔ نعیم بن حماد کی "کتاب الفتن" بھی اس میں داخل ہوگئی؛ کیوں کہ عام طور سے اس کی بیشتر مرویات صحیح نہیں ہوتی ہیں۔

اب آئے بطور خاص حافظ نعیم بن حماد رحمہ اللہ کی، جس کتاب کے حوالے سے بیشتر روایات سابق میں ذکر کی گئیں یعنی کہ "کتاب الفتن"؛ اِس سے متعلق بھی اور صاحبِ کتاب امام نعیم بن حماد سے متعلق بھی فنِ رجال کے ائمہ محققین و ماہرین کی تحقیق ملاحظہ کرتے ہیں، چناں چہ:

امام ذہبی، امام ابن حجر اور امام مِزی رحمہم اللہ نے حضراتِ ائمہ کبار کے سے جو اقوال نقل فرمائیں ہیں، اس کا حاصل یہ ہے:

امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ حفاظِ اسلام میں سے ایک عظیم حافظِ حدیث اور ائمہ اعلام میں سے ایک بلند پایہ امامِ وقت ہیں، جن کی توثیق و تعدیل، تعریف و توصیف سارے ائمہ نے کی ہے؛ مگر اِسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ امام نعیم بن حماد نقلِ روایات اور بیانِ احادیث میں بے حد غیر محتاط و غیر متیقظ واقع تھے، ثقہ و ضعیف، مقبول و مردود؛ حتیٰ کہ وضاع و کذاب راویوں تک سے روایات لیتے اور بیان کرتے تھے۔ چناں چہ امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ائمہ معروفین سے بہت سی روایات میں متفرد واقع ہوئے ہیں "فصار في حَدِّ مَن لا يُحتَجُّ به" (اسی لیے نا قابلِ احتجاج راویوں کی فہرست میں یہ بھی آگئے)۔ نیز امام ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان الاعتدال" میں، امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "تہذیب التہذیب" میں اور امام مزی نے "تہذیب الکمال" رحمہ اللہ میں ان کی بیان کردہ بہت ساری بے اصل، منکر و موضوع مرویات کا ذکر کیا ہے اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اِن سے مروی ایک باطل و موضوع حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"بهذا الحديث سقط نعيم عند كثير من أهل العلم بالحديث إلا أن يحيى بن معين لم يكن ينسبه إلى الكذب ، بل كان ينسبه إلى الوهم."

(اس حدیث کی وجہ سے نعیم بیشتر محدثین کے نزدیک نا قابلِ اعتبار بن گئے؛ تاہم

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ان کو کذب بیانی کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے؛ بل کہ وہم کی طرف منسوب کرتے تھے۔)

بل کہ اِن کی اسی بے احتیاطی کی وجہ سے حضراتِ ائمہ سے اِن کی بابت بڑی سنگین وخطرناک جرحیں تک منقول ہیں، مثلاً امام ازدی رحمہ اللہ نے تو صاف کہہ دیا کہ ''**كان يضع الحديث في تقوية السنة.**'' (سنت کی تقویت وتائید کے سلسلے میں یہ حدیثیں تک گھڑ لیا کرتے تھے۔)

(ميزان الاعتدال:۷/۴۱-۴۴، تهذيب التهذيب:۴/۲۳۴-۲۳۶، تهذيب الكمال:۲۹/۴۶۶-۴۸۱)

اس کلام سے حاصل یہ نکلا کہ یہ تو فی نفسہٖ صدوق وثقہ ہیں؛ مگر ان سے مروی روایات بلا تحقیق قبول نہیں کی جائیں گی۔ چناں چہ مؤرخ ونقاد محدث امام ذہبی رحمہ اللہ ''**سير أعلام النبلاء**'' میں رقم طراز ہیں کہ ''**نُعيم من كبار أوعية العلم لكنه لا تركن النفس إلى رواياته**'' (نعیم کبار اہلِ علم میں سے ہیں؛ لیکن ان کی مرویات پر بھروسہ کرنے دل آمادہ نہیں ہوتا) اور ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ ''**قلت : لا يجوز لأحد أن يحتج به.**'' (میں تو یہ کہوں گا کہ کسی کے لیے بھی اِن سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔)

امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ کے متعلق حضراتِ محقق محدثین کا کلام ہوگیا، اب ان کی کتاب: ''**كتاب الفتن**'' سے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔ چناں چہ امام ذہبی فرماتے ہیں:

''**و قد صنف كتاب الفتن ، فأتى فيه بعجائب ومناكير.**'' (انھوں نے ایک کتاب ''**كتاب الفتن**'' لکھی ہے؛ مگر اس میں وہ عجیب وغریب اور منکر روایات لائے ہیں۔)

(سير أعلام النبلاء:۱۰/۵۹۵-۶۱۱)

یہاں امام ذہبی رحمہ اللہ نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، وہ ہیں: ''**فأتى فيه بعجائب ومناكير**'' اور یہ تعبیر کتبِ رجال اور کتبِ موضوعات میں جب استعمال کی جاتی ہے، تو عام طور پر اس سے ''**ما تفرَّد به الضعيف**'' یا ''**ما خالف فيه الأضعف الضعيف ، أو الثقة**'' کی اصطلاح والی روایات مراد نہیں ہوتیں؛ بل کہ وہ روایات مراد ہوتی ہیں، جو ثقہ وغیر ثقہ کسی سے بھی مروی نہ ہونے کی وجہ محدثین کے درمیان غیر معلوم وغیر ثابت ہوتی ہیں۔

(''الرفع والتكميل'' کی تعلیق میں شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ کا کلام ملاحظہ کیا جائے)

(۲) امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''**و منها: أحاديث التواريخ المستقبلة ، وقد تقدمت الإشارة إليها**

وهي كل حديث فيه : إذا كانت سنة كذا وكذا . و كحديث: يكون في رمضان هدة توقظ النائم ، وتقعد القائم ، و تخرج العواتق من خدورها ، و في شوال همهمة ، وفي ذي القعدة تمييز القبائل بعضها إلى بعض، و في ذي الحجة تراق الدماء وكحديث : يكون صوت في رمضان إذا كانت ليلة النصف منه ليلة الجمعة ، يصعق له سبعون ألفا، ويصم سبعون ألفا......"

(المنار المنيف لابن قيم: ۱۱۰)

علامہ شیخ محمد بن خلیل قاوقجی رحمہ اللہ "اللؤلؤ المرصوع" میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق سے متفق ہیں۔

(اللؤلؤ المرصوع : ۲۳۳)

یہی تحقیق اپناتے ہوئے علامہ ومحدث اسماعیل بن محمد عجلونی جراحی رحمہ اللہ "كشف الخفاء" میں لکھتے ہیں:

"باب ظهور آيات القيامة في الشهور المعينة ، و من المروي فيه : يكون في رمضان هدة ، وفي شوال همهمة ، إلى غير ذلك ، ما ثبت فيه شيء ، و مجموعه باطل."

(كشف الخفاء:۲/ ۵۱۴)

۞ خلاصۂ تحقیق اور معتدل بات

سابقہ سطور میں احادیث کی فرداً فرداً تحقیق کردی گئی جس کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ۱۲/ احادیث ہیں، جن میں سے چھ: (۱) حدیث ابن مسعود۔ (۲-۳) فیروز دیلمی کی دو احادیث، جو دو سندوں سے مروی ہیں۔ (۴) حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع پہلی حدیث ۔(۵) حضرت ابو ہریرہ سے مروی دوسری حدیث ۔(۶) شہر بن حوشب کی مرسل حدیث۔

یہ ۶/ حدیثیں غیر معتبر و نا قابلِ التفات ہیں؛ لہٰذا ان میں سے ہر ایک سے فرداً فرداً نہ کوئی بات اخذ کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اُن کی بنیاد پر کوئی حکم ثابت کیا جا سکتا ہے؛ مگر چوں کہ متعدد سندوں سے یہ باتیں مروی ہیں، تو تعددِ طرق سے صرف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان مرویات میں جو مضمون آیا ہے، اُس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہے۔ چناں چہ ان چھ روایات میں سے غلام خلیل والی روایت کے علاوہ باقی

پانچ رویات کے راویوں میں سے کوئی ایک راوی بھی ایسا نہیں، جس کی طرف کذب، تہمتِ کذب اور فسق کی نسبت کرنا صحیح ہو۔زیادہ سے زیادہ منکر، متروک اور واہی وغیرہ کہا گیا ہے؛ لہٰذا جب ایسے کثیر راویوں سے حدیث مروی ہو؛ تو یہ کہا جائے گا کہ اِن احادیث کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔

اور ایسے موقع پر یہ اصول وضابطہ بھی خود حضراتِ محدثین سے ثابت ہے۔مثلاً حافظ سخاوی، علامہ طاہر جزائری اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں صریح بیان کیا ہے۔یہاں صرف امام سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت پیش کرتا ہوں، امام سیوطی لکھتے ہیں:

" و أما الضعيف لفسق الراوي ، أو كذبه ، فلا يؤثر فيه موافقة غيره له إذا كان الآخر مثله لقوة الضعف، وتقاعد الجابر، نعم يرتقي بمجموع طرقه عَنْ كونه منكراً أو أصلاً له ، صرح به شيخ الإسلام ، بل قال: ربما كثرت الطرق حتى أوصلته إلى درجة المستور السيء الحفظ بحيث إذا وجد له طريق آخر فيه ضعف قريب محتمل ارتقى بمجموع ذالک إلى درجة الحسن."

(نفائس الفقہ:۲/۲۸۴)

لہٰذا یہ روایات باوجود یہ کہ غیر معتبر و نا قابل استدلال ہیں؛ مگر تعددِ طرق کی بنا پر اپنی کوئی نہ کوئی اصل ضرور رکھتی ہیں۔

مذکورہ حدیثوں کے علاوہ باقی جو روایات مذکور ہوئی ہیں، جیسے: (۱) حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایتِ ثالثہ (۲) اور حضرت ابوہریرہ ہی کی موقوف حدیثِ رابع (۳) مرسلِ مکحول (۴) مرسل عبد الوہاب بن بخت۔ (۵-۶) عبداللہ بن عمرو بن العاص کی دو مرفوع حدیثیں؛ یہ سب احادیث نہ موضوع قرار دی جاسکتی ہیں اور نہ موضوع قرار دینا صحیح ہے؛ البتہ ضعیف ہیں۔

ضعیف احادیث کے سلسلے میں ایک اہم اصول کا ذکر

مگر بعض علما نے ان ضعیف احادیث کو بھی قابلِ قبول نہیں سمجھا اور کہا کہ تعددِ طرق کے باوجود ان کا ضعف ختم نہیں ہوتا؛ لہٰذا یہ سب غیر مقبول ہی رہیں گی؛ لیکن ان حضرات کا یہ کہنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ یہ بات اصولِ حدیث کی واقفیت رکھنے والا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ تعددِ طرق کے باوجود اُن ضعیف روایات کا ضعف ختم نہیں ہوتا، جو شدید ضعیف ہوں، یعنی جن کے راویوں میں سے کوئی راوی کذب،

تہمتِ کذب، یا فسق و بدعت کی جرح سے مجروح ہے، تو ایسے راوی کے آنے کے بعد ضعف نہیں ہٹتا؛ لیکن اگر راوی میں ضعف، سوئے حافظہ، اختلاط یا کثرتِ وہم کی بنا پر یا ان ہی جیسے اسبابِ ضعف کی بنا پر ہو؛ تو پھر ایسے راوی کی ضعیف حدیث کا ضعف کثرتِ اسانید کی وجہ سے ختم ہو جائے گا۔

اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے صرف دو محدثین کی تحقیق استاذِ محترم و مرشدِ شفیق، محقق و جامع علوم قدیمہ و جدیدہ حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہ کی تحریرِ عالی کے حوالے سے پیش کرتا ہوں۔ حضرت نے تحریر فرمایا ہے:

''(۱) علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں تحریر کرتے ہیں کہ'' **و هذه الأحاديث عامتها إذا جرد إسناد الواحد منها لم يخل عن مقال قريب أو شديد لكن تعددها ، و كثرة طرقها يغلب على الظن ثبوتها في نفس الأمر؛ بل قد يقتضي القطع بها''.**

(۲) مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**والحديث الضعيف إذا تعددت طرقه و لو طريقاً واحداً أخرى ار تقى بمجموع ذلك إلى درجة الحسن ، و كان محتجا به۔''**

(فتاوى ابن تيمية: ٦/ ٤٠٣، مقدمة إعلاء السنن: ١/ ٤٩، بحوالہ نفائس الفقہ: ۲/ ۲۹۷)

نیز یہ بھی واضح کر دوں کہ اس مقام میں سندِ عالی کا ہونا بھی ضروری نہیں؛ بل کہ اسی جیسی اگر ایک ضعیف سند بھی آجائے، تو ضعف ختم ہو جاتا ہے اور حدیث قوی ہو جاتی ہے، چناں چہ حضرت اقدس نے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی طویل عبارت تحریر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

''دوسری سند بھی اگر چہ ضعیف ہو، تاہم انجبارِ ضعف اس سے ہو جاتا ہے۔''

(نفائس الفقہ: ۲/ ۳۰۱)

اب یہاں ان ۶/ احادیثِ ضعیفہ کے راویوں میں سے کوئی ایک راوی بھی ایسا نہیں، جو کذب، تہمتِ کذب وغیر اسبابِ جرح سے مجروح ہو اور دوسرے یہاں ایک سند نہیں؛ بلکہ ایک حدیث کی تائید میں ۵/ سندیں جمع ہیں۔ پھر تو بدرجہ اولی ان میں سے ہر ایک روایت مقبول قرار دی جائیں گی اور ان تمام کا مجموعہ تو ضرور مقبول ہوگا۔

یہاں زیرِ بحث روایت کی تحقیق میں بھی حضراتِ محدثین نے اس اصول کو اپناتے ہوئے یہی کہا ہے کہ یہ روایات مقبول ہیں، چناں چہ حافظ سیوطی، ملا علی قاری اور حافظ ابن عراق رحمہم اللہ کے صنیع

وطرز سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے۔(دیکھئے:اللآلي المصنوعة:۲/۳۸٦ ،الأسرار المرفوعة: ٤٥٠ ،تنزیه الشریعة:۲/۳٤٦)

ایک شبہ اور اس کا حل

یہاں پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تو قاعدہ ہی لکھا ہے کہ اس سلسلے کی روایات ثابت نہیں ہیں اور یہ باتیں خلافِ درایت ہیں۔اس کا کیا جواب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ قاعدہ اکثری ہے،کلی نہیں،جیسا کہ دیگر چند قواعد بھی اکثری ہیں،کلی نہیں۔

اس کی مختصر توضیح یہ ہے کہ مثلاً:ابن قیم رحمہ اللہ نے ایک قاعدہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ''فکل أحادیث الدیک کذب إلا حدیثاً واحداً''اسی طرح ایک قاعدہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ''کل حدیث فیه یا حمیراء أو ذکرُ الحمیراء فهو کذب مختلق''۔مگر اہلِ تحقیق نے واضح کر دیا کہ یہ قواعد اکثری ہیں،کلی نہیں۔

(اس کے لیے شیخ ابو غدہ کی تحقیق وتعلیق پڑھیے)

اسی طرح زیرِ بحث مسئلے کی روایات سے متعلق جو قاعدہ بیان کیا ہے،وہ بھی اکثری ہوگا،کلی نہیں۔ چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس جگہ ابن قیم سے اختلاف کیا ہے اور حدیثِ مکحول اور حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص ذکر فرمائی ہے۔ (الأسرار المرفوعة: ٤٥٠)

ہاں یہ بات ہے کہ یہ احادیث فرداً فرداً چوں کہ ضعیف ہیں؛اس لیے شاید شیخ ابو غدہ نے''المنار المنیف'' کی تعلیق میں نہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی رائے ذکر کی اور نہ اپنی طرف سے کوئی بات ذکر کی ہے۔واللہ اعلم

حاصل کلام وخلاصہ تحقیق

الغرض اس پوری بحث وتحقیق کے بعد عرض ہے:

اِن آخر الذکر ٦/ احادیث کے قابلِ حجت ولائقِ استدلال مجموعہٗ حسن سے اتنی بات تو بطور قدرِ مشترک ثابت مانی جائے گی:

> ''ایک رمضان ایسا آئے گا،جس میں آسمان سے ایک خاص قسم کی دہشت ناک آواز سنائی دے گی،جس کے اثر سے ہر آدمی غیر معمولی ہیبت زدہ ہو جائے گا،پھر شوال،ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں میں مسلمانوں کے اندر خاندان وقبیلوں

میں حیرت ناک تفریق ودوری پیدا ہو جائے گی۔قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جائے گا۔ بری طرح سے حاجیوں کے مقدس قافلوں کو لوٹا جائے گا؛ پھر ماہِ محرم میں یہ حالات اس قدر سنگین ہو جائیں گے، جو نا قابل بیان ہیں۔''

لہٰذا یہ باتیں جب ثابت ہیں، تو ان کو ماننا چاہیے؛ کیوں کہ یہ حق وتحقیق کا تقاضا ہے۔انکار نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ انکار خلافِ تحقیق ہے، درست نہیں ہے۔

ان امور کے علاوہ باقی یہ باتیں:

''ایسی خطرناک صورتِ حال پندرہ رمضان ہی کو، جمعہ کے دن ہی پیش آئے گی، اس لیے فجر کی نماز کے بعد گھر میں بند ہو جانا ضروری ہے، دروازے اور کھڑکیاں بند کر لینا ضروری ہے۔ پھر کمبل وچادر بھی اوڑھ لینا ضروری ہے اور اگر آسمان سے کوئی خطرناک آواز سنائی دے، تو ایک مخصوص دعا پڑھنا ضروری ہے؛ کیوں کہ یہ سب کرنے ہی پر نجات کا دار و مدار ہے، جو کرے گا؛ نجات پائے گا اور جو نہیں کرے گا؛ ہلاک ہو جائے گا۔''

یہ باتیں البتہ صحیح وثابت نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہ باتیں پورے ذخیرۂ احادیث میں کہیں کسی ایک معتبر حدیث سے بھی ثابت نہیں ہیں اور جن احادیث میں یہ ذکر کی گئی ہیں، وہ سب موضوع وقریب بہ موضوع ہیں، یعنی بالکل ہی نا قابلِ التفات ولائقِ رد ہیں؛ لہٰذا اس قسم کی غیر معتبر حدیثیں اگر ہزار کی تعداد میں بھی جمع ہو جائیں تب بھی — واجب وضروری ہونے کا حکم تو دور- جائز ہونے کا حکم تک ثابت نہیں ہوگا اور ایسی حدیثوں پر نہ تو عمل کرنا جائز ہے اور نہ ہی عمل کرنے کی دعوت دینا جائز ہے۔حتی کہ ان کے غلط وباطل ہونے کی وضاحت کیے بغیر بیان کرنا بھی جائز نہیں۔واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!!

دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم کو صراطِ مستقیم پر قائم ودائم رکھے، افراط وتفریط سے محفوظ رکھے۔

محمد یاسین

۱۲/ رمضان ۱۴۳۶ھ موافق ۳۰/ جون ۲۰۱۵ء

استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جزء في تحقيق قصة الإنسان العاقّ لأمه

في عهد النبي عليه الصلاة والسلام

''صحابی، صحابی، صحابی، ہر صحابی پر دوزخ حرام ہے۔ کوئی صحابی دوزخ میں نہیں جا سکتا اور وہ صحابی ہیں اور حضور ﷺ کی زندگی میں موت آ رہی ہے۔ اس سے بھی بڑی ضمانت کیا ہے۔ بیوی کا پیغام ہے: یا رسول اللہ! موت کی حالت میں کلمہ نہیں پڑھا جا رہا۔ کلمہ نہیں پڑھا جا رہا۔ تو آپ ﷺ نے کہا: والدین میں کوئی زندہ ہے؟ کہا: جی ہاں! زندہ ہے۔ کیا حال ہے؟ کہا: جی، ناراض ہے۔ فوراً آپ کو پتہ چل گیا، تو آپ ﷺ نے کہا: ام علقمہ! پیغام بھیجا۔ میں آؤں کہ تو آئے گی؟ کہا: جی میں آ جاتی ہوں، وہ آ گئیں۔ آپ نے کہا: تجھے علقمہ سے کیا دکھ ہے؟ کہا: یا رسول اللہ! مجھے اس کے دین کی کوئی شکایت نہیں، راتوں کا تہجد گزار ہے۔ دن کا روزے دار ہے، زبان سے ذکر کرنے والا ہے۔ مجھے شکایت یہ ہے کہ جب بھی مجھ سے بولا مجھے ذلیل کیا۔ جب بھی مجھ سے بولا، بدتمیزی کی .... آپ علیہ السلام نے فرمایا: تو معاف کر دے۔ کہا: جی میرا جی نہیں چاہتا۔ کہا: تو معاف کر دے۔ کہا: میں نہیں کرتی۔ آپ نے کہا: بلال لکڑیاں اکٹھی کرو اور اس کو آگ لگا دو۔ ماں کہاں سہہ سکے۔ کہا: یا رسول اللہ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرے بیٹے کو آگ میں جلائیں گے؟ کہا: ہاں جلاؤں گا، تو معاف نہیں کرے گی؛ تو دوزخ میں جلائے گی، میں جلاؤں گا، تو کوئی کام بن جائے گا، آسانی ہو جائے گی۔ کہا: نہیں نہیں یا رسول اللہ! ایسا نہ کریں، میں اسے معاف کرتی ہوں۔ اِدھر انھوں نے کہا: معاف کرتی ہوں، ادھر ان کی زبان پر کلمہ جاری ہو گیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے خود ان کا جنازہ پڑھایا،

پھر ارشاد فرمایا: جنازہ پڑھنے کے بعد، لوگو! سن لو، جس نے ماں باپ کو ناراض کیا، اس پہ اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، زمین و آسمان کی لعنت۔"

(آو جنت پکارتی ہے: ۹۰-۹۱، خطباتِ ذوالفقار: ۱۹/۱۰۵)

تمہید قبل از تحقیق

یہ روایت علماء و عوام اور واعظین و مصنفین کے درمیان بے حد مشہور ہے اور عام طور پر "والدین کی نافرمانی و دل آزاری کی سزاء" کے موضوع پر یہ حکایت و روایت لکھی اور سنائی جاتی ہے۔ ذیل میں اسی کی بابت تحقیق پیش کی جارہی ہے، تحقیق سے قبل چند قابلِ غور امور کو پیشِ نظر رکھنا لازم و ضروری ہے، مثلاً:

(الف) ایک بات نہایت ہی قابلِ غور ہے کہ اِس قصے اور واقعے کو نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ عالی کے ساتھ بھی جوڑ دیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کے مبارک زمانے ہی میں پیش آیا اور دورِ نبوی نزولِ وحی کی عظیم برکتوں کا، ذاتِ نبوی کی کیمیاء اثر صحبتوں کا اور خیرِ کثیر کی مبارک ساعتوں کا زمانہ ہے۔

ظاہر ہے کہ جس کا تعلق نبیٔ اکرم ﷺ کی مقدس ذات سے اور آپ کے زمانۂ خیر القرون سے جوڑ دیا جائے، وہ معمولی نہیں ہوتا؛ بل کہ بہت بڑا واقعہ بن جاتا ہے؛ لہٰذا ضروری ہے کہ اس واقعہ کی بنیاد بھی معتبر و مقبول ہو۔

(ب) نیز ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ احادیثِ مشہورہ اور آثارِ متواترہ سے صحیح و ثابت ہے کہ تمام صحابۂ عظام کا حال (زمانۂ نبوت کے بعد بھی اور خاص طور پر زمانۂ رسالت میں تو) یہ تھا کہ خشیتِ الٰہی اور محبتِ الٰہی کے باعث اولاً تو کسی بھی صحابیٔ رسول سے گناہ سرزد نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی بشری تقاضے کے زیرِ اثر ہو گیا، تو اُن مخلص صحابہ پر ندامت و احساسِ شرمندگی کا اور اللہ و رسول اللہ کو ناراض کرنے کے کرب و درد کا غلبہ اس قدر ہو جاتا کہ دنیا کی بڑی سی بڑی سزا اور تعزیر کے لیے؛ یہ حضرات خود کو از خود پیش کر دیتے۔ اُس پر مستزاد یہ کہ ایسا کرنے سے ان حضرات کو شیطانی فریب و نفسانی مکر اور کسی بھی قسم کی مفاد پرستی مانع نہیں بنتی تھی۔

اب حضراتِ صحابہ کی اس مشہور و متفق علیہ حالت کے برخلاف اس روایت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ایک صحابی اصرار و استمرار کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرتے رہے اور وہ بھی صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ کا نہیں؛ بل کہ اُس کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے رہے، جو کفر و شرک کے بعد بڑے بڑے

گناہوں میں سے ایک ہے؛ اوراس کی وجہ سے وفات کے قریب کلمہ کی تلقین کرنے کے باوجود کلمہ پڑھا نہیں جارہا تھا۔

اب ایک صحابیِ رسول کی طرف منسوب گناہ وسزا والے اس واقعے کے لیے ضروری ہوگیا کہ وہ ٹھوس و پختہ دلیل سے ثابت ہو؛ کیوں کہ اگر یہ روایت وحکایت صحیح وثابت ہوگی؛ تبھی اس کو بیان کرنا جائز ہے، نہیں تو نہیں۔

(ج) ویسے یہ بھی قابل غور ہے کہ بعض واعظین و مصنفین نام کی تعیین وتصریح بھی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ جس صحابی کا قصہ ہے، اُن کا نام علقمہ ہے اور بعض افراد نام نہیں لیتے اور بصد خوشی یہ سمجھتے ہیں کہ ابہام کے پیرایے میں ذکر کرکے احتیاط پر عمل کررہے ہیں۔ حالاں کہ دونوں طرز قابلِ نکیر ہیں۔

(د) اور سب سے اہم ولائقِ توجہ بات یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ عظام عام افراد اور انسانوں کی طرح نہیں ہیں؛ بل کہ عقائد وکلام کی کتابوں میں تصریح ہے اور امت کے مابین مشہور ہے کہ تمام اولیاء وقطب وابدال مل کر بھی ایک صحابیِ رسول کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ نیز یہ بھی پوری وضاحت سے لکھا ہوا ہے کہ حضراتِ صحابہ عظام کا مسئلہ عام فروعی مسائل اور مختلف فیہ مسالک جیسا نہیں ہے؛ بل کہ ان کا مسئلہ عقیدے وایمان سے مربوط ہے، اِن کی عدالت وثقاہت نصوصِ قرآن وحدیث سے ثابت اور باجماعِ اہلِ سنت والجماعت متفق علیہ ہے؛ لہٰذا اُن سے متعلق جرح وطعن نقل کرنا اور ان کی علمی واجتہادی خطا کو؛ بل کہ ان کے ذاتی وعملی قصور کو نقل کرنا، یہ تو بہت ہی بڑی بات ہے، جس کے لیے معمولی درجے کی حدیث یا عام تاریخی روایت کا کوئی اعتبار نہیں؛ بل کہ صحیح وحسن درجے کی سند کا ہونا ضروری ہے، نیز صحت سند کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اُس صحیح روایت کا کوئی صحیح مطلب نکالنا بھی صحیح نہ قرار پارہا ہو؛ اس لیے کہ اگر مفہوم ومعنی کو صحیح مطلب ومحل پر محمول کرنا ممکن ہو- چاہے تاویلِ بعید کے بعد ہی سہی -تو اسی پر معنی محمول کرنا لازم وضروری ہے؛ کیوں کہ عظمتِ صحابہ کا یہی تقاضا ومطالبہ ہے؛ لہٰذا ضروری ہوگیا کہ جس روایت میں کسی بھی صحابی کی تنقیص بیان کی گئی ہو، وہ روایت اولاً تو صحیح ومعتبر ہو اور ثانیاً اس کا صحیح مطلب لینا ناممکن و دشوار ہو۔ اِن میں سے ایک شرط بھی اگر مفقود ہو؛ تو ایسی روایت ناقابلِ بیان ہوگی۔

(ھ) ایک قابلِ توجہ بات یہ بھی ہے کہ اس قسم کی حکایت وروایت محدثین کی کتابوں میں سند کے ساتھ منقول ہے، تو یہاں صرف محدثین کی نقل کو دیکھ لیا جاتا ہے، اِس پر غور نہیں کیا جاتا کہ محدثین کی نقل وروایت کا آخر مقصد کیا ہے؟ بعض محدثین تو حدیث نقل کرتے ہیں اور اس کا درجہ بھی صاف وصریح

بیان کر دیتے ہیں؛ مگر بیشتر محدثینِ عظام ایسا نہیں کرتے؛ بل کہ اپنی اپنی کتابوں میں اُن احادیث کی محض سندیں نقل کر دیتے ہیں اور اُن حضرات کے نزدیک اُن اسانید کا نقل کرنا ہی دراصل حدیث کا درجہ بتانا ہے۔

لہٰذا محدثین کے مقصدِ روایت سے بے خبر ہونے کی بنا پر آج کل یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ جب یہ حضرات، حدیث کو موضوع یا ضعیف کہے بغیر نقل کر رہے ہیں، تو یہ حدیث معتبر و قابلِ بیان ہوگی، حالاں کہ ایسا ہر گز ہر گز نہیں ہے۔

الغرض یہ ضروری و اہم باتیں ہیں، جنھوں نے مجھے مجبور کیا کہ اس سلسلے میں تفصیل و تطویل سے کلام کروں اور اس روایت سے متعلق اہم و ضروری سوالات کے جواب اور شبہات کے حل پر روشنی ڈالوں؛ لہٰذا اب آگے بالتفصیل تحقیق پیش کرتا ہوں۔

اللّٰہم أرني الحق حقاً و ارزقني اتباعه و أرني الباطل باطلاً و ارزقني اجتنابه -

حکایتِ علقمہ کی روایات مع حوالہ جات

پہلی روایت:

امام عقیلی رحمہ اللہ نے ”الضعفاء الکبیر: ۳/۴۶۱“ میں اور ان ہی کے طریق سے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ”الموضوعات: ۳/۲۸۶“ میں ایک روایت نقل کی ہے، جس کی سند و متن یہ ہیں:

”حدثناه محمد بن أيوب ، أخبرنا داود بن إبراهيم قاضي قزوين ، حدثناه جعفر بن سليمان ، حدثنا فائد العطار، قال: سمعت عبد الله بن أبي أوفى يقول: ” إن شابًا حضره الموت ، فدعي له رسول الله ﷺ ، فقال: قل لا إله إلا الله ، فقال : لا أقدر أن أقولها ، ولم ؟ قال: كهيئة القفل على قلبي، إذا أردت أن أقول عدل ، فقال النبي ﷺ : له والدان أو أحدهما ؟ قالوا: أم ، فدعيت ، فقال : ارض عن ابنک ، فقالت: أنشدک يا رسول الله ! إني عن ابني راضية ، فقال: قل : لا إله إلا الله ، فقال: لا إله إلا الله ، فقال: الحمد لله الذي نجاه بي.“

اس روایت کی سند میں دو راوی ہیں:

(۱) فائد بن عبد الرحمٰن ابو الورقاء۔ (۲) داود بن ابراہیم۔

اول الذکر پر کلام آگے آرہا ہے اور جو دوسرا راوی ہے داود بن ابراہیم، یہ علاقہ قزوین کا قاضی رہ چکا ہے، اُس کے متعلق امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''هذا متروک الحدیث ،كان یکذب'' (یہ متروک الحدیث ہے، کذب کیا کرتا تھا)۔ امام ذہبی، امام ابن حجر اور امام برہان الدین حلبی، امام ابوحاتم رحمہم اللہ کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہیں اور اِس حدیث کو اسی راوی کی بنا پر گھڑی ہوئی اور جھوٹی قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں: ''ومن مصائبه''۔ (علمائے حدیث بخوبی جانتے ہیں کہ یہ تعبیر ''ومن موضوعاته ، ومن أباطيله'' کے مترادف وہم زلف ہے۔)

بہر حال یہ حدیث بایں سند موضوع وخودساختہ ہے۔

(الجرح والتعديل:۳/۴۰۷، ميزان الاعتدال:۳/۴، لسان الميزان: ۳/ ۳۹۲، الكشف الحثيث:۱۱۲)

دوسری روایت :

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے چوں کہ صرف یہی مذکور بالا روایت نقل کر کے اِس کو موضوع قرار دیا ہے؛ اس لیے اس پر حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے تعقب کرتے ہوئے اِس حدیث کی مزید اسانید متعدد کتب سے نقل کی ہیں، چناں چہ ''اللآلي المصنوعة:۲/۲۹۶-۲۹۷'' میں حافظ خرائطی کی ''مساویٔ الاخلاق'' سے نقل کرتے ہیں:

" قال: حدثنا إبراهيم بن الجنيد ، حدثنا فضيل بن عبد الوهاب ، حدثنا جعفر بن سليمان الضبعي ، عن فائد العطار، قال: سمعت عبد الله بن أبي أوفى يقول: "إن رجلاً حضرته الوفاة ، فقيل له: قل: لا إله إلا الله ؛ فلم يستطع أن يقولها و هو يتكلم ، فأتاه النبي ﷺ فقال له : قُلْهَا ، فلم يقلها ، وقال: قلبي يعقل ، و لا أستطيع ، قال له : لِمَ ؟ قال: لعقوقي والدتي. قال: وهي حية ؟ قال: نعم ، فدعاها وقال: ارضي عن ابنک ، فقالت: اللهم اني أشهدک و أشهد رسولک أني قد رضيت عنه ، فقالها."

اس طریق کے تمام راوی معتبر ومقبول ہیں، سوائے فائد بن عبدالرحمٰن کے۔

تیسری روایت :

اسی طرح حافظ سیوطی امام بیہقی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ''شعب الایمان: ۱۰/۲۹۰'' میں فرمایا:

” أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ، حدثنا أبو عمرو محمد بن عبد الواحد الزاهد صاحب ثعلب ببغداد ، حدثنا موسى بن سهل الوشاء ، حدثنا يزيد بن هارون ، أخبرنا فائد بن عبد الرحمن ، قال: سمعت عبد الله بن أبي أوفى قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول اللّٰه! إن هاهنا غلاماً قد احتضر، يقال له : قل: لا إله إلا اللّٰه ؛ فلا يستطع أن يقولها ، قال: أليس قد كان يتكلم في حياته ؟ قالوا:بلى ، قال: فما منعه منها عند موته ؟ قال: فنهض رسول اللّٰه ﷺ ونهضنا معه حتى أتى الغلام ، فقال: يا غلام ! قل لا إله إلا اللّٰه ، لا أستطيع أن أقولها ، قال: ولِمَ ؟ قال:لعقوق والدتي . قال: أ حَيَّةٌ هي ؟ قال: نعم . قال: أرسِلُوا إليها ، فأرسَلُوا إليها ، فجائته ، فقال لها رسول اللّٰهﷺ : ابنک هو؟ قالت: نعم . قال أرأيت لو أن ناراً أجِّجَتْ فقيل لک إن لم تشفعي له قذفناه في النار. قالت: إذاً كنت أشفع له ، قال: فاشهدي اللّٰه و أشهدينا بأنکِ قد رضيت عنه . قالت: اللّٰهم إني أشهدک و أشهد رسولک أني قد رضيت عن ابني ، قال: يا غلام ! قل لا إله إلا اللّٰه ، فقال : لا إله إلا اللّٰه . فقال رسول اللّٰه ﷺ : الحمد للّٰه الذي أنقذه بي من النار.“

(شعب الإيمان: ١٠/ ٢٩١)

اس سند کا ایک راوی موسیٰ بن سہل الوشاء ضعیف ہے، باقی سب ثقہ ہیں سوائے فائد بن عبدالرحمٰن کے۔

چوتھی روایت:

ایسے ہی حافظ سیوطی، حافظ طبرانی رحمہما اللہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

” قال الطبراني: حدثنا حفص بن عمر بن الصباح الرقي ، حدثنا مؤمل بن الفضل حدثنا عيسى بن يونس حدثنا فائد أبو الورقاء عن عبد اللّٰه بن أبي أوفى قال: كنا عند النبي ﷺ فأتاه آتٍ، فقال : شاب يجود بنفسه ، قيل له : قل: لا إله إلا الله ، فلم يستطع . فقال: أكان

يصلي ، قال: نعم، فنهض رسول الله ﷺ ونهضنا معه ، فدخل على الشاب فقال: قل: لا إله إلا اللّه ، فقال: لا أستطيع ، قال: لِمَ ؟ قيل: كان يعق والدته. فقال النبي ﷺ: أ حية والدته ؟ قال: نعم . قال: أدعوها ، فدعوها ، فجاء ت ، فقال: هذا ابنکِ؟ قالت: نعم . فقال لها: أرأيت لو أججت نارا ضخمةً ، فقيل لک إن لم شفعت لخلينا عنه و إلا حرقناه أكنت تشفعين له ؟ قالت: يا رسول اللّٰه ! إذن أشفع له ، قال: فاشهدي اللّٰه و أشهديني أنک قد رضيت عنه . فقالت: اللهم إني أشهدک و أشهد رسولک أني قد رضيت عن ابني ، فقال له رسول الله ﷺ: يا غلام ! قل لا إله إلا الله وحده لا شريک له ، و أشهد أن محمداً عبده و رسوله ، فقالها ، فقال رسول اللّٰه ﷺ: الحمد للّٰه الذي أنقذه بي من النار.“

اس سند کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے فائد بن عبدالرحمٰن کے۔

فائد بن عبدالرحمٰن راوی پر کلام

اس سے معلوم ہوا کہ ان روایات کا اصل اور مرکزی راوی فائد بن عبدالرحمٰن العطار ابوالورقاء کوفی ہے اور ہر ایک سند اُسی پر آ کر رکتی ہے؛ اس لیے اسی راوی پر کلام کرنے کی حاجت ہے؛ لہٰذا حضراتِ ائمہ نے اِس کی بابت جو کلام کیا ہے، ذیل میں درج کرتا ہوں:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”باب صلاة الحاجة“ میں اس سے روایت لی ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ ”فائد بن عبدالرحمن يضعف في الحديث“۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ ”الکامل: ۷/۱۳۹“ میں پہلے تو امام یحییٰ بن معین، امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ کے اقوال نقل کرتے ہیں، پھر آخر میں اپنی رائے تحریر فرماتے ہیں:

”وهو مع ضعفه يكتب حديثه.“ (ضعف کے باوجود اس کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں۔)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ”تہذیب التہذیب: ۳/۳۸۰“ میں لکھتے ہیں کہ ”ضعّفه الساجي، والعقيلي ، والدارقطني.“ (امام ساجی، عقیلی اور دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے)۔

امام ابن معین رحمہ اللہ نے: ''ضعيف ، ليس بثقة ، وليس بشيء''۔امام نسائی رحمہ اللہ نے: ''ليس بثقة'' اورامام ابواحمد الحاکم رحمہ اللہ نے'' حديثه ليس بالقائم '' فرمایا ہے۔

اِن حضراتِ محدثین کے ان اقوال سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ اُن کے نزدیک معمولی درجے کا ضعیف راوی ہے، حالاں کہ ان کے علاوہ متعدد ائمہ کبار نے اُس پر بڑی سخت جرحیں کی ہیں اور اُن کی تحقیق یہ ہے کہ یہ راوی معمولی درجے کا ضعیف راوی نہیں؛ بل کہ شدید ضعیف و مجروح؛ حتی کہ متروک ومتہم ہے۔ چناں چہ

(الف) ''تہذیب التہذیب: ۳/۳۸۰'' میں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ ''منكر الحديث'' ہے۔ (یادرہے کہ امام بخاری کو جرح وتعدیل میں معتدل مانا گیا ہے اور آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ جرح کرنے میں نہایت محتاط ہیں؛ نیز امام بخاری کا ''منكر الحديث'' کہنا بڑی ہی سخت جرح ہے، جیسا کہ اہلِ علم بخوبی واقف ہیں)۔

(ب) ''میزان الاعتدال: ۵/۴۱۰، تہذیب التہذیب: ۳/۳۸۰، تہذیب الکمال: ۲۳/ ۱۳۸-۱۴۰'' میں ہے کہ امام ابن ابی حاتم اپنے والد امام ابوحاتم کا قول ذکر فرماتے ہیں:

" فائد ذاهبُ الحديث ، لا يكتب حديثه ، و أحاديثه عن ابن أبي أوفى بواطيل لا تكاد ترى لها أصلا ، و لو أن رجلا حلف أن عامة حديثه كذب لم يحنث."

(فائد ذاہب الحدیث یعنی حدیث کے سلسلے میں نہایت گیا گزرا راوی ہے، اُس کی حدیثیں لکھی جانے کے قابل نہیں اور اس نے حضرت ابن ابی اوفی کے حوالے سے ایسی باطل احادیث روایت کی ہیں کہ تمھیں اُن کی اصل وسند مل نہیں سکتی، لہٰذا اگر کوئی یہ قسم کھائے کہ فائد سے منقول بیشتر حدیثیں جھوٹی ہیں، تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔)

(ج) ''میزان الاعتدال: ۵/۴۱۰، تہذیب التہذیب: ۳/۳۸۰، تہذیب الکمال: ۲۳/ ۱۳۸-۱۴۰'' میں ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا کہ ''روى عن ابن أبي أوفى أحاديث موضوعة.'' (اس راوی نے حضرت ابن ابی اوفی کے حوالے سے متعدد موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔)

(د) ''میزان الاعتدال: ۵/۴۱۰، تہذیب التہذیب: ۳/۳۸۰، تہذیب الکمال: ۲۳/ ۱۳۸-۱۴۰'' میں ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا کہ ''ليس بثقة ، متروك الحديث'' (یہ ثقہ نہیں ہے اور

متروک الحدیث ہے)۔امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ "متروک الحدیث" ہےاور یہ بھی ذکر فرمایا کہ "ترک الناس حدیثه" (محدثین نے اس کی حدیثوں کو ترک کردیا)۔امام میمونی رَحِمَہُ اللہُ سے بھی یہی بات منقول ہے کہ "ترک الناس حدیثه"۔

(ہ) دیگر محدثین کی طرح بالخصوص امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ کے متعلق عرض ہے کہ خود امام احمد کے نزدیک بھی فائد بن عبدالرحمٰن متروک راوی ہے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ کے فرزند امام عبداللہ فرماتے ہیں کہ "فلم يحدث أبي بهذين الحديثين ، ضرب عليهما من كتابه ، لأنه لم يرض حديث فائد بن عبد الرحمن ، و كان عنده متروك الحديث" (میرے والد نے یہ دو حدیثیں [جن دو میں سے ایک زیر بحث حدیث ہے] روایت نہیں کی ہیں، اپنی کتاب سے اُن کو نکال دیا؛ کیوں کہ فائد بن عبدالرحمٰن کی حدیث کو آپ نے قابلِ روایت نہیں سمجھا اور یہ فائد آپ کے نزدیک متروک الحدیث تھا)۔

(مسندأحمد:۱۵۵/۲۳،رقم:۱۹۴۱۱)

مُلاحَظہ :بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت امام احمد رَحِمَہُ اللہُ نے اپنی "مسند" میں نقل فرمائی ہے؛ مگر یہ بات بالکل غلط ہے اور کیوں غلط ہے؟ اُس کی وجہ خود امام احمد کے فرزند اور جلیل القدر محدث امام عبداللہ نے روزِ روشن کی طرح واضح کردیا ہے۔

(و) امام ابن حبان رَحِمَہُ اللہُ "المجروحین لابن حبان:۲۰۳/۲" میں لکھتے ہیں:

"كان ممن يروي المناكير عن المشاهير، و يأتي عن ابن أبي أوفى بالمعضلات ، لا يجوز الاحتجاج به."

(فائد ایسے راویوں میں سے ایک ہے، جو مشہور حضرات کے نام سے منکر احادیث روایت کرتا ہے اور خاص طور پر حضرت ابن ابی اوفی کے حوالے معضل آثار سناتا ہے،اس سے احتجاج جائز نہیں ہے۔)

(ز) امام ذہبی رَحِمَہُ اللہُ "میزان الاعتدال:۴/۳" میں لکھتے ہیں کہ "فائد هالک" (فائد تباہ حال راوی ہے)۔اسی طرح اپنی دوسری کتاب: "المغني في الضعفاء:۱۸۴/۲" میں تحریر کرتے ہیں کہ "تركه أحمد و الناس" (امام احمد نے اور دیگر محدثین نے اس کو ترک کردیا)۔

(ح) امام ابن حجر عسقلانی رَحِمَہُ اللہُ نے اقوال ائمہ کا موازنہ کرنے کے بعد جو معتدل اور راجح رائے بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ فائد معمولی درجے کا ضعیف راوی ہی نہیں؛ بل کہ نہایت ہی ضعیف راوی

ہے یعنی متروک ہے، حتیٰ کہ محدثین کے نزدیک کذب بیانی و دروغ گوئی کی تہمت کا شکار ہے۔ چنانچہ ''تقریب: ۳/۱۵۳'' میں لکھتے ہیں کہ ''متروک ، اتّھموہ''۔

امام حاکم کی رائے کی تحقیق

ان حضرات کے سوا ایک امام حاکم ہیں، جنھوں نے ''المستدرک'' میں اس کو ''مستقیم الحدیث'' کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''مستدرک'' کی تعلیق میں کچھ نہیں فرمایا اور حافظ طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے ''تذکرۃ الموضوعات'' میں اور حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ''اللآلی'' میں امام حاکم رحمہ اللہ ہی کا قول نقل کر کے اشارہ دیا ہے کہ یہی قول درست ہے۔

لیکن خود امام حاکم رحمہ اللہ سے اپنے اسی قول ''مستقیم الحدیث'' کے خلاف ایک دوسرا قول بھی مروی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے طرزِ بیان سے بظاہر مترشح ہوتا ہے، چناں چہ ''تہذیب'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ''قال الحاکم : روی عن ابن أبي أوفی أحادیث موضوعة'' (اس راوی نے حضرت ابن ابی اوفی کے حوالے سے متعدد موضوع حدیثیں روایت کی ہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام حاکم رحمہ اللہ سے ''المستدرک'' میں تساہل و سہو ہو گیا۔

رہی بات امام ذہبی رحمہ اللہ کے خاموش ہو جانے کی تو اس کے متعلق عرض ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کا ''المستدرک'' کی تعلیق میں کچھ نہ کہنا اس راوی کے معتبر ہونے کی دلیل نہیں، جب کہ خود امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''میزان الاعتدال'' میں داود بن ابراہیم کے ترجمہ میں یہی زیرِ بحث روایت نقل کرنے کے بعد فائد کے متعلق اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے کہ وہ ''ھَالِکٌ'' یعنی تباہ حال ہے۔ (جیسا کہ سابق میں امام ذہبی رحمہ اللہ کی رائے تفصیل سے نقل کر دی گئی)۔

نیز محدثینِ عظام کی تصریحات و توضیحات ہی کے مطابق امام احمد اور امام بخاری محقق و معتدل ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہیں اور امام حاکم متساہل ہیں؛ لہٰذا امام بخاری کا ''منکر الحدیث'' کہنا اور امام احمد کا ''متروک الحدیث'' کہنا اور اسی کے مطابق عمل کرنا بہ نسبت امامِ حاکم کے۔ ظاہر ہے کہ۔ زیادہ وزن دار ہے۔ اسی طرح امام ذہبی اور امام ابن حجر کا فیصلہ بہ مقابلہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ زیادہ دم دار ہے۔

حضراتِ محدثینِ عظام کے اقوال و ترجیحات سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ راوی متروک و متہم یعنی شدید ضعیف ہے اور اسی کو بتانے کے لیے محدثین نے ''متھم ، متروک ، ھالک ، ذاھب

الحدیث ، ترکہ الناس ‘‘والی تعبیرات استعمال فرمائی ہیں، جوکہ محدثین کی مخصوص اصطلاحی تعبیرات ہیں اور حضراتِ محدثین یہ کلمات ایسے راوی کے متعلق استعمال کرتے ہیں، جس کا جھوٹا اور واضع حدیث ہونا ثابت تو نہ ہو؛ مگر ایسے ظاہری قرائن ودلائل موجود ہوں، جن سے اس کے بارے میں یہ اندیشہ اور غالب گمان پیدا ہوجاتا ہے کہ شاید اسی نے گھڑی ہوگی یا کسی گھڑنے والے اور جھوٹ بولنے والے سے سنی ہوگی؛ یا وہ بڑی سنگین وفحش ترین غلطیاں کرنے والا ہے، یا وہ ایسے فسق عملی اور فسق اعتقادی کا مرتکب ہو، جس سے کہ راوی مجروح ومطعون ہوجاتا ہے۔

اور یہ بات اُس وقت مزید پختہ تر ہوجاتی ہے، جب کہ اس قسم کا راوی ایسی ایسی روایات بیان کرے، جو معروف ومشہور محدثین سے ثابت نہ ہوں اور کوئی ایک بھی معتبر راوی ایسی حدیثوں کی روایت میں اُس کا شریکِ بیان نہ ہو۔

روایت کا حکم بلحاظ سند

اس سے معلوم ہوا کہ فائد بن عبدالرحمٰن متروک راوی ہے اور اگر ایسا راوی اپنی روایت میں متفرد وتنہا ہو، کسی بھی معتبر ومستند محدث کی تائید وتقویت نہ ہو؛ تو اس کی روایت قبول نہیں کی جاسکتی؛ لہٰذا

(۱) اتنا اہم ترین وعبرت آموز واقعہ، جو صحابہ کی ایک جماعت کے روبرو پیش آیا ہے، وہ صرف ایک صحابی سے منقول ہے، جن کا نام عبداللہ بن ابی اوفی بیان ہوا ہے؛ مگر یہ کوئی قابلِ تضعیف وجرح بات بالکل نہیں، بس بات صرف اس قدر ہے کہ اتنا اہم ترین وباعث عبرت واقعہ بظاہر کم ازکم ایک سے زائد صحابہ سے منقول ہونا چاہیے تھا؛ یا بے شمار ثقہ تابعین میں سے کسی ایک دو سے ہی سہی مرسلاً منقول ہوتا؛ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ اتنا اہم واقعہ کسی بھی صحابی سے اور کسی بھی ثقہ تابعی سے مروی نہیں۔

(۲) جب حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے، تو اُن کے متعدد معتمد تلامذہ میں سے کم ازکم ایک دو سے تو مروی ہوتا، لیکن کس قدر تعجب خیز بات ہے کہ کسی شاگرد سے منقول نہیں اور اگر کسی سے منقول ہے، تو وہ صرف اور صرف فائد بن عبدالرحمٰن سے جوکہ متروک ومتہم راوی ہے اور خاص طور پر حضرت رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی اوفی کے حوالے سے نقل کرنے میں وہ اور بھی زیادہ متروک ومتہم ہے۔

(۳) اس کی موافقت وتائید میں کوئی ایک بھی ثقہ راوی نہیں، حتی کہ اِس کی طرح کوئی ضعیف ومتروک بھی نہیں ہے، جیسا کہ امام عقیلی رحمۃ اللہ ’’الضعفاء الکبیر: ۴۶۱/۳‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’ولایتابعہ الا من ھو نحوہ‘‘۔

الغرض اس روایت کا اور تمام طرق کا مرکزی راوی فائد بن عبدالرحمٰن اولاً تو متروک ومتہم ہے۔ ثانیاً دوسری نہ کوئی متابع روایت ہے اور نہ شاہد؛ لہٰذا صرف اس قدر تحقیق کے پیش نظر اور حدیث کے اسی اسنادی پہلو کی رو سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث شدید ضعیف اور متروک ہے، چناں چہ ''الموضوعات لابن الجوزی:۳/۲۸٦'' کے تحقیق وتعلیق نگار محدث شیخ ڈاکٹر نور الدین بن شکری بھی یہی تصریح کرتے ہیں کہ ''فالحديث ضعيف جدًا (متروک)''۔(حدیث بے حد ضعیف یعنی متروک ہے)۔

نیز ''الترغیب والترھیب:۳/۲۲٦'' میں امام منذری نے طبرانی اور احمد رحمہم اللہ کے حوالے سے یہ روایت بصیغۂ ''رُوِيَ'' نقل فرمائی ہے اور اس تعبیر کے بارے میں خود امام منذری رحمہ اللہ نے مقدمے میں تصریح فرمائی ہے:

''و إذا كان في الإسناد من قيل فيه : كذاب ، أو وضاع أو متهم ، أو مجمع على تركه ، أو ضعفه ، أو ذاهب الحديث ، أو هالک أو ساقط أو ليس بشيء أوضعيف جداً أوضعيف فقط أو لم أر فيه توثيقاً بحيث لايتطرق إليه احتمال التحسين صدرته بلفظة:''روي''، و لا أذكر ذالک الراوي و لا ما قيل فيه البته ، فيكون للإسناد الضعيف دلالتان: تصديره بلفظة : روي وإهمال الكلام عليه في آخره''۔

اس وضاحت کا حاصل بھی یہی ہے کہ امام منذری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث مقطوع الوضع یعنی پختہ طور پر موضوع نہیں ہے؛ بل کہ ایک درجے میں قابل ذکر ہے۔

حدیثِ ضعیف اور عظمتِ صحابہ کا تقاضا وضابطہ

مگر یاد رہے کہ سند کے علاوہ متنِ حدیث بھی قابلِ غور ہے؛ اس لیے کہ اِس میں ایک صحابیٔ رسول کی جانب گناہِ کبیرہ کا انتساب کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اِس گناہ کی نحوست کی وجہ سے بوقتِ موت کلمہ پڑھنا نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک پختہ دلیل اور مضبوط روایت وشہادت نہ ہو؛ تب تک کسی عام مسلمان کے متعلق بھی ایسی خطرناک وبدانجام بات کا انتساب کرنا صحیح نہیں ہے اور یہاں تو حضراتِ صحابہ کا مسئلہ ہے، جن کی عظمت وتقدس قرآن وحدیث میں منصوص ہے؛ لہٰذا یہاں معمولی درجے کی روایت نہیں؛ بل کہ مضبوط وٹھوس دلیل درکار ہے، اگر کوئی صحیح حدیث ہوگی اور واضح الدلالہ

ہوگی، تبھی قبول کی جائے گی اور وہ بھی اس وقت، جب کہ کسی تاویل صحیح کے ذریعہ محل صحیح پر مفہوم حدیث کو منطبق نہ کیا جا سکتا ہو؛ اس لیے کہ اگر تھوڑی بھی گنجائش ہوگی، تو مقامِ صحابہ کا تقاضا ہے کہ اس کو صحیح محل پر ہی محمول کیا جائے اور صحابہ کی جانب گناہ کا انتساب ہرگز نہ کیا جائے؛ لہٰذا حضراتِ صحابہ سے گناہ کے صدور کو بتانے والی کوئی روایت ضعیف ہوگی، تو وہ بلا بحث وغور رد کر دی جائے گی اور کسی قسم کی کوئی بات ثابت نہیں مانی جائے گی۔ چناں چہ اس قسم کی روایت کے متعلق اور حضراتِ صحابہ کے مقامِ عظمت ورفعت کے متعلق ذیل میں چند نصوص پیش کرتا ہوں، اِن نصوص کو جاننے و سمجھنے کے بعد مزید واضح ہو جائے گا کہ فائد بن عبد الرحمٰن سے مروی یہ روایت کس درجے متروک ومردود اور ناقابلِ بیان ہے؟!

مقامِ صحابہ

(الف) نصوصِ قرآن وحدیث کی بنیاد پر اور تمام اہلِ سنت والجماعت کے متفقہ عقیدے کے مطابق حضراتِ صحابہ کی شان یہ ہے کہ وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں ہیں؛ مگر محفوظ و مامون ضرور ہیں، چناں چہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ، حضراتِ صحابہ کی خصوصیات ذکر کرتے ہوئے ''مقامِ صحابہ: ۱۱۲'' پر رقم طراز ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت وعظمت اور ادنیٰ گناہ کے صدور کے وقت ان کا خوف وخشیت اور فوراً توبہ کرنا؛ بل کہ اپنے آپ کو سزا جاری کرنے کے لیے پیش کر دینا اور اس پر اصرار کرنا روایات وحدیث میں معروف ومشہور ہے۔''

''ص: ۱۱۳'' پر رقم فرماتے ہیں:

> ''حق تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے اُن کے اخلاق وعادات، اُن کے حرکات وسکنات کو دین کے تابع بنا دیا تھا، اُن سے اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوتا تھا اور اگر عمر بھر میں کبھی شاذ ونادر کسی گناہ کا صدور ہو گیا، تو فوراً اس کا کفارہ توبہ واستغفار اور دین کے معاملے میں پہلے سے زیادہ محنت ومشقت اٹھا کر کر دینا ان میں معروف ومشہور تھا۔''

اس سے معلوم ہو گیا کہ اول تو عموماً صحابہ سے گناہ نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی ہو جاتا، تو بلا تاخیر علی الفور اُس سے توبہ اور اُس کا کفارہ ادا کر دیتے تھے۔

اب یہاں اس زیرِ بحث روایت میں یہ سنایا جا رہا ہے کہ ایک صحابی صرف معمولی گناہِ صغیرہ نہیں؛

بل کہ کفر و شرک کے بعد جو بڑے بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے، اُس کا ارتکاب کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ معافی مانگے بغیر ہی زندگی گزارتے رہے۔

(ب) اہلِ سنت والجماعت کا متفق عقیدہ بھی یہی ہے کہ حضراتِ صحابہ، انبیائے عظام کی طرح معصوم نہیں ہیں، ان میں سے بعض حضرات سے گناہِ کبیرہ تک کا بھی صدور ہوا ہے؛ مگر یہ بھی اہلِ سنت والجماعت ہی کا مضبوط و اٹوٹ قانون وضابطہ ہے کہ صحابہ کی جانب ارتکابِ کبیرہ کی نسبت اسی وقت قابلِ قبول ہے، جب کہ صحیح احادیث ہوں، ضعیف آثار سے کوئی بات ثابت نہیں مانی جائے گی اور ہر ایسی حدیث کی تحقیق لازم وضروری ہے، جس میں صحابہ کی تنقیصِ شان آئی ہو، اب اگر ایسی روایت صحیح ومعتبر ثابت ہو اور کوئی صحیح ومعقول اور مناسب تاویل نہ چل سکتی ہو، تو اتنی ہی بات مانی جائے گی؛ جتنی کہ بیان ہوئی ہے؛ لیکن اگر وہ ضعیف حدیث ہوگی؛ تو کوئی کلام ہی نہ ہوگا، علی الفور رد کردی جائے گی، اسی طرح اگر صحیح ودرست محل پر محمول کرنا ممکن ہو؛ تو اسی کو مراد لیا جائے گا، اس کو چھوڑ کر عظمتِ صحابہ کے منافی کوئی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

مفسر کبیر، فقیہ بے نظیر، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ اس پر مفصل وشاندار گفتگو فرماتے ہوئے اپنی شاہ کار تصنیف: ''مقامِ صحابہ: ۱۲۱-۱۲۲'' میں رقم فرماتے ہیں:

> ''کسی بھی شخصیت کو مجروح کرنے اور اس پر کوئی الزام ثابت کرنے کے لیے اسلام نے جرح وتعدیل کے خاص اصول مقرر فرمائے ہیں، جو عقلی بھی ہیں اور شرعی بھی۔ جب تک الزامات کو جرح وتعدیل کے اس کانٹے میں نہ تولا جائے، اُس وقت تک کسی بھی شخصیت پر کوئی الزام عائد کرنا اسلام میں جرم اور ظلم ہے۔ یہاں تک کہ جو شخصیتیں ظلم وجور میں معروف ہیں، ان پر بھی کوئی خاص الزام بغیر ثبوت وتحقیق کے لگا دینے کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ بعض اکابرِ امت کے سامنے کسی نے حجاج بن یوسف ثقفی پر ـــ جس کا ظلم وجور دنیا میں معروف ومتواتر ہے ـــ کوئی تہمت لگائی، تو اس بزرگ نے فرمایا کہ تمھارے پاس اس کا ثبوتِ شرعی موجود ہے کہ حجاج بن یوسف نے یہ کام کیا، ثبوت کوئی تھا نہیں، نقل کرنے والے نے حجاج کے بدنام اور معروف بالفسق ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھی کہ اس کا ثبوت مہیا کرے۔ اس مقدس بزرگ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو کہ حجاج اگر ظالم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ہزاروں تشنگانِ ظلم کا انتقام لے گا؛ تو اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ حجاج پر اگر کوئی غلط تہمت

لگائے گا، تو اس کا بھی انتقام اس سے لیا جائے گا۔ رب العالمین کا قانونِ عدل اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص گناہ گار فاسق؛ بل کہ کافر بھی ہے، تو اس پر جو چاہو؛ الزام اور تہمت لگادو۔

اور جب اسلام کا یہ معاملہ عام افرادِ انسان یہاں تک کہ کفار و فجار کے ساتھ بھی یہی ہے، تو اندازہ لگائیے کہ جس گروہ یا جس فرد نے اللہ و رسول پر ایمان لانے کے بعد اپنا سب کچھ ان کی مرضی کے لیے قربان کیا ہو اور اپنے ایک ایک قدم اور ایک ایک سانس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کو وظیفۂ زندگی بنایا ہو، جن کے مقامِ اخلاق اور عدل وانصاف کی شہادتیں دشمنوں نے بھی دی ہوں، ان کے متعلق اسلام کا عادلانہ قانون اس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ ان کی مقدس ہستیوں کو بدنام کرنے اور ان پر الزامات لگانے کی لوگوں کو چھٹی دے دے کہ کسی غلط سلط روایت وحکایت سے بلاتنقید وتحقیق ان کو مجروح قرار دے دیا جائے۔''

اہلِ سنت والجماعت کے اسی عقیدے وضابطے کو بڑے مضبوط وٹھوس اندازِ بیان میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی لاجواب کتاب: ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق :۴۳'' پر ذکر فرماتے ہیں:

''ہماری نظر میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر اُس ضعیف روایت کو رد کر دیا جائے گا، جس سے کسی صحابی کی ذات مجروح ہوتی ہو، خواہ وہ روایت تاریخ کی ہو، یا حدیث کی......
اس لیے کہ بقول حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ صحابہ کی عدالت قرآن، سنتِ متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی بات ضعیف روایات کے بل پر ثابت نہیں کی جاسکتی۔''

ایک اور مقام ''ص:۱۳۳'' پر حضراتِ صحابہ کے تئیں اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''کیا کسی صحابیٔ رسول پر گناہِ کبیرہ کا الزام عائد کرنا اتنی معمولی بات ہے کہ اس کے کہنے والے کے بارے میں یہ تحقیق کرنے کی اجازت بھی نہ دی جائے کہ وہ کون تھا؟ اس کے عقائد کیسے تھے؟ اور وہ جھوٹا تھا یا سچا؟ یہ بات صرف عقیدت ومحبت کی بنیاد پر نہیں کہی جارہی؛ بل کہ یہ عقل کا فطری تقاضا ہے کہ جس شخص کی زندگی میں

مجموعی طور سے خیر غالب ہو، اس پر کسی گناہِ کبیرہ کا الزام اُس وقت تک درست تسلیم نہیں کیا جائے، جب تک کہ وہ مضبوط اور قوی دلائل سے صحیح ثابت نہ ہو چکا ہو، صحابۂ کرام کا معاملہ تو بہت بلند ہے۔''

نیز ایک اور مقام ''ص:۱۳۹'' پر عقائد و علمِ کلام کی مستند و معتمد متعدد کتابوں کے حوالے سے بڑی زبردست بات تحریر فرماتے ہیں:

''اہلِ سنت کی لکھی ہوئی عقائد و کلام کی تمام کتابیں پڑھ جائیے، وہ اول سے آخر تک اس معاملے میں ایک زبان نظر آئیں گی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی گناہ کا صدور خالصۃً عقائد کا مسئلہ ہے اور اس کا اثبات ضعیف، مجروح، منقطع یا بلاسند تاریخی روایتوں سے ثابت نہیں ہوسکتا، خاص طور سے مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں اِس اصول کی بڑی شدت کے ساتھ پابندی کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ بقول علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سبائی پروپیگنڈے کے اثر سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بے بنیاد تہمت طرازیوں کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔''

اب مزید صرف اور صرف ایک عبارت نقل کرتا ہوں، جس میں تمام اہلِ سنت والجماعت کی ترجمانی کی گئی ہے، چناں چہ شیخ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ ''المستصفی:۱/۱۶۴'' میں رقم طراز ہیں:

" و الذي عليه سلف الأمة ، و جماهير الخلق أن عدالتهم معلومة بتعديل الله –عز وجل– إياهم ، وثنائه عليهم في كتابه ، فهو معتقدنا فيهم ، إلا أن يثبت بطريق قاطع ارتكابُ واحد لفسق مع علمه به ، و ذلك مما لا يثبت فلا حاجة لهم إلى التعديل."

لہٰذا یہ زیرِ بحث روایت جو صرف یہ نہیں کہ معمولی درجے کی ضعیف ہے؛ بل کہ حد درجے ضعیف یعنی متروک ہے اور جب آیاتِ کریمہ، احادیثِ متواترہ، اجماعِ امت اور عقلِ سلیم سے ثابت عظمتِ صحابہ کے خلاف ہے، تو اس کے متروک و مردود ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہ جاتا۔

(ج) اب تک جو گفتگو ہوئی، وہ ایک صحابیٔ رسول کی جانب گناہِ کبیرہ کو صاف وصریح طور پر منسوب کرنے سے متعلق تھی، اب ذرا یہ بھی بتادوں کہ علمائے امت اور اہلِ سنت کو یہ بھی ہرگز گوارا نہیں کہ صحابیٔ رسول کی جانب معتبر ثبوت کے بغیر فعلِ قبیح، غیر مہذب و ناشائستہ حرکت کو بھی منسوب کیا جائے

اور ایسا کرنا علماء وفقہائے امت کے نزدیک نا قابلِ برداشت ہے۔ اس سلسلے کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں؛ مگر یہاں صرف ایک مثال نقل کرتا ہوں، جس سے معلوم ہوجائے گا کہ قدیم زمانے سے لے کر آج تک عظمتِ صحابہ کی تنقیصِ شان۔ کسی بھی طرح سے ہو۔ قابلِ برداشت نہیں ہے؛ چناں چہ

حضرت مولانا سلمان منصور پوری زید مجدہ سے کسی غیر محتاط واعظ کی بیان کردہ ایک روایت کے متعلق سوال کیا گیا، جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا گیا کہ دس ہزار آدمی کھا کر فارغ ہوجاتے؛ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھاتے ہی رہتے کہ جبڑوں کی نسیں تن جاتی، جبڑے درد کرنے لگتے؛ مگر پیٹ نہیں بھرتا۔

اِس کے متعلق مولانا منصور پوری زید مجدہ لکھتے ہیں:

> ”جو بات کہی گئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر دس ہزار آدمی کھانا کھا لیتے اور آپ کھاتے ہی رہتے؛ تا آں کہ جباڑے کی نسیں تن جاتیں“ وغیرہ، یہ بات ہماری نظر سے کہیں نہیں گزری ہے، بظاہر یہ خلافِ واقعہ اور مبالغے پر مبنی ہے اور ایک صحابیٔ رسول کی تنقیص ہے، جس کو بیان کرنے سے احتراز لازم ہے۔“

(کتاب النوازل: ۲/۳۱۵)

غور کیا جائے کہ جب ایک معمولی سی نا شائستہ بات، جو شانِ صحابہ کے مناسب نہیں ہے، بلا ثبوت ایسی بات بھی رسولِ کریم علیہ السلام کے صحابی کی طرف منسوب کرنا گوارا نہیں کی جاسکتی ہے، تو ارتکابِ کبیرہ کی بات اور وہ بھی ٹھوس و پختہ ثبوت کے بغیر کیسے گوارا کی جاسکتی ہے؟!! خصوصاً اُس وقت تو کسی قیمت پر برداشت نہیں کی جاسکتی، جب کہ جمہور ائمہ اور محدثین کے نزدیک اس روایت کا راوی ضعیف ومتروک اور متہم ہو اور اس کی یہ روایت نصوصِ قرآن وسنت اور اجماع و عقلِ صحیح کے خلاف ہو۔

(د) ایک بات جو کہ قابلِ غور و قابلِ بیان ہے، بتادوں کہ علمائے امت واہلِ سنت کی نظر میں حضراتِ صحابہ کا مقام و مرتبہ اتنا اعلیٰ وارفع اور اتنا معظم و مقدس ہے کہ ان کی شانِ عالی میں کسی بھی طرح کی ادنیٰ تنقیص، چاہے کسی سے بھی ہو؛ برداشت نہیں، چاہے وہ کوئی بھی ہو؛ حتیٰ کہ اہلِ سنت والجماعت کے ائمہ میں سے ہو اور یقین سے معلوم ہو کہ وہ امام ہرگز ہرگز کسی صحابی کی تنقیص نہیں کرسکتے؛ لیکن ایسے جلیل القدر ائمہ عظام وصلحائے کرام سے بھی ایسی بات اگر سرزد ہوگئی، جو صحابہ کے مقامِ تقدس کے مناسب نہ ہو، تو اس کو بھی علمائے حق کے سینوں نے برداشت نہیں کیا۔ اس پہلو سے علمائے امت کا کردار و نمونہ پیش کرتا ہوں، جو کہ بے حد مفید ہے، ملاحظہ ہو:

مثالِ اول: حافظِ حدیث امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ امام اہلِ سنت ہیں اور عبقری شخصیت ہیں؛ لیکن جب انھوں نے اپنی کتاب ''الاستیعاب'' میں حضراتِ صحابہ کی شان میں کچھ غیر مستند روایات ذکر کردیں، تو علمائے امت نے شدید اعتراض وتنقید کرنے کو ضروری سمجھا، چناں چہ ''مقامِ صحابہ: ۳۶'' میں متعدد ائمہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''حافظِ حدیث امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جو معرفتِ صحابہ کے موضوع پر اپنی بہترین کتاب: ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' لکھی، تو علمائے امت نے اس کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھا؛ مگر اس میں مشاجراتِ صحابہ سے متعلق کچھ غیر مستند تاریخی روایات بھی شامل کردیں، تو عام علمائے امت اور ائمۂ حدیث نے اس عمل کو اِس کتاب کے لیے ایک بدنما داغ قرار دیا۔''

مثالِ دوم: اسی طرح ''تقریب'' جو کہ فنِ رجال کی ایک عظیم کتاب ہے، جس میں حدیث کے بے شمار راویوں کے متعلق توثیق وتضعیف کے اقوال مذکور ہیں، ایسی کتاب میں حضراتِ صحابہ کا ذکر آگیا، اگرچہ ان کی توثیق وتعدیل ہی کی گئی ہے، کوئی جرح نہیں کی گئی؛ مگر چوں کہ قابلِ کلام راویوں کے ذکر کے ساتھ حضراتِ صحابہ کا ذکر ہوگیا، تو علمائے امت کے دلوں نے اس کو بھی برداشت نہیں کیا اور امیر المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے اس اسلوب کو ناروا اور غیر مناسب عمل قرار دے دیا، چناں چہ ''تقریب'' پر شیخ بشار عواد معروف اور شیخ شعیب ارنووط کا جو مقدمہ ہے، اُس میں لکھا ہوا ہے:

" والحق المر الذي لا بد لنا أن نبديه وننبه إليه أن صنيع الحافظ ابن حجر في هذا الكتاب لم يكن يتناسب مع الشهرة العريضة التي نالها ، والمنزلة العلمية التي تبوأها ، فالصحابة لا يحتاجون إلى أن يقال فيهم شيء ؛ لأنهم عدول."

(ایک کڑوا سچ ہے، جس کا اظہار کرنا اور جس پر متنبہ کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، وہ یہ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ کتاب باجودیہ کہ شہرۂ آفاق اور علمی دنیا میں مقامِ بلند پر فائز ہے؛ تاہم اس کتاب میں حافظ ابن حجر کا طرزِ بیان غیر مناسب ہے، اس لیے کہ اس میں حضراتِ صحابہ کا ذکر آگیا ہے، حالاں کہ صحابہ وہ عظیم شخصیات ہیں، جن کے متعلق کچھ کہنے کی بالکل بھی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ یہ حضرات اصحابِ امانت ودیانت ہی ہیں۔) (مقدمة تحرير تقريب التهذيب: ۱/۱۷)

مثالِ سوم: ''عادل'' کا مفہوم تقریباً تمام محدثین کے نزدیک یہی ہے کہ جو مسلمان عاقل و بالغ ہو اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو؛ حتیٰ کہ گناہِ صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو اور خلافِ مروت کاموں سے بھی بچتا ہو اس کو ''عادل'' کہتے ہیں اور یہ معنیٰ و مفہوم لغت، شریعت اور عرف و عادت سے ثابت ہے اور حضراتِ صحابہ اسی معنیٰ و خوبی سے متصف تھے، اس معنیٰ کے علاوہ دوسرا مفہوم قابلِ قبول نہیں، اب صرف اس مفہوم سے ہٹ کر جب محدث دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسی عبقری شخصیت نے اپنی ایک رائے ذکر کی، تو اس کو بھی علماء نے پسند نہیں فرمایا اور اس پر بھی نکیر فرمادی، چناں چہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اور بعض علماء نے جو عدمِ عصمت اور عمومِ عدالت کے تضاد سے بچنے کے لیے عدالت کے مفہوم میں یہ ترمیم فرمائی کہ یہاں عدالت سے مراد، تمام اوصاف و اعمال کی عدالت نہیں؛ بل کہ صرف روایت میں کذب نہ ہونے کی عدالت مراد ہے، یہ لغت و شرع پر ایک زیادتی ہے، جس کی کوئی ضرورت اور کوئی وجہ نہیں اور ان حضرات کے پیشِ نظر بھی اس ترمیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اس کی رو سے کسی صحابی کو اپنے عمل و کردار کی حیثیت سے ساقط العدالت یا فاسق قرار دینا چاہتے ہیں، اُن کے کلمات دوسرے مواقع میں خود اس کی نفی کرتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے، مضمون ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ جیسے جامعِ علوم بزرگ کی طرف اِس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور ''فتاوی عزیزی'' کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے، اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود اِن کو جمع فرمایا ہے، نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے، وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصے بعد مختلف لوگوں کے پاس جو اُن کے خطوط و فتاوی دنیا میں پھیلے ہوئے تھے، ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاوی کے مجموعے میں شامل کر دیا ہو اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ ہی کا قول ہے، تو وہ بھی

بمقابلۂ جمہور علماء وفقہاء کے متروک ہے۔'' (مقامِ صحابہ:۷۴-۷۵)

اللہ اکبر! حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ، جیسے محقق امامِ کبیر اور یکتائے زمانہ کا صحابہ کی شان میں چند غیر مستند روایات کا ذکر دینا علمائے امت کو گوارا نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ جیسے امامِ حدیث ورجال کا صرف کتاب کی ترتیب میں ثقہ ومجروح راویوں کے طبقہ میں صحابہ کا ذکر کرنا گوارا نہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ جیسی جامعِ علوم ہستی کا صرف عدالت کی تعریف میں شانِ صحابہ سے بعید بات کہنا گوارا نہیں؛ حالاں کہ یہ حضرات، صحابہ کے سب سے بڑے مداح اور قدر دان ہیں، علمائے اہلِ سنت والجماعت ہیں اور حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آ سکتا کہ انھوں نے اپنی کسی تحریر میں کوئی ایک آدھ جملہ بھی صحابہ کی تنقیص میں کہا ہو۔

لیکن اتنے عظیم الشان معتمد، مستند، معتبر ومقبول حضرات کی طرف سے بھی ایک معمولی، ہلکی اور ادنیٰ سی بات بھی شانِ صحابہ کے خلاف نظر آ گئی، تو وہ بھی معیوب، متروک اور قابلِ رد بن گئی، تو غور کیا جائے کہ جو راوی متروک ومتہم ہے، کیا اس کی بات قبول کی جائے گی؟! اور وہ بھی ایسی بات، جس میں صحابیٔ رسول کو مرتکبِ کبیرہ بتایا گیا ہے، قبول کی جائے گی؟! کیا ایسی بات جو نصوصِ قرآن وسنت کے خلاف ہے، اس کو قابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا؟! اور کیا ایسی بات جو ایک متہم راوی سے منقول ہے، کیا اس کی بنا پر قطعی نصوص کے خلاف روایت نقل کرنا صحیح ودرست ہے؟!

چند شبہات اور ان کا حل

پہلا شبہ: کسی طالبِ علم کو یہ شبہ ہو سکتا ہے اور ہونا بعید نہیں کہ جب یہ روایت متروک اور واجب الترک ہے، تو پھر آخر محدثین نے اِس کو ذکر کیوں کیا؟ اگر ذکر کیا ہے، تو اس کا سیدھا مطلب یہی نکلا کہ یہ روایت قابلِ بیان ہے۔

یہ شبہ دراصل اس کو لاحق ہوتا ہے، جو اصولِ حدیث اور انواعِ حدیث میں تحریر کردہ کتابوں کے درجات سے اور محدثین کے مقصدِ بیان سے ناواقف نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ حدیث کی چند کتابیں ایسی ہیں، جن میں کوئی روایت موضوع ومکذوب نہیں ہے، جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا مالک ودیگر صحاحِ مجردہ؛ ان میں کوئی حدیث آ جائے تو وہ معتبر ومقبول ہے۔

لیکن کچھ کتابیں ایسی ہیں، جن میں موضوع روایات بھی آ گئی ہیں، جیسے ''سنن ابن ماجہ'' کی تقریباً ۲۲ اور ''مستدرکِ حاکم'' کی تقریباً ۱۰۰ اور ''جامعِ صغیر'' کی متعدد اور ''کنز العمال'' کی اچھی خاصی

تعداد کو علمائے محققین نے موضوع روایات میں شمار فرمایا ہے؛ لہٰذا حدیث کی ان جیسی کتابوں میں کسی روایت کا آ جانا علی الاطلاق اس کے صحیح و ثابت ہونے کی دلیل نہیں؛ بل کہ اصولِ روایت اور تحقیق کے بعد حدیث کا جو درجہ قائم ہوگا، اسی میں اُس کو رکھا جائے گا، اگر صحیح و حسن وضعیف ہے؛ تو درجۂ صحت میں اور اگر منکر و متروک و موضوع ہے؛ تو اُس درجہ میں۔

چوں کہ یہ روایت ''مساویٔ الاخلاق، دلائل النبوۃ، شعب الایمان اور طبرانی'' میں ہے اور ان کتابوں میں چند روایات ایسی آ گئی ہیں، جو متروک و موضوع قرار پاتی ہیں؛ اس لیے اِس روایت کا درجہ جاننے کے لیے تحقیق کرنا لازم و ضروری ہے، بعدِ تحقیق اگر حدیث صحیح ہوگی؛ تو صحیح کا حکم، اگر ضعیف ہے؛ تو ضعیف کا حکم اور اگر متروک و موضوع ہے؛ تو متروک و موضوع کا ہی حکم لگایا جائے گا۔

جب یہ بات واضح و منقح ہو گئی، تو اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو حضراتِ محدثین احادیث بیان کرتے ہیں، وہ ان کی اسانید بھی ساتھ ساتھ ضرور نقل کرتے ہیں، یہ اسانید اسی لیے نقل کرتے ہیں؛ تا کہ علمِ حدیث کے علما و طلبہ کو سند بھی معلوم ہو جائے اور اس کے ذریعہ حدیث کا درجہ بھی معلوم ہو جائے، اگر تمام راوی ثقہ ہیں، تو حدیث صحیح و حسن ہوگی، اگر کوئی راوی ضعیف نکلے یا کوئی دوسری وجہِ ضعف پائی جائے، تو حدیث ضعیف ہوگی اور اگر راوی متہم و کذاب ثابت ہو جائے؛ تو حدیث متروک و موضوع ہوگی۔

اب چوں کہ زمانۂ قدیم کے علمائے حدیث کو متونِ حدیث کی طرح اسانیدِ حدیث کی بھی معرفت و تحقیق ہوتی تھی؛ اس لیے ان کے سامنے باقاعدہ درجۂ حدیث بتانے کی چنداں ضرورت نہ تھی، محض راویوں اور حدیث کے ناقلین کا ذکر کر دینا ہی کافی وشافی تھا۔

لہٰذا اس مقصود سے ہٹ کر محض نقل کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھنا کہ حدیث قابلِ بیان اور لائقِ قبول ہے، یہ ناقابلِ قبول ہے، درست نہیں ہے۔

دوسرا شبہ: امام ابن الجوزی پر امام سیوطی کے تعقب کرنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو موضوع کے دائرے سے نکال کر صحیح و ثابت کے زمرے میں شامل فرمایا ہے، نہیں؛ بل کہ بات صرف یہ ہے کہ عقیلی و ابن الجوزی کی سند میں فائد سے بیان کرنے والا راوی: داود بن ابراہیم قاضی قزوین ہے، جو کہ کذاب ہے۔

اب امام سیوطی صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فائد سے یہ روایت بیان کرنے والا صرف ایک ہی راوی نہیں؛ بل کہ دوسرے بھی راوی ہیں، جو کہ ثقہ ہیں، جیسے یزید بن ہارون، جعفر بن سلیمان اور عیسیٰ بن یونس؛ لہٰذا اِس طبقے میں جب معتبر راوی آ گئے، تو امام ابن الجوزی کا محض داود بن ابراہیم کو دیکھ کر حکم

لگانا صحیح نہیں رہا؛ لہٰذا جب دوسری اسانید آ گئیں اور ان میں کوئی کذاب ووضاع نہیں ہے، تو اس روایت کو علی الاطلاق موضوع کہنا صحیح نہیں رہا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ کا یہ تعقب بالکل صحیح ہے؛ لیکن اس سے آگے جو راوی فائد بن عبدالرحمٰن ہے، اُس کے متعلق اس جگہ تو کوئی کلام نہیں کیا؛ لیکن دوسرے مقامات پر اس کو مستقیم الحدیث مانا ہے؛ اس طرح گویا امام سیوطی رحمۃ اللہ اس روایت کے موضوع ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

لیکن جمہور محدثینِ عظام اور امام حاکم، حافظ سیوطی وطاہر پٹنی رحمہم اللہ کے اقوال کا موازنہ کرنے کے بعد اور اصولِ روایت ودرایت کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے کے بعد (جیسا کہ ان سب پر تفصیل سے کلام گزر گیا)، صحیح وقوی یہی ہے کہ یہ حدیث متروک اور قریب بہ موضوع ہے۔

تیسرا شبہ: ایک شبہ یہ بھی کیا گیا اور کیا جاتا ہے کہ اگر علقمہ صحابی کے نام کی تخصیص کر کے بیان کرنا جائز نہیں؛ تو کیا ابہام واجمال کے پیرائے میں مثلاً ''ایک صحابی کا واقعہ ہے'' کہہ کر بیان کرنا بھی جائز نہیں؟ جب کہ اس طرح بیان کرنا بظاہر درست لگتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ دنیا ہی کے اندر رضائے الٰہی کے سند یافتہ ہو چکے ہیں، رشد وہدایت کا مینار اور ایمان وطاعت کا معیار ہیں اور متعدد وجوہات وخصوصیات کی بنا پر یہ جماعتِ صحابہ عام افرادِ امت سے کئی گنا ممتاز ہے اور یہ مقام وشان صحابہ کو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، فاطمہؓ، عائشہؓ وغیرہ الگ الگ ناموں اور ذوات کی وجہ سے نہیں ملا؛ بل کہ یہ مقام اس لیے ملا؛ کیوں کہ اس عظیم جماعت کو نبی اکرم ﷺ کی صحبت ورفاقت کی سعادت اور آپ سے تعلیم وتربیت پانے کی عظمت نصیب تھی، چناں چہ احادیثِ نبوی میں صحابہ کو برا بھلا کہنے اور ان کی شان میں گستاخی کرنے سے جو منع کیا گیا ہے، وہ یہ کہہ کر منع کیا گیا ہے: **''لا تسبوا أصحابي''، ''اللّٰہ اللّٰہ في أصحابي''**

اس میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی وغیرہ نام والے صحابہ کو برا مت کہو، آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ فلاں قبیلے وخاندان اور فلاں علاقے کے رہنے والے میرے صحابہ کو برا مت کہو؛ بل کہ علی الاطلاق یہ فرمادیا کہ میرے کسی بھی صحابی کو- چاہے نام کچھ بھی یا نام نہ بھی ہو- برائی وبدی کے ساتھ یاد مت کرو۔

لہٰذا نام کی تعیین وتصریح کے ساتھ ہو یا بلا تعیین وتصریح کے؛ بہر صورت حضراتِ صحابہ کی تنقیصِ شان جائز نہیں ہے۔

اصولِ روایت ودرایت کے علاوہ مؤمنانہ عقلِ سلیم بھی یہ بات گوارا نہیں کرتی کہ صحابہ رسول کی

جانب طرزِ ابہام میں بھی فسق وفجور کو منسوب کیا جائے، غور کیا جائے:

(الف) اگر کوئی شخص کسی غیر معتبر خبر کی بنا پر کہے کہ جناب احمد رضا خان صاحب کے فلاں شاگرد ایسے ویسے تھے، گناہِ کبیرہ کے مرتکب تھے، مرتے وقت کلمہ پڑھنے کی توفیق تک نہیں ہو رہی تھی، تو کیا ایک غیر معتبر خبر کی بنیاد پر ایسا کہنا صحیح ہوگا؟ کیا احمد رضا خان صاحب، کہنے والے اور سنانے والے سے ناراض نہیں ہوں گے؟ اور کیا جماعتِ احمد رضا ایسی بات کو برداشت کرلے گی؟ نہیں ہرگز نہیں۔

(ب) اسی طرح اگر کوئی شخص کسی غیر معتبر شخص کے سنانے کی بنا پر کہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے فلاں خلیفہ کا برا حال تھا، گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے اور معافی تلافی نہ کرنے کی بنا پر بوقتِ موت کلمہ نصیب نہیں ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ایسا ویسا ہوا۔ تو کیا ایسا کہنا صحیح ہوگا؟ کیا حضرت تھانوی رحمہ اللہ کہنے اور سنانے والے سے کوئی سوال نہیں کریں گے؟ کیا مسلکِ تھانوی رکھنے والے احباب اس کی تحقیق نہیں کریں گے؟ اور بلا تحقیق سننے وسنانے پر نکیر نہیں کریں گے؟ کریں گے اور ضرور کریں گے۔

(ج) اسی طرح اگر کوئی شخص کسی غیر معتبر شخص کے سنانے کی بنا پر کہے کہ دعوت وتبلیغ میں سال ہا سال لگانے والے ایک امیر صاحب کی حالت بہت بری ہوگئی تھی؛ ایک بڑے گناہ کی نجاست میں ملوث ہوگئے تھے؛ اس لیے سارے چلّے اور سال دھرے کے دھرے رہ گئے، خاتمہ بالخیر نصیب نہیں ہو رہا تھا، ایمان والے ساتھی کلمہ پڑھا رہے تھے؛ مگر اُن کی زبان پر ایک حرف تک نہیں چڑھ پا رہا تھا۔ کیا اس قسم کی باتیں غیر معتبر شخص کے کہنے کی بنا پر کہنا صحیح ہے؟ کیا اہلِ جماعت ایسا کہنے والے کو جماعت کا مخالف نہیں کہیں گے؟ کہیں گے، ضرور بالضرور کہیں گے۔

جب جماعتِ احمد رضا، خلفائے تھانوی اور امیرانِ دعوت وتبلیغ میں سے کسی کے حق میں محض ایک نا قابلِ قبول شخص کے کہنے کی بنا پر اندازِ ابہام میں بھی ایسی باتیں کہنا غلط ہے، تو اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے، نبیٔ اکرم ﷺ کے حقیقی وارثین اور دین کے سچے مبلغین وناصرین، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں بھی اس طرح مبہم ومجمل کہنا صحیح نہیں ہے؛ بل کہ بدرجۂ اولیٰ سنگین غلطی اور بھیانک جرم ہے؛ لہٰذا نقلاً وعقلاً، نام کی تصریح ہو یا نہ ہو؛ کسی طور سے بھی یہ جائز نہیں کہ حضراتِ صحابہ کا ذکر برائی کے ساتھ کیا جائے اور خاص طور سے اس وقت تو جائز ہی نہیں، جب کہ بیان کرنے والا جمہور ائمۂ محققین کے نزدیک متروک ومتہم اور ضعیف ہو۔

چوتھا شبہ: شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث میں تو ''سب'' یعنی گالی دینے سے منع کیا گیا، ہم تو گالی نہیں دے رہے ہیں اور جب گالی نہیں دے رہے ہیں، تو کوئی غلط کام نہیں کر رہے ہیں؛ تو نکیر وتنبیہ

کیوں؟ یہ شبہ ہر گز نہیں کھانا چاہیے؛ کیوں کہ عربی زبان میں "سَبٌّ" ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے، جس سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔ چناں چہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ "مقامِ صحابہ:۵۴" میں رقم طراز ہیں:

> "اِس حدیث کے شروع میں جو یہ ارشاد ہے: "لا تسبوا أصحابي"، یعنی میرے صحابہ پر سب نہ کرو، لفظِ سب کا ترجمہ اردو میں عموماً گالی دینا کیا جاتا ہے، جو اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں؛ کیوں کہ گالی کا لفظ اردو زبان میں فحش کلام کے لیے آتا ہے، حالاں کہ لفظِ "سب" عربی زبان میں اس سے زیادہ عام ہے، ہر اس کلام کو عربی میں "سب" کہا جاتا ہے، جس سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔"

اس متروک روایت میں مزید متروک باتوں کا اضافہ

سابقہ سطور میں اس خاص واقعے سے متعلق جتنی روایات ملیں، وہ سب باحوالہ نقل کردی گئیں، جن میں کچھ مختصر ہیں اور کچھ مفصل؛ اِن میں جتنی باتیں آئیں، ان کے علاوہ اس متروک روایت کی تشریح میں مزید نئی نئی باتیں بڑھا چڑھا کر بیان کی جاتی ہیں، جن کا ثبوت نہ کسی حدیث میں ملتا ہے اور نہ اُن پر مذکورہ روایات کا کوئی لفظ دلالت کرتا ہے۔ ذیل میں یہ باتیں بھی تنقید وتبصرے کے ساتھ بیان کردی جارہی ہیں؛ تاکہ بات مکمل اور واضح ہوجائے؛ لہٰذا عرض ہے:

(۱) کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ جس صحابی کا ہے، ان کا نام حضرت علقمہ ہے۔

اولاً: تو جو روایات سابق میں نقل ہوئی ہیں، اُن میں سے کسی میں بھی نام کی تعیین وتصریح نہیں ہے۔

ثانیاً: علقمہ نامی حضراتِ صحابہ کا ذکر تراجم وطبقات کی کتابوں میں موجود ہے، بعض کی وفات زمانۂ نبوت کے بعد ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ اُن کا قصہ نہیں ہے اور جن حضرات کی وفات زمانۂ نبوت میں ہوئی ان میں سے کسی کے تذکرے وحالات میں اِس قصہ کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔

(۲) بیان کیا گیا ہے کہ اُن صحابی کی بیوی نے نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا۔

سابقہ روایات میں سے کسی ایک میں بھی یہ نقل نہیں ہوا کہ نبیٔ اکرم ﷺ تک یہ پیغام، اُن کی بیوی نے پہنچایا ہے، اب بیوی کا ذکر کس روایت میں آیا ہے، یہ محتاجِ تحقیق ہے۔

(۳) بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے کہا: بلال! لکڑیاں اکٹھی کرو اور اس کو آگ لگادو۔ اسی طرح یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت عمار کو لے کر، صہیب کو لے کر، بلال کو لے کر وہاں تشریف لے گئے۔

بتایا گیا ہے کہ اِس قصے میں جائے واقعہ پر حضرت سیدنا بلال، حضرت عمار اور حضرت صہیبؓ موجود تھے؛ مگر سابقہ روایات اِن تینوں حضرات کے نام وذکر سے خالی ہیں۔ اب کہاں کس روایت میں اِن تینوں صحابہ کا یا کم ازکم ایک صحابی کا نام آیا ہے؟ یہ محتاجِ تحقیق ہے اور ویسے عقل یہی کہتی ہے کہ یہ عبرت خیز واقعہ ان تینوں صحابہ سے تو کم ازکم منقول ہوتا؛ مگر کس قدر عجیب بات ہے کہ کسی سے بھی صحیح طور پر یہ واقعہ ثابت نہیں ہے۔

(۴) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے خود ان کا جنازہ پڑھایا، جنازہ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"لوگو! سن لو، جس نے ماں باپ کو ناراض کیا، اس پہ اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، زمین وآسمان کی لعنت۔"

ان باتوں کا ذکر بھی سابقہ روایات میں موجود نہیں ہے۔ اگر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی ہوتی اور اس کے بعد وہ ارشاد بیان فرمایا ہوتا، جو اوپر نقل کیا گیا ہے، تو ضرور بالضرور کسی ایک روایت میں وہی منقول ہوتا؛ کیوں کہ یہ بات بعید ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے یہ روایت منقول ہو اور حضرت عبداللہ وہ بات بیان نہ کریں، جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہو؛ ایسا نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ یہ طرزِ صحابہ کے معروف ومشہور طریقۂ بیان کے۔صرف یہ نہیں کہ موافق نہیں ہے۔ بل کہ صحابہ کی دیانت وامانت کے اور طریقۂ تبلیغ کے بھی خلاف ہے اور ویسے عقل یہی کہتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے نماز پڑھائی ہوتی، تو اس کا ضرور ذکر کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس صورت میں ایک صحابیٔ رسول کی عزت وعظمت اور تقدس ومغفرت بدرجۂ اتم ثابت ہوجاتی؛ لیکن تعجب ہے کہ کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے۔

(۵) بیان کیا جاتا ہے کہ "مجھے شکایت یہ ہے کہ جب بھی مجھ سے بولا، مجھے ذلیل کیا، جب بھی مجھ سے بولا، بدتمیزی کی۔"

یہ بات اس لیے قابلِ نکیر ہے کہ اُس میں ایک صحابی کی جانب ماں کو ذلیل کرنے اور اس کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنے کی بات نقل کی گئی ہے؛ حالاں کہ یہ بات صحابۂ رسول کے ثابت شدہ احوال وکوائف سے میل نہیں کھاتی؛ کیوں کہ یہ بات بعید ہے کہ ایک صحابی ماں کی تذلیل وتحقیر جیسا گناہِ کبیرہ کرے اور وہ بھی استمرار واصرار کے ساتھ۔

غالبًا بیان کرنے والوں نے "لعقوق والدتي" کو دیکھ کر بطور تمثیل وتصویر یہ نقشہ کھینچا ہے، یہ نقشہ کھینچنا بھی صحیح اس لیے نہیں؛ کیوں کہ یہ قصہ آج کے کسی بدعمل مسلمان کا نہیں بیان کیا جارہا ہے؛ بل

کہ زمانۂ وحی میں موجود، صحبتِ نبوت کے زیر سایہ رہنے والے ایک عظیم صحابی کا بیان کیا جا رہا ہے، تو یہ کہاں ضروری اور صحیح ہے کہ تحقیر و تذلیل اور وہ بھی والدہ کی اور وہ بھی استمراراً ہی مراد لیا جائے؛ بل کہ یہ احتمال قریب الامکان ہے کہ اُن صحابی سے ماں کے حق میں جو قصور ہوا وہ از قبیل ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' ہو۔ (یہ بات بھی اُس وقت، جب کہ اس واقعے کو صحیح و ثابت ٹھیرایا جائے۔)

(۶) بیان کیا گیا ہے کہ ''آپ علیہ السلام نے ماں سے فرمایا: تو معاف کر دے۔ کہا: جی، میرا جی نہیں چاہتا۔ کہا: تو معاف کر دے۔ کہا: میں نہیں کرتی.........'' ماں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرے بیٹے کو آگ میں جلائیں گے؟ کہا: ہاں! جلاؤں گا؛ تو معاف نہیں کرے گی، تو دوزخ میں جلائے گی، میں جلاؤں گا؛ تو کوئی کام بن جائے گا، آسانی ہو جائے گی۔''

قابل غور ہے کہ اپنے صحابی کو قریب المرگ ایسی عبرت ناک حالت میں دیکھ کر نبیٔ اکرم ﷺ پر درد و کرب کی جو حالت بیتی ہوگی!! اس کا اندازہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اور پھر اپنے صحابی کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے اُس ماں سے معافی کی درخواست بار بار جس طرح تڑپ کر عرض کی ہوگی!! اُس کا تصور بھی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ نیز ایک ماں جو صحابیہ خاتون ہے اور جو یقیناً عفو و درگزر کے فضائل سے آشنا ہے، وہ اپنے بیٹے کو معاف کرنے تیار نہیں۔

یہ بات ماننے کو دل آمادہ نہیں؛ کیوں کہ صحابہ و صحابیات کا حال تو یہ ہے کہ ایک عام مسلمان کی تکلیف بھی ان کو برداشت نہ ہوتی تھی، اب یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایک صحابیہ خاتون اپنے لخت جگر کو دوزخ کے حوالے کرنے پر راضی ہوگئی ہے، یہ حالت بھی صحابہ کے مشہور اور سچے ہمدردانہ احوال سے میل نہیں کھاتی؟!۔ اسی طرح صحابہ کا مشہورِ زمانہ حال یہ تھا کہ وہ اپنے نبیٔ اکرم ﷺ کے اشارے و کنایے پر دل و جان سے فدا ہو جاتے تھے اور آپ کے قول و ارشاد کو بسر و چشم بلا چون و چرا قبول کر لیتے اور بلا کم و کاست اس پر عمل پیرا ہو جاتے؛ لیکن کس قدر تعجب خیز بات اس واقعے میں بیان کی جا رہی ہے کہ جس سے مفہوم یہی نکلتا ہے کہ شرعی، طبعی اور اخلاقی تمام تقاضوں کے جمع ہونے کے باوجود ایک صحابیہ خاتون اپنے ہی لخت جگر کی اخروی بھلائی کے لیے اُس درخواست کو یا اس حکم کو قبول نہیں کر رہی ہیں، جو کہ نبیٔ اکرم ﷺ بار بار پیش کر رہے ہیں؟ کیا یہ بھی تعجب خیز اور حیرت ناک نہیں ہے؟!

حاصل تحقیق و خلاصۂ کلام

یہ روایت اور یہ قصہ بے حد مشہور ہے اور تحقیق و تفصیل طلب ہے؛ اس لیے اتنی تفصیل سے کلام کیا

گیا اور روایتاً و درایتاً سنداً و متناً ہر اعتبار سے تحقیق پیش کردی گئی اور اس واقعے کی روایت کے متعلق پیدا ہونے والے شبہات کا حل بھی نقل کر دیا گیا ہے۔ اب ان سب کا حاصل و خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

یہ حکایت و روایت محض اصولِ حدیث کی تحقیق کی رو سے صاف و صریح طور پر موضوع نہ بھی کہلائے؛ تاہم ان ہی قواعدِ علمِ حدیث، اصولِ شرعِ متین کی روشنی میں یہ متروک اور قریب بہ موضوع ضرور کہلائے گی اور چوں کہ اس پر بلحاظِ روایت اور بلحاظِ درایت ہر پہلو سے متعدد آثارِ نکارت و وضع نمایاں اور عیاں ہیں؛ اس لیے نا قابلِ قبول اور نا قابلِ بیان ہی قرار پائے گی؛ لہٰذا اولاً تو کسی بھی صورت میں اس کا ذکر درست نہیں، چاہے بابِ ترہیب و ترغیب ہی میں کیوں نہ ہو اور اگر ضرورت پیش آ ہی جائے، جیسا کہ تحقیق روایات کے باب میں ضرورت پیش آتی ہے، تو صرف اسی وقت بیان کرنا درست ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس کی حقیقت و درجہ بیان کر دیا جائے۔

اور رہی بات وعظ گوئی، بیان بازی کی، تو چوں کہ یہ ترغیب و ترہیب کا میدان ہے، تحقیق کا نہیں؛ اس لیے صرف ان ہی آثار پر اکتفا کرے، جو صحیح یا حسن درجے کے ہیں؛ تاہم ضعیف احادیث بیان کرنے میں بھی کوئی حرج و قباحت نہیں ہے؛ لیکن جو حد درجے منکر و متروک ہے اور بے شمار منکرات و مفاسد پر مشتمل ہے، اس کو تو اس موقع پر بھی بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور جب ضرورت نہیں، تو بیان کرنا درست نہیں اور یہ بھی اس وقت ہے، جب کہ سامنے اہلِ علم وفہم کا مجمع ہو۔

لیکن عام طور پر چوں کہ بیانات و خطابات کے موقع پر عوام الناس زیادہ ہوتے ہیں، جن میں صحیح علم وفہم کی قلت ہوتی ہے اور کم فہمی و کج فہم کی کثرت ہوتی ہے؛ اس لیے کسی بھی طرح اور کسی بھی مقصد سے اس حکایت و روایت کو زبان پر لانا ہی نہیں چاہیے؛ لیکن اگر واقعی حزم و احتیاط کے باوجود جوشِ بیان کے زور سے زبان پر غلطی سے یہ قصہ آ ہی گیا، تو واجب و ضروری ہے کہ علی الفور بلا تاخیر اس روایت کے فساد و بطلان کو صاف صاف بیان کر دے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

بسم الله الرحمن الرحیم

جزء في تحقيق أحاديث

”الفكرة في الدين أفضل من عبادة ستين سنة و نحوها“

حدیث: دین کے لیے تھوڑی دیر محنت کرنا ساٹھ سال عبادت سے بہتر ہے

ہماری تبلیغی جماعت (حفظها الله من كل شر وفتنة) میں ایک روایت بہت مشہور و زبان زد ہے، جو بیان کی جاتی ہے، تو عام طور پر اس طرح بیان کی جاتی ہے:

حدیث کا مفہوم ہے: ”دین کی فکر لے کر تھوڑی دیر بیٹھنا ساٹھ سال عبادت کرنے سے زیادہ افضل ہے“۔ ”دین کی فکر لے کر تھوڑی دیر بیٹھنا ساٹھ سال نفل نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔“

تحقيق

اِس میں کوئی شک نہیں کہ دین کی فکر کرنا بڑی عبادت و عظیم فضیلت ہے اور یہ فکر چاہے دین کی تعلیم و تعلم کے اعتبار سے ہو، چاہے دین کے نفاذ کے اعتبار سے ہو، چاہے دین کی تبلیغ کے اعتبار سے ہو۔ فکرِ دین کی فضیلت و منقبت ایک ثابت شدہ بات ہے، جس کے صحیح و ثابت ہونے میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے؛ لیکن جو فضیلت نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور اس فضیلت کا ثابت نہ ہونا اصولِ تحقیق کی عدالت میں فیصل شدہ ہو، تو اس کو بیان کرنا بھیانک جرم اور سنگین غلطی ہے۔

اور ایسی صورتِ حال میں جب کہ دین کے تعلق سے ایک غیر ثابت بات کو ثابت ٹھیرایا جا رہا ہے، تو علمائے حق پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ دین کے نام پر کی جانے والے کوتاہیوں کی اصلاح کریں اور صحیح راہ کی نمائی کریں؛ تا کہ دین کی محنت دین ہی کے بتائے ہوئے صحیح و بہتر طریقے پر انجام دی جا سکے اور

ایسا کرنا علمائے حق پر اس لیے لازم وضروری ہے؛ کیوں کہ یہ بھی دین کی فکر ہے اور دین کی فکر لے کر تھوڑی دیر بیٹھنا، تھوڑا سا صحیح و سچ کہنا یقیناً افضل ترین و عظیم ترین عبادت ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد آگے وہ روایات نقل کرتا ہوں، جن میں یہ مضمون و مفہوم آیا ہے اور ہر ایک روایت کی تحقیق بھی محدثین کے کلام اور اصولِ حدیث کی روشنی میں پیش کرتا ہوں۔ اللّٰھم أرنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعه، و أرنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابه۔

ساٹھ سال والی ایک روایت کا ذکر اور اس پر کلام

"دین کی فکر لے کر تھوڑی دیر بیٹھنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے" اس مفہوم پر دلالت کرنے والی ایک روایت امام ابن الجوزی نے امام ابوالشیخ کے حوالے اور سند سے "الموضوعات: ۳/۳۸۵" میں نقل فرمائی ہے، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے اور جس کی سند اور متن یہ ہیں:

"حدثنا عبد الله بن محمد بن زكريا ، حدثنا عثمان بن عبد الله القرشي ، حدثنا إسحاق بن نجيح الملطي، حدثنا عطاء الخراساني عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فِكْرَةُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً."

درجِ ذیل قطعاتِ کلام میں اس روایت کی تحقیق مفصلاً پیش کرتا ہوں:

پہلا قطعہ: حدیث کی مشہور و متداول اور معتمد و مستند کتابوں میں اِس کا ذکر نہیں ہے، صرف "كتاب العظمة، رقم: ۴۲، باب الأمر بالتفكر في آيات الله عزوجل، وقدرته وملكه وسلطانه وعظمته ووحدانيته" میں یہ منقول ہے، جس کے مصنف امام جلیل، محدث عظیم حضرت عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیّان معروف بہ ابوالشیخ رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۹ھ) ہیں۔ ان ہی کے حوالے اور طریق سے یہ منقول ہے، دوسری سند منقول نہیں ہے؛ چناں چہ جن حضراتِ محدثین نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے، انھوں نے صرف "كتاب العظمة" ہی کا حوالہ دیا ہے۔

دوسرا قطعہ: امام ابوالشیخ بن حیان بڑے ہی جلیل القدر ائمۂ حدیث، زاہدین و صالحین اور مولفین و مصنفین میں سے ہیں، خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کہا کہ: كان أبو الشيخ حافظاً، ثبتاً، متقناً۔ امام ابن مردویہ رحمہ اللہ نے کہا کہ "ثقةٌ مامونٌ"۔ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے کہا کہ "كان أحد الأعلام"؛ لیکن امام ابوالشیخ نے جو تصنیفات تحریر کی ہیں، ان میں موضوع اور مکذوب اور واہی

تباہی روایات کی کافی اچھی خاصی تعداد نقل کر دی ہے، چناں چہ "**كتاب العظمة**" راقم السطور کے مطالعہ میں ہے، جس میں بڑی تعداد موضوع روایات کی بھی ہے اور شیخ الاسلام امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی متعدد کتابوں کا جائزہ لینے کے بعد جو تنقید و تبصرہ "**سير أعلام النبلاء:١٦/ ٢٧٩**" میں لکھا ہے، وہ یہ کہ "**قد كان أبو الشيخ من العلماء العاملين، صاحب سنة واتباع ، لولا مايملأ تصانيفه بالواهيات**" (اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوالشیخ نیک کردار، صاحبِ سنت عالم دین و مقتدا ہیں؛ لیکن اے کاش! اپنی تصنیفات کو واہی تباہی، غلط سلط روایات سے نہ بھرتے، تو کتنا اچھا ہوتا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوالشیخ کی تصنیفات میں آئی ہوئی احادیث وآثار کا تحقیقی جائزہ لینا ضروری ہے، بعدِ تحقیق روایت ثابت ہے، تو ثابت مانی جائے گی، نہیں تو نہیں۔

تیسرا قطعہ: امام ابوالشیخ نے ساٹھ سال والی اس روایت کی جو سند ذکر کی ہے، اُس میں دو راوی ہیں:

(الف) اسحاق بن نَجِيح مَلَطِي۔ ائمہ جرح وتعدیل اور محدثین کے نزدیک یہ بڑا مشہور راوی ہے، اس کے متعلق حضراتِ ائمہ نے اپنی اپنی کتابوں میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کو امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "تہذیب التہذیب: ١/ ١٢٩" میں جمع فرما دیا ہے، یہاں صرف اسی سے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، چناں چہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "**مِن أكذبِ الناس**"۔ امام نسائی، امام ابن طاہر، امام عمرو بن علی رحمہم اللہ نے فرمایا: "**كذاب ، وضاع ، دجال ،كان يضع الحديث**"۔ امام ابن ابی شیبہ، امام ابن ابی مریم، ابن معین رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں اور امام ابوسعید نقاش فرماتے ہیں کہ "**مشهور بوضع الحديث ، ومن المعروفين بالكذب ووضع الحديث**"۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**دجال من الدجاجلة يضع الحديث صراحاً**"۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا "**كذاب ، عدو الله ، رجل سوء ، خبيث**"۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ "الکامل" میں اس کی بیان کردہ روایتوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "**أحاديثه موضوعات ، وضعها هو**"۔

الغرض امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ "**أجمعوا على أنه كان يضع الحديث**" (تمام محدثین اور ائمۂ جرح وتعدیل کا اجماع ہے کہ اسحاق بن ابراہیم ملطی حدیثیں گھڑا کرتا تھا)۔

(ب) دوسرا راوی: عثمان بن عبداللہ قُرشی ہے۔ اس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: "**متروک الحديث**"۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ "**يضع الأباطيل على الشيوخ الثقات**"۔ امام جوزقانی رحمہ اللہ نے کہا کہ "**كذاب ،يسرق الحديث**"۔ امام ابن عدی لکھتے ہیں کہ "**يروي**

الموضوعات عن الثقات‘‘۔نیز اس کے متعدد موضوع روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ’’و لعثمان غیر ما ذکرت من الأحادیث أحادیث موضوعات‘‘۔امام ابونعیم رحمہ اللہ نے فرمایا:’’روی المناکیر‘‘۔امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ’’و کان قدم خراسان فحدثهم عن اللیث ومالک، وکان یضع علیهم الحدیث.لا یحل کتب حدیثه الاعلی سبیل الاعتبار‘‘؛ لیکن امام ذہبی نے ’’تلخیص الموضوعات‘‘ میں کبھی ’’واہٍ ‘‘لکھا ہے اور کبھی ’’کذاب‘‘۔اسی طرح امام ابن حجر رحمہ اللہ نے’’لسان المیزان‘‘میں یہ ایک روایت کی سند ذکر کرتے ہیں، جو اِس راوی نے بیان کی ہے، پھر اُس سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ’’و هو من اختلاقه‘‘(یہ اس کی گھڑی ہوئی ہے)۔نیز’’التلخیص الحبیر‘‘میں جہاں اس کا ذکر آیا ہے، وہاں لکھتے ہیں کہ امام ابن معین رحمہ اللہ نے اس کو’’کذاب‘‘ قرار دیا ہے اور امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث گھڑتا تھا۔اسی طرح امام ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ ’’معرفۃ التذکرۃ‘‘میں جہاں اس کا ذکر ہے، وہاں لکھا ہے کہ’’کان یضع الحدیث‘‘۔اور امام ابن ملقن رحمہ اللہ نے بھی ’’البدر المنیر‘‘میں لکھتے ہیں کہ’’عثمان هذا متهم واہٍ ، رماه بالوضع ابن حبان وابن عدي‘‘۔امام سبط ابن العجمی رحمہ اللہ نے’’الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث‘‘ میں اور علامہ ابن عراق کنانی رحمہ اللہ نے’’تنزیه الشریعة‘‘ میں اس راوی کو کذاب ووضاع راویوں کی صف میں شامل رکھا ہے۔

الغرض ائمۂ جرح وتعدیل اور محدثین نے راجح فیصلہ یہی کیا ہے کہ عثمان بن عبداللہ الاموی الشامی القرشی بے شمار موضوع و من گھڑت روایات کا بانی ہے اور ایسی روایتوں کا راوی ہونا حتمی و پکی بات ہے۔

(الکامل لابن عدي:۳۰۴/۶، میزان الاعتدال:۵۳/۵، لسان المیزان: ۳۹۹/۵، البدر المنیر: ۳۰،۲۹،التلخیص الحبیر،کتاب صلاۃ الجمعة، معرفة التذکرة :۴۹۷، الکشف الحثیث: ۱۸۰، تنزیه الشریعة:۸۴/۱)

درجۂ حدیث

اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ اس حدیثِ مرفوع کی صرف ایک ہی سند ہے، دوسری کوئی سند محدثینِ عظام کو کہیں نہیں ملی اور جو سند ہے، اس میں دو کذاب ووضاع راوی جمع ہیں اور یہ ایسے ہیں کہ محدثین نے ان میں سے ہر ایک کی بنیاد پر اُن کی مرویات کو موضوعات میں شمار کیا ہے؛ لہٰذا اِس روایت میں اگر کوئی ایک ہوتا، تو بھی اس حدیث کو موضوع ومکذوب قرار دینے کے لیے کافی تھا؛ لیکن یہاں تو دونوں

ہی جمع ہیں، تو پھر تو یہ حدیث بدرجۂ اَولی موضوع قرار پاتی ہے؛ لہٰذا ساٹھ سال عبادت والی یہ حدیث خودساختہ وخانہ ساز یعنی بناوٹی وجھوٹی ہوئی۔

امام ابن الجوزیؒ پر امام سیوطیؒ کے تعقب کا جائزہ

اس روایت کو امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ کے موضوع قرار دیے جانے پر حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے تعقب کرتے ہوئے اُن سے اختلاف کیا ہے؛ اور اس کو موضوع نہیں مانا، چناں چہ ایک طرف اس روایت کو ''الجامع الصغیر'' میں نقل فرمایا ہے اور دوسری طرف ''اللآلی المصنوعہ:۲/۳۲۷'' میں اپنے قولِ تضعیف کو صحیح وپختہ بتانے کے لیے چند دلائل وقرائن پیش کیے ہیں۔ ذیل میں حافظ سیوطی رحمۃ اللہ کی ہر ایک دلیل کا جائزہ محدثینِ عظام ہی کے کلام اور اصولِ حدیث کی روشنی میں پیش کرتا ہوں:

(الف) پہلی بات یہ لکھی ہے کہ ''اقتصر العراقي في تخريج أحاديث الإحياء على تضعيفه'' (حافظ عراقی رحمۃ اللہ نے احیاء کی احادیث کی تخریج میں اس حدیث کو ضعیف کہنے پر اکتفاء واقتصار فرمایا ہے)۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ ''المغنی عن حمل الاسفار، رقم:۴۳۱۹'' میں اس روایت کی تخریج میں جو کلام کیا ہے اور جس انداز سے کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو، چناں چہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ رقم طراز ہیں:

> " ابن حيان في كتاب العظمة من حديث أبي هريرة بلفظ : "ستين سنة " بإسناد ضعيف . ومن طريقه ابن الجوزي في الموضوعات . و رواه أبو منصور الديلمي في مسند الفردوس من حديث أنس بلفظ : " ثمانين سنة " و إسناده ضعيف جداً . و رواه أبو الشيخ من قول ابن عباس بلفظ :"خير من قيام ليلة."

یہ ہے حافظ عراقی رحمۃ اللہ کی عبارت، جس میں ابوالشیخ کے طریق کی بابت ''إسناد ضعيف'' لکھا ہوا ہے اور حافظ سیوطی رحمۃ اللہ نے اسی کو دیکھتے ہوئے یہ فرمادیا کہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے پر اکتفاء کیا ہے؛ مگر حافظ سیوطی رحمۃ اللہ کی یہ بات چند وجوہات کی بنا پر قابلِ قبول نہیں ہے:

پہلی وجہ:

''إسناد ضعيف'' سے حافظ عراقی رحمۃ اللہ کی مراد کیا ہے؟ یہ آگے بیان کروں گا؛ فی الحال

حافظ عراقی رحمۃ اللہ کے کلام سے صرفِ نظر کرتے ہوئے غور کرنا یہ ہے کہ اصولِ حدیث کی رو سے یہ سند صرف ضعیف راوی پر مشتمل ہے، یا وضاع وکذاب اور متہم راوی کو شامل ہے؟ اگر پہلی صورت ہے، تو اِس سے مروی حدیث ضعیف کہلائے گی، موضوع نہیں؛ لیکن اگر دوسری صورت ہے؛ تو اِس سے مروی روایت موضوع ومکذوب ہی کہلائے گی۔

لہٰذا سابقہ سطور میں اس روایت کے اصل ماخذ یعنی ''كتاب العظمة لأبي الشيخ'' کے حوالے سے جو سند نقل ہوئی، اس میں خود امام ابوالشیخ ابن حیان نے دوراویوں کو نام ونسبت کی تصریح کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ دو ہیں: (۱) اسحاق بن نجیح ملطی۔ (۲) عثمان بن عبداللہ قرشی۔ اور ان دونوں پر محدثین کا کلام بھی ماقبل میں نقل کردیا گیا ہے، جو یہ بتاتا ہے کہ پہلا راوی مشہور مشہور اور بڑے بڑے جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ جس کے کاذب ووضاع ہونے پر تمام محدثین کا اجماع واتفاق ہے اور جو دوسرا راوی ہے، وہ بھی جھوٹا اور متہم بالکذب ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان صرف ۱۹، ۲۰ کا معمولی سا فرق ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سند دوسری صورت کی قبیل سے ہے اور ایسی سند سے مروی جو بھی حدیث ہوگی، وہ ضعیف اور ضعیف جدا نہیں؛ بل کہ صاف وصریح طور پر موضوع ومکذوب اور من گھڑت وخانہ ساز ہی کہلائے گی۔

دوسری وجہ:

احادیث کی تخریج وتحقیق کرنے والے اور روایات کی تصحیح وتضعیف کرنے والے حضراتِ محدثین نے اُن متعدد روایات کو موضوع اور غیر ثابت قرار دیا ہے، جن روایات کی سند میں اِن دوراویوں میں سے کوئی ایک بھی آ گیا۔ خود حافظ سیوطی رحمۃ اللہ نے بھی جگہ جگہ اِن دونوں کی روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔ یہاں صرف حافظ سیوطی رحمۃ اللہ کی کتاب ''اللآلی المصنوعۃ'' پر انحصار کرتے ہوئے بطور مثال چند روایات کی نشان دہی کرتا ہوں:

اسحاق بن نجیح ملطی کی روایات کی نشان دہی

(۱) ''اللآلي: ۱/۳۹'' پر ''الإيمان لايزيد، ولاينقص'' والی حدیث پر مشہورِ زمانہ جھوٹا راوی احمد بن عبداللہ جویباری پر کلام کرتے ہوئے خود حافظ سیوطیؒ، حافظ ذہبیؒ کا کلام بلانکیر اور مکمل سکوت کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے فرمایا: ''ومن طاماته عن إسحاق بن نجيح الكذاب''۔

(۲) اسی روایت پر کلام کرتے ہوئے (ص:۴۰) پر مزید لکھتے ہیں:

" قال ابن حبان: في ترجمة إسحاق بن نجيح الملطي ، تعلق به أحمد بن عبد الله الجويباري ، فكان يروي ما وضعه إسحاق ، و يضع عليه ما لم يضع أيضا."

(۳) "اللآلي: ۱/۱۰۶" پر حدیث "نهي عن تصغير الأسماء ، و أن يسمى الصبي علوان، أو حمدون، أو نغموش" کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ "قال ابن عدي : وضعه إسحاق"۔

(۴) "اللآلي: ۲/۱۳۴" حدیث: "ما نالهن أحد إلا بقرعة الصف المقدم....اهـ" کی تحقیق میں رقم فرماتے ہیں کہ "موضوع ، آفته إسحاق"۔

(۵) "اللآلي: ۲/۱۸۹" پر حدیث: "ما زنى عبد قط فأدمن على الزنا إلا ابتلي في أهله" کی تحقیق میں رقم فرماتے ہیں: "إسحاق كذاب"۔

(۶) "اللآلي: ۲/۲۰۷" پر حدیث: "نهي عن اللهو كله ، حتى لعب الصبيان بالكعاب" کی تحقیق میں لکھتے ہیں: "موضوع ، آفته إسحاق"۔

(۷) "اللآلي: ۲/۲۱۶" پر حدیث: "مااستخف قوم بحق الخبز الا ابتلاهم الله بالجوع" کے متعلق لکھتے ہیں کہ "موضوع ، آفته إسحاق"۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ان تمام روایات کو صاف صاف موضوع قرار دیا ہے اور وجہ جو لکھی ہے، وہ یہ کہ ان کی سند میں اسحاق بن نجیح نامی کذاب اور وضاع راوی ہے۔

عثمان بن عبداللہ اموی شامی قرشی کی روایات کی نشان دہی

(۱) "اللآلي: ۱/۱۷" پر حدیث: "سبعون ألف حجاب من نور الحجاب" کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "وعثمان بن عبد الله إن كان هو الأموي الشامي ، فمنهم من يروي الموضوعات عن الثقات"۔

(۲) "اللآلي: ۱/۳۸" پر حدیث: "الإيمان مثبت في القلوب" کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "فهذا وضعه أبو مطيع على حماد ، فسرقه منه هذا الشيخ"۔

(۳) "اللآلي: ۱/۴۰۶" پر حدیث: "يا علي ! لو أن أمتي صاموا....اهـ" کے تحقیق میں

بیان کرتے ہیں کہ ''قال ابن عدي: هذا لا يرويه غير عثمان وله أحاديث موضوعات''۔

(۴) ''اللآلي: ۱/ ۴۰۵'' پر ابن عدی کے حوالے سے ایک موضوع روایت اور ان کا کلام اپنے اتفاق واقرار کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ ''اتهموا به ميناء ، و قد أخذه عثمان بن عبد الله الشامي الوضاع''۔

(۵) ''اللآلي: ۲/ ۱۰۱'' پر حدیث: ''ارتجت الملائكة'' کی سند میں عثمان بن عبداللہ القرشی کا ذکر اسی نام ونسبت کے ساتھ آیا ہے، اِس روایت کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''موضوع ، فيه مجاهيل ، والمتهم به عثمان يضع''۔

(۶) ''اللآلي: ۲/ ۲۷۸'' پر حدیث: ''فضل دهن البنفسج'' کی سند میں بھی عثمان بن عبداللہ القرشی کا ذکر اسی نام ونسبت کے ساتھ آیا ہے، اِس روایت کی تحقیق میں نقل فرماتے ہیں کہ ''عثمان يضع''۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے دیگر محدثینِ عظام کی طرح ان تمام کو بھی موضوع روایات قرار دیا ہے اوران آثار کے موضوع ہونے کا مدار عثمان بن عبداللہ قرشی کو ٹھیرایا ہے۔

تیسری وجہ :

پہلی اور دوسری وجہ کے بعد تیسری وجہ یہ ہے کہ حافظ ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن الحسین عراقی رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۶ھ) کی کتاب: ''المغني عن حمل الأسفار'' کا بارہا مطالعہ ومراجعت کرنے کے بعد صاف و واضح محسوس ہوتا ہے کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ اپنی جانب سے کسی حدیث پر ''موضوع'' کا اطلاق کرنے میں بے حد احتیاط؛ بل کہ گریز فرماتے ہیں۔ اگر اپنے سے پہلے کسی محقق امام، مثلاً امام ابن الجوزی، امام ابن حبان، امام ابن عدی رحمہم اللہ وغیرہ کی تصریح مل گئی، تو صرف اسی کو نقل کرنے پر اکتفاء فرمالیتے ہیں اور اگر نہیں ملی، تو روایت کا مکمل وجامع حوالہ نقل کرنے کے بعد اُس کے راویوں پر وضاع وکذاب کی جرح تک اپنی طرف سے نقل نہیں کرتے؛ بل کہ کسی ایک محقق امام ہی کی طرف منسوب کرکے نقل کرتے ہیں اور بے حد کم راوی ہیں، جن پر اپنی طرف سے کذاب ووضاع کا حکم لگایا ہے۔

اسی لیے جب کسی موضوع روایت پر کلام کرتے ہیں تو عموماً سند کو صرف ''ضعیف'' ہی کہتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں اور پھر اس کے بعد ابن عدی، ابن حبان یا ابن الجوزی کے تحقیق کا حوالہ دے دیتے ہیں اور عام طور سے یہ لکھتے ہیں کہ اسی سند کے ساتھ امام ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں نقل کیا ہے۔

اس طرح امام ابن الجوزی سے اختلاف کا اظہار نہ کر کے اور مکمل سکوت اپنا کر حافظ عراقی رحمہ اللہ اس طرف اشارہ دیتے ہیں کہ وہ بھی ابن الجوزی کی تحقیق سے متفق ہیں۔ ذیل میں اس سے متعلق کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں:

(۱) ''ما جبل ولي الله إلا على السخاء وحسن الخلق''۔ اس حدیث کی تحقیق میں حافظ عراقی رحمہ اللہ کا وہی طرزِ تحریر ہے، جو زیرِ بحث حدیث میں انھوں نے اپنایا ہے، چناں چہ ''المغنی:'' میں لکھتے ہیں کہ ''أخرجه الدار قطني في المستجاد دون قوله: ''وحسن الخلق'' بسند ضعيف، و من طريقه ابن الجوزي في الموضوعات''۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ''الموضوعات: ۲/۵۳۲'' میں اس کو موضوع قرار دیا ہے اور خود حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اس کو موضوع تسلیم کیا ہے۔ چناں چہ ''اللآلی: ۲/۹۱'' میں اس روایت کے راوی یوسف بن السفر کے متعلق صرف امام دارقطنی رحمہ اللہ ہی کا قول نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''قال الدارقطني: يوسف يكذب''۔

(۲) ''أيما امرئ اشتهى شهوةً فَرَدَّ شهوته، و آثربها على نفسه غفر الله له''۔ اس کی تخریج و تحقیق میں حافظ عراقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''أخرجه أبو الشيخ ابن حيان في كتاب الثواب بإسناد ضعيف جدا، و رواه ابن الجوزي في الموضوعات''۔

اس کی سند میں عمرو بن خالد ابو خالد واسطی نامی مشہور کذاب ووضاع راوی ہے۔ دیکھیے: حافظ عراقی ایسی راوی پر مشتمل سند کو ''ضعيف جداً'' کہنے پر اکتفاء کر رہے ہیں اور ابن الجوزی کا حوالہ دے رہے ہیں۔ حالاں کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ''الموضوعات: ۳/۳۷۵'' میں اس کو موضوع قرار دیا ہے اور خود حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اس کو موضوع تسلیم کیا ہے۔ چناں چہ ''اللآلی: ۲/۳۲۲'' میں لکھتے ہیں: ''موضوع، واتهم به عمرو بن خالد أبو خالد الواسطي''۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں ہیں۔ بہر حال حافظ عراقی رحمہ اللہ کے ''إسناد ضعيف'' کہنے کی وجہ سے یہ کہنا کہ ساٹھ سال والی زیرِ بحث یہ حدیث موضوع نہیں، ضعیف ہے، یہ بات اصولِ حدیث کی رو سے بھی صحیح نہیں۔ ائمہ حدیث کی تصریحات کی رو سے بھی صحیح نہیں اور خود حافظ عراقی رحمہ اللہ کا طرز و اسلوب بھی یہی کہتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے؛ بل کہ صحیح یہی ہے کہ ساٹھ سال والی یہ حدیث موضوع ہے اور خود حافظ عراقی رحمہ اللہ بھی موضوع ہونے کے قائل ہیں۔

فلاحظة: حافظ عراقی کے اسلوب و اندازِ بیان کا یہ احساس جو راقم السطور کو ہوا، اُس کا ذکر

محدثین کے کلام میں کہیں نہیں ملا۔ اس بات کو لکھے کافی طویل عرصہ بیت گیا، یہاں تک کہ آج بروز جمعرات: بعد نماز مغرب ۱۹/محرم الحرام، ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ایک قیمتی کتاب: ''نوادر الفقہ'' موصول ہوئی، جس میں محدث العصر، شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ کی فقہی وحدیثی تحقیقات وافادات کو مشہور عالم دین ومؤلف حضرت مولانا محمد زید مظاہری نے انتخاب وترتیب سے جمع فرمادیا ہے۔

اس کتاب میں اسی حدیث کی تحقیق حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے فرمائی ہے اور حافظ عراقی کے اسلوب کے تئیں اپنا جو احساس بیان فرمایا ہے، وہ بندے کے احساس کی تصدیق وتائید کرتا ہے۔ بڑی خوشی اور اللہ کا شکر ہے اس بات پر کہ اِس ناچیز کی تائید ایسے محدثِ عظیم کی تحریر سے ہوئی کہ جس کے علمی خزانے کی زکاۃ کا عشرِ عشیر بھی نصیب ہو جائے، تو یہ بندہ اپنی قسمت کا دھنی وغنی بن جائے۔ ذیل میں حضرت زید مجدہ کی تحریر ''نوادر الفقہ: ۱۳۸'' سے نقل کرتا ہوں: حضرت فرماتے ہیں:

" أورده ابن الجوزي في الموضوعات ، وتعقبه السيوطي فی اللآلي، ص:۳۲۷، بأن العراقي اقتصر على في تخريج الإحياء على تضعيفه .

قلت : هذا عجيب من السيوطي ؛ فإن العراقي لما ذكر قول الغزالي في الإحياء:۴/۳۶۱، حديث " تفكر ساعة خير من عبادة سنة " قال: أخرجه ابن حبان في كتاب العظمة من حديث أبي هريرة بلفظ ستين سنة ، بإسناد ضعيف ، ومن طريقه ابن الجوزي في الموضوعات و رواه أبو منصور الديلمي في مسند الفردوس من حديث أنس بلفظ "ثمانين سنة ، و إسناده ضعيف جدا ، و رواه أبو الشيخ من قول ابن عباس بلفظ: "خير من قيام ليلة ".انتهى

فهذا عقبه العراقي لكلام ابن الجوزي ، و العراقي يتجنب الحكم بالوضع كما علمت باستقراء كلامه ، فلذا حكم بالضعف ، ثم عقَّبه بإيراد ابن الجوزي له في الموضوعات ، و لم يعقبه بالرد."

فَلَاحِظْ: حیرت وتعجب کی بات ہے کہ علامہ زبیدی نے بھی حافظ عراقی کے کلام کو نقل کر کے وہی مفہوم سمجھایا ہے، جو حافظ سیوطی رحمۃ اللہ نے سمجھایا ہے۔ اور علامہ طاہر پٹنی، علامہ عجلونی، شیخ محمد

بن لطفی الصباغ رحمہم اللہ، ان حضرات نے صرف حافظ سیوطی کی نقل پر اکتفاء فرمایا اور کوئی مزید کلام نہیں کیا؛ حالاں کہ ماقبل میں تحقیق پیش کردی گئی کہ اِس سند کو سندِ ضعیف قرار دینا اور اس کی بنیاد پر حدیث کو ضعیف کہنا، موضوع نہ ماننا بالکل بھی صحیح نہیں ہے۔

ساٹھ سال والی روایت کی دو شاہد روایتوں کا ذکر اور ان پر کلام

پہلی روایت:

حافظ عراقی رحمہ اللہ کے کلام سے اپنی رائے کی درستگی پر استدلال کرنے کے بعد حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے امام دیلمی رحمہ اللہ کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "**تفكر ساعة في اختلاف الليل و النهار خير من عبادة ألف سنة**"۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے خود اس کی سند نقل فرمائی ہے، جس میں ایک راوی سعید بن میسرہ ہے۔اس راوی کے متعلق امام ابو حاتم فرماتے ہیں: "**ليس يعجبني حديثه ، هو منكر الحديث ضعيف الحديث ، يروي عن أنس المناكير**"۔امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "**عنده مناكير ، منكر الحديث**"۔امام ابو احمد حاکم اور امام ابن عدی نے فرمایا: "**منكر الحديث**"۔نیز امام ابن عدی نے اس کی چند منکر روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "**هو مظلم الأمر**"۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ نہایت ہی مجروح اور شدید ضعیف راوی ہے، جس نے بہت ساری منکر روایات بیان کردی ہیں اور بے حد ہی بیان کی ہیں، جس کی وجہ سے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا: "**يروي الموضوعات**"۔امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا: "**روى عن أنس موضوعات**"۔ امام ابن القطان رحمہ اللہ نے تو اس کو "**كاذب**" قرار دیا ہے اور امام ابن عراق رحمہ اللہ نے اس کو وضاعین اور کذابین کی فہرست میں رکھا ہے۔

(الكامل لابن عدي :٤/ ٤٤٠، ميزان الاعتدال:٣/ ٢٣٣،لسان الميزان:٤/ ٧٨،تنزيه الشريعة: ١/ ٦٤)

یہ روایت موضوع نہ کہی جائے؛ لیکن شدید ضعیف اور منکر و متروک روایت ضرور کہلائے گی اور ایسی روایت شاہد بننے کی طاقت نہیں رکھتی؛ جیسا کہ اصولِ حدیث سے واقف اہلِ علم اس سے واقف ہیں۔

دوسری روایت:

امام ابوالشیخ کی کتاب العظمۃ کے حوالے سے سے عمرو بن قیس تابعی کی ایک منقطع روایت نقل

کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''بلغني أن تفكر ساعة خير من عمل دهر من الدهر''۔
مگر اس کی سند میں ابوعقیل یحییٰ بن المتوکل نامی ضعیف راوی ہے اور یہ روایت بھی شاہد نہیں بن سکتی؛ کیوں کہ ایک تو حضرت عمرو بن قیس کے بعد کے راویوں کی جہالت ہے اور دوسرے یحییٰ بن المتوکل ضعیف راوی ہے، جس کی متابعت وتقویت میں کوئی معتبر ومستند راوی نہیں ہے۔

لازمی تنبیہ

حافظ عراقی رحمہ اللہ کے کلام کو بنیاد بنا کر اور اس سے یہ سمجھ کر کہ یہ حدیث مرفوع ضعیف ہے، حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اُس کے لیے شواہد نقل کر دیے، اگر وہ حدیث مرفوع واقعی ضعیف ہوتی، تو اس کو پختہ بتانے کے لیے شواہد پیش کرنا صحیح ہے؛ مگر سابق میں جب تحقیق سے ثابت کر دیا گیا کہ ساٹھ سال والی حدیث مرفوع موضوع اور مکذوب ہے، تو موضوع حدیث کے لیے شواہد کسی کام کے نہیں؛ کیوں کہ موضوع روایت ہر حال میں موضوع ہی رہتی ہے، شواہد چاہے کتنے بھی ہو جائیں اور چاہے صحیح وحسن درجے کے ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ (جیسا کہ یہ بات علمائے حدیث پر روزِ روشن کی طرح ظاہر وباہر ہے)۔
نیز شاہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صحیح یا حسن یا کم سے کم خفیف الضعف ہو؛ لیکن اگر وہ شدید الضعف ہوگی اور اس کا ضعف منجبر نہ ہو، یہاں تک کہ وہ منکر ومتروک ہو؛ تو پھر اس صورت میں ایسی روایت شاہد نہیں بن سکتی اور یہاں حدیثِ انس رضی اللہ عنہ ایسی ہی روایت ہے؛ لہٰذا اس کا شاہد بننا مشکل ودشوار ہے۔

خلاصۃ المرام وحاصلِ کلام

الغرض حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث موضوع ومکذوب ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت متروک وقریب بہ موضوع ہے؛ اس لیے اس کا حدیثِ رسول ہونا صحیح نہیں ہے، چناں چہ محدث العصر حضرت شیخ یونس صاحب رحمہ اللہ ''نوادر الفقہ: ۱۳۸'' میں فرماتے ہیں:

> ''بظاہر مرفوعاً ثابت ہونا مشکل ہے؛ اس لیے کہ کوئی طریق علتِ قادحہ سے خالی نہیں ہے۔''

زیادہ راجح وصحیح بات وہ ہے، جو محدثِ عظیم، فقیہِ کبیر امام ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''المصنوع: ۸۲'' میں اور ''الاسرار المرفوعہ: ۱۷۵'' میں فرمایا کہ ''ليس بحديث ، إنما هو من كلام

السري السقطي'' اور علامہ قاوقجی رحمۃ اللہ نے ''اللؤلوالمرصوع:٦٦'' میں فرمایا کہ: ''مِن کلام السلف''۔

یعنی یہ حدیثِ نبوی نہیں ؛ بل کہ سلفِ صالحین میں مشہور زاہد وصوفی حضرت شیخ سَرِی السَقَطِی بغدادی رحمۃ اللہ (متوفی ۲۵۳ھ) کا ارشاد ہے۔

روایت کا معنی ومفہوم اور اس پر کلام

سابقہ تفصیلی تحریر سے ثابت ہو گیا کہ ''فکر ساعة'' والی یہ روایت از روئے تحقیق موضوع ہے اور کسی معتبر سند سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا اِس کی بنیاد پر تفکر کے متعلق یہ فضیلت ماننا کہ تھوڑی دیر کی فکر ایک یا ساٹھ، یا اسی، یا ہزار سالوں سے زیادہ بہتر وافضل ہے''، صحیح نہیں ہے۔

لیکن روایت کے ثبوت وصحت سے قطعِ نظر کرتے ہوئے غور اس پر کرنا ہے کہ ''فکرة ساعة خیر من عبادة ستین سنة'' میں آخر وہ کون سی ''فکر'' مراد لی گئی ہے کہ جس کے لیے اتنی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ تو قطعی طور پر طے ہے کہ اتنی بڑی فضیلت ومنقبت اُس فکر ونظر کی یقیناً نہیں ہے، جو مادہ پرستی، نفس پرستی اور محض سیر وسیاحت اور تفریح پر ختم ہو جائے؛ بل کہ یہ فضیلت اگر ہوگی، تو صرف اُسی تفکر وتدبر اور اسی محنت وتڑپ کے لیے ہوگی، جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت وعظمت، محبت وخشیت اور قربت وعبادت نصیب ہووے اور ظاہر ہے کہ اس فکر کی متعدد صورتیں قرآن وحدیث سے اور صحابہ وسلفِ صالحین کے اقوال سے صحیح وثابت ہیں۔

چوں کہ متعدد صورتیں معلوم ومشہور ہیں؛ اس لیے یہاں اُن سب کو نقل کرنے سے گریز کرتا ہوں؛ تاہم ''فکرة ساعة خیر من عبادة ستین سنة'' والی اس مخصوص روایت میں، جس فکر کو حضراتِ محدثین نے اب تک مراد لیا ہے، اس کو نقل کرتا ہوں؛ تا کہ سب کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ اس فضیلت کو کسی خاص ومخصوص طرزِ فکر پر محمول کرنا اور دوسری صحیح فکر ونظر سے نفی کرنا، بالکل صحیح نہیں ہے۔ چناں چہ محدث عظیم علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ ''فیض القدیر:۴/۴۴۳'' میں رقم طراز ہیں:

" أي صرف الذهن لحظة من العبد في تدبير تقصيره ، و تفريط في حقوق الحق ، و وعده ، و وعيده ، و حضور بين يديه ، و محاسبته له ، و وزن أعماله ، و خوف خسرانه ، و جوازه على الصراط ، و شدته و حدته ، و غير ذلك من أهوال القيامة."

امام ابوالشیخ نے ''کتاب العظمۃ'' میں متعدد و متنوع ابواب قائم کر کے تفکر و تدبر کی تقریباً جملہ اقسام اور صورتوں کو بیان فرما دیا اور ہر باب کے تحت آیاتِ کریمہ، معتبر احادیث، مستند آثار اور علماء و صلحاء کے اقوال نقل کر کے فکر و نظر کی ہر قسم کو صحیح و ثابت قرار دیا ہے۔ یہاں ''العاقل تكفيه الإشارة'' کے سہارے اہلِ علم کے لیے چند مرکزی ابواب اور عناوین ذکر کر دیتا ہوں، چناں چہ ''کتاب العظمۃ'' میں ہے:

" باب الأمر بالتفكر في آيات اللّٰه عز و جل و قدرته و ملكه وسلطانه وعظمته ووحدانيته"،" ذكر معرفة الرب تبارك وتعالى بوحدانيته و وعظيم قدرته وسلطانه ، ولطيف حكمته و تدبيره ، و عجائب صنعه ، و أنه لا تحيط به الصفات ، ولا تدركه الأوهام "، "ذكر نوع من عفو ربنا عزوجل وعظيم قدرته ، و كثرة رأفته ، ولطفه وعفوه وجوده و كرمه" ، "ذكر عظمة الله عزوجل ، وعجائب لطفه ، وحكمته فی الشمس و القمر."

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ ''نوادر الفقہ: ۱۳۹'' میں شیخ ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"التفكرعلیٰ أربعة أوجه : فكرة في آيات اللّٰه ، و علامتها تولد المحبة . وفكره في وعد اللّٰه بثوابه ، و علامتها تولد الرغبة . وفكرة في وعيده تعالى ، و علامتها تولد الرهبة . وفكرة جفاء النفس مع إحسان اللّٰه ، و علامتها تولد الحياء من اللّٰه تعالى."

بہر حال فکر و نظر کی مذکورہ بالا تمام صورتیں اور ان کے اپنے اپنے متعدد فضائل قرآن و حدیث میں صحیح و ثابت ہیں؛ لہٰذا صرف ان ہی فضائل کو بیان کرنا چاہیے، جو کہ صحیح و ثابت ہیں وہ بحمد اللہ عمل کرنے اور عمل کی دعوت و ترغیب دینے کے لیے کافی، شافی اور وافی ہیں اور جو فضیلت ثابت نہیں؛ بل کہ از روئے تحقیق موضوع ہے، اس کو ہرگز بیان نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ غیر ثابت، بے اصل اور من گھڑت بات کو اللہ و رسول اللہ کی جانب منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط

محمد یاسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت کے ایک واقعے کی تحقیق

سوال:

ایک روایت کی تحقیق ہونی تھی، اس کے لیے آپ پر نظر پڑی، امید ہے کہ ضرور جلد سے جلد جواب دیں گے؛ روایت یہ ہے:

" و ذكرابن الجوزي أنه في سنة سبع من مولده أصابه رمدشديد ، فعولج بمكة فلم يغن ، فقيل لعبد المطلب إن في ناحية عكاظ راهباً يعالج الأعين ، فركب إليه ومعه رسول الله ، فناداه و ديره مغلق فلم يجبه ، فتزلزل ديره حتى خاف أن يسقط عليه ، فخرج مبادراً ، فقال: يا عبد المطلب! إن هذا الغلام نبي هذه الأمة ، ولو لم أخرج إليک لَخَرَّ علىٰ دَيْرِيْ ، فارجع به واحفظه ، لا يقتله بعض أهل الكتاب. ثم عالجه و أعطاه ما يعالجه به .

هذا ورأيت في كتابٍ سَمَّاهُ مؤلفه " كريم الندماء و نديم الكرماء" أن رسول الله ﷺ رمد و هو صغير، فمكث أياماً يشكو، فقال قائل لجده عبد المطلب: إن بين مكة والمدينة راهبا، يرقي من الرمد ، و قد شفي على يديه خلق كثير، فأخذه جده ، وذهب به إلى الراهب ، فلما رآه الراهب دخل إلى صومعته، فاغتسل ولبس ثيابه ثم أخرج صحيفة فجعل ينظر إلى الصحيفة و إليه ، ثم قال: هو واللّٰه خاتم النبيين ، يا عبد المطلب! هو أرمد؟ قال: نعم ، قال: إن دواء ه معه ، يا

عبد المطلب! خذ من ريقه و ضع على عينيه، فأخذ عبد المطلب من ريقه ، و وضعه على عينيه فبرئ لوقته ، ثم قال الراهب: يا عبد المطلب! و تاللّٰه هذا! هو الذي أقسم على اللّٰه به ، فأبرأ المرضٰى ، و أشفٰى الأعين من الرمد . فليتأمل فإن تعدد الواقعة لا يخلو عن بعد، و اللّٰه أعلم."

کیا ابن الجوزی رحمہ اللہ موضوعات کو بھی حدیث لکھ دیتے ہیں؟ اور ان کا حدیث میں کیا مقام ہے؟
کچھ احباب کے درمیان اس سلسلے میں کافی بحث چل رہی ہے، میری آپ سے گزارش اور التماس ہے کہ اس کی تحقیق کر دیں اور "تکبیر مسلسل" میں شائع کروا دیں، تو بہت بہتر ہوگا۔
(مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی، نائب امام مسجدِ بید، شیواجی نگر، بنگلور، ۳۰/ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ موافق ۳۰ ڈسمبر ۲۰۱۶ء)

الجواب

پہلے اس واقعہ کا ترجمہ مولانا محمد اسلم قاسمی زید مجدہ نبیرۂ حکیم الاسلام قاری طیب صاحب رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ کرلیں، چناں چہ حضرت "سیرت حلبیہ اردو: ۱/ ۳۵۱-۳۵۲" میں لکھتے ہیں:

"ابن الجوزی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سات سال کے ہوئے، تو آپ کو بہت سخت قسم کا آشوبِ چشم ہوا، یعنی آنکھیں دکھنے آگئیں۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا علاج کیا گیا؛ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ عبد المطلب سے کسی نے کہا کہ عکاظ کے علاقے میں ایک راہب ہے، جو آنکھوں کی تکلیف کا علاج کرتا ہے۔ عبد المطلب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر وہاں گئے۔ اس کی عبادت گاہ کا دروازہ بند تھا؛ اس لیے عبد المطلب نے اُس راہب کو آواز دی؛ مگر راہب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک عبادت گاہ میں شدید زلزلہ آیا اور راہب کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں عمارت اُس پر ہی نہ گر جائے؛ اس لیے ایک دم باہر نکل آیا اور اس نے عبد المطلب سے کہا (جنھیں غالبًا وہ جانتا تھا)۔ اے عبد المطلب! یہ لڑکا اِس امت کا نبی ہے۔ اگر میں باہر نہ نکل آتا، تو یہ عمارت یقیناً میرے اوپر گر پڑتی، اس لڑکے کو لے کر فوراً لوٹ جاو اور اس کی حفاظت کرو کہ کہیں اہلِ کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) میں سے کوئی اسے قتل نہ کر دے۔ اس کے بعد اس نے آپ کی آنکھوں کا علاج اور کچھ دوا ساتھ کر دی۔

مگر ایک کتاب ہے، جس کا نام "کریم الندماء و ندیم الکرماء" ہے، میں

نے اس میں یہ واقعہ اس طرح دیکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کو آشوبِ چشم کی تکلیف ہوگئی اور کئی دن تک آپ کو تکلیف رہی۔ کسی نے عبد المطلب سے کہا کہ مکے اور مدینے کے بیچ میں ایک راہب ہے، جو آشوبِ چشم کا علاج کرتا ہے، اس کے ہاتھوں ایک مخلوق شفا حاصل کر چکی ہے۔ عبدالمطلب یہ سن کر آں حضرت ﷺ کو ساتھ لے کر اُس راہب کے پاس گئے۔ جیسے ہی راہب نے آپ کو دیکھا، وہ فوراً عبادت خانے میں گیا اور نہا دھو کر کپڑے بدلے اور پھر ایک صحیفہ یعنی کتاب نکال کر لایا۔ پھر کبھی وہ اس کتاب میں کچھ دیکھتا اور پھر آں حضرت ﷺ کی طرف دیکھتا۔ آخر اس نے کہا: یہ خدا کی قسم یہ خاتم النبیین ہیں۔ پھر اس نے عبد المطلب سے کہا: اے عبدالمطلب! کیا انھیں آشوبِ چشم ہوگیا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اس کی دوا، تو خود ان کے پاس ہی موجود ہے۔ اے عبد المطلب! ان کا لعابِ دہن ان کی آنکھوں پر لگا دو۔ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا کہ آپ کا لعابِ دہن لے کر آپ کی آنکھوں پر لگا دیا۔ آپ کی آنکھیں اسی وقت ٹھیک ہو گئیں۔ پھر راہب نے کہا: اے عبدالمطلب! خدا کی قسم یہی وہ انسان ہے کہ جس کے نام پر میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں، تو بیماروں کو شفا ہو جاتی ہے اور آشوبِ چشم ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

تحقیق

علی بن ابراہیم بن احمد قاہری شافعی عرف علامہ حلبی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۴۴ھ) کی کتاب ''**إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون**'' عرف ''سیرتِ حلبیہ: ۱/۲۴۳'' میں سے آپ نے مذکورہ بالا کلام نقل کیا ہے۔ اِس میں ''کریم الندماء'' نامی کتاب سے جو واقعہ نقل ہوا ہے، وہ صرف سیرتِ حلبیہ ہی میں مجھے ملا، اس کے علاوہ کہیں نہیں ملا اور نہ ہی ''کریم الندماء'' میرے پاس موجود ہے، تا کہ دیکھا جاتا ہے لکھنے والا کون ہے؟ اور جو لکھا ہے اس کی سند ہے بھی یا نہیں؟ اور ہے؛ تو معتبر ہے بھی یا نہیں؟

اور جو واقعہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل ہوا ہے، وہ امام ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کی کتاب: ''**الوفاء بتعريف أحوال المصطفى**: ۱/۱۶۹'' میں اور ابن الجوزی ہی کے حوالے سے

علامہ حلبی رحمۃ اللہ نے جس طرح نقل کیا ہے، اسی طرح علامہ محمد بن یوسف صالحی دمشقی (متوفی ۹۴۲ھ) نے ''سُبُلُ الھدی والرشاد في سیرۃ خیر العباد:۲/۱۸۲'' میں نقل کیا ہے۔

ان حوالہ جات کے ذکر کے بعد عرض کردوں:

معتمد و مستند کتبِ حدیث میں، سیرتِ نبویہ کے اہم مآخذ و مراجع میں اور اکثر و بیشتر کتابوں میں اِس واقعہ کا ذکر نہیں ملتا، صرف ابن الجوزی رحمۃ اللہ کی کتاب ''الوفاء'' میں اور ان ہی کے حوالے سے دوسری کتابوں میں منقول ہے؛ لیکن جہاں ہے، وہاں بھی اس کی سند ہے، نہ ہی اس کا کوئی حوالہ؛ لہٰذا اس واقعہ کا دار و مدار ابن الجوزی پر ٹھیرا۔

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ کا حال

اور امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ کا حال --- جیسا کہ خود ان کی تصنیفات و تحریرات سے ظاہر ہے اور جیسا کہ محدثینِ عظام نے تصریح کی ہے --- افراط و تفریط سے پُر ہے، چناں چہ

ایک طرف حدیث کی تصحیح و تضعیف اور راویانِ حدیث کی جرح و تعدیل میں بہت سخت ہیں، جس کا علم ان کی کتاب: ''الموضوعات'' سے ہوتا ہے چنانچہ متعدد صحیح و حسن حدیثوں کو بھی یہ نہیں کہ ضعیف کہا؛ بل کہ موضوع اور باطل تک کہا ہے۔ اور اسی کے قریب ''العلل المتناھیۃ'' میں بھی لکھا ہے۔ اسی طرح اپنی کتاب ''کتاب الضعفاء والمتروکین'' میں حسن و صالح درجے کے متعدد راویوں پر جرح کی ہے اور اُن کے تعلق سے صرف اقوالِ جرح نقل کردیے ہیں، قولِ تعدیل و توثیق بالکل بھی نقل نہیں کیا ہے اور یہ بات - ظاہر ہے کہ - ان کے تشدد پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری طرف امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ کی جو کتابیں مواعظ و نصائح اور قصص و حکایات کے موضوع پر ہیں، ان میں آپ بہت ساری ایسی ایسی روایات نقل کردیتے ہیں، جو کہ منکر و متروک اور موضوع و باطل ہیں۔ مثلاً زیرِ بحث آشوبِ چشم کا یہ واقعہ ''الوفاء بأحوال المصطفی'' میں ہے اور اِسی کتاب میں امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے بہت ساری ضعیف و منکر روایات؛ بل کہ موضوع روایات تک لے آئے ہیں، جیسے کہ ''الوفاء:۱/۱۷۴'' پر نام پاک کی فضیلت میں دو موضوع حدیثیں ہیں۔ اسی طرح ''الوفاء:۲/۲۵'' پر انگور کے خوشے سے متعلق ایک روایت ذکر کرتے ہیں، حال آں کہ خود آپ ہی نے ''الموضوعات:۲/۲۸'' پر اس کو موضوعات میں شامل کیا ہے اور ایسے ہی ''الوفاء:۲/۶۶'' پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مُبارک کی فضیلت میں ایک روایت ذکر کرتے ہیں، جب کہ ''الموضوعات:۲/۲۳'' پر

اس کو موضوع اور جھوٹی روایت قرار دیتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ علی الاطلاق امام ابن الجوزی کی بیان کردہ روایت قبول نہیں کی جائے گی؛ بل کہ ہر صورت میں تحقیقِ محدثین کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا، اگر وہ صحیح یا حسن ہے؛ تو اس کو صحیح یا حسن کہیں گے اور اگر وہ بے اصل اور بے سند ہے، تو اس کو بے اصل اور بے سند ہی کہا جائے گا۔

موضوعات کی معرفت میں امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا بیان کردہ ایک اصول

اِس کے بعد یہ بھی بیان کر دوں کہ خود امام ابن الجوزی نے حدیثِ نبوی کے ثبوت وعدم ثبوت کے حوالے سے جو قیمتی اصول بیان فرمایا ہے، اس کا بھی تقاضا یہی ہے، چناں چہ حافظ جلال الدین سیوطی، امام ابن الجوزی رحمہما اللہ کا محققانہ قول اپنی تشریح کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

”ما أحسن قولَ القائل: إذا رأيت الحديث يُباين المعقول ، أو يخالف المنقول ، أو يناقض الأصول ، فاعلم أنه موضوع . قال : و معنى مناقضته للأصول أن يكون خارجًا عن دواوين الإسلام من المسانيد ، والكتب المشهورة .“

(کتنی بہترین اور پیاری بات کہی ہے کہنے والے نے کہ جب تم ایک روایت کو عقل کے خلاف، نقل کے منافی اور اصول سے خارج پاؤ؛ تو یقین رکھو کہ وہ موضوع ہے۔ (امام سیوطی فرماتے ہیں کہ) یہاں اصول سے خارج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت، اسلام کی عظیم کتابوں مثلاً مسانید اور کتبِ مشہورہ میں نہ ہو)۔

(تدريب الراوي:١/٢٧٧، اليواقيت و الدرر:١/١٣٨، كشف المغيث:٢٢٨)

اس اصول کی روشنی میں جب حدیث و سیرت اور تاریخ کی معتبر کتابوں کو دیکھا جائے، تو کہیں بھی اس واقعہ کا نفسِ وجود ہی نظر نہیں آتا اور جب نظر آتا ہے، تو ایسی کتابوں میں جن میں ثابت وغیر ثابت اور مقبول و موضوع حدیثیں جمع ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس میں بھی کہیں اس کی سند مذکور نہیں۔ بس امام ابن الجوزی، جو چھٹی صدی ہجری کے محدث ہیں، انھوں نے ذکر کر دیا اور ان ہی کی اتباع وتقلید میں ان ہی کا حوالہ دیتے ہوئے علامہ حلبی اور علامہ صالحی دمشقی رحمہما اللہ نے نقل کر دیا۔ اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ان دو حضرات کو اس واقعے کی اصل کہیں نہیں ملی، سوائے ”کتاب الوفاء“ کے؛ اور اس کتاب کا حال یہ ہے کہ اُس میں موضوع و بے اصل آثار منقول ہیں، جیسا کہ سابق میں گزرا۔

معلوم ہوا کہ خود ابن الجوزی رحمہ اللہ – جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان ہی – کے معیار و اصول

کے میزان میں اس روایت کا درجہ بے اصل اور بے سند قرار پاتا ہے۔

حاصل کلام

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اِس ناچیز کے علم کی حد تک اس واقعہ کا کوئی ثبوت نہیں ہے؛ اور چوں کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی عظمت و بزرگی اور آپ کی فضیلت و منقبت ہی کے عنوان پر یہ تاریخی قصہ ذکر کیا جاتا ہے؛ لہٰذا ضروری ہے کہ اصولِ تحقیق اور قواعدِ علمِ حدیث سے جب تک کسی بات کا ثبوت فراہم نہ ہو جائے، اس وقت آپ ﷺ کی جانب منسوب کر کے کوئی بھی بات بیان نہ کی جائے؛ تاکہ افتراء علی الرسول کے ہر چھوٹے سے چھوٹے سے ایک مسلمان محفوظ رہے۔

باقی یہ شبہ ہرگز نہ کیا ئے کہ پھر امام ابن الجوزی، علامہ حلبی اور علامہ صالحی رحمہم اللہ نے آخر کیوں ذکر کیا؟ اس لیے کہ یہ حضرات ہرگز جانتے بوجھتے ایسے بے اصل واقعات ذکر نہیں کرتے ؛ بل کہ اُن کے پیشِ نظر مختلف مقاصد و احوال ہوتے ہیں، کبھی یہ پیشِ نظر ہوتا ہے کہ جب اپنی ایک کتاب میں ذکر کر دیا، تو وہی کافی ہے، ہر کتاب میں ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کبھی یہ پیشِ نظر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے سامنے ذکر کیا جا رہا ہے، وہ سب اصحابِ علم و فہم ہیں، سمجھ جائیں گے۔ اس طرح بہت سارے حالات و عوامل ہوتے ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

بہر حال جب حقیقتِ حال واضح ہو گئی ہے، تو اس کے بعد بلا ثبوت ذکر کرنا؛ یہ کذب بیانی و افتراء پردازی پر جری ہونا ہے؛ لہٰذا واجب و لازم ہے کہ احتیاط قائم و دائم رکھی جائے۔

مولانا حبیب صاحب! امید کرتا ہوں کہ آپ کے سوال کا جواب آپ کو مل گیا ہو۔

دعائے خیر کا طالب

محمد یاسین

جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور، ہند

تحریر: صبح ۱۱ بجے، بروز جمعہ ۳۰/ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ موافق ۳۰ ڈسمبر ۲۰۱۶ء

کتابِ ہذا کا حرفِ اختتام

یہ جزءِ اول ہے، جس میں چند مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ابھی بھی بہت ساری وہ روایات جو عصرِ قدیم کی پیداوار ہیں اور جو آج بھی مشہور و زبان زد ہیں۔ نیز بہت ساری وہ روایات جو عصرِ جدید کی وضع کردہ ہیں، اُن پر کلام اور ان کا بھی علمی جائزہ باقی ہے۔ الحمد للہ ایسی ۱۲۰/ سے زائد روایات پر کلام ہو چکا ہے؛ مگر چوں کہ وہ اکابر اور متخصصین حدیث کی نظرِ اصلاح و تصحیح سے ابھی نہیں گزریں؛ اس لیے جزءِ اول میں نہیں لائی گئیں۔ ان شاء اللہ جزءِ ثانی میں یہ روایات مع تحقیق، حوالہ ٔ قرطاس کر کے نذرِ قارئین کی جائیں گی۔

تمام قارئین سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اِس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے، اس کے فائدے کو عام و تام فرمائے، مؤلف کے لیے اور اس کے والدین و اساتذہ کے لیے آخرت میں کامیابی و سرخ روئی کا سامان بنائے اور اِس عاجز و ناچیز کو ہمیشہ اپنے دینِ مستقیم کی خدمت میں مصروف و مشغول رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد یاسین خان

قائمة المصادر

كتب التفسير و علوم القرآن		
١	أحكام القرآن - للإمام محمد بن عبد الله المعروف بابن العربي	دار الكتب العلمية ، بيروت لبنان
٢	البحر المحيط للامام محمد بن يوسف الشهير بابن حبان الأندلسي	دار الكتب العلمية ، بيروت لبنان
٣	الكشاف للعلامة أبي القاسم جار الله الزمخشري	مكتبة العبيكان ، الرياض
٤	اللباب في علوم الكتاب للامام ابن عادل الدمشقي الحنبلي	دار الكتب العلمية ، بيروت لبنان
٥	تفسير القرآن العظيم للامام ابن كثير القرشي الدمشقي	دار طيبة للنشر و التوزيع الرياض
٦	ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم للقاضي أبي سعود الحنفي	مكتبة الرياض الحديثة ، الرياض
٧	معالم التنزيل للامام محيي السنة ابن مسعود البغوي	دار طيبة للنشر و التوزيع الرياض
٨	تفسير الإمامين الجليلين المحلي والسيوطي	دار ابن كثير
٩	مفاتيح الغيب الشهير بالتفسير الكبير للامام فخر الدين الرازي	دار الفكر

۱۰	جامع البيان عن تاويل آي القرآن الشهير بتفسير الطبري للامام الطبري	هجر للمطباعة والنشر
۱۱	الجامع لأحكام القرآن الشهير بتفسير القرطبي للامام القرطبي	مؤسسة الرسالة ، بيروت لبنان
۱۲	روح المعاني للعلامة السيد محمود الآلوسي	دار إحياء التراث العربي،بيروت
۱۳	زاد المسير في علم التفسير ، للامام ابن الجوزي	المكتب الاسلامي ، بيروت
۱۴	تفسير القرآن العظيم للامام ابن أبي حاتم	مكتبة نزار مصطفى الباز ، الرياض
۱۵	الدر المنثور للحافظ جلال الدين السيوطي	مركز هجر للبحوث والدراسات العربية والاسلامية ، القاهرة
۱۶	بیان القرآن - امام محمد اشرف علی تھانوی	مکتبۃ الحق ممبئی
۱۷	معارف القرآن - مفتی محمد شفیع عثمانی	مکتبۃ معارف القرآن، کراچی
۱۸	معارف القرآن - محدثِ عظیم محمد ادریس الکاندھلوی	مکتبۃ المعارف، سندھ
۱۹	ترجمۃ شیخ الہند مع فوائد عثمانی	مطبع خادم الحرمین الشریفین الملک فہد
۲۰	البرهان في علوم القرآن للامام بدر الدين الزركشي	مكتبة دار التراث ، القاهرة
۲۱	التفسير و المفسرون للدكتور محمد حسين الذهبي	مكتبة وهبة ، القاهرة
۲۲	الإسرائيليات في التفسير و الحديث للدكتور محمد حسين الذهبي	مكتبة وهبة ، القاهرة
۲۳	الإسرائيليات والموضوعات للدكتور محمد بن محمد أبي شهبة	مكتبة السنة
۲۴	المفردات في غريب القرآن للامام الراغب الأصفهاني	مكتبة نزار مصطفى الباز ، الرياض

٢٥	نفحات العبير في مهمات التفسير للمحدث والفقية محمد شعيب الله خان	مكتبة دار الزمان، المدينة المنورة
	كتب الحديث الشريف	
٢٦	الجامع الصحيح للامام البخاري	بيت الأفكار، الرياض
٢٧	الجامع الصحيح للامام مسلم	بيت الأفكار، الرياض
٢٨	السنن الصغرى للامام النسائي	دار المعرفة، بيروت
٢٩	السنن الكبرى للامام النسائي	مؤسسة الرسالة، بيروت
٣٠	السنن للامام الترمذي	دار الغرب الاسلامي، بيروت
٣١	السنن للامام أبي داود	دار الأفكار، الرياض
٣٢	السنن للامام ابن ماجه	دار الجبل، بيروت
٣٣	مسند الامام الأعظم أبي حنفية للامام الأصبهاني	مكتبة الكوثر، بيروت
٣٤	الموطا للامام المجتهد مالک بن أنس	بيت الأفكار
٣٥	الأحاديث المختارة للحافظ ضياء الدين المقدسي	دار خضر، بيروت
٣٦	الأدب المفرد للامام البخاري	مكتبة المعارف، الرياض
٣٧	الشمائل المحمدية للامام الترمذي	مصطفى أحمد الباز، مكة المكرمة
٣٨	الفردوس بمأثور الخطاب للامام الديلمي	دار الكتب العلمية، بيروت
٣٩	المستدرک على الصحيحين للامام الحاكم النيسابوري	دار الحرمين، القاهرة
٤٠	المسند للامام أحمد مع تحقيق الشيخ شعيب أرنؤوط	مؤسسة الرسالة، بيروت
٤١	المعجم الصغير للامام أبي القاسم الطبراني	دار الكتب العلمية، بيروت
٤٢	المعجم الأوسط للامام أبي القاسم الطبراني	دار الحرمين، القاهرة
٤٣	المعجم الكبير للامام أبي القاسم الطبراني	مكتبة ابن تيمية، القاهرة

٤٤	السنن الكبرى للامام البيهقي	دار الكتب العلمية ، بيروت
٤٥	الصحيح للامام ابن حبان مع تحقيق الشيخ شعيب أرنؤوط	مؤسسة الرسالة ، بيروت
٤٦	المسند للامام أبي يعلى الموصلي	دار المأمون للتراث ، بيروت
٤٧	المصنف للامام ابن أبي شيبة مع تحقيق الشيخ محمد عوامه	مؤسسة علوم القرآن
٤٨	السنن الكبرى للامام البيهقي	دار الكتب العلمية ، بيروت
٤٩	مسند الشهاب للامام محمد بن سلامة القضاعي	مؤسسة الرسالة ، بيروت
٥٠	مسند الامام أبي حنفية للامام أبي نعيم الأصبهاني	مكتبة الكوثر ، الرياض
٥١	مسند البزار للامام أبي بكر أحمد بن عمرون البزار	مؤسسة علوم القرآن ، بيروت
٥٢	شعب الايمان للامام البيهقي	مكتبة الوشد ، الرياض
٥٣	دلائل النبوة للامام البيهقي	دار الكتب العلمية ، بيروت
٥٤	الأدب المفرد للامام البخاري	مكتبة المعارف ، الرياض
٥٥	كنز العمال للعلامة علي المتقي الهندي	مؤسسة الرسالة ، بيروت
٥٦	مجمع الزوائد للحافظ نور الدين الهيثمي	دار الفكر ، بيروت
٥٧	جامع الأصول في أحاديث الرسول للحافظ ابن الأثير الجزري	مكتبة دار البيان
٥٨	جامع الأحاديث للحافظ جلال الدين السيوطي	دار الفكر ، بيروت
	الأجزاء الحديثية	
٥٩	المراسيل للامام أبي داود	دار الصميعي
٦٠	فضائل القرآن للحافظ أبي العباس المسغفري	دار ابن حزم ، بيروت
٦١	كتاب العظمة لأبي الشيخ عبد الله بن محمد الأصبهاني	دار العاصمة ، الرياض
٦٢	الزهد للامام المجتهد أحمد بن حنبل	دار الكتب العلمية ، بيروت

٦٣	إعلاء السنن للمحدث ظفر أحمد العثماني	إدارة القرآن و العلوم الإسلامية ، كراتشي
٦٤	الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة للامام عبد الحي اللكهنوي	دار الكتب العلمية ، بيروت
٦٥	أحاديث الإحياء مع طبقات الشافعية الكبرى للحافظ تاج السبكي	دار إحياء الكتب العربية
٦٦	أحاديث القصاص للامام ابن تيمية	المكتب الإسلامي ، بيروت
٦٧	أسنى المطالب للمحدث الشيخ محمد درويش الحوت	دار الكتاب العربي ، بيروت
٦٨	الأباطيل و المناكير للامام الحافظ الجرقاني	دار ابن حزم
٦٩	الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة للإمام ملا علي القاري	المكتب الاسلامي ، بيروت
٧٠	المصنوع في معرفة الحديث الموضوع للامام ملا علي القاري	مكتب المطبوعات الإسلامية بيروت
٧١	الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث للامام الغزي العامري	دار ابن حزم
٧٢	الزيادات على الموضوعات للحافظ جلال الدين السيوطي	مكتبة المعارف ، الرياض
٧٣	العلو للعلي الغفار للامام الحافظ شمس الدين الذهبي	مكتبة أضواء السلف ، الرياض
٧٤	الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للإمام الشوكاني	المكتب الإسلامي ، الرياض
٧٥	الفوائد الموضوعة في الأحاديث الموضوعة للعلامة الكرمي المقدسي	دار الوراق ، الرياض

٧٦	اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للحافظ السيوطي	دار المعرفة ، بيروت
٧٧	اللؤلؤ المرصوع للعلامة محمد بن خليل القاوقجي	دار البشائر الإسلامية ، بيروت
٧٨	المقاصد الحسنة للحافظ السخاوي	دار الكتب العلمية ، بيروت
٧٩	المنار المنيف للامام ابن قيم الجوزية	مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب
٨٠	الموضوعات للامام ابن الجوزي	مكتبة أضواء السلف ، الرياض
٨١	تحذير المسلمين للشيخ محمد بن بشير الأزهري	دار ابن كثير ، دمشق
٨٢	تلخيص الموضوعات للامام شمس الدين الذهبي	دار الكتب العلمية ، بيروت
٨٣	تمييز الطيب من الخبيث للامام ابن عمر الشيباني الشافعي	دار الكتاب العربي ، بيروت
٨٤	تنزيه الشريعة المرفوعة للحافظ ابن عراق الكناني	دار الكتب العلمية ، بيروت
٨٥	كشف الخفاء للحافظ العجلوني الجراحي	مكتبة العلم الحديث
٨٦	تذكرة الموضوعات للحافظ محمد طاهر الفتني	دار إحياء التراث العربي ، بيروت
٨٧	رياض الصالحين للامام النووي	دار الريان للتراث
٨٨	الخصائص الكبرى للحافظ السيوطي	دار الكتب العلمية ، بيروت
٨٩	الترغيب و الترهيب للامام المنذري	دار الكتب العلمية ، بيروت
٩٠	البدر المنير للامام ابن الملقن	دار الهجرة، المملكة السعودية
٩١	نصب الراية للحافظ الزيلعي	دار القبلة للثقافة الإسلامية جدة
٩٢	المغني عن حمل الأسفار (تخريج الإحياء) للحافظ العراقي	مكتبة طبرية ، الرياض
٩٣	التخليص الحبير للحافظ ابن حجر العسقلاني	مؤسسة قرطبة

۹۴	هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح و المشكاة ، للحافظ ابن حجر العسقلاني	دار ابن القيم ، الدمام
۹۵	تخريج الكشاف للحافظ الزيلعي	وزارة الشئون الاسلامية ، المملكة العربيةالسعودية
۹۶	نوادر الحديث مع اللآلي المنثورة للحافظ محمد يونس السهارنفوري	ادارہ افادات اشرفیہ، لکھنو
۹۷	اليواقيت الغالية :ازمحدث محمد یونس صاحب سہارن پوری	مجلس دعوۃ الحق (انگلینڈ)

شروح الحديث الشريف

۹۸	فتح الباري بشرح صحيح البخاري للحافظ ابن حجر العسقلاني	دار طيبة
۹۹	عمدة القاري شرح صحيح البخاري للامام بدر الدين العيني	دار الكتب العلمية ، بيروت
۱۰۰	إكمال المعلم بفوائد مسلم للامام عياض بن موسى اليحصبي	دار الوفاء للطباعة
۱۰۱	شرح صحيح مسلم للامام النووي	مؤسسة قرطبة
۱۰۲	فتح الملهم مع التكملة لشيخ الاسلام شبير أحمد العثماني ولشيخ الاسلام تقي العثماني	دار احياء التراث العربي ، بيروت
۱۰۳	العرف الشذي للامام أنور شاه الكشميري	دار احياء التراث العربي ، بيروت
۱۰۴	تحفة الأحوذي للمحدث عبد الرحمن المباركفوري	دار الفكر ، بيروت
۱۰۵	تحفة الألمعي :ازمحدث مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری	زمزم پبلشرز، کراچی
۱۰۶	بذل المجهود للمحدث خليل أحمد السهارنفوري	دار الكتب العلمية ، بيروت
۱۰۷	فيض القدير شرح الجامع الصغير لعبد الرؤف المناوي	دار المعرفة ، بيروت

۱۰۸	مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للامام ملا علي القاري	دار الكتب العلمية ، بيروت
۱۰۹	شرح الطيبي على مشكاة المصابيح للامام الطيبي	مكتبة نزار مصطفى الباز ، الرياض
۱۱۰	مظاهرحق جديد،للعلامة قطب الدين خان الدهلوي	دارالاشاعت،كراچي
۱۱۱	جامع العلوم و الحكم للحافظ ابن رجب الحنبلي	دار السلام ، القاهرة
۱۱۲	انعام الباری: از مفتی تقی عثمانی	مکتبۃ الحراء، اسلام آباد
	كتب مصطلح الحديث الشريف	
۱۱۳	المحدث الفاصل بين الراوي والواعي للامام الرامهرمزي	دار الفكر، بيروت
۱۱۴	الكفاية في معرفة أصول علم الرواية للامام الخطيب البغدادي	دار الهدى ، ميت غمر
۱۱۵	الجامع لأخلاق الراوي و الآداب السامع للحافظ الخطيب البغدادي	مؤسة الرسالة ، بيروت
۱۱۶	التقييد و الايضاح للحافظ العراقي	دار الحديث
۱۱۷	النكت على مقدمة ابن الصلاح للامام الزركشي	مكتبة أضواء السلف ، الرياض
۱۱۸	النكت على مقدمة ابن الصلاح للامام ابن حجر العسقلاني	دار الراية ، الرياض
۱۱۹	شرح التبصرة و التذكرة للحافظ العراقي	دار الكتب العلمية ، بيروت
۱۲۰	توضيح الافكار للحافظ الأمير الحسني الصنعاني	المكتبة السلفية ، المدينة المنورة
۱۲۱	فتح المغيث بشرح ألفية الحديث للحافظ السخاوي	مكتبة دار المنهاج ، الرياض

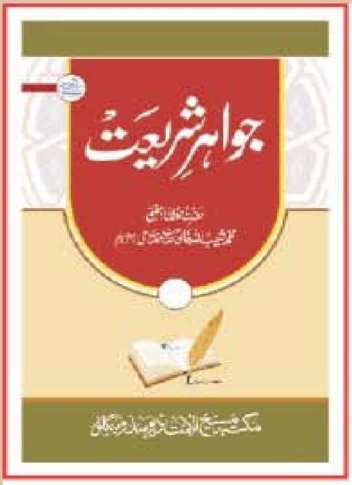
۱۲۲	الشذا الفياح للحافظ برهان الدين الأبناسي	مكتبة الرشد ، الرياض
۱۲۳	الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث للحافظ ابن كثير	دار الكتب العلمية ، بيروت
۱۲۴	اليواقيت والدرر للحافظ عبد الرءوف المناوي	مكتبة الرشد ، الرياض
۱۲۵	تدريب الراوى بشرح تقريب النواوي للحافظ السيوطي	دار العاصمة ، الرياض
۱۲۶	كشف المغيث للمحدث المفتي محمد شعيب الله خان	دار الزمان ، المدينة المنورة
۱۲۷	الوضع في الحديث للدكتور عمر بن حسن	مكتبة الغزالي ، دمشق
۱۲۸	توجيه النظر الى اصول الأثر للعلامه طاهر الجزائري	مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب
۱۲۹	قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث للعلامة جمال الدين القاسمي	دار احياء الكتب العربية ، حلب
۱۳۰	شرح نخبة الفكر للحافظ ابن حجر العسقلاني	مكتبة البشرى ، كراچى
۱۳۱	السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي للدكتور مصطفى السباعي	دار الوراق ، بيروت
	كتب الجرح والتعديل	
۱۳۲	التاريخ الكبير للامام البخاري	دار الكتب العلمية ،بيروت
۱۳۳	التاريخ الصغير للامام البخاري	دار المعرفة ، بيروت
۱۳۴	المجروحين للامام ابن حبان	دار الصميعي ، الرياض
۱۳۵	الكامل في ضعفاء الرجال للامام ابن عدي	دار الكتب العلمية ، بيروت
۱۳۶	الضعفاء و المتروكون للامام الدار قطني	مكتبة المعارف ، الرياض
۱۳۷	كتاب الضعفاء و المتروكين للامام ابن الجوزي	دار الكتب العلمية ،بيروت

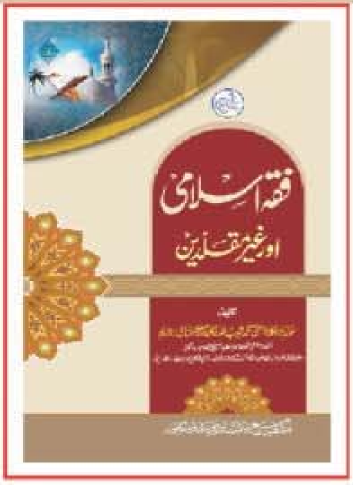
١٣٨	الضعفاء و المتروكون للامام النسائي	مؤسسة الكتب الثقافية ، بيروت
١٣٩	كتاب الضعفاء الكبير للامام العقيلي	دار الكتب العلمية ، بيروت
١٤٠	الجرح و التعديل للامام ابن أبي حاتم الرازي	مجلس دائرة المعارف العثمانية ، حيدرآباد ، الهند
١٤١	الثقات للامام ابن حبان	مجلس دائرة المعارف العثمانية ، حيدرآباد ، الهند
١٤٢	ميزان الاعتدال للامام شمس الدين الذهبي	دار الكتب العلمية ، بيروت
١٤٣	المغني في الضعفاء للامام شمس الدين الذهبي	دار الكتب العلمية ، بيروت
١٤٤	الكاشف للامام شمس الدين الذهبي	مؤسسة علوم القرآن ، جدة
١٤٥	الكشف الحثيث للامام برهان الدين الحلبي	عالم الكتب
١٤٦	تهذيب الأسماء و اللغات للامام النووي	دار الكتب العلمية ، بيروت
١٤٧	لسان الميزان للحافظ ابن حجر العسقلاني	مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب
١٤٨	سير أعلام النبلاء للامام شمس الدين الذهبي	مؤسسة الرسالة ، بيروت
١٤٩	تهذيب الكمال للحافظ جمال الدين المزي	مؤسسة الرسالة ، بيروت
١٥٠	تهذيب التهذيب للحافظ ابن حجر العسقلاني	مؤسسة الرسالة ، بيروت
١٥١	تقريب التهذيب للحافظ ابن حجر العسقلاني	مؤسسة الرسالة ، بيروت
١٥٢	الرحلة في طلب الحديث للامام الخطيب البغدادي	دار الكتب العلمية ، بيروت
١٥٣	الأجوبة الفاضلة عن الأسئلة العشرة الكاملة للعلامة عبد الحى اللكهنوي	مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب
	كتب الفقه والفتاوى	
١٥٤	الهداية للامام برهان الدين المرغيناني	ادارة العلوم ، و العلوم الاسلامية ، كراچى

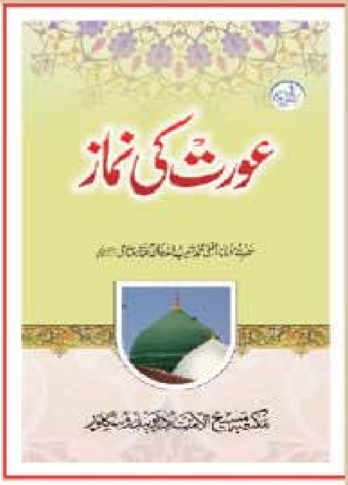
۱۵۵	البناية في شرح الهداية للامام بدر الدين العيني	دار الفكر ، بيروت
۱۵۶	احسن الفتاوی: از مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی	دارالاشاعت، دیوبند
۱۵۷	فتاوی دارالعلوم: مرتب مفتی محمد ظفیر الدین صاحب	زکریا بکڈپو، دیوبند
۱۵۸	فتاوی محمودیہ: از مفتی محمود حسن گنگوہی	جامعہ محمودیہ علی پور، میرٹھ
۱۵۹	فتاوی عثمانی: از شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند
۱۶۰	امدادالفتاوی: حکیم الامت مفتی اشرف علی تھانوی	زکریا بك ڈپو ، دیوبند
۱۶۱	کتاب النوازل: از مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب	المركز العلمي للنشر و التحقيق، مرادآباد
۱۶۲	آپ فتوی کیسے دیں؟ از حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری	مکتبہ حجاز، دیوبند

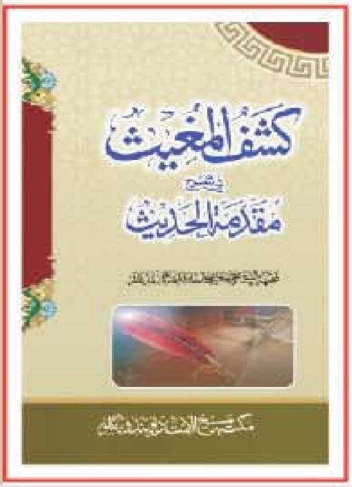
کتب متنوعة عديدة

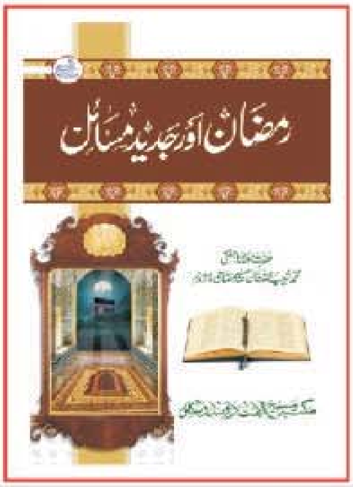
۱۶۳	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی	اعتقاد پبلشنگ ہاوس، دہلی
۱۶۴	خطبات حکیم الامت	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۱۶۵	جواہر شریعت از حضرت مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب	مکتبہ فیصل، دیوبند
۱۶۶	رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ از حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری	مکتبہ حجاز، دیوبند
۱۶۷	خطبات پیر ذوالفقار احمد نقشبندی	مکتبہ ملت، دیوبند
۱۶۸	بیانات مولانا طارق جمیل صاحب	دارالکتاب، کاندے ولی، ممبئ
۱۶۹	سیرۃ النبی از سید سلیمان ندوی	مکتبہ مدنیہ، دیوبند
۱۷۰	علماء ہند کا شاندار ماضی از مولا سید محمد میاں صاحب	مکتبہ فیصل، دیوبند
۱۷۱	حفاظت حدیث از ڈاکٹر خالد علوی	الفیصل، اردو بازار، لاہور
۱۷۲	تذکرۃ الرشید از مؤرخ عاشق الہی میرٹھی صاحب	دارالکتاب، دیوبند
۱۷۳	نوادرات امام کشمیری	میمن اسلامک بکس، کراچی
۱۷۴	تذکرۃ امام ربانی مجدد الف ثانی از مولانا منظور نعمانیصاحب	دارالاشاعت، کراچی

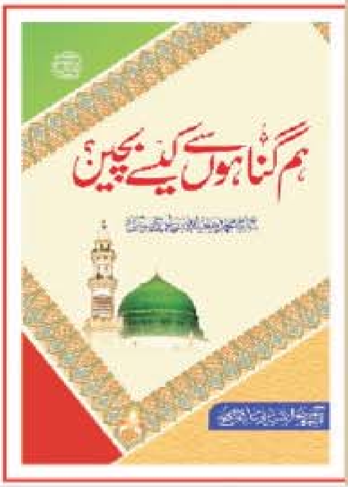












مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

www.muftishuaibullah.com

MAKTABA MASEEHUL UMMAT, DEOBAND, Minara Market,
Near Masjid Rasheed, Deoband - 247 554.
Mobile: +91-9634830797 Email: maktabamaseehulummat@gmail.com
MAKTABA MASEEHUL UMMAT, BANGALORE,
#84, Armstrong Road, Bangalore - 560 001. Mobile: +91-90367 01512